كشف الباري
عما في صحيح البخاري
كتاب الصلوة
جلد دوم
شيخ الحديث مولانا سليم الله خان مدظله
مهتمم جامعه فاروقيه كراچی
اداره الفاروق
شاه فيصل كالونی نمبر ۴ كراچی

کشف الباری (کتاب الصلوٰۃ دوم)

افادات

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

تالیف

مفتی محمد راشد ڈسکوی

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

ناشر

ادارہ الفاروق کراچی

1439ھ/ 2018ء

ملنے کا پتہ

ادارہ الفاروق کراچی

جامعہ فاروقیہ، پوسٹ بکس نمبر:11009 شاہ فیصل کالونی نمبر:4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر:75230
فون:34571132, 34599167، ای میل:info@farooqia.com
www.farooqia.com

مطبع......القادر پرنٹنگ پریس

حرفِ اول

الحمد لله الذي أرشد حبيبه ونبيه إلى هٰذه الكلمات التي يقولها صلى اللّٰه عليه وسلم في آخر وتره: اللّٰهم إني أعوذ برضاك من سخطك، وأعوذ بمعافاتك من عقوبتك، وأعوذبك منك، لا أحصي ثناء عليك، أنت كما أثنيت على نفسك.

وصل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد المصطفى، وعلى أشياعه وأتباعه وأنصاره وإخوانه من النبيين، وصل على أهل طاعتك أجمعين من أهل السمٰوات والأرضين.

''ہدایت'' مخلوق کی فطری ضرورت ہے، خلاقِ عالم نے انسانوں کی ہدایت اور فلاح کے لیے پے در پے انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، ان انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وقتاً فوقتاً صحائف اور کتب کی صورت میں ''ہدایت نامے'' بھی نازل ہوتے رہے، گزشتہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی نبوتیں اور ان پر نازل ہونے والی کتب اور صحائف اپنے اطلاق اور نفاذ کے اعتبار سے مخصوص زمانے اور علاقے کے لیے تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے اپنا آخری نبی ورسول بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ورسالت کے سلسلے کو اس شان کے ساتھ تمام فرمایا کہ اب تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا زمانۂ نبوت جاری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور بتلائی ہوئی شریعت دائمی ہے، اس دین کی حفاظت اور صیانت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہے، ربانی حفاظت وصیانت کی برکت سے مسلمانوں کی دینی روایت کا نہ صرف متن بلکہ اس کی شرح وتفسیر بھی محفوظ ہوگئی، مزید برآں بہ حفاظت ہر نسل سے دوسری نسل میں منتقل بھی ہوتی رہی، اگر

اس حفاظت کے تکوینی اسباب کا شمار کیا جائے تو تین اسباب بہت ہی کلیدی معلوم ہوتے ہیں:

۱۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کے وعدے نے کتاب اللہ شریف کے متن ہی کو تحریف وتلبیس سے محفوظ نہیں فرمایا، بلکہ ضمناً اس متن کی راست تعبیر اور منشاء ومراد کی حفاظت کے لیے اسے اپنے معصوم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کا حصار مہیا فرمایا۔ بالفاظ دیگر جس طرح علم الکتاب کا مصدر ذاتِ الٰہی ہے، ٹھیک اسی طرح علم الآثار کا منبع بھی حق تعالیٰ شانہ ہی کی ذات گرامی ہے، فرق بس اتنا ہے کہ علم الکتاب کی حفاظت میں لفظ ومعنی دونوں مراد ہیں اور علم الآثار میں معنی ومراد محفوظ ہیں، روایت بالمعنی حفاظتِ الٰہی کے وعدے کی تکمیل کے لیے کافی ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے ساتھ عصمت کو بھی ختم فرمادیا، اب یہ امت گو علی الانفراد معصوم نہیں، لیکن علی سبیل الاجماع معصوم ہے۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مجموعی طور پر باطل پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا، یہ ربانی حفاظت کا دوسرا تکوینی نظام ہے۔

۳۔حفاظت کے تیسرے تکوینی نظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لن تزال هٰذه الأمةُ قائمةً على أمر الله، لا يضرهم من خالفهم، حتى يأتي أمر الله“. [صحیح البخاری]

اس حدیث مبارکہ میں متعین طور پر جس ”طائفہ“ کی صراحت کی گئی ہے، اس سے مراد حضرات اہلِ علم ہیں۔

اس طرح ان تین بنیادی حصاروں کے پہرے میں امت مسلمہ شروع سے آج تک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب کے متن اور اس کی راست تعبیر اور درست تفسیر کی امین رہی ہے۔ کتاب اللہ شریف کے متن کی ربانی شرح کا نام ”حدیث“ ہے۔ اہلِ اسلام نے اس شرح یعنی: حدیث کی خدمت میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، صحیح بخاری شریف منشاء ومرادِ الٰہی کے ربانی شارح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا ایک نہایت وقیع اور متبرک مجموعہ ہے۔ اہلِ اسلام نے اس کے زمانۂ تالیف سے لے کر آج تک تدریس وتصنیف کے ذریعے اس مجموعے کی جو خدمت کی ہے، اس کی اجمالی فہرست بھی ایک مستقل تالیف کا تقاضا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے علمائے اہل سنت دیوبند نے بھی اس مجموعہ احادیث کی بہت سی شروح وحواشی تالیف فرمائے ہیں۔

ہمارے اس زمانے میں اللہ تعالی نے جن بزرگوں کو صحیح بخاری شریف کی خدمت کے لیے نہایت قبولیت کے ساتھ منتخب فرمایا ان میں ہمارے شیخ ومربی، استاذ الاساتذہ، مرجع الکل حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم

اللہ خان قدس سرہ کی ذاتِ گرامی سب سے نمایاں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے شہرۂ آفاق دروس کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے ”كشف الباري عما في صحيح البخاري“ کے نام سے جاری ہے، نہایت اہتمام کے ساتھ علمائے کرام کی ایک جماعت اس کام میں لگی ہوئی ہے، تاحال اس بے مثال وعظیم شرح کی بائیس جلدیں منظرِ عام پر آکر اہلِ علم کے ہاں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، زیرِ نظر تیسویں جلد بھی اس مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بندہ کو کتاب الصلاۃ کا کام تفویض ہوا تھا، جس کی الحمد للہ دوسری جلد آپ حضرات کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا ہی بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے اس عظیم کام کی اپنے اس عاجز اور تہی از علم وعمل بندے کو سعادت بخشی۔ فالحمد لله على ذٰلك۔

حضرت قدس سرہ کی توجہات وتصرفات کی تاثیر ایسی تھی کہ بہت سے لاینحل مسائل بے کہے سنے از خود حل ہو جاتے تھے۔ پندرہ ماہ قبل حضرت شیخ قدس سرہ اپنی بھرپور دینی وعملی زندگی گزار کر راہی ملک بقا ہوئے، جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حدیث نبوی: ”الدنيا سجن المؤمن“ کے تحت قید سے رہائی تھی، لیکن ہمارے لیے حضرت اقدس قدس سرہ کی جدائی کا صدمہ صحرا کی جھلسا دینے والی دھوپ میں شجر سایہ دار سے محروم شخص کی تکلیف کی مانند ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

اس جلد کا تین ربع کام تو حضرت شیخ قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں ہی مکمل ہو چکا تھا، اور بقیہ ایک ربع کام حضرت قدس سرہ کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، چنانچہ اس جلد میں بھی تحقیق وتعلیق کے سلسلے میں مکمل اسی نہج کو سامنے رکھا گیا جو کتاب الصلوٰۃ کی جلد اول کے ”حرفِ اول“ میں بالتفصیل لکھ دیا گیا تھا، اس طرح اس جلد میں کل بیالیس ابواب (از باب: ۱۹”إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد“، تا باب: ۶۰”إذا دخل المسجد فليركع ركعتين“) تک کی تشریحات ومباحث مکمل ہوگئی ہیں، ان بیالیس ابواب میں کل چھیاسٹھ [٦٦] احادیث اور اکیس [۲۱] تعلیقات شامل ہیں۔

چونکہ مابعد الموت بھی بزرگوں کی کرامات کا ظاہر ہونا امرِ واقع ہے، اس لیے اس جلد میں جو کچھ تحقیقی وتعلیقی کام ہو سکا ہے، وہ سب حضرت شیخ قدس سرہ ہی کا فیض اور صدقہ ہے۔ اور ترتیب وتحقیق میں

نادانستہ رہ جانے والی فروگزاشتوں کی نسبت بندہ کی جانب ہوگی، اس لیے کہ یہ خالصۃً علمی وتحقیقی کام متنوع فنون میں جس مہارت، قابلیت اور صلاحیتوں کا متقاضی ہے، بندہ ان سے عاری ہے، بایں وجہ! حضراتِ اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ ایسی جو بھی فروگزاشتیں سامنے آئیں، ان سے ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ ان کی تصحیح کی جاسکے۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

بندہ جامعہ فاروقیہ کراچی کے نائب رئیس، وشعبۂ دارالتصنیف کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم کا نہایت مشکور ہے کہ حضرت اقدس مدظلہ العالی جامعہ فاروقیہ کے انتظام وانصرام اور تدریس ِعلوم دینیہ میں مشغولیت کے باوجود، یک ماہی اور دو ماہی مجالس مشاورت کے انعقاد فرماتے رہنے کے ساتھ ساتھ دارالتصنیف اور رفقاءِ دارالتصنیف کی سرپرستی، راہنمائی وحوصلہ افزائی فرماتے رہے، یہ سب کچھ یقیناً حضرت اقدس مدظلہ العالی کے شعبۂ تصنیف سے لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔جزاہ اللہ خیرا أحسن الجزاء.

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

اس کام میں جن جن حضراتِ اساتذۂ کرام ودیگر اہلِ علم حضرات ومحسنین حفظہم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی، راہنمائی، معاونت اور دعائیں شاملِ حال رہیں، بندہ ان تمام حضرات کے لیے بارگاہِ عزوجل میں دعا گو ہے کہ وہ اپنی شایانِ شان ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

فجزاهم الله أفضل ما يجزي الواصلين من أرحامهم، الموفين بعهودهم، فمهما أنس من الأشياء، فلست أنسى برهم وصلتهم، وحسن جائزتهم. آمين

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفا اللہ عنہ

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف، واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۳۹ھ ـــــــ ۱۴/ مارچ/ ۲۱۰۸م

فهرس إجمالي لأبواب كتاب الصلاة

کتاب الصلوٰۃ کے ابواب کی اجمالی فہرست

صفحہ نمبر	عنوان باب

أبواب المساجد

عنوان باب	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات

کتاب الصلاۃ

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

٤٦ ـــــ باب: المساجد في البيوت ٤٩١

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

فهرس أسماء الرجال المترجم لهم
علیٰ ترتیب حروف الهجاء

اسمائے رجال	صفحہ نمبر

☆☆☆☆..........☆☆☆..........☆☆☆☆

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

☆☆..........☆..........☆☆

ایک ضروری وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جونسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے، اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا صاحب نے تحقیقی کام کیا ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے، اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کر دیتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے، اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں، یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٨ – باب[1] : إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّي امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ
جب نمازی کا کپڑا سجدہ کرتے وقت اس کی بیوی کو لگ جائے۔ (تو نماز کا کیا حکم ہے؟)

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت تو یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں اس طرح کی عبارت اس وقت لاتے ہیں جب کسی حکمِ شرع میں کسی امام کا اختلاف ہو، لیکن اس مقام میں خلافِ عادت ایسا مسئلہ بیان ہوا ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (٢)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ مسِ مرأۃ بعض کے نزدیک ناقضِ وضو ہے تو ممکن ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ اگر نمازی کا کپڑا عورت کو لگ جائے بحالتِ صلاۃ، تو یہ باعثِ کراہت ہوگا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس کو دفع فرما رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا، مگر میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نہ تو مسِ مرأۃ سے وضو کے قائل ہیں، نہ ہی مسِ ذکر سے، اور نہ ہی قہقہہ سے، وہ مسائل میں نہ احناف کے ساتھ ہیں، اور

(١) کشف الباری میں الدکتور مصطفیٰ دیب البغا کے جس نسخے کو بطور متن کے بنیاد بنایا گیا ہے، اس نسخے کے مطابق اس باب کا نمبر ''اٹھارہ'' ہے، جب کہ دیگر نسخ میں جو فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ میں ہیں کے مطابق اس باب کا نمبر ''انیس'' ہے۔

(٢) عمدة القاري: ٤/ ١٦٠

نہ ہی شوافع کے ساتھ۔

اور دوسری غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حنفیہ پر رد ہے، کیونکہ حنفیہ محاذاۃِ مرأۃ کو مفسدِ صلاۃ قرار دیتے ہیں، اور یہاں روایت میں "حذاء" کا لفظ موجود ہے، لیکن اس سے احناف پر رد نہیں ہوتا، کیونکہ حنفیہ مطلقاً محاذات کو مفسد نہیں مانتے، بلکہ اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، مثلاً: امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور عورت نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو، لیکن چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ "حذاء" کے لفظ سے استدلال کرلیا ہو (۱)۔

حدیثِ باب

۳۷۲ : حدّثنا مُسَدَّدٌ ، عَنْ خَالِدٍ قَالَ : حَدَّثنا سُلَيمانُ ٱلشَّيْبَانِيُّ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ (۲) : كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ ، وَأَنَا حَائِضٌ ، وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ . قَالَتْ : وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى ٱلْخُمْرَةِ . [ر : ۳۲۶]

ترجمہ حدیث

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی، اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی تھی، اور بسا اوقات جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا میرے بدن کو لگ جاتا تھا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں پانچ رجال ہیں:

---

(۱) الكنز المتواري: ٤/٦٤، ٦٥۔ تقرير بخاري شريف: ٢/١٣٥۔ سراج القاري: ٢/٤٠٨

(۲) مر تخريجه في كشف الباري، كتاب الحيض، باب، رقم الحديث: ٣٣٣

۱۔مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل اسدی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب:من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، میں گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔خالد

یہ ''خالد بن عبداللہ بن عبدالرحمن الطحان الواسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباري، کتاب: الوضو، باب: من مضمض واستنشق من غرفة واحدة، میں گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔سلیمان الشیبانی

یہ ''سلیمان بن ابی سلیمان ابواسحاق شیبانی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباري، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، کی دوسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔عبداللہ بن شداد

ان کے تفصیلی احوال کشف الباري، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، کی دوسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۵۔میمونہ

یہ ام المؤمنین ''حضرت میمونہ بنت الحارث'' رضی اللہ عنہا ہیں۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲

(۲) کشف الباري، کتاب الوضو، باب: من مضمض واستنشق من غرفة واحدة

(۳) کشف الباري، کتاب: الحیض، باب: مباشرة الحائض، الحدیث الثاني، ص: ۲۵۰

(٤) کشف الباري، کتاب: الحیض، باب: مباشرة الحائض، الحدیث الثاني، ص: ۲۵۰

ان کا تذکرہ کشف الباري، کتاب العلم، باب: السمر في العلم، میں گزر چکا ہے(١)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی مکمل شرح کتاب الحیض کے آخری باب کے تحت گزر چکی ہے۔

صرف "وأنا حذاءہ" کی ترکیبی حالت کے بارے میں عرض ہے کہ "حذاءہ" کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا درست ہے، ''نصب'' ظرفیت کی بناء پر ہوگا اور ''مرفوع'' خبر کی بناء پر۔ ظرفیت کی صورت میں جملہ "أنا مفترشة حذاء النبي صلى الله عليه وسلم" ہوگا(٢)۔

قولہ: "علی الخُمرة" بضم الخاء المعجمة وسكون الميم، کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چھوٹی چٹائی/ جائے نماز کو کہتے ہیں، اس کی مکمل تشریح بھی کتاب الحیض کے آخری باب کے تحت گزر چکی ہے۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ میں "إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد" ہے اور یہی بات حدیث مبارکہ کے جملے "ربما أصابني ثوبه إذا سجد" میں موجود ہے(٣)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد اموروآداب

اس حدیث مبارکہ سے بہت سے اموروآداب مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً:

١۔ حائضہ عورت کا جسم ناپاک نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر حائضہ عورت کا بدن نجس ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوران نماز اپنا کپڑا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پر نہ گرنے دیتے، اور یہی حکم نفاس والی عورت کا بھی ہے۔

٢۔ حائضہ عورت اگر نمازی کے قریب ہو تو اس سے نماز میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

٣۔ حائضہ عورت سے نماز معاف ہے۔

٤۔ کھجور کے پتوں سے بنی چٹائی پر نماز ادا کرنا درست ہے(٤)۔

---

(١) کشف الباری: ٤٢٠/٤

(٢) شرح الكرماني: ٤/ ٤٤۔ عمدة القاري: ٤/ ١٦٠

(٣) عمدة القاري: ١٦٠/٤۔ الكوثر الجاري: ٦٧/٢

(٤) شرح الكرماني: ٤٤/٤۔ عمدة القاري: ٣٧١/٣، ١٦٠/٤

١٩ - باب : اَلصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ.

یہ باب چٹائی پر نماز پڑھنے کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض شراح نے یہاں حدیث: "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" ذکر کر کے غیر ارض پر جواز صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ایک اور مسئلہ کو بیان کرنا ہے، وہ یہ کہ غالبا ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ "صلوٰۃ علی الحصیر" کو مکروہ بتلاتی ہیں اور ان کا استدلال آیت شریفہ: ﴿وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا﴾ سے ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو کافرین کے لیے حصیر بنایا ہے تو یہاں اشتراک اسمی پایا جا رہا ہے، لہٰذا حصیر پر نماز مکروہ ہوگی، تو اب امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر رد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو "صلوۃ علی الحصیر" ثابت ہے(١)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے(٢)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کی تخریج

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ اثر ''مسند ابی یعلی الموصلی'' میں موجود ہے، پورا اثر ملاحظہ کیجیے:

حدثنا أبو بكر حدثنا يزيد بن مقدام عن المقدام بن شريح، عن أبيه أنه سأل عائشة: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على الحصير؟ فإني سمعت في كتاب الله: ﴿وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا﴾ قالت: "لم يكن يصلي عليه"(٣).

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ اثر ثابت نہیں ہے۔ یا انہوں نے

(١)تقرير بخارى شريف: ١٣٧/٢، ١٣٨، الكنز المتواري: ٦٥/٤، سراج القاري: ٤٠٩/٢

(٢)فتح الباري: ٦٣٦/١

(٣)مسند أبي يعلى الموصلي، مسند عائشة، رقم الحديث: ٤٤٣١، ٧٥/٤

اسے شاذ قرار دیتے ہوئے رد کر دیا ہے، اس لیے کہ اس کے معارض اس سے قوی حدیث موجود تھی، جیسے: حدیثِ باب۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بـاب: صلوٰۃ اللیل میں حضرت ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چٹائی پر نماز پڑھنے کی تصریح ہے(۱)۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چٹائی پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا(۲)۔

نیز! المصنف لابن ابی شیبہ میں حضرت ابوسعید اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایات اور حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت مکحول، حضرت ثابت بن عبیداللہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے آثار موجود ہیں، جن سے حصیر (چٹائی) پر کھڑے ہو کر نماز کی ادائیگی کا درست ہونے ثابت ہوتا ہے(۳)۔

---

(۱)حدثنا إبراهيم بن المنذر، قال: حدثنا ابن أبي فديك، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن المقبري، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة رضي الله عنها، أن النبی صلى الله عليه وسلم كان له حصير، يبسطه بالنهار، ويحتجره بالليل، فثاب إليه ناس، فصلوا وراءه. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب: صلاة الليل، رقم الحديث: ٧٣٠)

(٢) حدثني عمرو الناقد، وإسحاق بن إبراهيم -واللفظ لعمرو- قال: حدثني عيسى بن يونس، حدثنا الأعمش، عن أبي سفيان، عن جابر، حدثني أبو سعيد الخدري أنه دخل على النبي صلى الله عليه وسلم قال: فرأيته يصلي على حصير يسجد عليه قال: ورأيته يصلي في ثوب واحد متوشحا به. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: في الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٥١٩)

(٣)١۔ حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي سفيان، عن جابر، عن أبي سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على حصير.

٢۔ حدثنا وكيع قال: حدثنا العمري، عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، عن أنس، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على حصير.

٣۔ حدثنا وكيع، عن سفيان، عن توبة العنبري، عن نافع، عن ابن عمر، أنه كان يصلي على حصير.

٤۔ حدثنا وكيع قال: حدثنا عمر بن ذر، عن يزيد الفقير قال: رأيت جابر بن عبد الله، يصلي على حصير من بردي.

٥۔ حدثنا وكيع، عن هشام بن الغاز، عن مكحول قال: رأيته يصلي على الحصير ويسجد عليه.

٦۔ حدثنا حفص، عن حجاج، عن ثابت بن عبيد الله قال: رأيت زيد بن ثابت، يصلي على حصير =

حصیر کی تعریف

کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی یا بوریا ''حصیر'' کہلاتا ہے، یہ ''خمرۃ'' سے بڑی ہوتی ہے اور عموماً قدِ انسانی کے برابر ہوتی ہے، اسے گھروں میں بچھایا جاتا ہے(١)۔

تعلیق

وَصَلَّى جَابِرٌ وَأَبُو سَعِيدٍ فِي ٱلسَّفِينَةِ قَائِمًا .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت جابر اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو موصولاً ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے المصنف میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا أبو بكر قال: حدثنا مروان بن معاوية، عن حميد، قال: سئل أنس عن الصلاة في السفينة، فقال عبد الله بن أبي عتبة مولى أنس وهو معنا جالس: سافرت مع أبي سعيد الخدري، وأبي الدرداء، وجابر بن عبد الله، قال حميد: وأناس قد سماهم، فكان إمامنا يصلي بنا في السفينة قائما، ونحن نصلي خلفه قياما، ولو شئنا لأرفأنا وخرجنا(٢).

تعلیق کے رجال

اس تعلیق میں دو راوی ہیں:

= يسجد عليه.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٤٠٤٣ - ٤٠٥٦، ٣٩٨/١، ٣٩٩)

(١)تاج العروس من جواهر القاموس، مادة: ح ص ر، ٢٨/١١۔ لسان العرب: ١٠٣/٣۔ المعجم الوسيط، ص: ١٧٩۔ إعلام الحديث للخطابي: ١/ ٣٧٢

(٢)المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من صلى فيها قائما، رقم الحديث: ٦٦٢٦، ٤٣١/٤.

۱۔ جابر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر، کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۲۔ ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت "سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری الخزرجی" رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس پر اشکال ہے کہ سفینہ کا ذکر حصیر کے باب میں کیسے لے آئے؟ جن لوگوں نے باب کی غرض یہ بتلائی ہے کہ غیر ارض پر نماز پڑھنا "جعلت لي الأرض" کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ان پر رد ہے، ان لوگوں کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ سفینہ اور حصیر دونوں غیر ارض میں سے ہیں، مگر میری رائے پر اس سے اشکال وارد ہوگا، اور جواب اس کا یہ ہے کہ بعض مرتبہ ترجمہ میں استدلال عادت سے ہوتا ہے، تو چونکہ عام طور سے سفینہ کے اندر حصیر بچھانے کی عادت ہے تو اس عادت کے تحت گویا سفینہ میں نماز مثل صلاۃ حصیر ہے" (۳)۔

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "الصلاة على الحصير" کے ترجمہ میں "الصلاة في السفينة" داخل

---

(۱) كشف الباری، كتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر

(۲) كشف الباري: ۸۲/۲

(۳) تقریر بخاری: ۱۳۶/۲

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چٹائی اور کشتی پر نماز ادا کرنا غیر زمین پر نماز ادا کرنا ہے، یعنی: دونوں اس امر میں شریک ہیں، اور مصنف علیہ الرحمۃ نے ایسا اس لیے کیا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو جائے کہ نمازی کے لیے نماز کے دوران زمین سے الصاق ضروری ہے‘‘(۱)۔

یہی بات شیخ بدرالدین بن جماعۃ رحمہ اللہ نے ”مناسبات تراجم البخاری“ میں (۲)؛ اور قاضی بدر الدین الدمامینی رحمہ اللہ نے ”مصابیح الجامع“ میں ذکر کی ہے (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

’’اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف کی طرح اشارہ کیا ہے، اُن کے نزدیک بلا عذر کے، یعنی: قیام پر قدر رہوتے ہوئے بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز جائز ہے‘‘(۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’اس سے قوی مناسبت یہ ہے کہ جس طرح مصلّی اور جائے نماز زمین پر ہوتا ہے، اس طرح کشتی پانی پر ہوتی ہے، لہٰذا دونوں پر نماز درست ہے (۵)۔

کشتی میں نماز پڑھنے کا حکم و مسائل

اگر کشتی یا بحری جہاز چل رہا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر فرض و واجب نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن خلافِ افضل اور مکروہ ہے اور کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی صورت میں بھی نماز رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) المتواري على أبواب البخاري، ص: ٨٥

(۲) مناسبات تراجم البخاري، ص: ٤٦

(۳) مصابيح الجامع للدماميني: ١٠٢/٢

(٤) فتح الباري: ٦٤٣/١

(٥) عمدة القاري: ٤/ ١٦٣

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور عذر کی صورت میں ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔

اس اختلافی صورت میں صاحبین رحمہما اللہ کا مسلک مختار وقوی ہے۔

اور اگر کشتی پانی میں چل نہ رہی ہو بلکہ کنارہ پر بندھی ہوئی ہو تو اس میں ایسے شخص کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، جو قیام پر قادر ہو۔ اس لیے کہ اس صورت میں یہ کشتی زمین کی مثل ہے، لہٰذا کوئی ایسا عذر جس کی وجہ سے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہو، اسی عذر کی وجہ سے کشتی میں بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

اور اگر کشتی دریا کے اندر ٹھہری ہوئی ہے، یعنی: گہرے پانی میں لنگر انداز ہو، بندھی ہوئی ہو، لیکن ہوا کی وجہ سے بہت زیادہ ہلتی ہو تو وہ چلتی کشتی کے حکم میں اور تھوڑا ہلتی ہو تو وہ رکی ہوئی کشتی کے حکم میں ہے۔

نیز! کشتی میں نماز ادا کرتے وقت بھی قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے، اور اگر کشتی قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو نمازی بھی اپنا منہ قبلہ کی طرف پھیر لے۔ اگر باوجود قدرت کے قبلہ کی طرف نہیں گھومے گا تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک قول اور اس کا جواب

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مناسبت کے تحت یہ بات ذکر کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف کی طرف اشارہ کیا ہے (۲)۔

تو واضح رہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال حدیثِ انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

دوسری بات: حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں سوید بن غفلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے کشتی میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ کشتی کے چلنے کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھو اور رکی ہوئی ہونے کی حالت میں کھڑے ہو کر

---

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: في الصلوات في السفينة: ۲/۲

رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: في الصلاة في السفينة: ۲/۵۷۲، ۵۷۳

مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، الصلاة في السفينة، ص: ۴۰۸

(۲) فتح الباري: ۱/۶۳۴

نماز پڑھو۔

تیسری بات: کشتی چلنے کی حالت میں اکثر دوران راس ہوتا ہے، لہٰذا سبب کی جگہ مسبب کو سمجھ لیا گیا اور ایسا ہی ہوتا بھی ہے، خصوصاً جب کہ مسبب پر واقفیت دشوار ہو، یا وہ ایسا ہو کہ سبب کی موجودگی میں اس کا موجود نہ ہونا بہت نادر ہو۔ جس طرح امام صاحب نے مباشرتِ فاحشہ کو خروجِ منی کا قائم مقام قرار دیا ہے، لہٰذا حکم اکثری حالت پر دیا گیا(۱)۔

حضرت مجاہد، حضرت ابن سیرین، حضرت ابو قلابہ، حضرت طاؤس اور حضرت جنادہ بن ابی امیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مؤقف ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

دوسری تعلیق

وَقَالَ ٱلْحَسَنُ : قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلَى أَصْحَابِكَ ، تَدُورُ مَعَهَا ، وَإِلَّا فَقَاعِدًا .

تعلیق کا ترجمہ

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں، جب تک کہ تمہارے ساتھیوں پر دشوار نہ ہو، (اگر کشتی گھوم

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: أما أركانها: ۱/۵۱۵.

(۲) حدثنا أبو بكر قال: حدثنا عبد الله بن إدريس، عن حصين، عن مجاهد، قال: كنا نغزو مع جنادة بن أبي أمية البحر، فكنا نصلي في السفينة قعودا.

حدثنا هشيم، عن يونس، أن ابن سيرين، قال: خرجت مع أنس إلى بني سيرين في سفينة عظيمة، قال: فأمنا فصلى بنا فيها جلوسا ركعتين، ثم صلى بنا ركعتين أخراوين.

حدثنا ابن علية، عن خالد، عن أبي قلابة، "أنه كان لا يرى بأسا بالصلاة في السفينة جالسا".

حدثنا وكيع، عن أبي خزيمة، وطاوس، قال: صل فيها قاعدا.

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: صل في السفينة جالسا، رقم الحديث: ۶۵۶۰ -۶۵۶۳.

المصنف لابن عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في السفينة، رقم الحديث: ۴۵۵۳-۴۵۵۶.

جائے تو) تم کشتی کے ساتھ گھومتے رہو (یہاں تک کہ تم قبلہ رخ ہو جاؤ) ورنہ بیٹھ کر نماز پڑھو۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے موصولا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا حفص عن عاصم عن الشعبي والحسن وابن سيرين أنهم قالوا: صلّ في السفينة قائما، وقال الحسن: "لا تشق على أصحابك"(١).

تعلیق کے راوی

حسن

یہ مشہور تابعی ''ابوسعید الحسن بن ابی الحسن یسار البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا، فأصلحوا بينهما، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

تشریح

"قائما" حال ہے، فعل محذوف "تصلي" سے، اس طرح یہ جملہ سائل کے سوال کا جواب بن جائے گا، کہ سائل نے دریافت کیا کہ کشتی میں نماز کھڑے ہو کر ادا کی جائے یا بیٹھ کر؟ تو جواب دیا کہ تو کشتی میں کھڑے ہونے کی حالت میں نماز ادا کر، جب تک تیرے لیے ایسا کرنا دشوار نہ ہو۔ اور جب کشتی چلنے کی وجہ سے تیرے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دشوار ہو جائے اور گرنے کا اندیشہ ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لو۔ اس لیے کہ اس صورت میں بھی کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرنا نمازی کے لیے حرج کا باعث ہے اور حرج مدفوع ہے'' (۳)۔

---

(١) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: صل في السفينة قائما، رقم الحديث: ٦٦٢٨

(٢) كشف الباري: ٢/٢٢٠

(٣)عمدة القاري: ٤/١٦٢

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی اس بات سے تین مسئلے معلوم ہوئے:

۱۔ کشتی میں اگر کوئی عذر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز نہ پڑھے، بلکہ کھڑے ہو کر پڑھے۔

۲۔ کشتی میں بھی استقبالِ قبلہ ضروری ہے، اگر نماز کے دوران کشتی گھوم جائے تو نمازی کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی گھوم جائے، یہی حکم ٹرین میں نماز پڑھنے کا ہے۔

۳۔ اگر کشتی میں نماز پڑھنا دشوار ہو تو کشتی سے باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس جملہ کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ کشتی جدھر جائے اسی رُخ پر چلتا رہے، میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کشتی قبلہ کی طرف سے دوسرے رُخ پر مڑ جائے تو مصلی اپنا رُخ قبلہ کی طرف موڑ لے، نہ کہ کشتی کے ساتھ گھومتا رہے، عند والدی علیہ الرحمۃ یہ بھی کشتی کے ساتھ ساتھ ہی پھرتا رہے، یعنی: جہاں جہاں وہ کشتی قبلہ سے ہٹ جائے وہاں وہ قبلہ کی طرف پھر جاوے''(۱)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیث باب

۳۷۳ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ (۲) : أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ ، دَعَتْ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ ، فَأَكَلَ مِنْهُ ، ثُمَّ

(۱) إرشاد الساري: ۱/۵۸۲۔ الأبواب والتراجم: ۲/۱۹۹۔ سراج القاري: ۲/۴۰۹

(۲) رواه البخاري أيضا في الجماعة، باب: المرأة وحدها تكون صفاً، رقم الحديث: ۷۲۷. وفي صفة الصلاة، باب: وضوء الصبيان، رقم الحديث: ۸۶۰.وباب: صلاة النساء خلف الرجال، رقم الحديث: ۸۷۱.وفي التطوع، باب: ما جاء التطوع مثنى مثنى، رقم الحديث: ۱۱۶۴.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: جواز الجماعة في النافلة والصلاة على حصير، رقم الحديث: ۶۵۹، ۶۶۰.

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: إذا كانوا ثلاثة كيف يقومون؟ رقم الحديث: ۶۱۲. وفي الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ۶۵۷.

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في الرجل يصلي ومعه الرجال والنساء، =

قَالَ : (قُومُوا فَلأُصَلِّ لَكُمْ) . قَالَ أَنَسٌ : فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا ، قَدِ ٱسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ ، فَقَامَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَصَفَفْتُ أَنَا وَٱلْيَتِيمُ وَرَاءَهُ ، وَٱلْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا ، فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ ٱنْصَرَفَ . [٦٩٤ ، ٨٢٢ ، ٨٣٣ ، ١١١١]

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی نانی مُلیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی، جوانہوں نے (خاص) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی تیار کیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے سے تناول کیا، پھر فرمایا: آؤ کھڑے ہو جاؤ، میں (تمہارے گھر میں خیر و برکت کے لیے) تمہیں نماز پڑھاؤں۔

حضرت انس رضی اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر ایک چٹائی لے آیا، جو کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی، پھر میں نے اس پر پانی چھڑکا، (یعنی: اُسے دھویا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوگئے، میں نے اور ایک یتیم چھوٹے لڑکے نے آپ علیہ السلام کے پیچھے صف باندھی اور بوڑھی نانی ہمارے پیچھے کھڑی ہوگئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

= رقم الحديث: ٢٣٤.

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٧٣٨، وفي الإمامة، باب: إذا كانوا ثلاثة وامرأة، رقم الحديث: ٨٠٢.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة وما يصلي عليه، النوع الأول، فيما يصلي عليه، رقم الحديث: ٣٦٥٤، ٤٦٥/٥.

۱۔عبداللہ بن یوسف

یہ ”عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی تعارف، کتاب العلم، باب: لیبلغ الشاهد الغائب، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔مالک

یہ مشہور امام ”مالک بن انس بن مالک الاصبحی المدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی تعارف کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت میں گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ

یہ ”اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری نجاری مدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔ان کے دادا ”ابوطلحہ“ کا نام ”زید بن سہیل“ ہے۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب العلم، باب: ”من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجة في الحلقةفجلس فيها“ کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور و معروف صحابی رسول حضرت ”انس بن مالک بن نضر خزرجی انصاری“ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹، ٤/۱۱۳

(۲) کشف الباری: ۱/۲۹۰، ۲/۸۰

(۳) کشف الباری: ۳/۲۱۳

(٤) کشف الباری: ۲/٤

مُلیکہ

یہ لفظ ''م'' کے ضمہ کے ساتھ ہے، لیکن أصیلي کے نزدیک یہ لفظ ''م'' کی فتحہ اور ''لام'' کی کسرہ کے ساتھ ہے۔

ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول صحیح ہے، دوسرا نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں دوسرا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "وهذا ضعيف مردود" (۱) اور ''مشارق الأنوار'' میں ہے: "ولا يصح" (۲)۔

"جدته" کی ضمیر کا مرجع

روایت میں "جدته مُليكة" کے الفاظ ہیں، یعنی: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی کا نام "مُليكه" تھا۔ پھر اس میں اختلاف ہوا کہ ''جدتہ'' کی ضمیر غائب "ہ" کا مرجع کیا ہے؟

ابن عبد البر، عبد الحق اور قاضی عیاض رحمہم اللہ کے نزدیک اس ضمیر کا مرجع ''اسحاق'' راوی ہے، یعنی: ''اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ'' کی دادی، امام نووی رحمہ اللہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے (۳)، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے (۴)۔

جب کہ ابن سعد، ابن مندہ اور ابن الحصار رحمہم اللہ کے نزدیک "ہ" ضمیر کا مرجع حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ علامہ ابن حبان رحمہ اللہ نے "فوائد العراقيين" میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میری دادی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت کا پیغام بھیجا، ان کا نام ''ملیکہ'' تھا، آپ صلی اللہ

---

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱٤۹۷، ۱٦٤/٥.

(۲) مشارق الأنوار، حرف الكاف، فصل الاختلاف والوهم غير ما تقدم: ۳۹۹/۱.

(۳) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱٤۹۷، ۱٦٤/٥.

(٤) إرشاد الساري: ۳۳/۲

علیہ وسلم تشریف لائے، پھر نماز کا وقت ہوا تو نماز کے لیے ایک چٹائی پر کھڑے ہوگئے............ إلخ(۱)۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دونوں میں سے جو بھی مرجع قرار پائے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ''ام سلیم'' تھا، ان کی والدہ کا نام ''ملیکہ'' تھا۔ نیز! ''ام سلیم'' کے پہلے شوہر کا نام ''مالک بن النضر'' تھا، جن سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے، ان کی وفات کے بعد ''ام سلیم'' نے ''ابوطلحہ'' سے شادی کی، جن سے ''عبداللہ'' پیدا ہوئے، اور ان سے اسحاق۔

اس طرح ''ام سلیم'' دادی بنی ''اسحاق'' کی، اور ان کی ماں، یعنی: ''ملیکہ'' پڑدادی بنی، اور چونکہ عربی زبان میں ''جدۃ'' کا لفظ دادی اور پڑدادی دونوں پر بولا جاتا ہے، اس لیے ان کی طرف نسبت ٹھیک ہوئی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی نسبت ٹھیک ہوئی(۲)۔

الدکتور احمد الشاکر نے سنن ترمذی کے حاشیہ میں اس کی پوری تحقیق نقل کی ہے، جو بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے(۳)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٦٣

(۲)قوله: (إن جَدَّتَهُ)، قيل: الضمير إلى إسحاق، وقيل: إلى أنس رضي الله عنه، وكلاهما صحيح، فإن أمَّ سليم والدة أنس رضي الله عنه كانت تزوجت بعده أبا طلحة رضي الله عنه، فصار عبد الله أخًا لأنس رضي الله عنه، وصارَت مُلَيْكَةُ جَدَّةً لإسحاق بن عبد الله. (فيض الباري: ٤/ ٣٢)

(۳)"مُليكة" بضم الميم، وفتح اللام، وقد أخطأ من ضبطه بفتح الميم وكسر اللام. وقوله: "جدته" اختلف في الضمير العائد؛ هل هو عائد على أنس، فتكون مليكة جدته هو؟ أو على إسحق بن عبد الله بن أبي طلحة، فتكون جدة إسحق؟

وقد ادعى ابن عبد البر أن مليكة هي أم أنس بن مالك، وأنها هي أم سليم بنت ملحان زوج أبي طلحة الأنصاري، وأن الضمير في "جدته" عائد على إسحق بن عبد الله بن أبي طلحة؛ واستدل لذلك برواية عبد الرزاق لهذا الحديث عن مالك "عن إسحق عن أنس: أن جدته مليكة، يعني: جدة إسحق، وذكر الحديث بمعنى ما في المؤطأ. وقلّد كثير من العلماء ابن عبد البر في ذلك، ورواية عبد الرزاق رواها أحمد في المسند"رقم: ١٢٧٠٨، ج: ٣، ص: ١٦٤) وليس فيها قوله: "يعنى: جدة إسحق". =

شرح حدیث

أن جدته مليكة، دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعامٍ صنعتُه له.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ''ملیکہ'' نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا تھا۔

''لطعامٍ'' میں ''لام'' اجلیہ ہے، یعنی: ''لأجل لطعامٍ''(۱)۔

ایک طرح کے دو واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف طرزِ عمل

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس لفظ ''طعام'' سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت صرف اس لیے دی گئی تھی کہ آپ کھانا تناول فرمائیں، بخلاف حضرت ''عتبان بن مالک'' کے قصہ

= وما ذهب إليه ابن عبد البر خطأ، فإن أم سليم بنت ملحان اختلف في إسمها: فقيل: "الخميصاء" وقيل: "الرميصاء"، وقيل: "رميلة"، وقيل: "رميثة"، وهٰذه الأسماء بضم الأول فيها كلها، ولم يقل أحد أن إسمها "مليكة"، وأما "مُليكة" فهي أمها، وهي جدة أنس لأمه، وهي جدة إسحق بن عبد الله بن أبي طلحة، لأنها جدة أبيه عبد الله لأمه، وكانت ابنتها أم سليم تحت مالك بن النضر، فولدت له أنسا في الجاهلية، وأسلمت مع السابقين من الأنصار، فغضب مالك وخرج إلى الشام ومات بها، فتزوجها بعده أبو طلحة زيد بن سهل الأنصاري، فولدت له عبد الله وأبا عمير، وهؤلاء بنو ملحان معروفون، إخوة أشقاء: سليم وزيد وحرام وعباد وأم سليم وأم حرام، أبوهم: ملحان، بكسر الميم وإسكان اللام، واسمه: مالك بن خالد بن زيد بن حرام، من بني النجار، وأمهم: مليكة بنت مالك بن عدي بن زيد بن مناة بن عدي، من بني النجار. (انظر الإصابة، ج:۸، ص: ۱۹۰، ۱۹۱، وطبقات ابن سعد، ج۳، ص: ۷۱، ۷۲، ج:۸، ص: ۳۱۰).

ويؤيد هٰذا ما نقله السيوطي في شرح المؤطأ (۱: ۱٦۹) عن فوائد العراقيين لأبي الشيخ من طريق القاسم بن يحيى المقدمي عن عبد الله بن عمر عن إسحق بن أبي طلحة عن أنس قال: "أرسلني جدتي إلى النبي صلى الله عليه وسلم، وإسمها مليكة، فجاء نا فحضرت الصلاة"، فهٰذا صريح في أنها جدة أنس لا أمه. وانظر فتح الباري (۱: ٤۱۱، ٤۱۲). (حاشية لأحمد الشاكر على سنن الترمذي، كتاب الصلاة، الرجل يصلي ومعه رجل، تحقيق أن مليكة جدة أنس: ۱/٤٥٤، ٤٥٥، مطبعة مصطفى البابي الحلبي)

(۱) فتح الباري: ۱/٦۳٥۔ عمدة القاري: ٤/ ١٦٤۔ التوشيح للسيوطي: ۱/۳۱۳.

کے(۱)، کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت حصولِ برکت کی غرض سے نماز پڑھنے کے لیے دی گئی تھی، چنانچہ ان کے قصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول نماز ادا کی، پھر کھانا تناول فرمایا، اور اس قصہ میں اول کھانا تناول فرمایا، پھر نماز ادا فرمائی، یعنی: جس غرض سے دعوت دی گئی، اس کو مقدم رکھا۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ ضروری نہیں ہے کہ "ملیکہ" نے محض کھانے کے لیے ہی بلایا ہو، بلکہ بظاہر یہ بات ہے کہ ان کا مقصود بھی برکت کے لیے نماز پڑھوانے کے لیے بلانا تھا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں چونکہ کھانا تیار ہو چکا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وہ تناول فرمالیا اور نماز ادا کی اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں کھانا اس وقت تیار نہ تھا اس لیے وہاں پہلے نماز ادا کی، پھر کھانا تناول فرمالیا، الغرض دونوں واقعات میں کوئی منافات نہیں ہے کہ تطبیق یا جمع کی نوبت پیش آئے''(۲)۔

---

(۱)حدثنا سعيد بن عفير، قال: حدثني الليث، قال: حدثني عقيل، عن ابن شهاب، قال: أخبرني محمود بن الربيع الأنصاري، أن عتبان بن مالك وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدرا من الأنصار أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله قد أنكرت بصري، وأنا أصلي لقومي، فإذا كانت الأمطار سال الوادي الذي بيني وبينهم، لم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي بهم، ووددت يا رسول الله! أنك تأتيني فتصلي في بيتي، فأتخذه مصلى، قال: فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شاء الله، قال عتبان: فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر حين ارتفع النهار، فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأذنت له، فلم يجلس حتى دخل البيت، ثم قال: أين تحب أن أصلي من بيتك؟ قال: فأشرت له إلى ناحية من البيت، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فكبر، فقمنا فصفنا فصلى ركعتين ثم سلم، قال وحبسناه على خزيرة صنعناها له، قال: فآب في البيت رجال من أهل الدار ذوو عدد، فاجتمعوا، فقال قائل منهم: أين مالك بن الدخيشن أو ابن الدخشن؟ فقال بعضهم: ذلك منافق لا يحب الله ورسوله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقل ذلك، ألا تراه قد قال: لا إله إلا الله، يريد بذلك وجه الله، قال: الله ورسوله أعلم، قال: فإنا نرى وجهه ونصيحته إلى المنافقين، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإن الله قد حرم على النار من قال: لا إله إلا الله، يبتغي بذلك وجه الله، قال ابن شهاب: ثم سألت الحصين بن محمد الأنصاري -وهو أحد بني سالم -وهو من سراتهم، عن حديث محمود بن الربيع الأنصاري: فصدقه بذلك.(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: المساجد في البيوت، الرقم : ٤٢٥)

(٢)عمدة القاري: ٤/١٦٤، فتح الباري: ١/٦٣٤

فأكل منه، ثم قال: "قوموا فلأصل لكم".

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھانا تناول فرمایا، پھر فرمایا: تم لوگ کھڑے ہو جاؤ، تاکہ میں تم لوگوں کو (خیر و برکت) کے لیے نماز پڑھاؤں۔

"فلأصل لكم" کی ترکیبی حیثیت

کشمیہنی کی روایت میں یہ لفظ "لام" کے بغیر ہے، یعنی: "فأصلي" ۔اور اصیلی کی روایت میں ابتدا میں "لامِ امر" اور آخر میں "ي" کے حذف کے ساتھ۔ امر جب غائب اور متکلم کے لیے ہوتا ہے تو اس کی ابتداء "لام" سے ہوتی ہے اور جب مخاطب کے لیے ہوتا ہے تو "لام" کا حذف اور ذکر کرنا دونوں طرح ٹھیک ہوتا ہے۔

الغرض اس صورت میں یہ صیغہ جوابِ امر میں ہوگا اور "لام" لامِ امر ہوگا۔ اور کشمیہنی کی روایت والا لفظ خبر بنے گا مبتداء محذوف کی، یعنی: "قوموا؛ فأنا أصلي".

تیسرا احتمال یہ ہے کہ "ابتدائی لام" لامُ کي ہو، اور "ي" مفتوح ہو، اس صورت میں "لام" کے بعد "أن مصدریه" محذوف ہوگا، اسی صورت میں "ي" سے تخفیفاً فتحہ حذف کر کے "فلأصليْ" پڑھنا بھی جائز ہے۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ یہ "لام" مفتوح ہو، تاکید کے لیے، اور یہ جملہ جواب بنے قسم محذوف کا، یعنی: "قوموا: إن قمتم فوالله لأصلي لكم"، لیکن یہ احتمال ضعیف ہے(۱)۔

---

(۱)(قوموا فأصلي) هي عند الكشميهني بغير لام ساكنة الياء، وهي واضحة صحيحة، ورواها غيره: "فلأصلي" بلام مكسورة، وفتح الياء على أنها لام كي على زيادة الفاء، وقد رويت بفتح اللام وسكون الياء، كقوله تعالى: ﴿إن كاد ليضلنا﴾.

وقال ابن سيد: يرويه كثير من الناس بالياء، ومنهم: مَن يفتح اللام ويسكن الياء، ويتوهمونه قَسما، وذلك غلط؛ لأنه لا وجه للقسم، ولو كان لقال: "فلأصلين" بالنون،

وإنما الرواية الصحيحة "فلأصل" على معنى الأمر، والأمر إذا كان للمتكلم والغائب كان باللام أبدا، وإذا كان للمخاطب كان باللام وبغير اللام. (التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۳۸۰، ۱/۱۰۰)

فتح الباري: ۱/٦۳٥. عمدة القاري: ٤/١٦٥

"لکم" سے مراد بھی "لأجلکم" ہے، یعنی: تم لوگوں کی خاطر (کہ تم لوگ برکت حاصل کرو، یا تم لوگ مشاہدۃً نماز سیکھ لو) نماز پڑھاتا ہوں (۱)۔

قال أنس: فقمت إلى حصير لنا، قد اسودّ من طول ما لُبِس.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک چٹائی اٹھالایا جو کثرتِ استعمال کی بنا پر سیاہ ہوچکی تھی۔

"اسودّ" سے مراد رنگ بدل جانا ہے (۲)۔

"طولِ ما لُبِس" سے مراد لمبا زمانہ اس کو استعمال کرتے رہنے کے ہیں، لیکن اس جگہ اس سے مراد فائدہ اٹھانا ہے، جیسا کہ تاج العروس اور لسان اور العرب میں مصرّح ہے (۳)۔

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ افتراش پر لُبس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، اور شرعاً ولغۃً ہر چیز کا لُبس اس کے اعتبار سے الگ اور جدا ہوگا، لہذا افتراشِ حصیر کو عرفاً لباس نہیں کہا جائے گا۔

اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے مسئلہ کا رد بھی ہوگیا کہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص "لا یلبس ثوباً" کے الفاظ سے قسم اٹھائے اور پھر اسی ثوب پر بیٹھ جائے تو وہ حانث ہو جائے گا''، اس لیے کہ قسموں کا دار و مدار عرف پر ہوتا ہے اور عرف میں افتراش کو لباس نہیں کہا جاتا، جب کہ یہاں حالف نے نہ پہننے کی قسم اٹھائی تھی، لہذا حالف حانث نہیں ہوگا'' (۴)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ بھی یہاں یہی فرماتے ہیں:

"من طول لُبس" میں قرینہ کی وجہ سے "لُبس" سے مراد افتراش ہے (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/ ۶۳۵

(۲) بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب: إذا كانوا ثلاثة كيف يقومون؟، رقم الحديث: ۶۱۰، ۲/ ۵۲۹

(۳) تاج العروس: ۱۶/ ۴۶۶. لسان العرب: ۶/ ۲۰۲

(۴) التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ۵/ ۳۷۲.

الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: تسوية الصفوف، الحديث الثالث: ۲/ ۵۳۰

(۵) شرح النووي، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱۴۹۷، ۵/ ۱۶۶

حافظ صاحب کا احناف پر رد اور اس کا جواب

نیز! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جگہ "لُبس" کو افتراش کے معنی میں لے کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام لیے بغیر اُن پر رد کیا ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقا ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے، اس عموم نہی میں ریشم کو پہننا اور بچھا کر اس پر بیٹھنا، یا ریشم کے تکیوں پر ٹیک لگانا داخل ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول (کہ ریشم کے بستر پر بیٹھنے اور تکیہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے) ٹھیک نہ ہوا، کیونکہ لُبس پر افتراش ہوتا ہے(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان تمام کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لُبس" کا جس طرح پہننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح اس کا استعمال نفع اٹھانے کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے، نہ کہ محض افتراش، اس سے حافظ صاحب کا جو رد ہے، اس کا بھی جواب ہوگیا"(۲)۔

فنضحته بماء.

پھر میں نے اس چٹائی پر پانی کے چھینٹے مارے۔

"نضح" کا مطلب پانی کے چھینٹے مارنا ہے، علامہ جوہری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کا اطلاق کبھی کبھی دھونے پر بھی ہوتا ہے، لیکن پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں(۳)۔

چٹائی پر پانی چھڑکنے کا مقصد اس کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی کو نرم کرنا تھا، یا اس کے گرد وغبار کو دور کرنا تھا، قاضی سلیمان مالکی رحمہ اللہ نے یہی وضاحت کی ہے(۴)۔

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کے نزدیک پانی کا چھڑکاؤ اس لیے تھا کہ نجاست کا شک دور ہو جائے، مالکیہ کے مذہب کے مطابق مشکوک چیز کی طہارت کے لیے دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی، محض پانی کے چھینٹے مار دینا ہی کافی ہوتا ہے(۵)۔

---

(۱)فتح الباري: ١/٦٣٥

(٢)عمدة القاري: ١/١٦٤

(٣)مختار الصحاح للجوهري، ص: ٢٧٧

(٤)شرح النووي، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ١٤٩٧، ٥/١٦٦

(٥)إكمال المعلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ١٤٩٧، ٢/٦٣٦

فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا.

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس چٹائی پر) کھڑے ہوئے، اور میں نے اور یتیم (ایک چھوٹے بچے) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بنالی، اور بڑھیا (میری نانی) ہم سے پچھلی صف میں کھڑی ہوگئی۔

"وصففت أنا واليتيم" صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں یہ جملہ اسی طرح ہے، لیکن مستملی اور حموی کی روایت میں یہ جملہ "صففت واليتيم" ہے، لفظِ أنا کے بغیر۔

اول الذکر جملہ سے نحویوں میں سے بصریین کے مذہب کو تقویت ملتی ہے، جیسا کہ ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم ظاہر کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر ڈالنا ہو تو اول اس ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے لاتے ہیں پھر عطف ڈالتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿اسكن انت وزوجك الجنة﴾ (البقرة:۳۵)۔

اور کوفیین کے نزدیک ایسے موقع پر تاکید لانا کوئی ضروری نہیں ہے، لیکن ان دونوں میں سے بصریین کا مذہب زیادہ فصیح ہے(۱)۔

یتیم کا معنی ومطلب

وہ نابالغ بچہ جس کا باپ فوت ہوجائے، یتیم کہلاتا ہے، اور جانوروں میں جس کی ماں فوت ہوجائے وہ یتیم کہلاتا ہے، اس کی جمع: أيتام، يتامىٰ، يَتَمَةٌ، يُتَمَةٌ اور يتائِمُ آتی ہے(۲)۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بلوغت کے بعد لفظِ یتیم کا استعمال درست نہیں ہے، ہاں اگر کہیں استعمال ہوا ہو تو مجازاً استعمال ہوگا(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۶۳۶/۱. عمدة القاري: ۱۶۵/۴. التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۳۸۱، ۱۰۱/۱

(۲)معجم الصحاح للجوهري، ص: ۱۱۶۷۔ لسان العرب: ۶۴۵/۱۲۔ الإعلام بفوائد عمدة الأحكام: ۵۳۲/۲

(۳)النهاية في غريب الحديث والأثر: ۹۲۵/۲، لسان العرب: ۶۴۵/۱۲

اس لفظ پر رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہے، رفع کی صورت میں اس کا عطف "أنا" ضمیر پر ہوگا جو کہ ظرفیت کی بنا پر مرفوع ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "الیتیم" مبتداء ہو اور "وراء ہ" خبر ہو اور پورا جملہ مل کر حال ہو۔

اور نصب اس صورت میں ممکن ہوگا، جب "واؤ" کو مع کے معنی میں لے لیں، یعنی: "وصففت أنا مع الیتیم" (۱)۔

حدیث مذکورہ میں یتیم کا مصداق کون؟

حدیثِ پاک کے اس جملے میں جس یتیم کا ذکر آیا ہے، اس سے کون مراد ہے؟ اس کی تعیین میں بہت سارے اختلافی اقوال ہیں:

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ لفظ اسمِ علَم ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کا (۲)۔

لیکن علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ قول سوائے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کسی اور کا نہیں ملا (۳)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا نام "ضُمَیرۃ" تھا (۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ ان کے والد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، صحابی تھے اور قبیلہ حمیر سے تھے، ان کا نام سعد تھا (۵)۔

"العجوز" کا مصداق

مذکورہ عبارت میں "العجوز" سے مراد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں، جن کا ذکر شروع میں گزر چکا ہے (۶)۔

---

(۱) شرح الکرمانی: ٤٦/٤. التوضیح لابن الملقن: ٣٧٣/٥. التنقیح لألفاظ الجامع الصحیح، کتاب الصلاة، رقم الحدیث: ٣٨١، ١٠١/١

(۲) مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب: الموقف، رقم الحدیث: ١١٠٨، ٧٥/٣

(۳) بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب: إذا کانوا ثلاثة کیف یقومون؟ رقم الحدیث: ٦١٠، ٥٢٩/٢

(٤) شرح الکرمانی: ٤٦/٤

(٥) عمدة القاري: ١٦٥/٤

(٦) فتح الباري: ٦٣٦/١. عمدة القاري: ١٦٥/٤

فصلی لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم رکعتین.

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

"لنا" میں لام اجلیہ ہے، یعنی: ہماری خاطر، یا ہماری دلجوئی کے لیے، یا ہمیں سکھلانے کے لیے دو رکعت نماز پڑھائی (۱)۔

ثم انصرف.

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

اس جملہ میں کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ انصرف "سلّم" کے معنی میں ہے۔ اور دوسرا یہ کہ "رجع" کے معنی میں ہے، یعنی: "رجع إلی بیته" (۲)۔

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے (۳)۔

مذکورہ حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ امور واحکام

شراح حدیث نے اس حدیث مبارکہ سے بہت سے احکامات وآداب اخذ کیے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ کھانے کی دعوت چاہے وہ ولیمہ کی دعوت کے علاوہ ہو، قبول کرنا مستحب ہے۔

۲۔ دعوت قبول کر لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ نوافل میں افضل یہ ہے کہ گھر میں ادا کیے جائیں۔

۴۔ اکرام کرنے والے کے اکرام کے بدلے کچھ نہ کچھ احسان کرنا چاہیے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھر والوں کو نفل نماز پڑھائی۔

۵۔ مکان کا صاف ستھرا رکھنا مستحب ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٦٥/٤. إرشاد الساري: ٣٣/٢

(۲) الإعلام بفوائد الأحكام، كتاب الصلاة، باب: تسوية الصفوف: ٥٣٨/٢

(۳) الكوثر الجاري: ٦٨/٢

۶۔بچوں کی نماز بھی درست ہے۔

۷۔بچوں کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہوکر نماز پڑھنا درست ہے۔

۸۔عورتوں کا نماز با جماعت میں کھڑے ہونے کا مقام آخری صف ہے۔

۹۔کپڑوں، چٹائی وغیرہ میں اصل یہ ہے کہ وہ پاک ہی ہوتی ہیں، الا یہ کہ ان کے ناپاک ہونے کا یقین ہوجائے تو پھر ان کو پاک کرنا ضروری ہے۔

۱۰۔جس طرح نماز زمین پر ہوجاتی ہے اسی طرح کپڑے، چٹائی وغیرہ پر بھی ہوجاتی ہے(۱)۔

۱۱۔بعض حضرات نے یہ بھی ذکر ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں دلالت ہے کہ وہ اشیاء جو آگ پر پکی ہوئی ہوں ان کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں وضو نہیں فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے، اس لیے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''غرائب مالک'' میں "عن البغوي عن عبد الله بن عون عن مالك" کی سند سے روایت ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "صنعت مليكة لرسول الله صلى الله عليه وسلم طعاما، فأكل منه، وأنا معه، ثم دعا لوضوء............". یعنی: اس طریق میں وضو کرنے کا ذکر موجود ہے(۲)۔

صف بندی کی ترتیب

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے(۳)۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں جس طرح صف بنانے کا ذکر آیا ہے، احناف اسی طریقے کے قائل ہیں کہ سب سے آگے امام، اس سے پیچھے بالغ مرد، اس سے پیچھے بچے۔ اور اگر عورتیں بھی ہوں تو وہ سب سے پیچھے۔

---

(۱)أعلام الحديث للخطابي: ۱/۳۷۳. الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: تسوية الصفوف: ۲/۵۲۳-۵۳۸. الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۱/۴۳۴. شرح الكرماني: ۴/۳۶. عمدة القاري: ۱/۱۶۴، ۱۶۵

(۲)فتح الباري: ۱/۶۳۶

(۳)الكوثر الجاري: ۲/۸۶

اور اگر مرد ایک ہو اور بچہ بھی ایک ہی ہو تو دونوں ایک ساتھ ایک ہی صف میں، یعنی: امام سے پچھلی صف میں، اور عورت سب سے آخری صف میں۔ یہی مذہب بہت سارے فقہاء کرام کا ہے(۱)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب

صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر دو مقتدی ہوں تو امام ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہوگا، ان سے الگ صف میں کھڑا نہیں ہوگا(۲)۔

ابن الملقنؒ کی احناف کی طرف ایک مسئلہ کی نسبت میں سہو

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" میں احناف کا مذہب بھی یہی

---

(۱)الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ۲/۳۱٤-۳۱٦

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/٦٧٤

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الصلاة، الفصل الخامس في بيان المقام الإمام والمأموم: ۱/۸۸

(۲)حدثنا محمد بن العلاء الهمداني أبو كريب، قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، وعلقمة، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا: لا، قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولا إقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والآخر عن شماله، قال: فلما ركع وضعنا أيدينا على ركبنا، قال: فضرب أيدينا وطبق بين كفيه، ثم أدخلهما بين فخذيه، قال: فلما صلى، قال: إنه ستكون عليكم أمراء يؤخرون الصلاة عن ميقاتها، ويخنقونها إلى شرق الموتى، فإذا رأيتموهم قد فعلوا ذلك، فصلوا الصلاة لميقاتها، واجعلوا صلاتكم معهم سبحة، وإذا كنتم ثلاثة فصلوا جميعا، وإذا كنتم أكثر من ذلك، فليؤمكم أحدكم، وإذا ركع أحدكم فليفرش ذراعيه على فخذيه، وليجنأ، وليطبق بين كفيه، فلكأني أنظر إلى اختلاف أصابع رسول الله صلى الله عليه وسلم فأراهم.(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، رقم الحديث: ۱۲۲۱)

والمذكور في "نزهة الألباب في قول الترمذي: وفي الباب هذا: "أما حديث ابن مسعود"، فرواه مسلم: ۱/۳۷۸، وأبو عوانة في مستخرجه: ۲/۱۸۰، ۱۸۱، والنسائي في المجتبى: ۲/٦٦، والكبرىٰ: ۱/۳۷۸، وأحمد: ۱/٤۱۳، ٤۱۸، وغيرهم. (نزهة الألباب وفي قول الترمذي: "وفي الباب"، كتاب الصلاة: ۲/٥٥٤)

نقل کیا ہے(۱)۔

مذکورہ سہو کا رد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ کا یہ نسبت کرنا درست نہیں ہے، بلکہ احناف کا مذہب اس مسئلہ میں وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہوا کہ امام جب دو مقتدیوں کی امامت کر رہا ہو تو خود آگے کھڑا ہوگا اور وہ دونوں مقتدی پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے، نہ کہ اسی صف میں امام کے دائیں اور بائیں۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ امام ان دونوں کے درمیان کھڑا ہوگا''(۲)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب کا جواب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس مؤقف کے تین جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ ان تک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی(۳)۔

۲۔ انہوں نے ایسا مسجد کی تنگی یا کسی اور عذر کی وجہ سے کیا ہوگا، نہ کہ سنت سمجھ کر(۴)۔

۳۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے "معرفة السنن والآثار" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرتے دیکھا، اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ان دونوں میں سے ہر کوئی اپنی نماز ادا کر رہا تھا۔ (یعنی: ایسا نہیں تھا کہ وہ دونوں حضرات جماعت سے نماز ادا کر رہے ہوں۔)

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کے پیچھے کھڑے ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ بائیں طرف کھڑے ہو جاؤ۔

تو انہوں نے گمان کیا کہ کھڑے ہونے کا سنت طریقہ یہی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کو اس بات

---

(۱) التوضیح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ٣٧٤/٥

(۲) عمدة القاري: ١٦٧/٤

(۳) البناية، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ٣٤١/٢

(٤) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب: الرجل يصلي بالرجلين، رقم الحديث: ١٨٣٩، ٣٠٧/١

کا علم ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں حضرات انفرادی نماز میں ہیں، یا جماعت کروا رہے ہیں، یہاں تک کہ جو روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ بات مذکور ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی نماز ادا کر رہا تھا(۱)۔

نوافل کی جماعت کا شرعی حکم

اسی حدیثِ مبارکہ سے شوافع نے نفل کی جماعت پر استدلال کیا ہے(۲)۔

لیکن احناف کا مذہب مختار یہ ہے کہ نوافل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ تحریمی ہے، خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان، حکم عام ہے۔

عند الاحناف مذکورہ حدیث مبارکہ سے نوافل کی جماعت کا جو جواز معلوم ہو رہا ہے، وہ بلا تداعی میں داخل ہے، لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے۔

تداعی کا مطلب اور حکم

تداعی کا مطلب یہ ہے کہ اعلان اور اہتمام کیا جائے، لہٰذا اگر بغیر تداعی، یعنی: بغیر اعلان ودعوت کے ہو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے تداعی کی حد میں لکھا ہے کہ اگر ایک یا دو مقتدی ہوں تو تداعی نہیں ہے، اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس وقت اس کے تداعی میں ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور اگر چار مقتدی ہوں تو یہ بہر

---

(۱) "فأما ما روي في ذلك عن ابن مسعود، فقد قال محمد بن سيرين: كان المسجد ضيقا، وقد قيل إنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصلي، وأبو ذر عن يمينه يصلي، كل واحد منهما يصلي لنفسه، فقام ابن مسعود خلفهما، فأومأ إليه النبي صلى الله عليه وسلم بشماله فظن عبد الله أن ذلك سنة الموقف، ولم يعلم أنه لا يؤمهما، وعلمه أبو ذر حتى قال فيما روي عنه: يصلي كل رجل منا لنفسه". (معرفة السنن والآثار للبيهقي، كتاب الصلاة، باب: موقف الإمام والمأموم، المسألة: ٢٨٣، كيفية الوقوف لصلاة الجامعة وموضع وقوف الإمام والمأموم: ٤/ ١٧٦)

(٢)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ١٤٩٧: ١٦٤/٥

التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ٣٧٣/٥

صورت تداعی میں داخل ہے(۱)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’نفل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے، لیکن تداعی میں تین یا چار کی تحدید صاحبِ مذہب سے منقول نہیں ہے، یہ تو عملی طور پر متعین کی گئی ہے، اس لیے تداعی سے مراد؛ یہ لینا کہ نفل کی جماعت کے لیے بلایا جائے، زیادہ بہتر ہے، بنسبت تحدید کے، واللہ تعالی اعلم بالصواب‘‘(۲)۔

---

(۱)الدر المختار، كتاب الصلاة، باب: الوتر والنوافل: ٤٩/٢

الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، ص: ٤٨

حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب: الوتر والنوافل: ٢٤٠/١

الفتاوى التاتر خانية، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، نوع آخر في المتفرقات: ٦٧٠/١

(٢)ولا جماعة فيه عندنا، وكره له التداعي، وهو على اللغة عندي، فإن الله سبحانه لما جعلنا في مكنة من تركها وفعلها رأسا، فأين ينبغي أن نتداعى له الناس؟ فالنداء من خصائص المكتوبة. وفسر الحلواني بما فوق الثلاث. قلت: وإنما أراد الحلواني ضبطه ليتمشى عليه العوام لا تفسيره، فإن اللفظ منكشف في معناه، بين في مراده لا يحتاج إلى تفسير، فما ذكره أنسب للفتوى، ثم تتبعت النوافل الداخلة في بنية الصلاة، فوجدتها كذلك، لا جماعة فيها أيضا، وكل فيها أمير نفسه، وهو الشاكلة في جملة الأذكار الداخلة في صلب الصلاة، فتجد كلها على المقتدي أيضا، وذلك لأن كلا منهم منفرد فيها، يفعلها لنفسه، فالتضمن إنما روعي حيث كان الشيئ فرضا، وليعلم أن النيابة تجري في الأقوال دون الأفعال، فهي على الكل ثم النيابة في الأقوال، إنما اعتبرت حيث كان القول مما لا بد منه كالقراء ة، أما الأقوال التي لو تركت رأسا لم تكن عليه تبعة، فإنها لا تحتاج إلى عبرة النيابة، فإن قلت: إن صلاة الكسوف والاستسقاء والتراويح سنة، فلزم أن لا تكون جماعة، قلت :كأن تلك مستثناة من ذلك . (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب: صلاة النوافل، رقم الحديث: ١١٨٦، ٥٨٦/٢)

وكذا في فيض الباري، كتاب الصلاة، إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء، رقم الحديث:٢٢٢، ٥٥/٢.

وأيضا الباب، طول السجود في قيام الليل، رقم الحديث: ١١٢٣، ٥٥٤/٢.

بعض اکابر کا رمضان میں نوافل جماعت سے ادا کرنا

بعض اکابرین اپنی تحقیق کی بناء پر رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ نوافل میں بھی تمام رات قرآن کریم پڑھتے اور سناتے تھے، مگر یہ احناف کا اصل مذہب نہیں ہے، ان حضرات اکابر کے تبحر وتدین کی وجہ سے ان پر اعتراض نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کے اتباع میں اصلِ مذہب سے عدول کیا جائے گا(۱)۔

مسئلہ محاذاۃ

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ لڑکا اگر تنہا ہو تو اس کو مردوں کی صف میں کھڑا کر لینا چاہیے، لیکن عورت اگر تنہا ہو تو بھی مردوں کی صف میں کھڑا نہیں کر سکتے، اس کو مؤخر کرنا ضروری ہے، یعنی: لڑکوں کا تاخر استحباب کے درجہ میں اور عورتوں کا وجوب کے درجہ میں ہے۔

اس سے امام صاحب رحمہ اللہ کے مسئلہ محاذاۃ کا استنباط بھی واضح ہوا، لہٰذا مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کا اس حنفی مسئلہ کی تضعیف کرنا یا یہ کہنا کہ امام صاحب کے پاس اس مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، غلط ہوا۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ قوی ہے کہ کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے اور مجتہد کو حق ہے کہ دقیق فروق کے پیش نظر وہ تاخیر بیان کو مرتبہ سنت میں قرار دے اور تاخیرِ نسواں کو مرتبہ شرطیت و وجوب میں، مثلاً: احادیث سے الگ صف میں تنہا کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہے، یہاں تک کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو ایسی نماز کو باطل قرار دیا ہے، لیکن باوجود اس کے بھی حضور علیہ السلام نے اس واقعہ میں عورت کو پیچھے کی صف میں تنہا الگ کھڑا کرا دیا اور آپ نے ایک مرتبہ بھی کسی عورت کو مردوں کی صف میں کھڑا نہیں ہونے دیا، بخلاف لڑکوں کے کہ ان کی جگہ بھی اگرچہ صفوفِ رجال کے پیچھے ہے، مگر تنہا لڑکے کو صفِ رجال میں تکمیل صف کے لیے کھڑا کرانے کا ثبوت موجود ہے۔

اس سے یہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظر شارع میں لڑکے کے لیے تو مردوں کی صف میں کھڑا ہونے کا تحمل بعض صورتوں میں ہو سکتا ہے، لیکن عورتوں کے لیے اس کا تحمل کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتا، ایسی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کا محاذاۃِ نسواں کو مبطل صلاۃ قرار دینا شریعتِ غرا کی ترجمانی نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے صاحبِ ہدایہ پر بھی اعتراض کیا

(۱) فتاوی محمودیه، کتاب الصلاة، باب: السنن والنوافل: ۷/۲٤۹

ہے کہ انہوں نے حدیث: "اخروھن من حیث اخرھن الله" کو خبر مشہور کہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد اصولیین کی اصطلاح ہے، یعنی: یہ حدیث متلقی بالقبول ہے پھر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ بہ لحاظ نظر شارع بہت سے امور میں عورتوں کا مرتبہ مردوں کی نسبت سے گھٹا ہوا ہے، مثلا: ان میں جماعتِ نماز نہیں ہے اور اگر کریں بھی تو ان کی امام مرد کی طرح صف کے آگے کھڑی نہیں ہوگی۔ جس طرح ننگوں کی جماعت ہوسکتی ہے، پھر امامتِ صلوٰۃ کی طرح وہ شرفِ نبوت سے بھی محروم ہیں(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

۲۰ – باب : اَلصَّلَاةِ عَلَى الْخُمْرَةِ .

یہ باب ہے چٹائی پر نماز (جائز ہونے) کے بیان میں

ترجمۃ الباب سے مقصود

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس باب میں مذکور حدیث ابھی دو احادیث قبل ہی تو گزری ہے، پھر اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے کیا مقصود ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں یہ روایت ''مسدد'' کے طریق سے مفصل مذکور تھی اور یہاں ''ابوالولید'' کے طریق سے مختصر مذکور ہے، تو اعادہ محض اس کی موافقت کے لیے ہے(۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سے پہلے باب منعقد فرمایا تھا، باب الصلاة على الحصير، اب یہاں سے "خمرة" پر نماز کا حکم بتلاتے ہیں، "خمرة"، حصیر سے چھوٹا ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: یہاں سے مقصود دفع توہم ہے، اس لیے کہ "جعلت لي الأرض طهورا" سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زمین پر ہی نماز پڑھتے، لیکن میرا خیال ہے

(۱)انوار الباری: ۱۲/۱۶۱۔ فیض الباری: ۲/۳۲، ۳۳

(۲)عمدة القاري: ٤/١٦٧

کہ یہ توجیہ آنے والے باب کے زیادہ مناسب ہے اور میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ ''خمرۃ'' پر نماز نہیں پڑھتے تھے اور اگر کبھی نوبت آ بھی جاتی تو اسے مٹی سے ملوث کر دیتے تھے۔

میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ ''خمرۃ'' چونکہ ''حصیر'' سے چھوٹا ہے تو اس پر نماز پڑھنے کی صورت میں بدن کا بعض حصہ اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے زمین پر رہے گا تو یہاں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر بعض حصہ حصیر پر اور بعض حصہ ارض پر ہو نماز میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔

حدیثِ باب

٣٧٤ – حدّثنا أَبُو ٱلْوَلِيدِ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا سُلَيْمانُ ٱلشَّيْبَانِيُّ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ ٱبْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ (۲) : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى ٱلْخُمْرَةِ . [ر : ٣٢٦]

ترجمہ حدیث

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر نماز ادا فرما لیتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ابوالولید

یہ ''ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی، باہلی، بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة الإيمان حب الأنصار میں، اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب: إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کی دوسری حدیث، کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

---

(۱) تقرير بخاري شريف: ۲/۱۲۶م ۱۲۷۔ لامع الدراري: ۱/۱۵۲۔ الكنز المتواري: ٤/٧٠

(۲) مر تخريجه في كشف الباري، كتاب الحيض، باب، رقم الحديث: ۳۳۳

(۳) كشف الباري: ۲/۳۸، ٤/۱۵۹

۲۔شعبہ

یہ امیر المؤمنین ''شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی الواسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳۔سلیمان الشیبانی

یہ مشہور محدث ''سلیمان بن ابی سلیمان ابواسحاق شیبانی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، دوسری حدیث، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۴۔عبداللہ بن شداد

یہ مشہور محدث ''عبداللہ بن شداد بن الہاد لیثی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، دوسری حدیث، کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۵۔میمونہ

یہ ام المؤمنین ''حضرت میمونہ بنت الحارث'' رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب العلم، باب:السمر في العلم، کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح اور متعلقہ مباحث کتاب الحیض، باب:"مباشرة الحائض" (۵)اور

(۱)کشف الباری: ۱/۶۷۷

(۲)کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، دوسری حدیث،ص: ۲۵۰

(۳)کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، دوسری حدیث،ص: ۲۵۰

(٤)کشف الباری: ٤/٤٢٠

(٥) کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، ص: ۲۳۹-۲۶۰

کتاب الصلاۃ، باب: "إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد" میں گزرچکی ہیں(۱)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

۲۱ – باب : اَلصَّلَاةِ عَلَى اَلْفِرَاشِ .

یہ باب بچھونے پر نماز کے جواز میں ہے

"فِـراش" ، ف کی زیر کے ساتھ، اس سے مراد "بچھونا" ہے، جو کپڑے کا ہو یا اُون وصفوف وغیرہ کا، جو بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے زمین پر بچھایا جائے، اسے فِراش کہتے ہیں، اس کی جمع "فُـروش" اور "اَفـرِشة" آتی ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ باب بچھونے پر نماز جائز ہونے کے بیان میں ہے، برابر ہے کہ اس بچھونے پر اس نمازی کے ساتھ کوئی عورت سوئی ہوئی ہو، یا نہ ہو، غالبًا امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب سے اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اشعث کے طریق سے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لحاف میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے(۳)۔

گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے یا ایک ایسی رائے ہے جو قابلِ قبول نہیں"(۴)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الصلاة، باب: إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد

(۲)لسان العرب، المادة: ف ر ش: ٦/٣٣٨٢- تاج العروس، المادة: ف ر ش: ١٧/٢٩٩

(۳)حدثنا عبيد الله بن معاذ، حدثنا أبي، حدثنا الأشعث، عن محمد ابن سيرين، عن عبد الله بن شقيق عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يُصَلّي في شُعُرِنا، أو لُحُفِنا. قال عُبَيد الله: شكَّ أبي. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب: الصلاة في شُعُر النساء، رقم الحديث: ٣٦٧)

(٤)فتح الباري: ١/٦٣٧

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس باب میں اور سابقہ ابواب میں مغایرت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس باب میں آثار اور افعالِ صحابہ لاکر یہ ثابت کیا ہے کہ بچھونے پر نماز ادا کرنا جائز ہے، برابر ہے کہ نمازی کے تمام اعضاء اس بچھونے پر آتے ہوں یا نہ آتے ہوں، یعنی: وہ بچھونا چھوٹا ہو، جیسا کہ آنے والے باب "السجود علی الثوب" سے ثابت ہوتا ہے (۱)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی اس عبارت پر "لامع الدراری" کے حاشیہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے مقصود اس اعتراض کو ختم کرنا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" سے پیدا ہوتا ہے کہ نماز کا جواز زمین کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ بچھونے وغیرہ پر بھی نماز ادا کرنا جائز ہے۔

نیز فرمایا: کہ یہ اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ یہ مقصود تو سابقہ دو ابواب سے حاصل ہو چکا ہے، پھر اس باب سے کیا مقصود؟ اس لیے کہ وہ دونوں ابواب بڑی چٹائی اور چھوٹی چٹائی پر نماز کے جواز کی تخصیص پر دلالت کرتے ہیں اور یہ باب تخصیص بعد التعميم کی قبیل سے ہے (۲)۔

تعلیقِ اول

وَصَلَّى أَنَسٌ عَلَى فِرَاشِهِ ،

تعلیق کا ترجمہ

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچھونے پر (کھڑے ہوکر) نماز ادا فرمائی۔

---

(۱) لامع الدراري: ۱/۱۵۲، ۱۵۳

(۲) الكنز المتواري: ٤/ ۷۱، ۷۲

تعلیق کے راوی

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور ومعروف صحابی رسول ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ اثر موصولا المصنف لابن ابی شیبہ میں ابن مبارك عن حميد عن انس کے طریق سے مذکور ہے، اور اسی کو طاؤس نے حکایت کیا ہے(۲)۔

تعلیقِ دوم

وَقَالَ أَنَسٌ : كُنَّا نُصَلِّي مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، فَيَسْجُدُ أَحَدُنَا عَلَى ثَوْبِهِ .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے بعض اپنے کپڑے پر سجدہ کرتے تھے۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق سندا صحیح البخاری کے ہی اگلے باب میں آرہی ہے(۳)۔

تشریح

مذکورہ تعلیق کی مکمل تشریح تو اگلے باب میں ہی بیان کی جائے گی، ان شاءاللہ، یہاں فقط اتنا ہی کافی ہے

(۱) كشف الباري: ۲/٤

(۲) حدثنا أبو بكر قال: نا ابن مبارك، عن حميد، عن أنس: "كان يصلي على فراشه".

حدثنا أبو بكر قال: نا حفص، عن ليث، عن طاؤس "أنه كان يصلي على الفراش الذي مرض عليه".

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الصلاة على الفراش، رقم الحديث: ۲۸۲٦، ۲۸۲۷، ۲/٥۱۱)

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثوب في شدة الحر، رقم الحديث: ۳۸٥

کہ "أحدنا" سے مراد "بعضنا" ہے۔

اور "علی ثوبه" کے مصداق میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ سجدہ اسی کپڑے پر واقع ہوتا ہو جو پہنا ہوا ہوتا تھا۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہنے ہوئے کپڑے سے الگ کوئی کپڑا، جیسے: چادر، رومال وغیرہ، اور ایسا سجدہ والی جگہ کے شدید گرمی ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا، یعنی: اس گرمی سے بچنے کے لیے(۱)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ان دونوں تعلیقات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ جب سجدہ کپڑے پر ہوتا تھا تو یہ "فراش" پر ہی شمار ہوگا، کیونکہ! فراش ہر اس چیز پر بھی صادق آتا ہے، جس کو بچھایا جائے (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب، (پہلی حدیث)

۳۷۷/۳۷۵ : حدّثنا إسْماعِيلُ قَالَ : حَدَّثَني مالِكٌ ، عَنْ أَبي ٱلنَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَبي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمَنِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ[۳] : كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا ، قَالَتْ : وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ .

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٦٨، ارشاد الساري: ٢/٤٦

(۲)عمدة القاري: ٤/١٦٨

(۳)أخرجه البخاري في الصلاة في الثياب، باب: الصلاة على الفراش، رقم الحديث: ٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤. وفي سترة المصلي، باب التطوع خلف المرأة، رقم الحديث: ٥١٣، وفي سترة المصلي، باب: الصلاة إلى السرير، رقم الحديث: ٥٠٨، وباب: استقبال الرجل وهو يصلي، رقم الحديث: ٥١١ ، وباب: الصلاة خلف النائم، رقم الحديث: ٥١٢، وباب: من قال: لا يقطع الصلاة شئ، رقم الحديث: ٥١٤ ، وباب: هل يغمز الرجل امرأته عند السجود لكي يسجد، رقم الحديث: ٥١٩، وفي الوتر، باب إيقاظ النبي صلى الله عليه وسلم أهله بالوتر، رقم الحديث: ٩٩٧، وفي الاستئذان، باب السرير، رقم الحديث: ٦٢٧٦.

ورواه مسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: الاعتراض بين يدى المصلي، رقم الحديث: ٥١٢

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: من المرأة لا تقطع الصلاة، رقم الحديث: ٧١١، ٧١٢، =

ترجمہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچھونے پر نماز تہجد ادا فرماتے، اور اس وقت) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی رہتی تھی، اور میرے پیر آپ کے قبلہ میں (یعنی: آپ کے سجدہ کرنے کی جگہ میں) پھیل جاتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو دبا دیتے تھے تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں دوبارہ پھیلا لیتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (یہ بھی) فرمایا کہ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل پانچ رجال ہیں۔

ا۔ اسماعیل

یہ ''ابو عبداللہ اسماعیل ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس اصبحی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: "تفاضل أهل الإيمان في الأعمال"، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

= ۷۱۳، ۷۱٤

والنسائي في سننه، في الطهارة، باب: ترك الوضوء من مس الرجل امرأته من غير شهوة، رقم الحديث: ١٦٦، ١٦٧، ١٦٨، وفي القبلة، باب: الرخصة في الصلاة خلف النائم، رقم الحديث: ٧٦٠

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض، الباب الأول في الصلاة، الفصل السادس في شرائط الصلاة، الفرع السابع في قبلة المصلي، النوع الأول في المعترض بين يدي المصلي، رقم الحديث: ٣٧١٩، ٥/٥٠٤.

(١) كشف الباری: ١١٣/٢

۲۔ مالک

یہ ''امام دار الہجرہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی المدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ ابی نضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ

یہ ''ابو النضر سالم بن ابی امیہ ہیں، عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: المسح علی الخفین، میں گزر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن

یہ ''حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ'' کے صاحبزادے ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الایمان، میں گزر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ عائشہ

یہ ام المؤمنین، زوجہ رسول، بنت ابی بکر صدیق حضرت ''عائشہ'' رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاي في قبلته.

---

(۱) کشف الباری: ۲/ ۸۰

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: المسح علی الخفین.

(۳) کشف الباری: ۲/ ۳۲۳

(٤) کشف الباری: ۱/ ۲۹۱

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی رہتی تھی، اس حال میں کہ میرے پیر آپ کے قبلہ کی جگہ میں پھیل جاتے تھے۔

یہاں مطلقاً سونا بتلانا مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب رات کے وقت تہجد کے نوافل کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے، اس وقت اندھیرے میں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی سوئی رہتی تھی۔

اس عبارت میں "ورجلاي في قبلته" جملہ حالیہ ہے، مطلب اس کا "في مكان سجوده" ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے والی جگہ میں سو رہی ہوتی تھی (۱)۔

فإذا سجد غمزني.

پھر جب سجدہ میں جاتے تو دبا دیتے تھے۔

"غمز" کا مطلب اشارہ کرنا ہے، چاہے آنکھ سے ہو، یا ہاتھ سے (۲)۔

اس جگہ "غمز باليد" مراد ہے (۳)۔

اس معنی کی طرف واضح اشارہ "سنن ابی داؤد" کی روایت میں ملتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے میرے پاؤں پر مارا، تو میں نے ان کو سمیٹ لیا (۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۳۸. عمدة القاري: ٤/١٦٩

(٢) بعضهم فسّر الغمز في بعض الأحاديث بالإشارة، كالرمز بالعين أو الحاجب أو باليد. (النهاية في غريب الحديث والأثر: ٢/٣٢١۔ تاج العروس، المادة: غ م ز: ١٥/٢٦١)

(٣) عمدة القاري: ٤/١٦٩

(٤) حدثنا مسدد، حدثنا يحيى، عن عبيد الله، قال: سمعت القاسم يحدث عن عائشة قالت: بئسما عدلتمونا بالحمار والكلب، لقد رأيت رسول الله يصلي وأنا معترضة بين يديه، فإذا أراد أن يسجد غمز رجلي، فضممتها إلي، ثم يسجد. (سنن أبي داؤد، في الصلاة، باب: من قال: المرأة لا تقطع الصلاة، رقم الحديث: ٧١٢)

فإذا قام بسطتُها.

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کر کے کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں (دوبارہ) پھیلا لیتی تھی۔

"بسطتهما" میں "هما" ضمیر تثنیہ کی ہے، لیکن مستملی کی روایت میں یہاں بھی واحد کی ضمیر ہے(۱)۔

والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح.

اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

اس جملہ میں "البيوت" مبتدا ہے اور بقیہ جملہ اس کی خبر ہے(۲)۔

"يومئذ" سے مراد "وقتئذ" ہے، یعنی: جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دفعِ دخل مقدر فرما رہی ہیں کہ مجھ پر اعتراض نہ کیا جائے کہ میں پیر کیوں نہیں سمیٹ لیتی تھی؛ اس لیے ان دنوں چراغ تو تھا نہیں کہ کچھ نظر آجاتا اور یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کتنا طویل ہوگا، چار چار اور پانچ پانچ پارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے؛ اس لیے پیر دوبارہ پھیلا دیا کرتی تھی(۴)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "كنتُ أنام" سے ہے، وہ اس طرح کہ سونا عام طور پر بستر پر ہی ہوتا ہے، اور ترجمۃ الباب بھی "الصلاة على الفراش" ہے، نیز! آخری حدیث میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ ہم جس بستر پر سوئے تھے، میں اس پر سو رہی تھی(۵)۔

مذکورہ حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد واحکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٦٩۔ إرشاد الساري: ٢/٤٦

(۲) عمدة القاري: ٤/١٦٩

(۳) فتح الباري: ١/٦٣٨۔ الكوثر الجاري: ٢/٧٠

(٤) سراج القاري: ٢/٤١٣۔ تقرير بخارى شريف: ٢/٣٠٦

(۵) فتح الباري: ١/٦٣٨، عمدة القاري: ٤/١٦٨، الكوثر الجاري: ٢/٧٠

جاتے ہیں:

۱۔اس حدیث سے عورت کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے، بعض ائمہ نے شارع علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو ایسا کرنے سے منع کیا ہے، اس لیے کہ اس میں فتنے کا خوف ہے اور قلب ونظر کا اس عورت کی طرف متوجہ ہونا ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے پاک تھے، اس لیے ان پر تو کوئی حرف نہیں آسکتا۔ نیز! یہ رات کا بھی وقت تھا، اس دور میں چراغ وغیرہ بھی نہیں ہوتے تھے۔

۲۔اس حدیث سے سونے والے شخص کو نماز کے لیے اٹھانے کا مستحب ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

۳۔یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں عملِ قلیل سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

۴۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بچھونے پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۵۔عورت کا نمازی کے سامنے ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا(۱)۔

نمازی کے سامنے کوئی عورت ہو تو نماز کا حکم

جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ شامل ہیں، کے نزدیک کسی عورت کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا یا عورت کا نمازی کے سامنے سے گزر جانا نماز کو باطل نہیں کرتا، البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے(۲)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۳۸۔ عمدة القاري: ٤/١٦٩۔ الكوثر الجاري: ۲/۷۰

(۲)المبسوط للسرخسي، لتاب الصلاة، باب: الحدث في الصلاة: ۱/ ۱۹۱

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان حكم استخلاف: ۱/۲٤۱

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۱٦۰

الذخيرة، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، النوع السادس: لا يقطع الصلاة شيئ يمر بين يدي المصلي: ۲/۱۵۹

روضة الطالبين، كتاب الصلاة، الباب الخامس في شروط الصلاة، فصل: الشرط السادس، فرع: يستحب للمصلي أن يكون بين يديه سترة: ۱/۲۹۵

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب: الإمامة، فصل: لا بأس بالعمل اليسير في الصلاة للحاجة، مسألة: قال لا يقطع الصلاة إلا الكلب الأسود البهيم: ۳/ ۹۷

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس حدیث میں ہے کہ عورت، گدھا اور کتا نمازی کے سامنے سے گزرنے پر نماز فاسد ہو جاتی ہے، اُس کا جواب یہ ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز ناقص ہو جاتی ہے، کیونکہ دل ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ دل ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، کیونکہ عورت کی طرف دیکھنے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، اور گدھا مکروہ آوازیں نکالتا ہے، اور کتا فتنہ میں ڈالتا ہے اور اضطراب پیدا کرتا ہے، اور چونکہ یہ چیزیں نماز منقطع کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں اس لیے ان پر نماز کے منقطع ہونے کا اطلاق کر دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کی مستدل حدیث منسوخ ہے، اور ناسخ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی (اور نماز کی حالت میں اپنے سے آگے گزرنے والے کو) تم اپنی پوری قوت سے دھکیل دو، وہ شیطان ہے۔

اور شارع علیہ السلام نے نماز ادا کی اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ کے درمیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

نیز حدیث میں ہے کہ گدھی نمازیوں کے آگے چر رہی تھی اور اس پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس اور عطا رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو عورت نماز کو منقطع کرتی ہے اس سے مراد حائضہ عورت ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ کتا، خنزیر، یہودی اور نصرانی نماز کو منقطع کر دیتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے(۱)۔

مس مرأۃ کی وجہ سے وضو کا حکم

اس حدیث مبارکہ سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس بارے میں مذاہب کی تفصیل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، الا

(۱)عمدة القاري: ٤/١٦٩، ١٧٠

یہ کہ مباشرتِ فاحشہ ہو جائے (۱)۔

شوافع کے ہاں عورت کو چھونا ناقضِ وضو ہے، لیکن ان کے نزدیک اس میں بہت سے مختلف اقوال ہیں، مثلا: ایک روایت میں غیر محرم کو چھونا ناقضِ وضو ہے۔ دوسری میں محرم کو چھونا، ایک روایت میں بلا حائل چھونا ناقض ہے۔ اور دوسری روایت میں حائل کے ساتھ بھی ناقضِ وضو ہے، ایک روایت میں لذت کے ساتھ چھونا ناقض ہے اور دوسری میں بلا لذت بھی ناقض ہے۔ اور پھر ملموس (جس کو چھوا جا رہا ہے) کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں، ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کی، اکثر نے ترجیح توٹنے کو دی ہے (۲)۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جب لذت کے ساتھ چھوئے تو ناقض وضو ہے (۳)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں، ایک: احناف کے مطابق، اور دوسری شوافع کے مطابق، اور تیسری مالکیہ کے مطابق (۴)۔

مذکورہ حدیث مبارکہ احناف کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے تھے وہ سمیٹ لیتی تھیں، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تھے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس مسّ کے وقت حائل موجود ہو (۵)۔

اس کے جواب میں علامہ ابن بطال رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے کہ پاؤں میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ بلا حائل ہوتے ہیں، جیسا کہ ہاتھ بلا حائل ہوتا ہے (۶)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک احتمال بیان کیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱)الدر المختار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء، ص:۲۵

الفتاوى العالمگيرية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في النواقض: ۱۵/۱

تحفة الملوك، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، ص: ٤٢

(۲)المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب: الأحداث التي ينقض الوضوء: ۲۶/۲

(۳)بداية المجتهد، الطهارة، الوضوء، نواقض الوضوء، المسألة الثالثة: ۱/٤۳، ٤٤

(٤)المغني لابن قدامة، الطهارة، انتقاض الوضوء بملامسة النسآء: ۲۱۹/۱

(۵)شرح الكرماني: ٤/ ٤۷

(٦)شرح ابن بطال: ۵۱/۲

خصوصیت ہو کہ بلا حائل چھونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ ٹوٹتا ہو(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خصوصیت کا دعوی بلا دلیل ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب، (دوسری حدیث)

(۳۷۶) : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ : حَدَّثنا ٱللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ : أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ(۳) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي ، وَهْيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ٱلْقِبْلَةِ ، عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ ، ٱعْتِرَاضَ ٱلْجَنَازَةِ .

ترجمہ

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے حجرے میں) اپنی بیوی کے بچھونے پر کھڑے ہوکر اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح لیٹی ہوتی تھی جیسے جنازے کی چارپائی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چھ رجال ہیں:

ا۔ یحیی بن بکیر

یہ "ابوذکریا یحیی بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، باب: كيف كان بدء الوحي کی تیسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۳۸

(۲)عمدة القاري: ٤/١٧٠

(۳)مر تخريجه في كشف الباري تحت الحديث السابق، الرقم: ۲۸۲

(٤)کشف الباری: ۱/۳۲۳

٢۔ اللیث

یہ "امام ابوالحارث اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: بدء الوحی، باب: كيف كان بدء الوحي کی تیسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(١)۔

٣۔ عقیل

یہ "عُقیل بن خالد بن عَقیل" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: فضل العلم، کے تحت گزر چکے ہیں(٢)۔

٤۔ ابن شہاب

یہ "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری المدنی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(٣)۔

٥۔ عروہ

یہ "عروہ بن زبیر عوام" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: "أحب الدين إلى الله أدومه"، کے تحت گزر چکے ہیں(٤)۔

٦۔ عائشہ

یہ "ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا وعنہ" ہیں۔

---

(١) كشف الباري: ٣٢٤/١

(٢) كشف الباري: ٣٢٥/١، ٤٥٥/٣

(٣) كشف الباري: ٣٢٦/١

(٤) كشف الباري: ٢٩١/١، ٤٣٦/٢

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تشریح ماقبل کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ البتہ ''اعتراض الجنازۃ'' سے ایک مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ

عورت کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے امام عورت کے وسط میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے گا، یہ احناف کا مختار مذہب ہے، اور راجح مذہب سینہ کے مقابل کھڑے ہونے کا ہے(۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اشارہ(النص) کبھی عبارت (النص) سے بھی بڑھ جاتا ہے، کیونکہ عبارت (النص) سے تو صرف ایک جزئیہ کی صراحت ملتی ہے، لیکن اشارہ (النص) سے زیادہ بات حاصل ہو جاتی ہے، مثلا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تشبیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے سے ذہنوں میں یہ بات موجود ہے کہ جنازہ سامنے درمیان میں ہوا کرتا ہے، کیونکہ مشبہ بہ کے طور پر وہی چیز بیان کی جاتی ہے جو پہلے سے سب کو معلوم ہو(۳)۔

"اعتراض الجنازة" یہ لفظ حرف جر مقدر کے ساتھ ہے، یعنی: "كاعتراض الجنازة" ، اور یہ مصدر محذوف کی صفت بنے گا، یعنی: تقدیری عبارت یہ بنے گی: "وهي معترضة بينه وبين القبلة اعتراضا كاعتراض الجنازة"(٤)۔

"جَنازة" جیم کی فتح کے ساتھ، اس تخت کو بولتے ہی، جس پر میت رکھی جاتی ہے(۵)۔

---

(١) كشف الباري: ٢٩١/١

(٢) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: في كيفية الصلاة على الجنازة: ٣٣٩/٢، ٣٤٠

الفتاوى الهندية، كتاب الصلا ة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ١٦٤/١

رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي: ١١٨/٣

(٣) فيض الباري: ٣٤/٢۔ انوار الباري: ١٦٣/١٢

(٤)عمدة القاري: ١٧١/٤۔ مصابيح الجامع للدماميني: ١٠٦/١

(٥) المصباح للجوهري، ص: ١٩٢۔ النهاية في غريب الحديث والأثر: ٢٩٩/١

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں میں فراش یعنی: بچھوے پر نماز ادا کرنے کا ذکر ہے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (تیسری حدیث)

(۳۷۷) : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : حَدَّثنا ٱللَّيْثُ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ عِرَاكٍ ، عَنْ عُرْوَةَ : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي ، وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ٱلْقِبْلَةِ ، عَلَى ٱلْفِرَاشِ ٱلَّذِي يَنَامَانِ عَلَيْهِ .(۲) [۴۹۱ ، ۴۹۳ ، ۱۱۵۱ ، وانظر : ۴۸۶]

ترجمہ حدیث

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بستر پر نماز پڑھتے تھے، جس پر وہ لوگ (یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوتے تھے، اس حال میں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی رہتیں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل رجال چھ ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن یوسف

یہ "عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۷۱/٤

(۲) مر تخريجه تحت رقم الحديث: ۳۸۲

(۳) کشف الباری: ۲۸۹/۱

۲۔ اللیث

یہ ”امام ابوالحارث اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ یزید

یہ ”ابوالرجاء یزید بن ابی حبیب“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ”إطعام الطعام من الإسلام“، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ عراک

یہ عراک بن مالک الغفاری الکنانی المدنی رحمہ اللہ ہیں(۳)۔ بنی حماس سے تعلق رکھتے ہیں(۴)۔

جن اساتذہ ومشائخ سے انہوں نے روایت کی ہے، ان میں

عروہ بن زبیر، طلحہ بن عبیداللہ بن کریز الخزاعی، عبداللہ بن عمر بن خطاب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابوہریرہ، عبید بن عبداللہ بن عتبہ، عبدالمالک بن ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، نوفل بن معاویہ الدیلی، حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق، زینب بنت ابی سلمہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

یزید بن ابی حبیب مصری، عبداللہ بن عراک بن مالک، خُثَیم بن عراک بن مالک، عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون، مکحول شامی، یحیی بن سعید انصاری اور خالد بن ابی صلت وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۵)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے سماع پر اعتراض بھی کیا گیا ہے، حضرت موسی بن ہارون

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲٤

(۲) کشف الباری: ۱/٦٩٤

(۳) الکاشف: ۲/۲٥٥۔ التاریخ الکبیر للبخاري: ۷/۸۸

(٤) تهذیب الکمال: ۱۹/٥٤۷

(٥) تهذیب الکمال: ۱۹/٥٤٦۔ تقریب التهذیب: ۷/ ۱۷۲

فرماتے ہیں کہ ہمیں عراک کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کا کچھ علم نہیں ہے(۱)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے(۲)۔

احمد بن عبداللہ العجلی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ تھے اور بڑے درجے کے تابعین میں سے تھے(۳)۔

ابوزرعہ اور ابوحاتم فرماتے ہیں: ثقة(٤).

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میرے والد (عمر بن عبدالعزیز) عراک بن مالک کے برابر کسی کو شمار نہیں کرتے تھے(۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عراک بن مالک سے زیادہ کسی کو نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا، وہ ہر دس آیات کے بعد رکوع کر لیتے تھے، اور پھر سجدہ کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ وہ ہر دس آیات پر رکوع کر لیا کرتے تھے(۶)۔

معن بن عیسی ثابت بن قیس سے روایت کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ صائم الدہر تھے(۷)۔

منذر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے عراک بن مالک اس معاملے میں بہت زیادہ سخت تھے کہ بنی مروان نے اموالِ فئے اور لوگوں کے اموال میں بے جا ظالمانہ قبضہ کیا ہوا تھا، وہ ان سے واپس لیا جائے۔ جب یزید بن عبدالملک والی بنا تو اس نے عبدالواحد بن عبداللہ نصری کو مدینہ کا والی بنایا۔ عبدالواحد بن عبداللہ نصری حضرت عراک کو اپنے بہت زیادہ قریب رکھتے تھے، انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے تھے، کوئی کام

---

(۱)تقریب التهذیب: ۱۷٤/۷۔ میزان الاعتدال: ٦٣/٣

(۲)الثقات لابن حبان: ۲۸۱/٥

(۳)تهذیب الکمال: ۱۹/٥٤٧۔ تهذیب التهذیب: ۱۷۲/۷

(٤)الجرح والتعدیل: ٥٣/٧

(٥)تهذیب الکمال: ۱۹/٥٤٧۔ تهذیب التهذیب: ۱۷۲/۷

(٦)تهذیب الکمال: ۱۹/٥٤٧۔ تهذیب التهذیب: ۱۷۲/۷

(۷)الکاشف: ۲/٥٥۔ الطبقات لابن سعد: ٢٥٣/٥

ان کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عراک ایک نیک ساتھی ہے(۱)۔

محمد بن سعد اور مفضل بن غسان الغلانی کا قول ہے کہ یہ یزید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے (۲)۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی (۳)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک کی خلافت ایک سو ایک ہجری میں تھی اور چار سال سے کچھ اوپر قائم رہی (۴)۔

۵۔عروہ

یہ "عروہ بن زبیر عوام" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت، اور تفصیل احوال کتاب الایمان، باب: "أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

۶۔عائشہ

یہ "ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا وعنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۶)۔

شرح حدیث

زیر بحث ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تین احادیث لائے ہیں، ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے پہلی حدیث ہی کافی تھی کہ ظاہر ہے کہ جس بستر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، اس پر آپ

(۱)تهذيب الكمال: ۱۹/۵٤۷۔ تهذيب التهذيب: ۱۷۲/۷

(۲)الكاشف: ۲/۲۵۵۔ الثقات لابن حبان: ۲۸۱/۵

(۳)الطبقات لابن سعد: ۲۵۳/۵

(٤)سير أعلام النبلاء: ٦٤/٥۔ تهذيب الكمال: ۵٤۹/۱۹

(۵) كشف الباري: ۲۹۱/۱، ۲/٤٣٦

(٦) كشف الباري: ۲۹۱/۱

صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے ہیں، لیکن یہ امر حدیثِ اول میں صراحت کے ساتھ منقول نہ تھا۔اس لیے دوسری حدیث ذکر کی کہ اس میں تصریح تھی کہ اپنے اہل خانہ کے بستر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے جنازہ کی مثل لیٹی رہتی تھیں، اس کے بعد تیسری روایت میں مزید تفصیل آ گئی کہ یہ بستر وہ تھا جس پر یہ دونوں حضرات آرام فرماتے تھے۔

الغرض ان تینوں روایات سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد پورا ہو گیا کہ بچھانے کی جو بھی چیز ہو: بوریا، چٹائی، بچھونا وغیرہ چاہے وہ سونے کے کام آتے ہوں، ان پر نماز ادا کرنا درست ہے۔

یہ تیسری حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضرت عروہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی سنی ہو، جیسا کہ یہی امر ماقبل کی حدیثِ مسند سے مترشح ہو رہا ہے۔

اور اس حدیثِ مرسل کے لانے سے مقصود اس بات پر تنبیہ ہے کہ بستر ان دونوں حضرات کے سونے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اور یہ نکتہ بھی ہے کہ مذکورہ حدیث مرسلا اور مسندا دونوں طرح مروی ہے(۱)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پوری طرح واضح ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

۲۲ – باب : اَلسُّجُودِ عَلَى اَلثَّوْبِ فِي شِدَّةِ اَلْحَرِّ .

یہ باب ہے نمازی کا گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنے کے (جواز کے) بارے میں

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے مقصود نمازی کا گرمی کی شدت سے بچنے کی خاطر اپنے کپڑے کے کنارے یا پہلو مثلا: دامن یا آستین وغیرہ پر سجدہ کرنے کے جواز کو بیان کرنا ہے، البتہ "الحر" کی قید آنے والی حدیث کے الفاظ کی موافقت اور محافظت کے لیے ہے، اس لیے کہ سردیوں میں بھی ایسا

(۱) عمدة القاري: ۱۷۲/٤

کرنا جائز ہے، بلکہ جو حضرات کپڑے پر سجدہ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کو کسی حاجت کے ساتھ مقید نہیں مانتے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ شوافع پر رد فرما رہے ہیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک ثوب متصل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، بلکہ منفصل ہونا چاہیے۔ اور جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے، امام بخاری رحمہ اللہ جمہور کے ساتھ ہیں(۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پہلے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے کپڑے پر سجدہ کرنے کا جواز مطلقا بتایا تھا، اور یہاں سخت گرمی کے وقت کی قید لگا کر اس کا مسئلہ بھی الگ سے بیان کر دیا ہے، کیونکہ آثار سے بھی دونوں طرح جواز ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ علم معانی میں یہ امر طے شدہ ہے کہ جب کسی مقید پر حکم کیا جاتا ہے تو قیود ہی ملاحظہ ہوتی ہیں، جیسے: جاء ني زيد، جاء ني زيد راكبا اور جاء ني زيد راكبا امس میں فرق ہے کہ قیود بڑھنے سے ان کے فوائد بڑھ جاتے ہیں(۳)۔

تعلیق

وَقَالَ ٱلْحَسَنُ : كَانَ ٱلْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى ٱلْعِمَامَةِ وَٱلْقَلَنْسُوَةِ ، وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: لوگ (یعنی: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرلیا کرتے تھے، اس حال میں کہ ان کے ہاتھ ان کی آستین میں ہوتے تھے۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/٦٣٩۔ عمدة القاري: ٤/١٧٣

(۲)تقرير بخاري شريف: ۳/۳۷۔ سراج القاري: ۲/٤١٤

(۳)انوار الباري: ١٢/١٦٤۔ فيض الباري: ٢/٣٤

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق رحمہما اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا مذکورہ قول دونوں کتابوں میں ہشام کے طریق سے مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن الحسن قال: إن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يسجدون وأيديهم في ثيابهم، ويسجد الرجل منهم على عمامته(۱).

اور مصنف عبد الرزاق میں مذکور اثر یہ ہے:

عبد الرزاق عن هشام بن حسان عن الحسن قال: أدركنا القوم وهم يسجدون على عمائمهم ويسجد أحدهم ويديه في قميصه(۲).

تعلیق کے رجال

الحسن

یہ مشہور تابعی ''ابوسعید حسن بن ابی الحسن یسار بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا وأصلحوا، فسماهم المؤمنين، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

تعلیق کی تشریح

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کرلیا کرتے تھے۔

''القوم'' سے مراد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں(۴)۔

''القلنسوة'' سے مراد ٹوپی ہے، المعجم الوسیط میں لکھا ہے: ''لباس للرأس، مختلف الأنواع

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يسجد ويداه في ثوبه، رقم الحديث: ۲۷۵٤، ٤۹۷/۲

(۲) المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: السجود على العمامة، رقم الحديث: ۱۵٦٦، ٤۰۰/۱

(۳) كشف الباري: ۲۲۰/۲

(٤) عمدة القاري: ۱۷۳/٤۔ إرشاد الساري: ٤۸/۲

والأشكال"، سر کا وہ لباس جو مختلف شکلوں کا ہوتا ہے، اس لفظ میں کئی لغات ہیں: قُلَنْسِية، اور جمع قلانِسُ، قلانِيسُ، قَلاسٍ، قلاسِيّ آتی ہے(۱)۔

"يداه في كمه"، بخاری کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، البتہ کشمیهني کی روایت میں "يديه في كمه" ہے(۲)۔

اکثر کے قول کے مطابق "يداه" مرکب اضافی ہو کر مبتداء بنے گا، اور "في كمه" اپنے متعلق سے مل کر خبر، اور پورا جملہ حال بنے گا، تقدیری عبارت اس طرح بنے گی: "ويدا كل واحد في كمه"، ویسے مقام تقاضا کرتا تھا کہ "وأيديهم في أكمامهم في ثيابهم" ہوتا، جیسا کہ "المصنف لابن ابی شیبہ" کی روایت میں "وأيديهم في ثيابهم" ہے(۳)۔

اور کشمیهنی کی روایت کے مطابق "يديه" حالت نصب میں ہوگا فعل محذوف کی وجہ سے، یعنی: "يجعل كل واحد يديه في كمه"(٤).

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بہت کھینچ تان کر ثابت کرنا پڑھتی ہے، اس لیے کہ ترجمۃ الباب دلالت کرتا ہے: "السجود على الثوب" پر۔ اور ثوب کا اطلاق عمامہ اور ٹوپی پر نہیں ہوتا، لیکن یہ باب اور اس سے پچھلے تین ابواب میں "غير وجه الأرض" پر سجدہ کرنے کا جواز بیان ہوا، بلکہ اس شئے پر سجدہ کرنے کا جواز معلوم ہوا جو زمین پر بچھی ہوئی یا رکھی ہوئی ہوتی ہے، مثلا: چھوٹی چٹائی، بڑی چٹائی، بچھونا، عمامہ اور ٹوپی وغیرہ(۵)۔

---

(۱)المعجم الوسيط، ص: ٧٥٤۔ معجم الصحاح للجوهري، ص: ٨٨٠

(۲)فتح الباري: ١/٦٣٩۔ عمدة القاري: ١٧٣/٤

(۳)"حدثنا أبو بكر قال: نا أبو أسامة، عن هشام، عن الحسن، قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يسجدون وأيديهم في ثيابهم، ويسجد الرجل منهم على عمامته". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يسجد ويداه في ثوبه، رقم الحديث: ٢٧٥٤، ٤٩٧/٢)

(٤)فتح الباري: ١/٦٣٩۔ عمدة القاري: ١٧٣/٤ إرشاد الساري: ٤٨/٢

(٥)عمدة القاري: ١٧٣/٤

لہٰذا اس اعتبار سے مناسبت ثابت ہوجاتی ہے۔

آستین پر سجدہ کرنے کی شرط

آستین پر سجدہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ آستین یا دامن کا کپڑا پاک ہو اور وہ جگہ بھی پاک ہو، اگر وہ جگہ پاک نہیں ہے تو سجدہ درست نہیں ہوگا، اسی طرح ہر اس چیز پر سجدہ کرنے کا یہی حکم ہے جو نمازی کے بدن سے ملی ہوئی ہے، کہ جب اس کے نیچے کی جگہ پاک ہو تو سجدہ جائز و درست ہے، اگرچہ وہ ملی ہوئی جگہ نمازی کا جزو ہو، لیکن آستین اور اس کے علاوہ متصل کپڑے کا سجدہ کے لیے بلا عذر بچھانا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ تکبر کا فعل ہے، لہٰذا اگر تکبر کے فعل سے ایسا کرے تو مکروہ تحریمی ہے، اور تکبر کا قصد نہ ہو اور بلاضرورت و بلاعذر ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اگر عذر یعنی: مٹی ہو، یا کنکر، یا سردی و گرمی وغیرہ کی ایذا کا خوف ہو تو مباح ہے(۱)۔

پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرنے کا حکم

پگڑی کے پیچ پر بغیر عذر کے سجدہ کرنا درست ہے، لیکن مکروہ تنزیہی ہے، جب کہ پیچ ساری پیشانی پر ہو، یا پیشانی کے کچھ حصے پر ہو، جیسا کہ بعض اوقات پیچ ڈھلک کر پیشانی پر آجاتا ہے۔

اور پیچ پر سجدہ جائز ہونے میں شرط یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ پاک ہو اور پیچ کے نیچے سے زمین کی سختی نمازی کو اس طرح محسوس ہوتی ہو کہ اگر اب سر کو اور دبائے تو نہ دبے، پس اگر ماتھا نہ جما، بلکہ فقط چھو گیا کہ اگر دبائے تو دب جائے گا تو سجدہ نہ ہوا، بہت لوگ اس سے غافل ہیں۔

اگر پیچ تھوڑے حصے پر ہے، پیشانی کا باقی حصہ زمین پر لگ رہا ہے تو سجدہ جائز ہے۔

اور اگر پیچ نمازی کے صرف سر پر ہے، (پیشانی پر نہیں) اور صرف پیچ پر سجدہ کرے، زمین پر اس کی پیشانی نہ لگے تو سجدہ جائز نہیں، اکثر لوگ اس سے بھی غافل ہیں(۲)۔

---

(۱) عمدة الفقه، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة: ۹٤/۲

(۲) عمدة الفقه، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة: ۹٥/۲

حدیث باب

۳۷۸ : حدّثنا أَبُو ٱلْوَلِيدِ ، هِشَامُ بْنُ عَبْدِ ٱلْمَلِكِ ، قَالَ : حَدَّثنا بِشْرُ بْنُ ٱلْمُفَضَّلِ قَالَ : حَدَّثَنِي غَالِبٌ ٱلْقَطَّانُ ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ قَالَ : كُنَّا نُصَلِّي مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ ٱلثَّوْبِ ، مِنْ شِدَّةِ ٱلْحَرِّ ، فِي مَكَانِ ٱلسُّجُودِ . [۵۱۷ ، ۱۱۵۰] (۱)

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض لوگ گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنے (پہنے ہوئے) کپڑے کا کنارہ سجدہ کرنے کی جگہ رکھ لیا کرتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل پانچ رجال ہیں:

---

(۱) أخرجه البخاري أيضا وفي مواقيت الصلاة، باب وقت الظهر عند الزوال، رقم الحديث: ٥٤٢.

وفي كتاب العمل في الصلاة، باب: بسط الثوب في الصلاة في السجود، رقم الحديث: ١٢٠٨

ومسلم في صحيحه، كتاب الصلاة، في المساجد، باب: استحباب تقديم الظهر في أول الوقت في غير شدة الحر، رقم الحديث: ٦٢٠

وأبو داود في سننه، كتاب الصلاة، في الصلاة، باب: الرجل يسجد على ثوبه، رقم الحديث: ٦٦٠

والترمذي في سننه، في الصلاة، باب: ما ذكر من الرخصة في السجود على الثوب في الحر والبرد، رقم الحديث: ٥٨٤

والنسائي في سننه، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثياب، رقم الحديث: ١١١٧

وابن ماجة في سننه، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثياب في الحر والبرد، رقم الحديث: ١٠٣٣

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الصلاة، القسم الأول في الفرائض، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس في شرائط الصلاة، الفرع الرابع في الأمكنة، النوع الأول فيه يصلى عليه، رقم الحديث: ٣٢٦٠، ٥/٤٦٨

۱۔ابوالولید ہشام بن عبدالملک

یہ ’’ابوالولید ہشام بن عبدالملک الباہلی الطیالسی المصری‘‘ رحمہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة الإيمان حب الأنصار، کے تحت اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب: إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔بشر بن المفضل

یہ ’’بشر بن المفضل بن الاحق البصری‘‘ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب العلم، باب:قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعىٰ عن سائل، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔غالب القطان

ان کا پورا نام ابوسلیمان غالب بن خُطّاف ہے، جنہیں ابی غَیلان القطان کہتے ہیں، ان کو ابوعفان البصری بھی کہا جاتا ہے(۳)۔

یہ ایک قول کے مطابق مولی عبداللہ بن عامر بن کُریز ہیں، دوسرا قول مولی بن تمیم کا ہے، تیسرا قول مولی بن غنم کا ہے، اور چوتھے قول کے مطابق یہ مولی بنی راسب ہیں(۴)۔

’’خَطّاف‘‘ خ کی فتحہ کے ساتھ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ اور خ کی ضمہ کے ساتھ ابن معین اور علی بن المدینی سے منقول ہے(۵)۔

یہ جن اساتذہ وشیوخ سے روایت کرتے ہیں ان میں:

بکر بن عبد اللہ المزنی، ابو الجوزاء، اوس بن عبد اللہ الربعی، الحسن البصری، سعید بن جبیر، سلیمان

(۱) کشف الباری: ۳۸/۲، ۱۵۹/٤

(۲) کشف الباری: ۲۲۲/۳

(۳) تهذيب الكمال: ۸٤/۲۳، التاريخ الكبير للبخاري: ۹۹/٤، ۱۰۰

(٤) الثقات لابن حبان: ۳۰۸/۷۔ الجرح والتعديل: ٦٤/۷

(٥) تهذيب الكمال: ۸٤/۲۳۔ تهذيب التهذيب: ۲٤۲/٥

الاعمش، عمرو بن شعیب، مالک بن دینار، محمد بن سیرین، ابو المُهزِّم التیمی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

بشر بن المفضل، اسماعیل بن عُلَیّہ، حزم بن ابی حزم القطعی، حماد بن معقل البصری، خالد بن عبدالرحمٰن السُّلَمی، الخلیل بن ذکریا الشیبانی، دوید بن مجاشع، الربیع بن صُبیح، سہیل بن ابی حزم القُطعی، سلام بن ابی مطیع، شعبہ بن الحاج رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

ان کے بارے میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة، ثقة(۲).

یحیی بن معین اورامام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ثقة(۳).

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق صالح(٤).

عمار بن عمر بن المختار اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: حدثنا غالب القطان وكان ولله من خيار الناس(٥).

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے(٦)۔

ان کی روایات بخاری، مسلم اور ابن ماجہ میں بشر بن المفضل کے واسطے سے منقول ہیں(۷)۔

۴۔بکر بن عبداللہ

یہ ''بکر بن عبداللہ بن عمرو بن ہلال المزنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الغسل، باب:عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، کے

(۱)تهذيب الكمال: ٢٣/٨٥۔ تهذيب التهذيب: ٨/٦٤٢

(۲)سير أعلام النبلاء: ٦/٢٠٦۔ الجرح والتعديل: ٧/٦٤

(۳)الطبقات لابن سعد: ٧/٢٧١۔ تهذيب الكمال: ٢٣/٨٦

(٤)الجرح والتعديل: ٧/٦٤۔ تقريب التهذيب: ٢/٣

(٥)تهذيب التهذيب: ٨/٦٤٢۔ تهذيب الكمال: ٢٣/٨٥

(٦)الثقات لابن حبان: ٧/٣٠٨

(۷)ميزان الاعتدال: ٣/٣٣١۔ تهذيب الكمال: ٢٣/٨٧

تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۵۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

"طرف ثوبه" یہ جملہ "یضع" فعل کے لیے مفعول بنے گا، مراد یہ کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے سجدے کی جگہ میں ہر آدمی اپنا کپڑا رکھ لیا کرتا تھا، اب یہ کپڑا اپنا پہنا ہوا کپڑا ہوتا تھا یا جسم سے الگ کوئی پڑا ہوتا تھا جو بچھا کر اس پر سجدہ کر لیا جاتا تھا؟

تو اس زمانے کے اعتبار سے دیکھیں تو ظاہر ہے کہ قلت ثیاب کا دور تھا، لہٰذا وہی کپڑا مراد ہو سکتا ہے جو پہنا ہوا ہوتا تھا، نہ کہ الگ سے، بالخصوص جب کہ کپڑے کی اضافت بھی یہی بتا رہی ہے(۳)۔

اور اس سے بھی واضح الفاظ صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہیں کہ "بسط ثوبه فيسجد عليه"(٤)۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الغسل، باب: عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس.

(۲) کشف الباری: ۲/٤

(۳) عمدة القاري: ٤/١٧٤

(٤) حدثنا يحيى بن يحيى، حدثنا بشر بن المفضل، عن غالب القطان، عن بكر بن عبد الله، عن أنس بن مالك، قال: كنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن جبهته من الأرض، بسط ثوبه، فسجد عليه. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب السجود على الثوب في شدة الحر، رقم الحديث: ٦٢٠)

حدثنا أحمد بن حنبل، حدثنا بشر -يعني: ابن المفضل -، حدثنا غالب القطان، عن بكر بن عبد الله عن أنس بن مالك، قال: كنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه، فسجد عليه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: الرجل يسجد على ثوبه، رقم الحديث: ٦٦٠) =

اور سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ ”كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر“(۱).

اور المصنف کی روایت میں ہے:”كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم في شدة الحر والبرد، فيسجد على ثوبه“(۲).

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پوری طرح واضح ہے(۳)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

۱۔ مذکورہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز میں عملِ قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲۔ کپڑا پیشانی کے نیچے بچھا کر اس پر سجدہ کرنے سے بھی نماز پر کوئی فرق نہیں پڑتا، چاہے وہ کپڑا متصل ہو یا غیر متصل۔

= حدثنا إسحاق بن إبراهيم بن حبيب قال: حدثنا بشر بن المفضل، عن غالب القطان، عن بكر بن عبد الله، عن أنس بن مالك، قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يقدر أحدنا أن يمكن جبهته، بسط ثوبه فسجد عليه. (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثياب في الحر والبرد، رقم الحديث:۱۰۳۳)

(۱)أخبرنا سويد بن نصر، قال: أنبأنا عبد الله بن المبارك، عن خالد بن عبد الرحمن هو السلمي، قال: حدثني غالب القطان، عن بكر بن عبد الله المزني، عن أنس قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، السجود على الثياب، رقم الحديث: ۱۱۱۷)

(۲)حدثنا أبو بكر قال: نا بشر بن المفضل، عن غالب، عن بكر، عن أنس، قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يسجد على چوبه من الحر والبرد، رقم الحديث: ۲۷۸۵، ۳۶۹/۱)

(۳)عمدة القاري: ۱۷٤/٤

کپڑے پرسجدہ کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

گرمی یا سردی کی شدت کے وقت جب کہ پیشانی زمین پر نہ ٹکتی ہو، اپنے جسم پر پہنے ہوئے کپڑے کا کوئی کنارہ بچھا کر اس پر سجدہ کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے(۱)۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک جسم کے ساتھ متصل کپڑا بچھا کر نماز کا سجدہ کرنا تو جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی کپڑا جسم سے منفصل ہو تو اس پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی: جو کپڑا جسم کے اوپر ہے، اس کا کوئی حصہ سجدے کی جگہ رکھتے ہیں، اور وہ حصہ نمازی کی حرکت سے متحرک ہوتا ہے تو اس پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ کپڑا اتنا بڑا ہے کہ سجدہ کرنے کی جگہ وہ پڑا ہوا ہے اور اس کا بقیہ حصہ نمازی نے پہن رکھا ہے، وہ رکوع میں جائے، سجدہ کرے، قیام کرے، تو ان سب حالتوں میں وہ کپڑا حرکت نہیں کرتا، تو پھر ایسے کپڑے پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے، یا پھر نماز سے خارج کپڑے پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے، ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن پر جو کپڑا ہوتا ہے وہ بھی مثلِ جزو بدن ہو کر نمازی کے ساتھ ہے، لہٰذا جس طرح جزوِ بدن پر سجدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس متصل کپڑے پر سجدہ کرنا بھی درست نہیں ہے(۲)۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما سننها فكثيرة: ٦٤٠/١

البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل: في اللغة فرق ما بين الشيئين: ٢١٠/١

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب: شروط الصلاة: ١٥٥/١

المدونة الكبرىٰ، كتاب الصلاة، السجود على الثياب والبسط: ١٧١/١

مواهب الجليل في الشرح الكبير، كتاب الصلاة، في فرائض الصلاة، فرع: فرش خمرة فوق البساط وصلى عليها: ٢٥٧/٢

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: مباشرة الأعضاء والسجود للمصلي: ١٩٧/٢

الإنصاف، كتاب الصلاة، صفة الصلاة: ٦٨/٢

المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، في صفة الصلاة: ٤٠٣/١

(٢) العزيز شرح الوجيز، كتاب الصلاة، كيفية الصلاة: ٥٢١/١

الحاوي الكبير للماوردي، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة: ١٦٤/٢

روضة الطالبيين، كتاب الصلاة، باب: في صفة الصلاة: ٣٦٣/١

۲۳ – باب : اَلصَّلَاةُ فِي اَلنِّعَالِ .

یہ باب ہے جوتے پہن کرنماز کے حکم کے بیان میں

"في النعال" یہ "في" علی کے معنی میں ہے، یا "ب" کے معنی میں، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ظرفیہ کے معنی میں لینا صحیح نہیں (۱)۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جوتے کے ساتھ یعنی: جوتے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

"نِعال" جمع ہے "نعلٌ" کی، اس کا معنی یہ ہے: جوتا اور ہر وہ چیز جس سے قدم کو بچایا جا سکے (۲)۔

مذکورہ باب کی ماقبل سے مناسبت

اس باب اور ماقبل کے باب کی مناسبت یہ ہے کہ وہاں چہرے کا اس کپڑے سے مَس کرنا تھا، جس پر سجدہ کیا جا رہا تھا، اب پاؤں کا اس جوتے سے مَس کرنا ہے جو پاؤں میں پہنا ہوا ہے (۳)۔

حدیثِ باب

۳۷۹ : حدّثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو مَسْلَمَةَ ، سَعِيدُ بْنُ يَزِيدَ ٱلْأَزْدِيُّ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ (۴) : أَكَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ ؟ قَالَ : نَعَمْ . [۵۵۱۲]

---

(۱) عمدة القاري: ۴/۱۷۶

(۲) معجم الصحاح للجوهري، ص: ۱۰۵۳

(۳) فتح الباري: ۱/۶۴۰۔ عمدة القاري: ۴/۱۷۴

(۴) أخرجه البخاري أيضا في اللباس، باب: النعال السبتية، رقم الحديث: ۵۸۵

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: جواز الصلاة في النعلين، رقم الحديث: ۵۵۵

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة في النعال، رقم الحديث: ۴۰۰

والنسائي في سننه، في القبلة، باب: الصلاة في النعلين، رقم الحديث: ۷۷۶

وابن ماجة في سننه، في الصلاة، باب: الصلاة في النعال، رقم الحديث: ۱۰۳۷

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، الباب الأول: في =

ترجمہ حدیث

حضرت سعید بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتوں میں نماز ادا فرماتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز ادا فرماتے تھے)۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چار رجال ہیں:

۱۔ آدم بن ابی ایاس

یہ "ابو الحسن آدم بن ابی ایاس عبد الرحمٰن العسقلانی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔ شعبہ

یہ "امیر المؤمنین شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی واسطی بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔ ابو مسلمہ سعید بن یزید الازدی

ان کا پورا نام "سعید بن یزید بن مَسلَمہ الازدی" ہے، ان کو "الطاحی" بھی کہا جاتا ہے(۳)، "الطاحی"

= الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الثاني: في طهارة اللباس، رقم الحديث: ٣٦١٨، ٤٤٥/٥

(١) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٢) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٣) تاريخ البخاري الكبير: ٥٢٠/٢ـ الكاشف: ٣٢٨/١، إكمال تهذيب الكمال: ٥/ ٣٧٢

قاضی کی مثل ہے، جو کہ الأ زد کے ایک محلّہ ''الطاحیہ'' کی طرف منسوب ہے(۱)، یہ نسبت ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الطاحی'' کی بجائے ''الطحان'' ذکر کی ہے(۲)۔

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ نے اس نسبت کے ذکر کرنے کو جید قرار نہیں دیا(۳)۔

ان کی کنیت ''ابومسلمہ البصری القصیر'' ہے(۴)۔ ''مَسلمہ'' میم کی فتحہ، سین کے سکون اور لام کی فتحہ کے ساتھ ہے، بعض لوگ اس کو میم کے ضمہ اور لام کی کسرہ سے نقل کرتے ہیں، وہ درست نہیں ہے(۵)۔

یہ جن اساتذہ ومشائخ سے روایت کرتے ہیں، ان میں

انس بن مالک، ابونضرہ، عکرمہ، ابی قلابہ، مطرف، یزید بن عبداللہ بن الشخیر، حسن بصری، شقیق بن نور وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

شعبہ، ابراہیم بن طہمان، حماد بن زید، عباد بن عوام، خالد بن عبداللہ، بشر بن المفضل، ابن عُلیہ، یزید بن زریع وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(٦)۔

ابوحاتم رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: صالح(۷).

یحیی بن معین اورامام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ثقة(۸).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن سعد، العجلی اور ابوبکر ابزار نے بھی ان کی توثیق کی ہے(۹)۔

---

(١) تهذيب التهذيب: ٤/١٠٠ـ إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: ١/٢٥٨

(٢) الثقات لابن حبان: ٤/٢٧٩

(٣)إكمال تهذيب الكمال: ٥/٣٧٢

(٤) التاريخ الكبيرللبخاري: ٢/٥٢٠ـ تهذيب الكمال: ١١/١١٤

(٥) إكمال اتهذيب الكمال: ٥/٣٧٣

(٦)تهذيب الكمال: ١١/١١٥ـ تهذيب التهذيب: ٤/ ١٠٠

(٧)الجرح والتعديل: ٤/ ٧٤

(٨)خلاصة الخزرجى، ص: ١٤٥ـ تهذيب الكمال: ١١/ ١١٥

(٩)تهذيب التهذيب: ٤/١٠١

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو "الثقات" میں بیان کیا ہے(۱)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر جوتے پہن کر کوئی نماز پڑھے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن پاک میں ہے: ﴿فاخلع نعليك﴾ اور نماز تو وادی مقدس سے بھی افضل ہے، کیونکہ "المصلي يناجي ربه" وارد ہوا ہے، تو ابہام ہوتا تھا کہ نماز بھی جوتوں میں جائز نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے اس کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ بعض علماء یوں فرماتے ہیں کہ عرب کے جوتوں میں تو نماز جائز ہے، ہندی جوتوں میں نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جوتے بالکل چپل کی طرح ہوتے ہیں، جیسا کہ نعلین شریفین کے نقشۂ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے"(۳)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ جوتے پہن کر نماز ادا کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ پاک ہوں، یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے آثار سے ثابت ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس بات کو اس امت کے خصائص میں سے شمار کرایا ہے(۴)۔

---

(۱)الثقات لابن حبان: ٤/٢٧٩

(۲)کشف الباری: ٢/٤

(۳)سراج القاري: ٢/٤١٦

(٤)أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب، الباب الأول: في خصائص التي اختص بها دون جميع الأنبياء، الفصل الثاني: فيما اختص به في شرعه وأمته في الدنيا، ص: ٩٠

علامہ مقریٔ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فتح المتعال في مدح النعال" میں حافظ زین الدین العراقی رحمہ اللہ کا ایک سوال و جواب نقل کیا ہے، جس میں حافظ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ (بخاری شریف کی اس حدیث سے) ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جوتوں میں نماز ادا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مستمرہ تھی (۱)۔

اس کا جواب علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ نے اپنی کتاب "غاية المقال فيما يتعلق بالنعال" میں یہ دیا ہے کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ کی دوام واستمرار والی بات قابلِ تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، ہاں! یہ ممکن ہے کہ حدیث میں موجود لفظِ ''کان'' سے استدلال کیا گیا ہو کہ وہ استمرار کے معنی پیدا کرتا ہے، لیکن اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ لفظِ ''کان'' اصالۃً دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے (۲)۔ لہٰذا اس سے بھی دلیل پکڑنا درست نہیں ہوگا (۳)۔

ابن دقیق العید رحمہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث مبارکہ سے جوتے پہن کر نماز ادا کرنے کے جواز کا علم ہوتا ہے، لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ اس عمل کے استحباب کا قول اختیار کیا جائے، اس لیے کہ یہ امر نماز کے معنی مطلوب میں داخل نہیں ہے۔

اس پر اعتراض کیا جائے کہ جوتے پہننے سے زینت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ جس طرح نماز میں اچھے کپڑوں کے ذریعے حصولِ زینت مطلوب ہے اسی طرح اس معاملے میں بھی ہونا چاہیے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات تسلیم ہے مگر بات یہ ہے کہ ہم زمین پر جوتے پہن کر ہی چلتے ہیں، حالانکہ زمین پر نجاستیں پڑی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے جوتے بھی نجس ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز میں جوتوں کی وجہ سے حاصل ہونے والی زینت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، اس طرح یہاں جوتوں کی زینت اور اپنے سے نجاست والی چیزوں کو دور کرنے میں تعارض ہو گیا، جس کے نتیجے میں ازالہ نجاست کو ترجیح دی جائے گی، لہٰذا

---

(١)فتح المتعال في مدح النعال، بحث جواز الصلاة في النعل،ص: ٩٣، دار القاضي للتراث.

(٢) شرح النووي، كتاب الحج، باب: الاشتراك في الهدي واجزاء البقرة، رقم الحديث: ٣٣٢٧، ٤٦١/٤

(٣) إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، رقم الحديث: ٩٤، الصلاة في النعلين، ص: ٥٠

غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، مسألة: يجوز الصلاة في النعلين، ص: ٢١

نماز میں جوتے اتار کر نماز پڑھنا راجح ہوگا، اس لیے کہ وہ نجاست سے ملوث ہوتے ہیں، اور جوتوں کے ذریعے زینت کا حصول مرجوح ہوجائے گا"(۱)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

تاتارخانیہ میں ہے کہ یہود کی مخالفت کی غرض سے پاک جوتے یا موزے پہن کر نماز ادا کرنا افضل ہے(۲)۔

طبرانی رحمہ اللہ نے "المعجم الکبیر" میں حدیث نقل کی ہے:"صلوا في نعالكم ولا تشبهوا باليهود"(۳)۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "جامع الصغیر" میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اسی وجہ سے حنابلہ اس فعل کو سنت قرار دیتے ہیں، اگرچہ انہیں پہن کر گلی محلوں میں پھرا جاتا ہو، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوتوں کے ساتھ مدینہ کے راستوں میں چلا کرتے تھے، اور پھر انہیں میں نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اگر جوتے کی وجہ سے مسجد کا گرد وغبار وغیرہ سے ملوث ہونا ثابت ہوتا ہو تو پھر بغیر جوتوں کے ادا کرنا بہتر ہوگا، اگرچہ پاک ہوں۔ مسجدِ نبوی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی ہوتی تھی کہ اس کے فرش پر سنگریزے اور کنکر وغیرہ بچھے ہوتے تھے، بخلاف ہمارے زمانے کے۔ کہ آج کل تو مسجد نبوی اور دیگر مساجد میں قالین وغیرہ بچھے ہوتے ہیں۔

اور عمدۃ المفتی میں مذکور قول "کہ مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا سوءِ ادب ہے" کا محمل یہی ہوگا(۴)۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ چپلوں میں نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مباح (بلا کراہت) کے درجہ میں ہے،

(۱)إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، الحديث: ٩٤، الصلاة في النعلين، ص: ٢٠

(٢)التاترخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع: في بيان ما يكره للمصلي: ٥٧١/١

(٣)عن هلال بن ميمون، عن يعلى بن شداد، عن أبيه، أو غيره من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، شك هلال، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوا في نعالكم، ولا تشبهوا باليهود. (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ٧١٦٤، ٢٩٠/٧)

(٤) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد: ١٩٩/٤، دار الثقافة

مستحب نہیں، لہٰذا شامی میں اس کو ایک جگہ مستحب لکھنا اور دوسری جگہ مکروہِ تنزیہی، خلافِ تحقیق ہے۔ میرے نزدیک حقیقتِ امر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر پہنچنے کے وقت نعلین اُتارنے کے حکم سے یہود نے مطلقاً ممانعت سمجھی تھی، اس لیے ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی نعلین کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے، اسی غلطی اور شدت کی شریعت محمدیہ نے اصلاح کی ہے، اور مطلق جواز کو باقی رکھا، بعض روایات میں "خالفوا اليهود" آیا بھی ہے، معلوم ہوا کہ جن روایات میں نعلین کے ساتھ نماز کا حکم آیا ہے، وہ بھی یہود کی مخالفت کے لیے ہے، اس لیے نہیں کہ وہ فی نفسہ مطلوبِ شرع ہے کہ مستحب سمجھ لیا جائے۔

مؤطا امام مالک میں کعب احبار سے یہ روایت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مردہ گدھے کے چمڑے کے تھے، اس لیے ان کو اتارنے کا حکم ہوا تھا (☆)۔

میں ظاہرِ قرآن سے یہ سمجھا ہوں کہ نعلین اتارنے کا حکم "تأدبا" تھا، اسی لیے اس سے پہلے "إني أنا ربك" فرمایا ہے، گویا سببِ خلع کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا اس سے عدمِ جواز بھی ثابت نہیں ہوگا۔ غرض کہ ادب کے ساتھ جواز کی تعلیم ملتی ہے، خواہ امرِ خلع کو اس وجہ سے سمجھا جائے جو کعب نے ذکر کی ہے، یا اس وجہ سے ہو جس کی طرف الفاظِ قرآنی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور یہود کے عدمِ جواز والے حکم کی کوئی گنجائش نہیں ہے، شریعت محمدیہ نے اسی طرح بہت سے دوسرے مواضع میں بھی مزاعمِ یہود کی تغلیط واصلاح کی ہے، یعنی: جن امور میں ان کو مغالطے لگے اور وہ حقیقت سے دور ہٹ گئے، ہماری شریعت نے حقیقت واضح کر کے ان کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے (۱)۔

"نعال" سے کیا مراد ہے؟

علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس زمانہ کے "نعال" (چپل) ہمارے زمانے کے جوتوں سے مختلف تھے، اور غالب یہ ہے کہ اِن جوتوں میں نماز درست بھی نہیں ہوگی، کیونکہ پاؤں ان کے اندر ہوتے ہوئے زمین پر نہیں لگتے، بلکہ اوپر لٹکے رہتے ہیں، لہٰذا سجدہ کامل نہیں ہوگا (۲)۔

(☆) مؤطا امام مالك، الجامع، ما جاء في النعال، رقم الحديث: ۳۳۹٦

(۱) انوار البارى: ۱۲/۱٦۵۔ فيض الباري: ۲/۳٤، ۳۵

(۲) فيض الباري: ۲/۳٤، العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة في النعال، رقم الحديث: ۹۳، ۱/۱۲۷، انوار الباري: ۱۲/۱٦۵

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات یہاں خیال رہے کہ عرب میں "نعل" مطلق جوتے کونہیں کہا جاتا، بلکہ "نعل" اصل میں چپل کو کہا جاتا ہے اور عرب کا چپل ایسا ہوتا تھا کہ اس کو پہن کر سجدہ کرنے میں پاؤں کی انگلیاں بالکلیہ زمین سے الگ نہیں رہتی تھیں، بلکہ اسے (پہنے ہوئے بھی) پیر زمین سے ملصق ہوتے تھے، باقی آج کل ہمارے یہاں کا جو جوتا ہے، مثلا: بوٹ؛ اس کو عربی میں "نعل" نہیں کہا جاتا، بلکہ "مداس" کہا جاتا ہے، یہ بوٹ یا اس قسم کا جو جوتا بھی ہو، جس کو پہن کر سجدہ میں جانے سے پیر زمین سے اٹھا رہتا ہے، ایسے جوتے پہن کر نماز درست نہیں، کیونکہ سجدہ کے وقت پیر زمین سے لگنا چاہیے۔

یہ بات بھی خیال رہے کہ جوتا جو عرب کے نعل جیسا ہو، (اور پاک بھی ہو) اس میں نماز اگرچہ جائز ہے، مگر آج کل ان کو پہن کر مسجدوں میں نہ جانا چاہیے، کیونکہ آج کل مسجدوں میں قیمتی فرش ہوتا ہے، وہ (چپل گرد وغبار وغیرہ سے) ملوث ہوگا، مسجدِ نبوی میں تو فرش نہیں تھا، کنکریاں بچھی ہوئی تھیں (۱)۔

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جوتوں میں نماز کی ادائیگی کا حکم یہود کی مخالفت کی وجہ سے دیا گیا، اور ہمارے اس زمانے میں مناسب یہ ہے کہ ننگے پاؤں ہی نماز ادا کرنے کا حکم دیا جائے، اس لیے کہ وہ جوتے سمیت اپنی عبادت کرتے ہیں (۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پوری طرح واضح ہے (۳)۔

(۱)فضل الباري: ۱۰۱/۳۔ فتح الملهم، كتاب الصلاة، باب: جواز الصلاة في النعلين، رقم الحديث: ٦٠

(۲)بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في النعل، رقم الحديث: ٦٥٢، ٣٢٠/٤، ٣٢١

(۳)عمدة القاري: ١٧٦/٤

۲٤ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي اَلْخِفَافِ .

یہ باب موزوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں ہے

"خِفاف" بكسر الخاء "خف" کی جمع ہے، اس کے معنی چمڑے کے بنے ہوئے موزے ہیں(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

شراح اس باب کے متعلق بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ ''خفاف'' لباس میں داخل ہیں، اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔ اور میری رائے ہے کہ "صلاة في الخفاف" کی اولویت بیان فرمارہے ہیں، اس لیے کہ ابوداؤد میں ہے:"خالفوا اليهود، فإنهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم" تو اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی اولویت کی طرف اشارہ فرمایا ہے(۲)۔

حدیثِ باب: (پہلی حدیث)

۳۸۰ : حدَّثنا آدَمُ(۳) قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنِ اَلْأَعْمَشِ قَالَ : سَمِعْتُ إِبْراهِيمَ يُحَدِّثُ : عَنْ هَمَّامِ بْنِ اَلحارِثِ قَالَ : رَأَيْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اَللهِ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى ، فَسُئِلَ فَقَالَ : رَأَيْتُ اَلنَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا .

قَالَ إِبْراهِيمُ : فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ ، لِأَنَّ جَرِيرًا كَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ أَسْلَمَ .

---

(۱)القاموس المحيط: ۱۳۱/۳۔ المعجم الوسيط، ص: ۲۷۷

(۲)تقرير بخارى شريف: ۲/ ۱۳۷

(۳) رواه مسلم في الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ۲۷۲

وأبو داؤد في سننه، في الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ۱٥٤

والترمذي في جامعه، في الطهارة، باب: في المسح على الخفين، رقم الحديث: ۹۳

والنسائي في سننه، في الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ۱۱۸

وابن ماجة في سننه، في الطهارة، باب: ما جاء في المسح على الخفين، رقم الحديث: ٥٤۳

وفي جامع الأصول، حرف الطاء، الكتاب الأول: في الطهارة، الباب الرابع: في الوضوء، الفصل الثالث: في المسح على الخفين، الفرع الأول: في جواز المسح، رقم الحديث: ٥۲۷٤، ۲۳۷/۷

ترجمہ حدیث

حضرت ہمام بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور نماز ادا کی، ان سے پوچھا گیا (کہ یہ آپ نے کیا کیا) تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیم (نخعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث لوگوں کو بہت پسند تھی کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے آخر کے آدمیوں میں سے تھے۔

تراجم رجال

اس حدیث کے رجال کے کل چھ رجال ہیں:

۱۔آدم

یہ "ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن العسقلانی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ "شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی واسطی بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/٦٧٨

(۲) کشف الباری: : ۱/٦٧٨

۳۔ اعمش

یہ ”ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی الاعمش“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۴۔ ابراہیم

یہ ”ابوعمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ ہمام بن حارث

ان کا پورا نام ہمام بن الحارث النخعی الکوفی رحمہ اللہ ہے(۳)۔ یہ اہل شام کے طبقہ اولی کے تابعی تھے(۴)۔

ان کے اساتذہ ومشائخ میں

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن مسعود، عدی بن حاتم، عمار بن یاسر، عمر بن الخطاب، مقداد بن الاسود، ابومسعود الانصاری اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں

ابراہیم نخعی، سلیمان بن یسار اور وبرہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۵)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے(۶)۔

یحیی بن معین رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة(۷).

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲۵۱

(۲) کشف الباری: ۲/۲۵۳

(۳) التاريخ الكبير للبخاري: ٤/٢٣٦۔ خلاصة الخزرجي، ص: ٤١١

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٦/١١٨

(٥) تهذيب الكمال: ٣٠/٢٩٧۔ تهذيب التهذيب: ١١/٦٦

(٦) كتاب الثقات لابن حبان: ٥/٥١٠

(٧) الجرح والتعديل: ٩/١٣١۔ سير أعلام النبلاء: ٤/٢٨٤

ابوالحسن المدائنی رحمہ اللہ انہیں اہل کوفہ کے عباد میں ذکر کرتے ہیں(۱)۔

یہ رات کو تھوڑی دیر سوتے تھے، اکثر رات جاگ کر عبادت میں گذارا کرتے تھے، اور اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:"اللھم اشفني من نومي يسير، واجعل سهري في طاعتك"(۲). جب یہ سوکر اٹھتے تھے تو ان کے چہرے کو دیکھ کر خبر ہو جاتی تھی وہ رات بھر نہیں سوئے(۳)۔

ان کی وفات کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں تریسٹھ ہجری میں فوت ہوئے۔ اور "قيل" کے ساتھ ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ عبداللہ بن یزید کی امارت میں پینسٹھ ہجری میں فوت ہوئے(۴)۔

جب کہ تاریخ ابن قانع میں ہے کہ اکسٹھ ہجری میں فوت ہوئے۔ اور تاریخ خلیفہ میں ہے کہ چونسٹھ ہجری میں فوت ہوئے(۵)۔

۶۔ جریر بن عبداللہ

یہ "مشہور صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کوفی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة، کے تحت گزر چکا ہے(۶)۔

شرحِ حدیث

عن همام بن الحارث قال رأيت جرير بن عبد الله بال، ثم توضأ، ومسح على خفيه، ثم قام، فصلى.

(۱) حلية الأولياء: ٤/١٧٨

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٦/١١٦۔ سير أعلام النبلاء: ٤/٢٨٤

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ١٢/١٦٤

(٤) الثقات لابن حبان: ٥/٥١٠۔ الطبقات الكبرى لابن سعد: ٦/١١٦

(٥) إكمال تهذيب الكمال: ١٢/١٦٤۔ تهذيب التهذيب: ١١/٦٦

(٦) كشف الباری: ٢/٧٦٤

حضرت ہمام بن حارث روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔

اتنی بات کا ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے موزوں میں ہی نماز ادا کی۔ اس لیے کہ اگر وہ موزے اتارتے تو ان پر پاؤں کا دھونا ضروری ہوتا، جس کی بنا پر وہ پاؤں دھوتے، چنانچہ اگر یہ سب کچھ ہوتا تو اس کو نقل بھی کیا جاتا، اور یہاں یہ سب کچھ مذکور نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا(۱)۔

فسئل

پس حضرت جریر بن عبداللہ رجی اللہ عنہ سے ان کے موزوں پر مسح کرنے اور موزوں میں ہی نماز ادا کرنے کی بابت پوچھا گیا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟(۲)

سائل کون تھا؟

طبرانی رحمہ اللہ نے ایک روایت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے حضرت ہمام بن الحارث رحمہ اللہ تھے(۳)۔

اور المعجم الکبیر میں ہی امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے: "فعاب ذلك عليه رجل من القوم"(٤).

---

(١)فتح الباري: ١/٦٤١- عمدة القاري: ٤/١٧٨

(٢)فتح الباري: ١/٦٤١- عمدة القاري: ٤/١٧٨

(٣)حدثنا أسلم بن سهل الواسطي، ثنا محمد بن حسان البرجناني، ثنا محمد بن يزيد الواسطي، عن جعفر بن الحارث، عن سليمان، عن إبراهيم، عن همام بن الحارث، قال: بال جرير ثم توضأ ومسح على خفيه، فقلت له: أتفعل هذا وقد بلت؟ قال: فإني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بال ثم توضأ، ومسح على خفيه. (المعجم الكبير للطبراني، باب الجيم، جرير بن عبد الله البجلي، رقم الحديث: ٢٤٢٨، ٢/٣٤٣.)

(٤)حدثنا محمد بن النضر الأزدي، ثنا معاوية بن عمرو، ثنا زائدة، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن همام بن الحارث، قال: بال جرير، فتوضأ ومسح على الخفين، فعاب ذلك عليه رجل من القوم، فقال جرير: إن أفعل فقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل هذا. (المعجم الكبير للطبراني، باب الهمام بن الحارث، رقم الحديث: ٢٤٢٣، ٢/٣٤١.) =

فقال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم صنع مثل هذا.

تو حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

یعنی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح موزوں پر مسح کیا اور پھر انہی موزوں میں نماز ادا فرمائی (۱)۔

قال إبراهيم: فكان يعجبهم؛ لأن جريرا كان من آخر من أسلم.

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث لوگوں کو بہت پسند تھی، کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اخیر زمانہ میں تھا۔

''ابراہیم'' سے مراد ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ہی ہیں، جو سند میں مذکور ہوئے ہیں (۲)۔

"فکان" کی ضمیر کا مرجع "حديثِ جرير" ہوگا جو کہ سیاق وسباق سے سمجھ آرہا ہے، اور "يعجبهم" کی "هم" ضمیر قوم کی طرف لوٹے گی (۳)۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لوگوں کو اس لیے بہت زیادہ پسند تھی کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخر میں مسلمان ہوئے، ان میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ بھی تھے، لہٰذا ان کا وضوء میں موزوں پر مسح کرنا اور پھر یہ بتلانا کہ میں نے اسی طرح موزوں پر مسح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا ہے، اس امر کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں کے مسح پر آخر تک عمل رہا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: "لأن إسلام جرير كان بعد نزول المائدة" (٤).

=نوٹ: فتح الباری اور عمدۃ القاری میں "فعاب عليه ذلك" ہے، جب کہ اصل کتاب میں "فعاب ذلك عليه" ہے، یعنی: ذلك اور عليه کی تقدیم وتاخیر ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۱/۶۴۱، اور عمدۃ القاری: ۴/۱۷۸

(١) إرشاد الساري: ٢/٥٠

(٢) عمدة القاري: ٤/١٧٨ - إرشاد الساري: ٢/٥٠

(٣) عمدة القاري: ٤/١٧٨ - إرشاد الساري: ٢/٥٠

(٤) حدثنا يحيى بن يحيى التميمي، وإسحاق بن إبراهيم، وأبو كريب، جميعا عن أبي معاوية ح، وحدثنا =

اورسنن ابی داؤد میں ''شہر بن حوشب'' کی روایت میں یہ الفاظ ہیں : "إنما كان ذٰلك قبل نزول المائدة، قال: ما أسلمت إلا بعد نزول المائدة"(۱).

اورسنن الترمذی میں ''شہر بن حوشب'' کی روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل ایسا کرتے دیکھا ہے یا بعد میں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو مسلمان ہی سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد ہوا ہوں، یعنی: نزول مائدہ کے بعد ہی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مفسر ہے، اس لیے کہ بعض منکرین مسح علی خفین کے بارے میں یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ نازل ہونے سے قبل کیا تھا، جبکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس حدیث میں یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے(۲)۔

= أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا أبو معاوية، ووكيع واللفظ ليحيى، قال: أخبرنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن همام، قال: بال جرير، ثم توضأ، ومسح على خفيه، فقيل: تفعل هذا؟ فقال: نعم، رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بال، ثم توضأ ومسح على خفيه .قال الأعمش: قال إبراهيم: كان يعجبهم هذا الحديث لأن إسلام جرير، كان بعد نزول المائدة . (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ۲۷۲)

(۱)حدثنا على بن الحسين الدرهمي، حدثنا ابن داود، عن بكير بن عامر، عن أبي زرعة بن عمرو بن جرير أن جريرا بال ثم توضأ فمسح على الخفين، وقال: ما يمنعني أن أمسح وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح، قالوا: إنما كان ذلك قبل نزول المائدة، قال: ما أسلمت إلا بعد نزول المائدة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب: المح على الخفين، رقم الحديث: ۱٥٤)

(۲)ويروى عن شهر بن حوشب، قال: رأيت جرير بن عبد الله توضأ، ومسح على خفيه، فقلت له في ذلك، فقال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم توضأ، ومسح على خفيه، فقلت له: أقبل المائدة، أم بعد المائدة؟ فقال: ما أسلمت إلا بعد المائدة، حدثنا بذلك قتيبة، قال: حدثنا خالد بن زياد الترمذي، عن مقاتل بن حيان، عن شهر بن حوشب، عن جرير. =

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا قول

علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا: سورۂ مائدہ کی آیت: ﴿وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين﴾ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو میں پاؤں دھونے کی فرضیت ہی سمجھی تھی، اس لیے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے فعل وروایتِ مذکورہ سے بہت خوش ہوئے تھے، کیونکہ اس آیت سے وہم مسح خفین کے منسوخ ہونے کا ہوسکتا تھا، وہ اُن کے فعل وروایت کی وجہ سے ختم ہوگیا تھا، اور یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ مسحِ خفین کا حکم آیتِ مائدہ مذکورہ کے بعد بھی بدستور باقی ہے، لیکن حضرات صحابہؓ کے علم وفہم کے برخلاف روافض نے یہ سمجھا کہ آیتِ مائدہ مذکورہ کے تحت وضو کے اندر ہر حالت میں اور بغیر موزوں کے بھی پاؤں پر مسح ہی کرنا چاہیے، دھونا فرض نہیں ہے، اور خوارج وامامیہ کے نزدیک موزوں پر مسح درست نہیں ہے، وہ اسی آیتِ مائدہ سے یہ سمجھے ہیں کہ مسح کا حکم صرف پاؤں کے لیے ہے، لہٰذا موزے پہنے ہوئے کی حالت میں ان پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا۔

ان دونوں فرقوں کے علاوہ تمام ائمہ مجتہدین اور سارے علمائے سلف وخلف کا مذہب یہی ہے کہ بغیر موزوں کے وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور موزوں کی حالت میں ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

اور صحابہ کرام میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی طرف عدمِ جوازِ مسح علی الخفین کا قول منسوب کیا گیا ہے، اول تو یہ نسبت ضعیف ہے۔ دوسرے ان حضرات سے بھی ثبوتِ جواز کے لیے قوی روایات موجود ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے وہ خیال ہوا اور پھر اس سے رجوع کرلیا ہو، واللہ تعالی اعلم

ائمہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی انکار منسوب ہوا، لیکن علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ فقہائے سلف میں سے کسی نے بھی مسح خفین کا انکار کیا ہو، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے، مگر ان میں سے جو صحیح روایات ہیں وہ ثبوت کی صراحت کرتی ہیں (۱)۔

= وروى بقية، عن إبراهيم بن أدهم، عن مقاتل بن حيان، عن شهر بن حوشب، عن جرير.

وهذا حديث مفسر لأن بعض من أنكر المسح على الخفين تأول أن مسح النبي صلى الله عليه وسلم على الخفين كان قبل نزول المائدة، وذكر جرير في حديثه أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين بعد نزول المائدة. (سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ٩٤)

(۱) انوار الباری: ۱۲/ ۱۶۷۔ فیض الباری: ۲/ ۳۶

موزوں پر مسح اجماعی مسئلہ ہے

صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موزوں کے مسح پر قولا وفعلا اجماع ہے، حتی کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا وہ سب کے سب مسح علی الخفین کی روایت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسح علی الخفین کے جواز کا عقیدہ رکھنا اہل سنت والجماعت کی شرائط میں سے ہے، انہوں نے فرمایا: اہلِ سنت کی علامت یہ ہے تم شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو فضیلت دو اور دو دامادوں (حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھو، موزوں پر مسح کو جائز سمجھو اور کھجور کی نبیذ کو حرام قرار نہ دو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ

میں نے اس وقت تک موزوں پر مسح کو جائز قرار نہیں دیا جب تک ان کا جواز مجھ پر روز روشن کی طرح واضح نہیں ہوگیا، اور اس کا انکار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رد کرنا ہے اور ان کو خطا پر قرار دینا ہے، اس لیے علامہ کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا: جو موزوں پر مسح کا انکار کرے مجھے اس پر خطرہ کفر ہے۔.................................

حضرت عائشہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد مسح کیا ہے۔

اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، ان سے پوچھا گیا: سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد ہی تو اسلام قبول کیا ہے(۱)۔

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کی مناسبت حدیث مبارکہ کے جملے: "ومسح علی خفیه، ثم قام، فصلی" سے پوری طرح واضح ہے(۲)۔

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، باب: المسح علی الخفين: ۱/۱۳۰، دار الکتب العلمیه

(۲)عمدة القاري: ۴/۱۷۷

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، مثلا:

۱۔لوگوں کی موجودگی میں پیشاب کرنا جائز ہے، اگرچہ سنت یہ ہے کہ لوگوں سے دور جا کر کرے(۱)۔

۲۔موزوں پر مسح کرنا جائز ہے(۲)۔

۳۔احکام میں سے کسی حکم کے باقی رہ جانے یعنی: منسوخ نہ ہونے پر خوشی کا اظہار کرنا پسندیدہ امر ہے(۳)۔

۴۔موزے پہن کر نماز ادا کرنا جائز ہے(۴)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیثِ باب: دوسری حدیث

۳۸۱ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ : حَدَّثنا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنِ ٱلْأَعْمَشِ ، عَنْ مُسْلِمٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنِ ٱلْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ : وَضَّأْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ ، فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَصَلَّى . [ر : ۱۸۰](۵)

ترجمہ حدیث

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور نماز ادا کی۔

تراجمِ رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل چھ رجال ہیں:

---

(۱) عمدة القاري: ۱۷۹/٤، الشرح الميسر: ٤٣٩/١

(۲)عمدة القاري: ۱۷۹/٤، الشرح الميسر: ٤٣٩/١

(۳)عمدة القاري: ۱۷۹/٤

(٤)التوضيح لابن الملقن: ٣٦٨/٤۔ الشرح الميسر: ٤٣٩/١

(٥)مر تخريجه تحت كتاب الوضوء، باب: الرجل يوضئ صاحبه

اسحاق بن نصر

یہ "اسحاق بن ابراہیم بن نصر البخاری السعدی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، وهي تستر، فالستر أفضل(۱).

ابواسامہ

یہ "ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید قرشی کوفی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: فضل من علِم وعلَّم، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

الاعمش

یہ "ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی" رحمہ اللہ ہیں

ان کے حالات کا بیان کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت ہو چکا ہے(۳)۔

مسلم

یہ "مسلم بن صبیح" رحمہ اللہ ہیں، یا "مسلم بن عمران" رحمہ اللہ، اس بارے میں دونوں قسم کے احتمالات ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں حضرات "اعمش" سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ "مسلم"، یا تو "ابن عمران" ہیں، جو ابطین سے مشہور ہیں، یا پھر "ابن صُبیح" ہیں، جو ابوالضحی سے مشہور ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں مراد پہلے والے ہیں(۴)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا مذکورہ دعوی کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں دوسرے کو مراد لینا زیادہ ظاہر

---

(۱) كشف الباري، كتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، وهي تستر، فالستر أفضل.

(۲) كشف الباري: ۴۱۴/۳

(۳) كشف الباري: ۲۵۱/۲

(۴) شرح الكرماني: ۵۰/۴

ہے، جیسا کہ امام مزی رحمہ اللہ نے "أطراف" میں تصریح کی ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی "حفاظ" کا قول ذکر کرتے ہوئے "مسلم بن صُبیح"، کو ہی ترجیح دی ہے(۲)۔

جو بھی صورت ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ دونوں ہی صحیح البخاری کے راوی ہیں، اور دونوں ہی ثقہ ہیں(۳)۔

اگر یہ "مسلم بن صُبیح" مراد ہوں تو ان کا ذکر کتاب **الصلاۃ**، باب: الصلاة في الجبة الشامية، ص: ۳۵۸، میں گزر چکا ہے۔ اور اگر "مسلم بن عمران" ہیں تو ان کا ذکر آگے کتاب **العیدین**، باب: فضل العمل في أيام التشريق میں آئے گا۔

مسروق

یہ "مسروق بن الاجدع بن مالک بن امیہ وداعی ہمدانی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة المنافق، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

مغیرۃ بن شعبہ

یہ "مغیرہ بن شعبہ" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب **الوضوء**، باب: الرجل الذي يوضئ صاحبه، کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کی مکمل تشریح کتاب الوضوء میں گزر چکی ہے۔

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث مبارکہ کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ دونوں میں موزوں میں نماز ادا کرنے کا ذکر ہے(۶)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٨٠

(٢)فتح الباري: ١/٦٤٢

(٣)عمدة القاري: ٤/١٨٠

(٤)كشف الباري: ٢/٢٨١

(٥) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: الرجل الذي يوضئ صاحبه. (٦)عمدة القاري: ٤/١٧٩

۲۵ – باب : إِذَا لَمْ يُتِمَّ ٱلسُّجُودَ .

یہ باب ہے کہ جب کوئی نمازی سجدہ پورا نہ کرے (تو اس کی نماز باطل ہے)

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ باب اور اس سے آگے والا باب "يبدي ضبعيه ويجافي في السجود" اشکال کا باعث بن گئے ہیں، اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ستر کے مسائل اور مصلی کی طہارت کے مسائل بیان کرتے ہوئے آرہے ہیں۔

جبکہ یہاں "إذالم يتم السجود" کا ترجمہ نہ ستر سے متعلق ہے اور نہ طہارتِ مصلی سے متعلق ہے، بلکہ اس کا تعلق توصفتِ صلوٰۃ سے ہے، اور صفت صلوٰۃ کے ابواب آگے آرہے ہیں، اور وہاں بھی یہ دونوں ترجمے آرہے ہیں، چنانچہ بظاہر ان کا ذکر بے محل ہے۔

تکرار کا اشکال تو وہاں ہوگا جب یہ دوبارہ آئیں گے، یہاں تو پہلی دفعہ آرہے ہیں، لیکن بے محل ہونے کا اشکال بہرحال موجود ہے۔

اصیلی کے نسخے میں یہ دونوں باب موجود ہیں، اور مستملی کے نسخے میں یہ دونوں باب نہیں ہیں، تو یہ نسّاخ کی غلطی ہے(۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فربری سے یہ منقول ہے کہ بخاری کے بعض اوراق علیحدہ علیحدہ تھے، بعض کاتبوں اور ناسخین کو مغالطہ پیش آیا، انہوں نے ان اوراق کے ابواب کو بے محل یہاں ذکر کر دیا، یہ ان ابواب کا مقام اور محل نہیں ہے، بات ایک ہی ہے کہ یہ ناسخین کی غلطی ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مستملی کا نسخہ زیادہ معتبر ہے، نیز! اس لیے کہ ہر باب کا اپنے مقام پر آنا ہی زیادہ مناسب ہے اور پھر

(۱)فتح الباري: ۱/ ٦٤٢

(۲)تراجم أبواب صحيح البخاری للدهلوي، ص: ۳۱

مصنف یعنی: امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت بھی یہ نہیں کہ وہ ابواب کو مکرر لائیں۔

اور اگر مناسبت تلاش کرنا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے، مثلا: اس پہلے باب کی مناسبت یہ بن سکتی ہے کہ جس نے شرائط نماز میں سے کوئی شرط موقوف کر دی تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے: اس نے نماز کے رکن کو ترک کیا، یعنی: دونوں کی نماز نہیں ہوگی، تو یہاں سجدہ پورا نہ کرنے سے نماز کی عدمِ تمامیت کو بیان کیا ہے۔

اور آگے والے دوسرے باب کی ماقبل سے مناسبت اس طرح بن سکتی ہے کہ سجدہ میں مجافات (یعنی: بازوؤں کو پیٹ سے دور رکھنا) ستر کے منافی نہیں ہے، لہذا اس سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

لیکن فی الجملہ اصل بات وہی ہے کہ ان ابواب کا یہاں مذکور ہونا کاتبوں کی غلطی ہے، ان سے نماز باطل نہیں ہوگی (۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ آخری بات (کہ میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے ہے) کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا ان دونوں ابواب کا اعادہ کرنا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ کسی فائدے کی وجہ سے ہی تکرار کرتے ہیں، اور وہ یہاں موجود ہے، مثلا: یہاں ترجمۃ الباب ہے: "باب: إذا لم يتم السجود" اور آگے آنے والے باب میں عنوان: "باب: إذا لم يتم الركوع" ہے۔

اور اس جگہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد "الصلت ابن محمد" ہیں، جو عن مهدي عن واصل عن أبي وائل عن حذيفة أنه رأى رجلا ....الخ" کی سند سے روایت کرتے ہیں۔

اور آگے آنے والے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ "حفص بن عمر" ہیں، جو عن شعبة عن سليمان قال: سمعت زيد بن وهب قال: رأى حذيفة رجلا ....إلخ کی سند سے روایت کرتے ہیں، اس کے علاوہ متن میں بھی قدرے تغایر ہے۔

البتہ دوسرے باب کا اس جگہ ذکر بے محل ہے، اس لیے بالکلیہ یہ باب اس ترجمہ، متن اور رواۃ کے

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶٤۲

ساتھ آگے آرہا ہے۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''اصیلی'' کی روایت میں تو یہ دونوں ابواب موجود ہیں، تو پھر اس صورت میں ان ابواب کی ماقبل ابواب کے ساتھ کیا مناسبت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مناسبت ظاہر ہے کہ ماقبل ابواب بھی اور یہ دونوں ابواب بھی سجود کے حکم سے متعلق ہیں (۱)۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ فقہاء کرام نے سجدہ کے لیے شرائط ذکر کی ہیں، جیسے: حالتِ سجدہ میں زمین کی سختی کو پانا وغیرہ، پس اعتدال کے ساتھ سجدہ کرنا بھی اس جہت کے ساتھ نماز اور سجدہ کی شرائط میں سے، پس اس مناسبت سے اسے ذکر کر دیا (۲)۔

علامہ بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے سجدہ کی تمامیت کا شرائط نماز سے ہونا مراد ہے (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ دونوں باب صفحہ ایک سو بارہ پر آرہے ہیں، اور باب: ''لا یکف ثوبه في الصلاة'' صفحہ ایک سو تیرہ پر۔ اب شراح یہ کہتے ہیں کہ یہاں تو ابواب الثیاب چل رہے تھے، یہ درمیان میں دو باب کیسے آگئے، ہو نہ ہو یہ کسی کاتب کا تصرف ہے کہ غلط جگہ پر آگئے ہیں، اور لباس کے دو باب جو صفحہ ایک سو تیرہ پر آرہے ہیں وہ ابواب السجود میں چلے گئے ہیں، یہ بھی کاتب کا تصرف ہے۔

حضرت شاہ صاحب (ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ) رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور انہوں نے فربری سے اس کی تائید نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بخاری کی نقل میں کہیں کہیں غلطی واقع ہوگئی ہے، حافظ صاحب

---

(۱) عمدة القاري: ١٨٠/٤

(۲) فيض الباري: ٣٧/٢، أنوار الباري: ١٧١/١٢

(۳) البدر الساري إلى فيض الباري: ٣٧/٢

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ بخاری کے نسخوں میں یہ باب یہاں موجود ہے، اس لیے اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ قیاس ونظر سے سترِ عورت کی اہمیت ثابت فرماتے ہیں کہ "من ترك شرطا لا تصح صلوته كمن ترك ركنا"۔

مگر میری رائے یہ ہے کہ ہر باب اپنی جگہ پر ہے اور صحیح ہے، وہ اس طرح پر کہ امام بخاری رحمہ اللہ ابواب الثیاب ذکر فرما رہے تھے تو امام صاحب نے باب: يبدي ضبعيه منعقد فرما کر یہ بتلا دیا کہ اگر کپڑے چھوٹے چھوٹے ہوں تو سجدہ میں اخفاء نہ کرے، بلکہ ابداء کرے، کیونکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے چھوٹے ہونے کے باوجود ابداء کیا، اگر کپڑا چھوٹا نہ ہوتا تو بغل کی سفیدی کیسے نظر آتی، اور اس کے اثبات کے واسطے باب: إذا لم يتم السجود منعقد فرما دیا کہ اگر تجافی نہ کرے گا تو اتمامِ سجود نہ ہوگا، اور وہاں بحیثیت کیفیتِ سجود کے آرہے ہیں، جن پر مستقل کلام ہوگا (۱)۔

حدیث باب

۳۸۲ : أَخْبَرَنَا ٱلصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا مَهْدِيٌّ ، عَنْ وَاصِلٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ (۲) : رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ ، قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ : مَا صَلَّيْتَ - قَالَ : وَأَحْسِبُهُ قَالَ - لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ . [۷۵۸ ، ۷۷۵]

---

(۱) تقرير بخاري شريف: ۱۳۸/۲۔ الكنز المتواري: ۷٦/٤۔ سراج القاري: ٤۱۹/۲

(۲) أخرجه البخاري أيضا في صحيحه، كتاب الأذان، باب: إذا لم يتم الركوع، رقم الحديث: ۷۹۱، وباب: إذا لم يتم السجود، رقم الحديث: ۸۰۸.

والنسائي في سننه، كتاب السهو، باب: تطفيف الصلاة، رقم الحديث: ۱۳۱۳.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض، الباب الأول: في الصلاة، الفصل الخامس: في كيفية الصلاة، الفرع الرابع: في الركوع والسجود، النوع الأول: مقدار الركوع والسجود، رقم الحديث: ۳٤۹٥، ۳٦۷/٥.

وفي تحفة الأشراف، حديث: حذيفة بن اليمان، رواه عنه زيد بن وهب الجهني، رقم الحديث: ۳۳۲۹، ۳۲/۳، ورواه عنه شقيق بن سلمة ابو وائل الأسدي، رقم الحديث: ۳۳٤٤، ۳۹/۳.

ترجمہ حدیث

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کہ وہ اپنے رکوع اور سجدے کو پوری طرح ادا نہیں کرتا تھا، پھر جب وہ اپنی نماز پوری کر چکا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کہا کہ تو نے نماز (کامل طریقے سے) ادا نہیں کی، (یعنی: تجھ پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے) حضرت ابو وائل کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تو (اسی حالت میں) مر گیا تو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہیں مرے گا۔

تراجم رجال

اس حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔ صلت بن محمد

ان کا پورا نام "أبو همام الصلت بن محمد بن عبد الرحمن بن أبي مغيرة البصري" رحمہ اللہ ہے(۱)۔

یہ جن مشائخ سے روایت کرتے ہیں ان میں

مہدی بن میمون، ابراہیم بن حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی، ابواسامہ حماد بن اسامہ، حماد بن زید، سفیان بن ریینہ، عبداللہ بن عبدالعزیز اللیثی، عبدالواحد بن زیاد وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

امام بخاری، ابراہیم بن المستمر العروقی، احمد بن محمد بن ابی بکر المقدمی، رَوح بن حاتم ابوغسان البصری، عباس بن عبدالعظیم العنبری، عبدالرحمٰن بن محمد بن حبیب وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۲)۔

---

(۱)التاريخ الكبير للبخاري: ٣٠٤/٤۔ سير أعلام النبلاء: ٤٢٦/١٠

(۲)تهذيب الكمال: ٢٢٨/١٣۔ تهذيب التهذيب: ٤٣٥/٤

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

یہ طبقہ عاشرہ سے تعلق رکھتے تھے(۲)۔

ابوحاتم رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا ہے: صالح الحديث(۳).

دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ثقة(٤).

ابوبکرالبز ار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: كان ثقة(٥).

ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں ان کے "صدوق" کا لفظ استعمال کیا ہے(٦)۔

۲۔مہدی

ان کا پورا نام "مهدي بن ميمون الأزدي المِعوَلي" رحمہ اللہ ہے(۷)۔ "مِعولي" میم کی کسرہ، "عين" کے سکون اور "واؤ" کی فتحہ کے ساتھ ہے(۸)۔ان کی کنیت "ابویحییٰ" ہے(۹)۔

جن مشائخ سے انہوں نے روایت کی ہے، ان میں

واصل مولی ابی عیینہ، ابوالوازع جابر بن عمرو الراسبی، حسن بصری، سعید الجریری، شعیب بن الحجاب، عبداللہ بن صبیح البصری، عبیداللہ بن ابی بکر انس بن مالک، عثمان ابن عبید الراسبی، عمرو بن مالک النکري، عمران القصیر، غیلان بن جریر اور محمد بن سیرین وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور جن سے یہ روایت کرتے ہیں ان میں

---

(١)الثقات لابن حبان: ٣٢٤/٨

(٢)تقريب التهذيب: ٤٤٠/١

(٣)الجرح والتعديل: ٤٠٨/٤۔ الكاشف: ٣٢/٢

(٤)تهذيب التهذيب: ٤٣٦/٤

(٥)إكمال تهذيب الكمال: ٣٩٥/٦۔ تهذيب التهذيب: ٤٣٦/٤

(٦)تقريب التهذيب: ٤٤٠/١

(٧) تهذيب الكمال: ٥٩٣/٢٨۔ تقريب التهذيب: ٢١٨/٢

(٨) تقريب التهذيب: ٢١٨/٢۔ حاشية تهذيب التذيب: ٣٢٦/١٠

(٩) التاريخ الكبير للبخاري: ٤٢٥/٤۔ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ٢٨٠/٧

ابو همام الصلت بن محمد الخارَکی، اسد بن موسی، جُبارہ بن مُغَلِّس، حَبّان بن ہلال، حجاج بن منہال، حسن بن ربیع البجلی، خالد بن خداش اور سریج بن النعمان وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۱)۔

عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے شعبہ سے کہا کہ آپ مہدی بن میمون کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ثقة(۲).

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے: مهدي بن ميمون ثقة، وهو أحب إلي من سلام بن مسكين وأبي الأشهب، وحوشب بن عقيل(۳).

ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں: كان كُرديا، وكان ثقة(٤).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۵)۔

ابن معین، النسائی اور ابن خراش رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ثقة(٦).

یہ طبقہ سادسہ سے تعلق رکھتے تھے(۷)۔

ابوحاتم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ ''مہدی'' کے زمانے میں فوت ہوئے(۸)۔

ابن حبان رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان کی وفات ایک سو اکہتر یا ایک سو بہتر ہجری میں ہوئی(۹)۔

اور محمد بن محبوب اور امام ترمذی رحمہما اللہ کے بیان کے مطابق ایک سو بہتر ہجری میں فوت ہوئے(۱۰)۔

---

(۱)تهذيب الكمال: ٥٩٣/٢٨ـ تهذيب التهذيب: ٣٢٦/١٠

(۲)تهذيب الكمال: ٥٩٤/٢٨ـ الجرح والتعديل: ٣٨٥/٨

(۳)الجرح والتعديل: ٣٨٦/٨ـ تهذيب التهذيب: ٣٢٦/١٠

(٤)الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ٢٨٠/٧

(٥)الثقات لابن حبان: ٥٠١/٧

(٦)تهذيب الكمال: ٥٩٥/٢٨ـ تهذيب التهذيب: ٣٢٧/١٠

(٧)تقريب التهذيب: ٢١٨/٢

(٨)الجرح والتعديل: ٣٨٥/٨

(٩)الثقات لابن حبان: ٥٠١/٧

(١٠)التاريخ الكبير للبخاري: ٤٢٥/٤ـ تهذيب الكمال: ٥٩٥/٢٨

۳۔ واصل

یہ ''واصل بن حیان احدب اسدی کوفی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا، فأصلحوا بينهما'' کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ ابی وائل

یہ مشہور تابعی ''ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ حذیفہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''حذیفہ بن الیمان'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

شرح حدیث

عن حذيفة: رأى رجلا لا يتم ركوعه ولا سجوده

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو (نماز ادا کرتے ہوئے) اپنے رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا نہیں کر رہا تھا۔

''رجلا!''، یہ رجل کون تھا؟ اس بارے میں کہیں تصریح نہیں ہے(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲۳۷

(۲) کشف الباری: ۲/۵۵۹

(۳) کشف الباری: ۳/۱۰۹

(٤) إرشاد الساري: ۲/۵۱

لفظ "رجلاً" موصوف ہے، اورآگے والا جملہ "لا یتم رکوعه ولا سجوده" اس کی صفت ہے(۱)۔

فلما قضى صلاته

پھر جب اس نے نماز مکمل کرلی۔

"قضیٰ" ادا کے معنی میں ہے، اورایسا ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: ﴿فإذا قضيت الصلاة، فانتشروا في الأرض﴾(۲).

"صلاته" سے مراد ناقص نماز ہے، یعنی: جس میں رکوع اور سجدہ کامل طریقے سے ادا نہیں کیا گیا تھا(۳)۔

قال له حذيفة: ما صليت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کہا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے تو نماز پڑھی تھی، البتہ رکوع وسجود کامل طریقہ سے نہیں کیا تھا، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی مکمل نماز کی نفی کیوں کردی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چونکہ جزء مفقود تھا تو اس کے نہ ہونے سے گویا کُل ہی مفقود ہوگیا۔ چنانچہ رکوع کی تمامیت کا نہ ہونا رکوع نہ ہونے کو مستلزم ہے اور رکوع کا نہ ہونا نماز نہ ہونے کو مستلزم ہے۔ اسی طرح سجود کا حکم ہے(۴)۔

وأحسبه قال: لو مت مت على غير سنة محمد صلى الله عليه وسلم

"وأحسِبُه" میں "أحسِبُ" کا فاعل "ابو وائل" ہے، اور "ہ" ضمیر کا مرجع حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

"لومُتَّ" یہ مخاطب کا صیغہ ہے، "میم" کے ضمہ کے ساتھ، "ماتَ یموتُ" کے باب سے ہے،

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(۲)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(۳)إرشاد الساري: ٢/ ٥١.

(٤)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(٥)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١۔ الكوثر الجاري: ٢/ ٧٥

اسے "میم" کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں "ماتَ یماتُ" سے ہوگا(۱)۔

"علی غیر سنة" میں "سنة" سے مراد طریقہ ہے، جوفرض اور نفل دونوں کو شامل ہے(۲)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما صلیتَ" میں نفیٔ کمال ہے، اور پورے عمل کی تامیت کی نفی اس لیے تھی کہ وہاں قلتِ تجوید تھی، یہ بات معروف ہے کہ جب کسی عمل کو ناقص کیا جائے تو یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ تو نے تو یہ عمل کیا ہی نہیں، تو مراد اس جگہ کمال کی نفی ہوتی کہ تو نے پورے اہتمام اور کامل طریقے سے یہ عمل نہیں کیا۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول "علی غیر سنة" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طمانینت نماز میں مسنون ہے(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن بطال رحمہ اللہ کی مذکورہ تاویل ان افراد کے لیے تو درست ہے جو رکوع اور سجود میں طمانینت کے مسنون ہونے کے قائل ہیں، ان کے علاوہ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تو طمانینت فرض ہے، نہ کہ مسنون، اس کی تفصیلی وضاحت آگے آئے گی(۴)۔

ایک دوسری روایت جو صحیح البخاری کی کتاب الاذان میں آرہی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "متَّ علی غیر الفطرة التي فطر علیها محمد" (۵)۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان ارکان میں طمانینت کے وجوب کے قائل تھے، اور اسی پر اکثر ائمہ ہیں(۶)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(۲)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١۔ الكوثر الجاري: ٢/٧٥

(۳)شرح ابن بطال: ٢/٥٤

(٤)عمدة القاري: ٤/١٨١

(٥)حدثنا حفص بن عمر، قال: حدثنا شعبة، عن سليمان، قال: سمعت زيد بن وهب، قال: رأى حذيفة رجلا لا يتم الركوع والسجود، قال: ما صليت؛ ولو مت مت على غير الفطرة التي فطر الله محمدا صلى الله عليه وسلم عليها. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب الأذان، باب: إذا لم يتم الركوع، رقم الحديث: ٨٠٨)

(٦) الكوثر الجاري: ٢/٧٥

فطرت سے کیا مراد ہے؟

اس روایت کے مطابق تشریح کرتے ہوئے علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فطرت'' کوسنت کے معنی میں لیا ہے، اور اگر ''فطرت'' کے لغوی معنی مراد لیے جائیں تو وہ بھی ممکن ہے۔ ''فطرت'' کے معنی ہیں، جن خصال پر انسان پیدا ہوا، جس کو جبلّی خصلت کہا جاتا ہے، ہر شخص اپنے وجدان کی طرف دیکھے کہ اگر وہ کسی بادشاہ وحاکم کے دربار میں حاضر ہو تو وہاں کے تعظیمی آداب کس طرح بجالائے گا؟ سکون واطمینان اور سنجیدگی ومتانت کے ساتھ، یا اسی طرح دوڑتے بھاگتے کہ گویا کوئی اس کے سر پر جوتا لیے کھڑا ہے؟ (ظاہر ہے کہ پہلی صورت ہی ہوگی، لہٰذا نماز کے اندر جو دراصل احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری دینے سے عبارت ہے، جلد بازی کرنے والا جبلی خصلت پر قائم نہیں)،(۱)۔

نماز میں تعدیل ارکان کا حکم

اس حدیثِ مبارکہ سے تعدیل ارکان کا مسئلہ بھی نکلتا ہے۔

صحیح قول کے مطابق رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کو اطمینان سے اچھی طرح ادا کرنا واجب ہے، ''تعدیل ارکان'' اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ نمازی کے سب جوڑ کم از کم ایک تسبیح (سبحان اللہ) کی مقدار ٹھہر جائیں، یعنی: اپنی حرکت ختم کر کے سکون میں آجائیں (۲)۔

طرفین کے نزدیک رکوع اور سجود میں اطمینان اور قرار واجب ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے، اسی کے قائل امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔

یہاں تک کہ اگر کسی نمازی نے اعتدال چھوڑ دیا تو طرفین کے نزدیک نماز ہو جائے گی، البتہ واجب الاعادہ ہوگی۔ اور امام ابو یوسف وامام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نماز ہی نہیں ہوگی (۳)۔

---

(۱)فضل الباری، کتاب الصلاۃ، کتاب الاذان، باب: إذا لم یتم الرکوع: ٣/٦٦١

(٢) عمدة الفقه، کتاب الصلاة، فصل دوم: واجبات نماز: ٢/٩٩

(٣) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: الواجب الأصلي في الصلاة: ١/٦٨٦

حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة، الواجبات: ٢/١٥٧

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، واجبات الصلاة، ص: ٢٤٩

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس قدر تاکید تعدیل ارکان کی نماز میں ہے، اور کسی کی نہیں، تقریباً پچاس حدیثیں اس میں وارد ہوئی ہیں، اور اس کو فطرۃِ نبی بتلایا ہے، جو اظہارِ اہمیت کے لیے کافی ہے۔

''تعدیلِ ارکان'' یہ ہے کہ بدن ہیئتِ طبعی پر پہنچ جائے اور حرکتِ انتقال مبدل بہ سکون ہو جائے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طمانینتِ مطلوبہ فی الصلاۃ یہ ہے کہ حرکت جاتی رہے، جیسا کہ تفسیر حدیثِ ابی حمید میں آنے والی ہے، "باب: الطمانينة حين يرفع رأسه من الركوع" میں ابوحمید نے کہا کہ حضور علیہ السلام اپنا سر مبارک اٹھا کر مستوی ہو جائے، حتی کہ ہر عضو اپنی جگہ قرار پکڑ لیتا تھا''(۱)۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی تقریر بخاری (۲) میں فرمایا ہے:

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ نقل کیا کہ اُن سب کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے، طرفین کا خلاف بیان نہیں کیا (۳)۔ ہمارے بعض فقہاء نے بھی اسی کو اختیار کر لیا کہ اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ فرضیت پر متفق ہیں اور (امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرح) طرفین جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے (۴)، چنانچہ انہوں نے امام طحاوی رحمہ

(۱) انوار الباری، کتاب الصلاۃ، باب: إذا لم يتم الركوع: ۴۵۴/۱۶

(۲) فضل الباری، کتاب الصلاة، کتاب الاذان، باب: أمر الذي لايتم ركوعه بالإعادة: ۶۶۳/۳

(۳) وعبارة الطحاوي ....وخالفهم في ذلك آخرون فقالوا: مقدار الركوع أن يركع حتى يستوي راكعا. ومقدار السجود أن يسجد حتى يطمئن ساجدا، فهذا مقدار الركوع والسجود الذي لا بد منه. ....وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب: مقدار الركوع والسجود الذي لا يجزئ أقل منه: ۲۳۲/۱، دار عالم الكتب)

(۴) علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاري میں اس مقام پر یعنی: کتاب الاذان میں اختلاف ہی نقل کیا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ کی نقل پیش نہیں کی، البتہ ایک دوسری جگہ، باب: وجوب القراءة للإمام والمأموم (۶۵/۶) میں اس مسئلے پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: "أما الطحاوي الذي هو العمدة في بيان اختلاف العلماء في الفقه، فإنه لم ينصب الخلاف بين أصحابنا الثلاثة على هذا الوجه" پھر آگے مذکورہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

کی نقل پیش کر کے یہ شعر لکھ دیا:

إذا قالت حزام فصدقوها فإن القول ما قالت جذام

لیکن عام طور پر فقہاء اس مسئلہ میں طرفین رحمہما کا خلاف نقل کرتے ہیں۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

یہاں ایک کوتاہی پر متنبہ کرتا ہوں، وہ یہ کہ اکثر حنفی لوگ عملاً تعدیلِ ارکان کا بالکل اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نہ سہی، وہ واجب تو ضرور ہے، اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی نقل کی بنا پر تو فرض کہنا چاہیے۔

ایک حنفی عالم (علامہ محی الدین محمد پیر علی رومی معروف بہ برکلیؒ؛ متوفی: ۹۸۱ھ) نے اِس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ بنامِ "**معدِّل الصلاة**" لکھا ہے، اس میں انہوں نے شمار کرایا ہے کہ تعدیلِ ارکان کی پرواہ نہ کرنے پر تیس آفتیں اور تین سو پچاس سے زائد مکروہات متفرع ہوتے ہیں۔

اب رہا مسئلہ تعدیل ارکان جس میں اختلاف ہو رہا ہے، اس کے متعلق میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ کبھی کبھی ایک چیز کے مختلف اور متفاوت مراتب ہوتے ہیں، پھر نظر کرنے والوں کی نظر جس مرتبہ پر ہوتی ہے وہ اسی کے مطابق حکم لگاتے ہیں، واقع میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں، محض نزاعِ لفظی سا ہوتا ہے۔

یہاں بھی یہی کیفیت معلوم ہوتی ہے، طمانینت وتعدیل میں مختلف مراتب ہیں۔ رکوع کے لغوی معنی "انحناء" اور سجود کے معنی "وضع الجبهة على الأرض" ہیں، جس کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ بس لغۃً مفہومِ انحناء اور مفہومِ وضع الجبہۃ صادق آجائے۔ اور ایک ہے اُس انحناء اور وضع الجبہہ پر قرار اور مکث، یعنی: اس حالت پر ذرا ٹھہرا رہے۔ پھر اِس "مکث وقرار" میں بھی مختلف مراتب ہیں: ایک یہ کہ فی الجملہ ادنی مکث پایا جائے، جس سے یہ رکوع وسجود بغرضِ تعظیم وتعبد سمجھا جائے، محض لہو ولعب اور استہزاء وسخریہ کے مشابہ نہ ہو۔

قرآن نے ﴿واركعوا واسجدوا واعبدوا﴾ سے جس رکوع وسجود کا حکم دیا ہے وہ محض لغوی "انحناء" اور "وضع الجبہہ" نہیں، کما ہو الظاہر، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وہ "انحناء" اور "وضع الجبہہ" مطلوب ہے، جو بطریقِ تعظیم وتعبد ہو، كما نبّه عليه الشيخ ولي الله الدهلويؒ۔ تو "فی الجملہ مکث وقرار"، جس سے تعبد وتعظیم کا استشعار اور تحقق ہو اور صورتِ لعب وطیش یا ابہامِ استہزاء وسخریہ سے ممتاز ہو جائے، اتنا مکث تو فرض ہونا ہی

چاہیے، جیسا کہ جمہور کہتے ہیں، کیونکہ اگر بالکل مکث نہ ہو، بلکہ صرف جھکنا اور اٹھنا ہو، جسے اردو میں ''اٹھک بیٹھک'' کہتے ہیں، تو اس میں تعظیم واجلال کہاں؟ یہ تو ایک طرح لعب واستہزاء کی صورت ہو جاتی ہے۔

باقی یہ مکث کم از کم کس قدر رہونا چاہیے؟ اس کی تحدید مشکل ہے۔ پھر گو ہم اس کی پوری تحدید نہ کر سکیں، تاہم یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کا ایک مرتبہ ایسا ضرور ہے جو فرض ہونا چاہیے، اور ایک درجہ اس سے کچھ زیادہ مکث کا ہے وہ فرض نہیں ہوگا۔ تو میرا کہنا یہ ہے کہ تعدیل وطمانینت کے مراتب مختلف ہیں، کچھ بعید نہیں کہ مجتہدین کی انظار چونکہ مختلف مراتب پر پڑیں اس لیے یہ اختلاف ہو رہا ہو۔

پھر اس کے متعلق یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ طمانینت وتعدیل کے ترک پر سخت وعید آئی ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں جہاں نماز کی فرضیت کا بیان ہے وہاں عموماً ﴿اقیموا الصلاۃ﴾ کا لفظ وارد ہوا ہے، لفظِ ''صلوا'' نہیں فرمایا۔ اور اقامتِ صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حقوق وشروط کے ساتھ ادا کیا جائے، محض سرسری اٹھنے بیٹھنے کو اقامت صلاۃ نہیں کہا جاتا۔ فرضیتِ صلاۃ کے بیان کے موقع پر بکثرت ﴿اقیموا الصلاۃ﴾ ہی وارد ہوا ہے، ہاں موقعِ ذم وتقبیح میں ''مصلی'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿فویل للمصلین، الذین هم عن صلاتهم ساهون﴾ (الماعون:۴،۵) اور جیسے: ﴿قالوا، لم نك من المصلین﴾ (المدثر:۴۳) یہاں ''ویل للمقیمین الصلاۃ'' نہیں فرمایا۔

اور ''صلوا'' و''اقیموا الصلاۃ'' کے درمیان یہ فرق پوری طرح صلاۃ الخوف کی آیت سے واضح ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿واذا كانت فیهم فاقمت لهم الصلاۃ﴾ (النساء:۱۰۲) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حال میں طمانینت حاصل ہوتی تھی، کسی وقت نماز کے اندر خشوع وحضورِ قلب اور طمانینت بالکلیہ مفقود نہیں تھی، اس لیے حالتِ خوف کی نماز کو بھی آپ علیہ السلام کے حق میں ''اقامتِ صلاۃ'' ہی سے تعبیر فرمایا، لیکن دوسرے لوگ خواہ کسی درجہ کے ہوں، آپ علیہ السلام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے، اور دشمن کے مقابلہ کے وقت خارجی احوال وپریشانیاں ان کو ایسا مضطرب کر سکتی ہیں کہ قلبی طمانینت حاصل نہ ہو سکے، اس لیے ان کے حق میں ''فلیصلوا'' کہا۔ (چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ولتات طائفة اخری لم یصلوا فلیصلوا معك﴾ النساء:۱۰۲) ''فلیقیموا الصلاۃ'' نہیں فرمایا، یعنی: اس وقت اگر تم طمانینتِ معتد بہا حاصل نہ کر سکو اور مامور بہا اقامت صلاۃ پر پورا قابو نہ پا سکو تو جس طرح بھی ممکن ہو اس وقت نماز ادا کر لو۔ اب چونکہ طمانینت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے

اقامتِ صلاۃ میں نقصان آیا گویہ اضطراری ہی تھا، اس لیے اس کی تلافی کے لیے آگے فرماتے ہیں: ﴿فـــإذا قضيتم الصلاة فاذكروا الله﴾ (النساء:۱۰۳) کیونکہ ذکر اللہ سے طمانینت قلب حاصل ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ﴿الـذيـن امـنـوا وتـطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر الله تطمئن القلوب﴾ (الرعد:۲۸) اس کے بعد جب یہ حالتِ خوف ختم ہوجائے اس وقت چونکہ اقامتِ صلاۃ کے لیے طمانینت ضروری ہے، نماز کو کما حقہ ادا کرنا چاہیے، اس لیے آگے فرماتے ہیں: ﴿فاذا اطمئننتم فاقيموا الصلاة﴾ (النساء:۱۰۳) اب چونکہ تمام حقوق کی رعایت ضروری اور مطلوب ہے اس لیے "فصلوا" نہیں کہا، ﴿فاقيموا الصلاة﴾ فرمایا۔

الغرض "اقيموا الصلاة" کا مقتضی یہ ہے کہ نماز طمانینت کے ساتھ ادا ہو، لہٰذا اطمانینت وتعدیل ارکان کا خوب خیال رکھنا چاہیے (۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب تھا: "إذا لم يتم السجود" اور یہی چیز پوری طرح حدیث میں موجود ہے (۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے بہت سے امور مستفاد ہوتے ہیں، مثلا:

۱۔ نماز میں تعدیلِ ارکان واجب ہے۔

۲۔ سنت کی اہمیت پر متعینہ زندگی میں ظاہر ہے۔

۳۔ اچھے خاتمے کے حصول کے لیے دنیوی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔

۴۔ دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھنا بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابی رسول نے کس فکر مندی کے ساتھ دوسرے کو تنبیہ فرمائی۔ وغیرہ وغیرہ (۳)

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱) فضل الباري، كتاب الصلاة، كتاب الاذان، باب: أمر الذي لايتم ركوعه بالإعادة: ۳/۶۶۵-۶۶۸

(۲) عمدة القاري: ۱۸۱/٤

(۳) عمدة القاري: ۱۸۱/٤

۲٦ - باب : يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي ٱلسُّجُودِ .

یہ باب سجدہ میں اپنے دونوں بازوؤں کو کھلا رکھنے اور (دونوں پہلوؤں کو) علیحدہ رکھنے کے بیان میں ہے

ترجمۃ الباب کا مقصد

سابقہ باب کے ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت جو بحث گزری ہے وہی بحث اس باب کے ترجمۃ الباب کے مقصد کی بھی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ترجمۃ الباب کی ماقبل سے مناسبت

ماقبل باب میں اتمام السجود کا بیان تھا کہ تمامیتِ سجود میں جیسے یہ ضروری ہے کہ تمکن وجہ علی الارض ہونا چاہیے، ایسے ہی تمامیتِ سجود میں یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے ضبعین کو اپنی بغلوں سے اور کوکھ سے علیحدہ رکھے، گویا یہ دوسرا باب پہلے باب کا تتمہ ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس جگہ صحیح البخاری میں مذکورہ باب کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو دونوں ابواب میں مناسبت اس طرح ہوگی کہ ماقبل باب میں سجود میں طمانینت کا حکم تھا اور اس باب میں دونوں بازوؤں اور دونوں پہلوؤں کے ملانے کا حکم ہے اور یہ سب کی سب باتیں احکام سجود سے متعلق ہیں (۱)۔

"يبدي" باب افعال سے "إبداء" مصدر کا فعل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، مطلب اس کا ''ظاہر کرنا'' ہے۔

"ضبعيه"، یہ "ضبع" کی تثنیہ ہے، اس سے مراد بازو ہے (۲)۔ اوپر کی جانب سے بغل سے لے کر نصف بازو تک کا حصہ ضبع کہلاتا ہے (۳)۔

"يجافي" یہ باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں دور کرنا، علیحدہ رکھنا، مطلب یہ بنے گا کہ جب سجدہ میں جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو خوب کھول کر اور پہلوؤں سے الگ وجدا رکھو (۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٨٢

(٢) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٦١٣- سراج القاري: ٢/٤٢١

(٣) المعجم الوسيط، ص: ٥٣٣- سراج القاري: ٢/٤٢١

(٤) المعجم الصحاح للجوهري، ص: ١٢٨

"يجافي" کا مفعول محذوف ہوگا، اور وہ یہ ہے "جنبیه"، جنب، پہلو کو کہتے ہیں(۱)۔

حدیث باب

۳۸۳ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ ، عَنْ جَعْفَرٍ ، عَنِ ٱبْنِ هُرْمُزَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ مالِكٍ ٱبْنِ بُحَيْنَةَ :(۲) أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ : كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ ، حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ .

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بُحَینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے تھے تو اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل رجال پانچ ہیں:

۱۔ یحیی بن بُکیر

یہ "ابوذکریا یحیی بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٨٢

(۲)أخرجه البخاري أيضا في صفة الصلاة، باب: يبدي ضبعيه ويجافي السجود، رقم الحديث: ٨٠٧. وفي كتاب الأنبياء، باب: صفة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٣٥٦٤.

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، وما يفتتح به ويختم به، رقم الحديث: ٤٩٥.

والنسائي في سننه، في الافتتاح، باب: صفة السجود، رقم الحديث: ١١٠٦.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، كتاب الصلاة، القسم الأول: في الفرائض، الباب الأول: في الصلاة، الفصل الخامس: في كيفية الصلاة، الفرع الرابع: في الركوع والسجود، النوع الأول: هيئة الركوع والسجود، رقم الحديث: ٣٥٠٧، ٥/٣٧٤.

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ بکر بن مُضَر

ان کا پورا نام بکر بن مُضر بن محمد بن حکیم بن سلمان المصری رحمہ اللہ ہے، کنیت کے بارے میں دو قول ہیں، ابو محمد اور ابو عبد الملک، یہ ربیعہ بن شرحبیل کے آزاد کردہ غلام تھے۔

ان کے اساتذہ میں

جعفر بن ربیعہ بن شرحبیل بن حسنہ، ابراہیم بن ابی عبلہ، حمزہ النصیبی، خالد بن یزید مصری، ربیعہ بن سیف، سعید بن بشیر، صخر بن عبداللہ بن حرملہ مُدلجی وغیرہ رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت کے نام ملتے ہیں۔

اور ان سے فیض یاب ہونے والوں میں

یحیی بن عبداللہ بکیر، خلف ابن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عثمان بن صالح سہمی، عمرو بن خالد حرانی، قتیبہ بن سعید ثقفی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان کی پیدائش کے بارے میں ایک قول ایک سو دو ہجری کا اور دوسرا قول ایک سو ہجری کا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثقة،ليس به بأس.

ایک اور جگہ فرمایا: إنه كان رجلا صالحا.

ابن معین، نسائی، اور ابو حاتم وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کی توثیق کے اقوال ذکر کیے ہیں۔

ان کی وفات کے بارے میں ایک سو تہتر اور ایک سو چوہتر کے اقوال ملتے ہیں۔ نو ذی الحجہ اور منگل کے دن وفات ہوئی۔

ائمہ ستہ میں سے ابن ماجہ کے علاوہ سب نے ان کی روایات اپنی کتب میں نقل کی ہیں، رحمه الله رحمة واسعة(۲).

۳۔ جعفر

یہ ''ابو بشر جعفر بن ایاس یشکری واسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲۳

(۲)التاريخ الكبير للبخاري: ۲/ ۹۵۔ الجرح والتعديل: ۱/ ۵۹۲۔ الثقات لابن حبان: ۶/۱۰۴۔ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۷/۵۱۷۔ تهذيب الكمال: ٤/ ۲۲۷-۲۲۹

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من رفعه صوته بالعلم کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابن ہُرمُز

یہ ''ابوداوٗد عبدالرحمٰن بن ہُرمز مدنی قرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول من الإیمان، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عبداللہ بن مالک ابن بُحَینہ

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مالک بن القشب ہیں، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ان کا نام جُندب بن نضلہ بن عبداللہ بن رافع بن محصن ہے، ان کی کنیت ابومحمد ہے۔

بنوالمطلب کے حلیف تھے، ان کی شہرت ابن بُحَینہ سے ہوئی، ''بُحَینہ'' ان کی والدہ کا نام تھا، جو کہ ''الأرت'' کی بیٹی تھی۔

واضح رہے کہ '' بُحَینہ'' عبداللہ کی والدہ ہیں، مالک کی نہیں، اسی وجہ سے ابن بُحَینہ الف کے ساتھ لکھا جائے گا، کیونکہ مالک کی صفت نہیں بلکہ عبداللہ کی صفت ہے۔

محمد بن سعد کا بیان ہے کہ ان کے باپ ''ابومالک بن القشب'' مطلب بن عبدمناف کے حلیف تھے، انہوں نے '' بُحَینہ بنت حارث بن مطلب'' سے شادی کی، ان سے عبداللہ پیدا ہوئے، جن کی کنیت ابومحمد تھی، اس نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، یہ بہت ہی فاضل اور صائم الدہر تھے۔

مدینہ سے تیس میل کے فاصلے پر بطن ریم میں سکونت پذیر تھے، ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، اس وقت مدینہ میں مروان بن حکم کی ولایت تھی، اور ولایت کی مدت چوّن ہجری سے لے کر ذی قعدہ اٹھاون ہجری تک رہی تھی۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

---

(۱) کشف الباری: ۷۱/۳

(۲) کشف الباری: ۱۱/۲

اوران سے روایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن ہُرمزالأعرج، حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب، ابوجعفر محمد بن علی بن حسین، محمد بن یحیی بن حبان اورخودان صحابی کے بیٹے علی بن عبداللہ بن بُحَینہ شامل ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ

امام بخاری اورامام مسلم رحمہما اللہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے، سنن ابی داوٗداورسنن ترمذی میں ان کی روایت نہیں ہے(۱)۔

شرح حدیث

كان إذا صلى، فرج بين يديه، حتى يبدو بيض ابطيه

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازادافرماتے تھےتو (سجدہ میں) اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھتے تھے کہ آپ کی بغل کی سفیدی ظاہر ہوجاتی تھی۔

"فـرّج"، باب تفعیل سے ماضی معروف کاواحدمذکرغائب کاصیغہ ہے، یہ سجدہ کرنے کی حالت کابیان ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوآپ کے پہلو سے جداہوتے تھے۔ایسا کرنے میں حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ اس میں تواضع کی بہترین جھلک ہے،اوراس طرح کرنے میں پیشانی کا زمین پر پوری قوت اورسختی سے ممکن ہوتا ہے، جس سے سجدہ کامل طریقے سے اداہوجاتا ہے،اوراس طرح کرنے میں نمازی سست بندوں کی مشابہت سے پوری طرح نکل جاتا ہے۔

"بيـن يديـه"، یہ لفظ اپنی حقیقت پرمحمول ہے، یعنی: آپ کاسجدہ میں کشادگی اختیارکرنااپنے سامنے کی جانب ہوتاتھا(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کی ہیئت

آپ علیہ السلام کے سجدہ کی ہیئت کے بارے میں احادیثِ مبارکہ میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، جوسب اسی کیفیت پرپوری وضاحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، مثلا:

(۱)تهـذيـب الـكمال: ١٥/ ٥٠٨۔ تهذيب التهذيب: ٥/ ٣٨١، ٣٨٢۔ أُسد الغابه: ٣/ ٣٥٠۔ الطبقات الكبرىٰ: ٤/ ٣٤٢۔ الجرح والتعديل: ٥/ ١٨٤۔ التاريخ الكبير للبخارى: ٥/ ١٠۔ الثقات لابن حبان: ٣/ ٢١٦

(۲)عمدة القاري: ٤/ ١٨٣

صحیح مسلم میں ہے: "إذا سجد يُجَنّحُ في سجوده حتى يُرىٰ وضَح إِبطيه"،(۱) یعنی: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تھے تو اپنی کلائی کو زمین سے اس طرح اٹھا لیتے تھے، جیسے پرندے اپنے پروں کو اٹھاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح سجدہ کرنے سے آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

"يُجنِّحُ"، باب تفعیل سے فعل مضارع معروف ہے، اس کا مطلب پرندے کے پر اٹھانے کی مثل بازو زمین سے اٹھالینا ہے۔

"وضح إبطيه"، سے مراد بغلوں کی سفیدی ہے۔(۲)

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے: "كان صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاء ت بهمة أن تمرّ بين يديه، لمرت"(۳). یعنی: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے تھے تو آپ کی بغلوں کے درمیان سے بکری کا چھوٹا بچہ بھی گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا (مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک سجدہ کی حالت میں اتنا کشادہ ہوتا تھا)۔

"بُهمة"، بکری کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں، چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث (۴)۔

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد

---

(۱) حدثنا عمرو بن سواد، أخبرنا عبد الله بن وهب، أخبرنا عمرو بن الحارث، والليث بن سعد، كلاهما عن جعفر بن ربيعة، بهذا الإسناد. وفي رواية عمرو بن الحارث، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد يجنح في سجوده، حتى يُرىٰ وضح إبطيه؛ وفي رواية الليث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد فرج يديه عن إبطيه حتى إني لأرىٰ بياض إبطيه. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٤.)

(٢) عمدة القاري: ١٨٣/٤

(٣)حدثنا يحيى بن يحيى، وابن أبي عمر، جميعا عن سفيان، قال يحيى: أخبرنا، سفيان بن عيينة، عن عبيد الله بن عبد الله بن الأصم، عن عمه يزيد بن الأصم، عن ميمونة، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاء ت بهمة أن تمر بين يديه لمرت. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٥.)

(٤) عمدة القاري: ١٨٣/٤

خوّى بيديه، يعني: جنّح ، حتى يُرى وضح إبطيه من ورائه(١).

یعنی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تھے تو پرندے کے پر اٹھانے کی طرح اپنے بازوؤں کو اٹھا کر سجدہ کرتے تھے، حتی کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کی طرف سے دیکھتا تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔

"خــوّیٰ"، کا مطلب یہ ہے کہ اپنے پیٹ کو زمین سے دور رکھتے اور اوپر اٹھا کر رکھتے، اور اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے (۲)۔

المستدرک علی الصحیحین میں ہے: عـن ابن عباس، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم من خلفه فرأيت بياض إبطيه وهو مُجخٍّ، وفرّج يديه(٣).

یعنی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کی جانب سے آکر دیکھتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھنے والے ہوتے تھے۔

"مُجخٌ" اس ہیئت کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور کرلے (۴)۔

اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے: أن الـنبـي صـلـى الله عليه وسلم كان إذا سجد جافى حتى يُرى

---

(١) حـدثـنا إسحاق بن إبراهيم الحنظلي، أخبرنا مروان بن معاوية الفزاري، قال: حدثنا عبيد الله بن عبد الله بـن الأصـم، عن يزيد بن الأصم، أنه أخبره عن ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: كان رسول الله صـلـى الـلـه عـليه وسلم إذا سجد خوّى بيديه، يعني: جنح، حتى يُرى وضح إبطيه من ورائه. وإذا قعد اطمأن على فخذه اليسرى. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٥.)

(٢) عمدة القاري: ١٨٣/٤

(٣) أخبرناه أبو بكر محمد بن المؤمل، ثنا الفضل بن محمد الشعراني، ثنا النفيلي، ثنا زهير، ثنا أبو إسحاق، عن التميمي الذي قد يحدث بالتفسير، عن ابن عباس، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم من خلفه فرأيت بيـاض إبـطيـه وهـو مـجِـخٌّ، وفرّج يديه. (المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة، باب: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد رؤي وضح إبطيه، رقم الحديث: ٨٢٩، ٢٢٨/١)

(٤) عمدة القاري: ١٨٣/٤

بياض إبطيه(١).

یعنی: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے تھے تو کھل کے سجدہ فرماتے تھے حتی کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ جاتی تھی.

اور سنن ابی داؤد میں ہے: ثم كبر وسجد ووضع كفيه على الأرض، ثم جافى بين مرفقيه حتى استقر كل شيئ منه(٢).

یعنی: (حالت سجدہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں کہنیوں میں کشادگی پیدا کر لیتے تھے حتی کہ ہر عضو سکون کے ساتھ قرار پکڑ لیتا تھا۔

سجدے کی مذکورہ ہیئت کی حکمتیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اس سے سجدے کی مذکورہ ہیئت کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اس ہیئت کے استحباب کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے چہرے پر بوجھ کم ہو جاتا ہے اور ناک و پیشانی کو زمین پر رکھنے سے کوئی

(١) نا محمد بن يحيى، ومحمد بن رافع، وعبد الرحمن بن بشر قالوا: حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن منصور، عن سالم بن أبي الجعد، عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد جافى حتى يُرى بياض إبطيه. قال الأعظمي: إسناده صحيح. (صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب: التجافي في السجود، رقم الحديث: ٦٤٩، ١/٣٢٦)

(٢)حدثنا زهير بن حرب، حدثنا جرير، عن عطاء بن السائب، عن سالم البراد قال: أتينا عقبة بن عمرو الأنصاري أبا مسعود فقلنا له: حدثنا عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام بين أيدينا في المسجد، فكبر، فلما ركع وضع يديه على ركبتيه، وجعل أصابعه أسفل من ذلك، وجافى بين مرفقيه، حتى استقر كل شيئ منه، ثم قال: سمع الله لمن حمده، فقام حتى استقر كل شيئ منه، ثم كبر وسجد ووضع كفيه على الأرض، ثم جافى بين مرفقيه حتى استقر كل شيئ منه، ثم رفع رأسه فجلس حتى استقر كل شيئ منه، ففعل مثل ذلك أيضا، ثم صلى أربع ركعات مثل هذه الركعة، فصلى صلاته، ثم قال: هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: صلاة من لا يقيم صُلبه في الركوع، رقم الحديث: ٨٦٢)

تکلیف نہیں ہوتی۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اس ہیئت میں تواضع ہے، کاہلی نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس ہیئت میں ایک عضو کا دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا، بلکہ ہر عضو گویا مستقل طور پر سجدے میں چلا جاتا ہے، یہ حکمت ایک حدیث سے ماخوذ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درندے کی طرح زمین پر ہاتھ نہ بچھاؤ، صرف ہتھیلیوں پر اعتماد نہ کرو، بازوؤں کو الگ رکھو، جب تم اس طرح سجدہ کروگے تو گویا تمہارا ہر عضو سجدے میں چلا جائے گا..................

حافظ صاحب رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

ان احادیث کا ظاہر تو یہ ہے کہ سجدہ میں کشادگی کی اس ہیئت کو واجب قرار دیا جائے، مگر چونکہ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کی روایت ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ صحابہ نے سجدے کے طویل ہونے کی مشقت کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "استعینوا بالرکب" اور اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اگر سجدے میں دشواری ہوتو کہنیوں کو گھٹنے پر رکھنا بھی جائز ہے، مکروہ نہیں، اس لیے اس ہیئت کو واجب قرار دینے کی بجائے مستحب یا مسنون قرار دیا گیا ہے(۱)۔

علامہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ کا حافظ صاحبؒ پر رد

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث الباب سے بازو جدا کر کے سجدہ کرنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور حدیث ابی داؤد سے اس کا استحباب مفہوم ہوتا ہے، جس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طوالتِ سجدہ کی صورت میں مشقتِ سجدہ کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھٹنوں سے مدد لو، یعنی: ان پر کہنیاں ٹیک کر۔

حالانکہ یہ صورت یہاں سے الگ ہے، اور بازوؤں کو بحالتِ سجدہ عام حالات میں جدا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ خاص صورت ہے کہ طوالتِ سجدہ کے وقت تھکن رفع کرنے کے لیے گھٹنوں سے مدد لی جائے، یہ گویا خاص صورت حالتِ عذر کی ہے۔

---

(۱)فتح الباري، كتاب الصلاة، باب: يبدي ضبعيه ويجافي في سجوده، رقم الحديث: ۸۰۷، ۲/۳۸۰، ۳۸۱

امام ترمذی رحمہ اللہ نے استعانت بالرکب کا حکم سجدے سے قیام کے لیے اٹھنے کے وقت مراد لیا ہے۔

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے قومہ کے بعد سجدہ کو جاتے ہوئے ''استعانت بالرکب'' کو لیا ہے۔

غرض یہ کہ یہ چاروں صورتیں الگ الگ ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سجدے کی صحیح اور مشروع ومسنون صورت عام حالت کے لیے بیان کی ہے(۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ''كان إذا صلى'' سے ہے، اس لیے کہ مذکورہ حدیث مبارکہ لفظ ''صلی'' سے ''سجد'' مراد لیا جائے گا، تو یہ اطلاق الكل على الجزء کی قبیل سے ہوگا، مراد یہ ہوگا کہ جب سجدے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھتے تھے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ کے بازو آپ کے پہلوؤں سے جدا ہوتے ہوں گے۔ اور یہی کچھ ترجمۃ الباب سے ثابت ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث سے جو امور مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ نماز میں سنت یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رہے، بازوؤں اور پہلوؤں میں فصل ہو، یہ طریقہ مردوں کے لیے مسنون ہے، عورتوں کے لیے نہیں، بلکہ ان کے حق میں تو سجدہ کی حالت میں اپنے جسم کو سمیٹ کر، ملا کر رکھنا ہے، یعنی: جتنا ممکن ہو وہ اتنا زمین سے لگ کر سجدے کرے، اس لیے عورتوں میں مطلوب اور محمود ستر ہے، اور وہ اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے(۳)۔

مرد اور عورت کی نماز میں بہت سے مقامات میں فرق ہے، جو احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے، وہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر مفصل آئے گا۔

---

(۱)انوار الباري ، كتاب الصلاة، باب : يبدي ضبعيه ويجافي في السجود، رقم الحديث: ۸۰۷، ۴۷۳/۱۶

(۲)عمدة القاري: ۱۸۲/۴۔ شرح الكرماني: ۵۳/۴.

(۳)التوضيح لابن الملقن: ۳۹۹/۴۔ عمدة القاري: ۱۸۳/۴۔ الشرح الميسر: ۴۴۱/۱.

۲۔نماز میں اطمینان اوراعتدال کے وجوب کا بھی علم ہوا(۱)۔

۳۔نماز میں سجدہ کی مذکورہ ہیئت اظہار خضوع اور اللہ کے لیے عبودیت پر بھی دلالت ہوتی ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

تعلیق

وَقَالَ ٱللَّيْثُ : حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ : نَحْوَهُ . [٧٧٤ ، ٣٣٧١]

تعلیق کا ترجمہ

اورلیث نے کہا کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے اس کے مثل بیان کیا۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کوامام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں موصولانقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

حدثنا عمرو بن سواد، أخبرنا عبد الله بن وهب، أخبرنا عمرو بن الحارث، والليث بن سعد، كلاهما عن جعفر بن ربيعة،

اس سند کے مطابق "جعفر بن ربیعہ" سے روایت کرنے والے ان کے دوشاگرد ہیں، ایک: عمرو بن سواد، اور دوسرے: اللیث بن سعد، دونوں کی روایات میں قدرے فرق ہے، ملاحظہ ہو:

وفي رواية عمرو بن الحارث: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد يجنح في سجوده، حتى يُرىٰ وضح إبطيه.

وفي رواية الليث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد فرج يديه عن إبطيه حتى إني لأرىٰ بياض إبطيه. (۳)

---

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٣٩٩/٤

(۲) الشرح الميسر: ٤٤١/١

(۳)صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٤ .تغليق التعليق: ٢٢٠/٢

تعلیق کے رجال

مذکورہ تعلیق کے دو رجال ہیں:

اللیث

یہ ''امام ابو الحارث اللیث بن سعد بن عبد الرحمٰن فہمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کی احوال کشف الباری، کتاب: بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

جعفر بن ربیعہ

یہ ''ابو شرحبیل جعفر بن ربیعہ بن شرحبیل بن حسنہ القرشی الکندی المصری الازدی الحسنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، باب: التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء، رقم الحديث: ۳۳۷، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

تعلیق کا مقصد

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس تعلیق میں راوی کی طرف سے تحدیث ہے، یعنی: لیث بن سعد رحمہ اللہ نے ''حدثني'' کے صیغہ سے روایت کی ہے، اور ماقبل حدیث میں ''عنعنہ'' ہے، یعنی: وہاں راوی نے ''عن'' کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے روایت کی ہے۔ یعنی: صرف فرق سند بتلانا مقصود ہے(۳)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲٤

ملاحظہ: ان کے بارے میں بہت ہی عمدہ تفصیل اور مفید کلام انوار الباری (جلد: ۱۲، ص: ۱۷۴ یا ۱۷۷) پر ملاحظہ کی جیے۔

(۲) كشف الباري، كتاب التيمم، باب: التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء، رقم الحديث: ۳۳۷، ص: ۱٦۰

(۳) شرح الكرماني: ٤/٥۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۰ - أبواب القبلة [1]

۱ - باب : فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ .

یہ باب (نماز میں) استقبالِ قبلہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

قولہ: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''. علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ ''بسم اللہ'' کے ساتھ کسی باب یا کتاب کی ابتداء اس وقت کرتے ہیں جب سابقہ باب اور موجودہ باب کے لکھنے میں کچھ مدت اور وقفہ گزر چکا ہو، چنانچہ اسی طرح یہاں ہوا (۲)۔

اس پر حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بخاری شریف کے ہندوستانی نسخہ اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی شرح المسمیٰ بہ الكواكب الدراري میں ''باب: فضل استقبال القبلة'' سے پہلے ''بسم اللہ'' موجود ہے، جب کہ اکثر مصری نسخوں، نیز فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الساری میں اس جگہ ''بسم اللہ'' موجود نہیں ہے، اور نہ ہی ان شراحِ ثلاثہ رحمہم اللہ نے اس کے متعلق کچھ گفتگو فرمائی ہے، البتہ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی کتاب مرتب کرنے میں فترت واقع ہو جاتی ہے تو نئی مجلس کا آغاز ''بسم اللہ'' سے کرتے ہیں (۳)۔

مذکورہ باب کی ماقبل باب سے مناسبت

ماقبل میں سترِ عورت کے بارے میں ابواب چل رہے تھے، جب امام بخاری رحمہ اللہ سترِ عورت کے بیان سے فارغ ہوئے تو استقبالِ قبلہ کا بیان شروع فرمایا، کیونکہ مصلی پہلے سترِ عورت کا محتاج ہوتا ہے، جب وہ اپنا

---

(۱) کشف الباری میں الدکتور مصطفیٰ دیب البغا کے جس نسخے کو بطور متن کے بنیاد بنایا گیا ہے، اس نسخے کے مطابق اس جگہ ''ابواب القبلہ'' کا بڑا عنوان ہے، جس کے تحت باب نمبر ایک سے سلسلہ شروع ہوا ہے، جب کہ دیگر نسخ میں مثلاً: فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ کے مطابق اس باب کا نمبر اٹھائیس ہے۔

(۲) لامع الدراري: ۲/۳٦٠۔ الكنز المتواري: ٤/٧٧

(۳) الكنز المتواري: ٤/٧٧۔ تقریر بخاری شریف: ۲/۳٥٤۔ سراج القاري: ۲/٤۲۳

ستر عورت کر لے تو پھر استقبال قبلہ کا محتاج ہوگا، اس لیے اس کا بیان شروع فرمایا؛ لہٰذا ابواب سابقہ سے مناسبت ظاہر ہے(۱)۔

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ ، قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٧٩٤]

(نمازی نماز میں حالتِ سجدہ میں) اپنے پیروں کی انگلیاں بھی قبلہ رُخ رکھے، اس کو ابوحمید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

اس جملہ سے متعلق شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ شرائط صلوٰۃ بیان ہو رہے تھے، اس لیے اولا تو وضو کو ذکر فرمایا، کیونکہ وہ سب سے اہم ہے اور پھر لباس اور پھر استقبال قبلہ کو ذکر فرمایا، اور ابتداء اس کی فضیلت سے شروع فرمائی، مگر یہاں پر دو اشکال ہیں، بلکہ تین اشکال ہیں:

اول یہ کہ ابھی تو استقبال قبلہ کی فضیلت شروع فرمائی تو ابھی سے کہاں "استقبال اطراف رجلين الى القبلة" کے اندر پہنچ گئے؟ حالانکہ اطراف رجلین کا استقبال سجدہ میں ہوتا ہے، تو چاہیے یہ تھا کہ اولا استقبال، قیام وغیرہ کا ذکر فرماتے اور پھر بتدریج استقبال اطراف رجلین کا ذکر فرماتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ صفحہ ایک سو بارہ پر "باب: يستقبل القبلة بأطراف رجلين" آرہا ہے، لہٰذا یہ باب مکرر ہو گیا۔

اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ ترجمہ میں ''اطراف رجلین'' کا اگر ذکر فرمایا ہے تو اس کی روایت ذکر نہیں فرمائی، اس لیے کہ اگر "قال أبو حميد عن النبي صلى الله عليه وسلم" کہہ دیا (جس میں ''اطراف رجلین'' کے استقبال کا ذکر ہے) تو وہ روایت تو اب تک نہیں آئی کہ اسی سے اشارہ ہو جاتا، کیونکہ یہ روایت ''صفة الصلوٰة'' میں آئے گی۔

اب جوابات سنو! امام بخاری رحمہ اللہ نے ''يستقبل القبلة بأطراف رجليه القبلة '' کو جز ترجمہ نہیں بنایا اور ''مُثْبَتُ'' بفتح الباء قرار نہیں دیا، بلکہ "مُثْبِت" بالکسر قرار دیا ہے۔ اور غرض اس ذکر سے استقبال کی

(۱) عمدة القاري: ٤/ ١٨٤۔ سراج القاري: ٢/ ٤٢٣

تاکید اور فضلِ استقبال کو منقّح کرنا ہے کہ استقبال اس درجہ مؤکد ہے کہ بحالتِ سجدہ بھی نہیں چھوڑا جا سکتا اور پاؤں کی انگلیوں تک سے کیا جاتا ہے۔

اور ''قال أبوحمید'' سے اس روایت کی طرف اشارہ فرمادیا جو آگے آرہی ہے، اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا، اس لیے کہ سارے اشکال کا مدار یہ تھا کہ اس کو جزءِ ترجمہ قرار دیا جاتا، اسی وجہ سے تکرار بھی لازم آرہا تھا، روایت کی بھی ضرورت ہورہی تھی اور کچھ بے ترتیبی بھی معلوم ہورہی تھی۔

رہا یہ اشکال کہ ترجمہ مکرر ہے، اس کا شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں یہ باب بالتبع ہے اور وہاں صفحہ ایک سو بارہ پر بالقصد آرہا ہے(۱)۔

تعلیق کی تخریج

ابوحمید کی روایت کردہ حدیث مکمل سند کے ساتھ صفۃ الصلاۃ میں باب: سنۃ الجلوس في التشھد میں آرہی ہے، پھر اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ٹکڑے کو ترجمۃ الباب بنا کر بھی ذکر کیا ہے، یعنی: باب: یستقبل القبلة باطراف رجلیه''(۲).

---

(۱)تقریر بخاری شریف: ۱۳۹/۲۔ الکنز المتواري: ٤/ ٤٨۔ سراج القاري: ٤٢٤/٢

(۲)عمدة القاري: ١٨٤/٤

حدثنا يحيى بن بكير، قال: حدثنا الليث، عن خالد، عن سعيد، عن محمد بن عمرو بن حلحلة، عن محمد بن عمرو بن عطاء، وحدثنا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب، ويزيد بن محمد، عن محمد بن عمرو بن حلحلة، عن محمد بن عمرو بن عطاء، أنه كان جالسا مع نفر من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرنا صلاة النبي صلى الله عليه وسلم، فقال أبو حميد الساعدي: أنا كنت أحفظكم لصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ رأيته إذا كبر جعل يديه حذاء منكبيه، وإذا ركع أمكن يديه من ركبتيه، ثم هصر ظهره، فإذا رفع رأسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه، فإذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما، واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة، فإذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى، ونصب اليمنى، وإذا جلس في الركعة الآخرة قدّم رجله اليسرى، ونصب الأخرى وقعد على مقعدته.

وسمع الليث يزيد بن أبي حبيب، ويزيد من محمد بن حلحلة، وابن حلحلة من ابن عطاء، قال أبو صالح، عن الليث: كل فقار، وقال ابن المبارك :عن يحيى بن أيوب، قال: حدثني يزيد بن أبي حبيب، أن محمد بن عمرو حدثه، كل فقار.

(صحيح البخاري، كتاب صفة الصلوٰة، باب: سنة الجلوس في التشهد، رقم الحديث: ٨٢٨)

(و كتاب الأذان، باب: يستقبل القبلة بأطراف رجليه، رقم الحديث: ١٣١)

تعلیق کے رجال

ابوحمید

یہ صحابی رسول حضرت ابوحمید الساعدی الانصاری المدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے نام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، پہلا قول: ''عبدالرحمٰن'' کا ہے۔

دوسرا قول: ''المُنذر بن سعد ابن المنذر'' کا ہے۔

تیسرا قول: ''المُنذر بن سعد بن مالک'' کا ہے۔

اور چوتھا قول: ''المنذر بن شعد بن عمرو بن سعد بن المنذ د بن سعد بن خالد بن ثعلبہ ابن عمرو بن الخزرج'' کا ہے۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سہل بن سعد الانصاری کے چچا ہیں۔

یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کرتے ہیں،

اور ان سے روایت کرنے والوں میں: اسحاق بن عبداللہ بن عمر بن الحکم، جابر بن عبداللہ، ان کے پوتے سعد بن المنذر بن ابی حمید الساعدی، عباس بن سہل بن سعد الساعدی، عبدالرحمٰن بن ابی سعید الخدری وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

واقدی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانے میں ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی وفات یزید بن معاویہ کے ابتدائی زمانے میں ہوئی (١)۔

تعلیق کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مذکورہ تعلیق اس جگہ ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کے لیے جس قدر بھی

(١) تهذيب الكمال: ٣٣/٢٦٤، ٢٦٥- تهذيب التهذيب: ١٢/٧٩، ٨٠- الكاشف: ٣/٣١١- الإصابة في تمييز الصحابة: ٤/٤٦- الجرح والتعديل: ٥/٢٤٢- التاريخ الكبير للبخاري: ٧/٣٥٤- إسعاف المؤطأ برجال المؤطا للسيوطي: ٢/٣٦٦- أسد الغابة في معرفة الصحابة: ٢/ ٣٤٩، ٤/٤٩١، ٥/٧٨- معرفة الصحابة لأبي نعيم، ص: ٢٥١٥- الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ص: ٤٤٩

اپنے اعضاء کو قبلہ رُخ کرنا ممکن ہو وہ کرے(۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اس بات کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ ترجمۃ الباب استقبال قبلہ کی فضیلت بتانے کے لیے قائم کیا گیا ہے، مشروعیت کے لیے نہیں، اور حافظ صاحب رحمہ اللہ بات سے مشروعیت کا علم ہو رہا ہے، فضیلت کا نہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب استقبال قبلہ کی فرضیت اور اس استقبال کی فضیلت کو پہچان لیا جائے تو پھر تعلیق اور ترجمۃ الباب کی مناسبت بھی واضح ہو جائے گی۔

اور یہ دونوں امور بدیہی ہیں کہ نمازی سے اپنے جسم کے اعضاء کا جس قدر قبلہ رُخ کرنا ممکن ہو اتنا قبلہ رو ہونا فرض ہے، اور یہ عمل مسنون ہے کہ پاؤں تک کی انگلیوں کو قبلہ رخ کر لیا جائے۔ چنانچہ تعلیق میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا مذکور ہے، اور اسی میں ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ہے(۳)۔

حدیث باب (پہلی حدیث)

۳۸۵/۳۸٤ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ : حَدَّثنا ٱبْنُ ٱلْمَهْدِيِّ(٤) قَالَ : حَدَّثنا مَنْصُورُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ سِيَاهٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا ، وَٱسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا ، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا ، فَذَلِكَ ٱلْمُسْلِمُ ، ٱلَّذِي لَهُ ذِمَّةُ ٱللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ ، فَلَا تُخْفِرُوا ٱللهَ فِي ذِمَّتِهِ) .

---

(۱)فتح الباري: ٦٤٣/١

(٢)عمدة القاري: ١٨٥/٤

(٣)عمدة القاري: ١٨٤/٤

(٤) أخرجه البخاري أيضا تحت رقم الحديث: ٣٩٢، ٣٩٣

والنسائي في الأيمان، باب: صفة المسلم، رقم الحديث: ٤٩٩٧

وفي جامع الأصول، حرف الهمزه، الكتاب الأول: في الإيمان والإسلام، الباب الأول: في تعريفها، الفصل الأول: في حقيقتها، رقم الحديث: ١٨، ٢٣٥/١

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے، اور ہماری طرح ہی استقبالِ قبلہ کرے، اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے، تو وہ ایسا مسلمان شمار ہوگا، جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان کا وعدہ ہے، پس تم اللہ کے اس وعدہ میں خیانت نہ کرو۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں پانچ رجال ہیں:

۱۔عمرو بن عباس

یہ عمرو بن العباس الباہلی البصری الاہوازی الرُّزی رحمہ اللہ ہیں۔ان کی کنیت ''ابوعثمان'' ہے۔

یہ جن مشائخ سے روایت کرتے ہیں، اُن میں

عبدالرحمٰن بن مہدی، ابراہیم بن صدقہ، ابراہیم بن ناصح، سفیان بن عیینہ، محمد بن جعفر غُندر، محمد بن مروان العجلی اور یزید بن ہارون وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

امام بخاری، حرب بن اسماعیل الکرمانی، عباس بن عبدالعظیم العنبری، عبدان بن احمد الاہوازی، عیسی بن شاذان، محمد بن ابراہیم بن جناد، محمد بن عمرو ابن عباد بن جبلہ بن ابی رواد اور ابوبکر بن سلیمان البزار وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں الثقات میں شمار کیا ہے۔

ان کی وفات ذوالحجہ دوسو پینتیس ہجری میں ہوئی۔

(۱) تهذيب الكمال: ٢٢/٩٤، ٩٥۔ تهذيب التهذيب: ٨/٦٠، ٦١۔ خلاصة الخزرجي، ج: ٢، رقم الترجمة: ٥٣٢٤۔ الجرح والتعديل، ج: ٦، رقم الترجمة: ١٣٩٦۔ الثقات لابن حبان: ٨/٤٨٦.

۲۔ابن مہدی

یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان بن عبدالرحمٰن العنبر ی الأ زدی رحمہ اللہ ہیں۔

علامہ مزی رحمہ اللہ نے ان کے مشائخ اور تلامذہ کی ایک بہت لمبی فہرست ذکر کی ہے، ان میں سے چند ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

مشائخ میں منصور بن سعد، ابان بن یزید العطار، ابراہیم بن سعد الزہری، ابراہیم بن نافع المکی، اسرائیل بن یونس، الاسود بن شیبان، حماد بن سلمہ، سلام بن ابی مطیع وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور تلامذہ میں عمرو بن عباس الباہلی الرُّ زی، عبداللہ بن المسند ی، علی بن المدینی، عمرو بن علی الفلاس، محمد بن المثنی ، اسحاق بن راہویہ وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان کی پیدائش ایک سو پینتیس میں ہوئی۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں یحیی بن سعید اور عبدالرحمٰن جیسا بندہ نہیں دیکھا، اور ان دونوں میں سے بھی زیادہ فقیہ عبدالرحمٰن تھے۔

علی بن المدینی رحمہ اللہ بارہا کہا کرتے تھے: عبد الرحمن أعلم الناس.

علی بن احمد الأ زدی؛ علی بن المدینی رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یحیی بن سعید أعلم بالرجال تھے اور عبدالرحمٰن أعلم بالحدیث تھے۔ اور فرماتے تھے کہ عبدالرحمٰن کے علم بالحدیث کے بارے میں مجھے شبہ ہوتا تھا کہ ان کا علم جادوئی علم ہے۔

یہ ہر رات میں آدھا قرآن پڑھ کر دو راتوں میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔

ابوبکر الأ ثرم کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب عبدالرحمٰن بن مہدی کسی آدمی سے روایت کرے تو وہ آدمی بھی حجت ہوگا۔

ان کی وفات ایک سو اٹھانوے ہجری میں ہوئی (۱)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷/ ٤٣٠ - ٤٤٢۔ الطبقات الكبرى لابن سعد: ۲۹۷/۷۔ الثقات لابن حبان: ۳۷۳/۸۔ سير أعلام النبلاء: ۱۹۲/۹۔ تهذيب التهذيب: ۲۷۹/٦۔ خلاصة الخزرجي: ۲/رقم الترجمة: ٤٢٥٩.

۳۔ منصور بن سعد

یہ منصور بن سعد البصری رحمہ اللہ ہیں، یہ صاحب اللؤلؤ کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے مشائخ میں: میمون بن سیاہ، بدیل بن میسری العقیلی، ثابت البنانی، حماد بن ابی سلیمان، عباد بن کثیر، فرزدق شاعر اور عمار بن ابی عمار وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور تلامذہ میں: عبدالرحمٰن بن مہدی، جارود بن یزید، حسان بن ابراہیم اور ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان کے بارے میں یحیی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة

علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم يكن به بأس

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة

ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

۴۔ میمون بن سیاہ

یہ میمون بن سیاہ البصری رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ''ابو بحر'' ہے۔

یہ حضرت انس بن مالک، جندب بن عبداللہ البجلی، حسن بصری اور شہر بن حوشب وغیرہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں: منصور بن سعد اللؤلؤی، حزم القطعی، حماد بن جعفر، حمید الطّویل وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان پر بعض ائمہ رجال نے کلام کیا ہے لیکن وہ کلام ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس راوی کی حدیث ضعفِ شدید میں داخل ہو جائے، اس لیے کہ بہت سارے ائمہ نے ان کی تعدیل بھی کی ہے، مثلاً:

یحیی بن معین رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا: ضعيف

ابوداؤد رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا: ليس بذاك

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۸/۵۲۷۔ الجرح والتعديل: ۸/ رقم الترجمة: ۷۶۰۔ الثقات لابن حبان: ۷/۴۷۵۔ تهذيب التهذيب: ۱۰/۳۰۷۔ الكاشف: ۳/رقم الترجمة: ۵۷۳٤

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: "یخطئ"، اس کے بعد ابن حبان رحمہ اللہ نے "المجروحین" میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ مشاہیر سے منکر روایت بیان کرنے میں منفرد ہوتے ہیں، اور جب یہ منفرد ہوں تو اس وقت ان کی روایت سے حجت پکڑنا مجھے پسند نہیں ہے۔

ابو حاتم رحمہ اللہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے،

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے: يحتج به

حسن بن سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سید القرآء تھے.

اور حزم القطعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ کسی کی غیبت کرتے تھے اور نہ ہی سنتے تھے، ان کی مجلس میں اگر غیبت شروع ہو جاتی تو ٹوک دیتے تھے، ورنہ مجلس سے اٹھ جاتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اولا جرح کے کلمات نقل کیے، پھر تعدیل کے کلمات ذکر کیے اور فرمایا کہ امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ نے ان کی روایت نقل کی ہے۔

الدکتور بشار عواد نے اولا تضعیف کے اقوال اور پھر تعدیل کے کلمات ذکر کیے ہیں، اور پھر ابن عدی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ "یہ بصری کے بڑے زاہدوں اور عابدوں میں سے ایک تھے۔ اور زاہد لوگ احادیث کو اس طرح ضبط نہیں کرتے، جیسے ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں ہوگا"۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی ایک ہی روایت نقل کی ہے(۱)۔

۵۔ انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال پر تفصیلی کلام کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه میں گزر چکا ہے(۲)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۰٤/۲۹۔ الثقات لابن حبان: ٤۱۲/۵۔ تهذيب التهذيب: ۱۰/۳۸۸، ۳۸۹۔ الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۵۲/۷۔ خلاصة الخزرجي: ۳/ رقم الترجمة: ۷۳۵۰۔ تقريب التهذيب: ۲۳۳/۲۔ تحرير تقريب التهذيب: ٤٤۵/۳۔ هدي الساري لابن حجر، ص: ٦۲۹

(۲) كشف الباري: ٤/۲

شرح حدیث

من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہمارے نماز پڑھنے کی طرح نماز پڑھے، اور ہمارے قبلے کی طرف ہی منہ کرے، اور ہمارا ذبح کیا ہو جانور کھالے۔

"من صلى صلاتنا"، أي: صلى كمانصلي، یعنی: جس طرح قیام، قراءت، رکوع، سجود وغیرہ کے ساتھ ہم نماز پڑھتے ہیں، اسی طرح وہ نماز پڑھے۔

لفظ "صلاتنا" منصوب بنزع الخافض ہے، نفس الامر میں یہ لفظ مصدر محذوف کی صفت ہے، پورا جملہ اس طرح ہوگا: "صلى صلاة كصلاتنا"، پھر تخفیفاً مصدر اور خافض یعنی: "ك" تشبیہ کو حذف کردیا گیا، اور "صلى صلاتنا" باقی رہ گیا(۱)۔

مسلمان ہونے کے لیے ضروری اُمور

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں تین کام کرنے والے کو مسلمان قرار دیا گیا ہے، ان میں سے پہلی بات: "من صلى صلاتنا" اس لیے ذکر فرمائی کہ ہماری طرح نماز پڑھنے والا وہی شخص ہوسکتا ہے، جو توحید اور رسالت کا اقرار کرنے والا ہو۔ اور جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرنے والا ہوگا وہ یقیناً جميع ما جآء به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الله تبارك وتعالى کا بھی اقرار کرنے والا ہوگا، اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمان ہوا گ، اس لیے کہ وہی تو مسلمان ہوتا ہے، جو تصدیق کرتا ہے اُس پورے دین اور شریعت کی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، چنانچہ اس طرح نماز پڑھنا اس کے اسلام کی علامت ہو جائے گی، لہٰذا اس کو مسلم قرار دیں گے(۲)۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٨٦/٤ ـ ذخيرة العقبى شرح سنن النسائي، كتاب المحاربة، باب: تحريم الدم، رقم الحديث: ٣٩٦٧، ٢٢٦/٣١

(۲) عمدة القاري: ١٨٦/٤ ـ تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٨٠، ٤٧/١ .

"واستقبل قبلتنا"، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کریں۔

استقبال قبلہ مستقلاً ذکر کرنے کی حکمت

اس جملہ پر اشکال ہوتا ہے کہ استقبال قبلہ کا ذکر تو صلاۃ میں موجود ہی تھا، تو پھر اس کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ بمقابلہ نماز زیادہ اعرف ہے، بے شمار افراد ہوتے ہیں، جو نماز پڑھنے کے آداب، شرائط اور اصولوں وغیرہ سے ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں، لیکن قبلہ کو وہ بھی جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا قبلہ کیا ہے، اور کس جانب ہے۔

اس کے علاوہ دوسری بات اور بھی ہے کہ نماز کے کئی ارکان ایسے ہیں، جو ہماری نماز اور دوسروں کی نماز میں مشترک ہیں، مثلاً: قیام؛ ہماری نماز میں بھی ہے اور یہود کی نماز میں بھی ہے۔ قراءت؛ ہماری نماز میں بھی ہے اور یہود کی نماز میں بھی ہے۔ لیکن قبلہ؛ میں ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے، اس واسطے "من صلی صلاتنا" کے بعد "واستقبل قبلتنا" کا ذکر فرمایا(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں(۲): جب ان عبادات کا ذکر کر دیا گیا جن کے ذریعے مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز ہوتا تھا تو اس کے بعد وہ چیز ذکر فرمائی جو عبادت اور عادت دونوں اعتبار سے مسلم اور غیر مسلم میں فرق ظاہر کرتی ہے۔ اور وہ ہے ہمارے ذبیحہ کا استعمال، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"أکلِ ذبیحۃ" کی شرط کی اہمیت

"أکلو ذبیحتنا"، یہ جملہ دراصل اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جس طرح من حیث العبادۃ ہمارے اور دوسروں کے درمیان کئی طرح امور میں فرق ہے، اسی طرح بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ من حیث العبادۃ اور من حیث العادۃ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فرق ہے، "اکل ذبیحۃ" کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ عادت بھی یہی ہے کہ ایک ملت کے لوگ دوسری ملت کے ذبیحہ کو استعمال نہیں کرتے اور عبادت کے نقطہ نظر سے بھی ایک کا

(۱) فتح الباري: ۶۴۴/۱۔ عمدة القاري: ۱۸۶/۴۔ إرشاد الساري: ۵۳/۲۔ ذخيرة العقبى شرح سنن النسائي، كتاب المحاربة، باب: تحريم الدم، رقم الحديث: ۳۹۶۷، ۲۲۶/۳۱

(۲) عمدة القاري: ۱۸۶/۴

ذبیحہ دوسرے کے لیے صحیح اور درست قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے حدیث میں "واستقبل قبلتنا" کے بعد "وأكل ذبيحتنا" کا ذکر فرمایا(۱)۔

علامہ گنگوہیؒ کی رائے

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أكلو ذبيحتنا" کی قید ان کفار کو (اسلام سے جدا رکھنے یا) نکالنے کے لیے ہے جو مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، وگرنہ مشرکین اور یہود ونصاری تو مسلمان کا ذبیحہ کھاتے ہیں، ان سے احتراز مقصود نہیں ہے (۲)۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی رائے

اس کی شرح میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس عبارت کے ذریعے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب تو مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتے ہیں، پھر ان کا ذکر کیوں کیا گیا؟

تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض مشرکین اور بعض اہل کتاب مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔ اور بعض وہ تھے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا کرتے تھے، چنانچہ اول الذکر کے رد میں "أكل ذبيحتنا" فرمایا اور ثانی الذکر کے رد کے لیے روایات میں سے ایک روایت میں "ذبحوا مثل ذبيحتنا" کے الفاظ بھی ملتے ہیں (۳)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کی رائے

حدیث مبارکہ میں مذکورہ کلام یہود کے مقابلہ میں شمار کیا جائے تو معاملہ آسان ہے کہ استقبال کا عطف صلاۃ پر ڈالنا اور پھر ذبیحہ کا الگ سے خاص طور پر ذکر کرنا سب امور آسان ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہود مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے، یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر اس وقت طعن وتشنیع کی تھی جب

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٨٦۔ الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ١٣، ١/١٣١

(۲) لامع الدراري: ٢/٢٦١

(۳) الكنز المتواري: ٤/ ٨٠

مسلمانوں کوکعبہ کی طرف منہ پھیرنے کاحکم ہواتھا،جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا:﴿ما ولاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها﴾ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ان کومسلمانوں سے جدا کرنے کے لیےفرمایا گیا کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھیں اورقبلہ کی طرف منہ کرنے کے بارے میں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے سے رکنے کے بارے میں ہم سے جھگڑا چھوڑ دیں تو وہ مسلمان شمار ہوں گے(۱)۔

"ذبيحة" فعيلة کے وزن پر مفعولة کے معنی میں ہےاور "التاء" جنس کے لیے ہے، جیسے:الشاة میں، تو معنی:''ذبح کیا ہوا جانور'' ہوں گے(۲)۔

فذٰلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته

تو وہ ایسا مسلم شمار ہوگا جس کے لیے اللہ اوراس کے رسول کی طرف سے امان کا وعدہ ہے، پس تم اللہ کےاس وعدے میں خیانت نہ کرو۔

"فذٰلك" اسم اشارہ ہے،اس کا مشارالیہ "من جمع هٰذه الأوصاف الثلاثة"قرار پائے گا۔مطلب یہ ہوگا کہ''وہ شخص جوان تینوں اوصاف کواپنے اندر جمع کر لے گا وہ مسلمان ہوگا''۔پس "ذٰلك" اپنے مشارالیہ سےمل کرمبتداء ہوگااوراس کی خبراگلا پورا جملہ ہوگی(۳)۔

پھر جملہ اسمیہ شرط کے لیے جزاء بن جائے گا(۴)۔

"ذمة الله"ذمّة سے مراد امان،عہداورکفالت ہے،یعنی:ایسا شخص اللہ کی امان میں،اللہ کی حفاظت میں اوراللہ کی کفالت میں ہے(۵)۔

اس پورے جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جوشخص مذکورہ تینوں کام کرلے گا وہ اللہ اوراس کے رسول کی

---

(۱)الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱۳۱/۱

(۲)مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱۵۲/۱۔ ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ۲۵۷/۵.

(۳)مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱۵۲/۱

(٤)عمدة القاري: ١٨٦/٤۔ إرشاد الساري: ۵۳/۲

(۵)الصحاح للجوهري، ص: ۳۷۵۔ النهاية لابن اثير: ۶۱۲/۱۔ مصابيح الجامع للدماميني: ۱۰۸/۲

حفاظت میں آجائے گا کفار کے وبال سے، یعنی: کفار سے جو قتل وغیرہ مشروع ہے، اس شخص سے اس کا حکم اٹھالیا جائے گا۔ "ذمة" کا لفظ مکرر ذکر کیا گیا ہے، اللہ کے ساتھ بھی اور رسول کے ساتھ بھی، اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دونوں کا ذمہ، امان، حفاظت دنیا مقصود ہے، اگرچہ اصل ذمہ تو اللہ کا ہی ہے، اور یہ بھی مقصود ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں، اسی وجہ سے اگلے جملے "فلا تخفروا الله في ذمته" میں صرف "ذمة الله" کے ذکر پر اقتصار کیا گیا(۱)۔

"فلا تخفروا" یہ باب افعال سے نہی کا صیغہ ہے، "خَفَرَ" نصر ینصر اور ضرب یضرب سے امان اور حفاظت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور جب یہ باب افعال میں مستعمل ہو تو ہمزہ افعال سلب اور ازالہ کے معنی میں استعمال ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ امان توڑ دی گئی، حفاظت سے نکال دیا گیا، عہد میں خیانت کی گئی۔ چنانچہ "فلا تخفروا الله" کے معنی: تم اللہ سے خیانت نہ کرو، اس کی دی گئی امان نہ توڑو(۲)۔

"في ذمته" میں "ہ" ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں، ایک: یہ کہ اس مرجع اللہ ہو، اور دوسرا: یہ کہ اس کا مرجع مسلم ہو، اول الذکر میں مطلب یہ ہوگا کہ اس مسلم کے مال، جان، عزت اور آبرو کے درپے ہو کر اللہ کی دی ہوئی امان میں خیانت کے مرتکب نہ ہو جاؤ۔

اور ثانی الذکر میں مطلب یہ ہوگا کہ اس مسلمان کے بارے میں اللہ کے کیے ہوئے عہد کو نہ توڑو(۳)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

"معناه: لا تخونوا الله في تضييع حق من هذا سبيله". کہ جو ان تینوں اعمال کو اختیار کر کے اس کے راستہ پر چل پڑا ہو تو تم اس کے حقوق تلف کر کے اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرو(۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/٦٤٤۔ عمدة القاري: ۱/۱۸۲۔ مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱٥۲

(۲)الصحاح للجوهري، ص: ۳۰٦۔ النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/٥۱۰۔ عمدة القاري: ٤/۱۸٦۔ فتح الباري: ۱/٦٤٤۔ إرشاد الساري: ۲/٥۳

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱٥۲۔ عمدة القاري: ٤/۱۸٦، إرشاد الساري: ۲/٥۳

(٤)أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ۱/۳۷٥

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "واستقبل قبلتنا" کے لفظ سے ہے، اس جملہ کا ذکر قبلہ کی شان پر تنبیہ کے طور پر مذکور ہے، کیونکہ استقبالِ قبلہ تو من جملہ دیگر شرائط کے "من صلی صلاتنا" میں شامل تھا(۱)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور واحکامات

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے امور واحکامات مستنبط ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ مذکورہ حدیث سے قبلہ کی شان وعظمت ظاہر ہورہی ہے، کہ اس کی طرف منہ کرنا افضل ترین عبادت نماز میں قرار دیا گیا ہے، جو شخص عمداً استقبالِ قبلہ نہ کرے اس کی نماز مقبول نہیں ہے(۲)۔

۲۔ استقبالِ قبلہ مطلقاً نماز میں شرط ہے، سوائے حالتِ خوف کے، کہ ایسی حالت میں نمازی سے یہ شرط مرتفع ہے۔ پھر اس میں مزید تفصیل یہ ہے کہ جو شخص مسجدِ حرام میں ہو اس کے لیے عینِ قبلہ کا استقبال شرط ہے اور جو شخص مسجدِ حرام سے خارج ہو اس کے لیے جہتِ قبلہ کافی ہے(۳)۔

۳۔ مسلمانوں کی علامت میں ذبیحہ کا کھانا بھی معلوم ہوا، کیونکہ اہل کتاب کی ایک جماعت اور بت پرست مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے(۴)۔

۴۔ مسلمان کی عزت آبرو، مال اور جان کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے(۵)۔

۵۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کوئی شخص محض شہادتین کی وجہ سے معصوم الدم نہیں ہو

(۱) عمدة القاري: ۱/ ۱۸۷۔ منار القاري: ۲/ ٤

(۲) عمدة القاري: ٤/ ۱۸۵۔ إرشاد الساري: ۲/ ٥٤۔ مصابيح الجامع للدماميني: ۲/ ۱۰۸

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۱۸۵۔ إرشاد الساري: ۲/ ٥٤۔ مصابيح الجامع للدماميني: ۲/ ۱۰۸۔ اللامع الصبيح للبِرماوي: ۳/ ۱۳۲

(٤) عمدة القاري: ٤/ ۱۸۷۔ الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۲/ ٤٤۳

(٥) الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۲/ ٤٤۳۔ منار القاري: ۲/ ٤

جا تا، بلکہ اس پر لازم ہے کہ شہادتین کی حقوق بھی ادا کر لے، اور حقوق میں سب سے مؤکد حکم ''نماز'' ہے، اسی لیے اس کو خاص طور پر ذکر کیا (۱)۔

۶۔ ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ لوگوں میں بعض کے امور دوسرے بعض کے لیے ان کے ظاہر پر محمول ہوتے ہیں نہ کہ ان کے باطن پر، اور یہ بات ہے کہ جو شخص دین کے شعائر اور دین والوں کے طور طریقوں کو اپنا لیتا ہے تو اس پر دین اور دین والوں کے احکام ہی جاری کئے جائیں گے، جب کہ اس کا باطن معلوم نہ ہو۔ جیسے کوئی مسافر شخص آئے اور اس کا ظاہری حلیہ مسلمانوں کے مثل ہی ہو تو اس کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا، یعنی: اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ ہی کیا جائے گا، جب تک اس سے اسلام کے خلاف کوئی بات ظاہر نہ ہو جائے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی اسی طرح لکھتے ہیں:

حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے احوال و معاملات کو ظاہر پر محمول کرنا چاہیے، لہٰذا جو شخص شعارِ دین کو ظاہر کرے، اس پر اہلِ اسلام کے حکام ہی جاری کیے جائیں گے، جب تک کہ اس سے دین کے خلاف کوئی بات ظاہر نہ ہو (۳)۔

اسلام کے لیے انہی تین اُمور کے انتخاب کی حکمت

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی اعتراض کرے کہ دین کے سارے ارکان اور واجبات میں سے انہی تین کو کیوں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں دین اسلام میں بہت بڑے درجے کی ہیں، ان پر عمل کرنے والا بہت جلد دوسروں میں ممتاز ہو جاتا ہے، کیونکہ ابتدائی ملاقات میں ہی اکثر اوقات ملنے والا اپنے میزبان کے بارے میں اس کے نماز پر کاربند ہونے کو پہچان لیتا ہے، بخلاف روزے یا حج کے، اول الذکر روزہ تو امرِ باطن کا

(۱) فتح الباري لابن رجب حنبلی: ۱۰۸/۲۔ منار القاري: ۴/۲

(۲) اللامع الصبیح للبِرماوي: ۱۳۲/۳۔ کوثر معاني الدارري في کشف خبایا صحیح البخاري۔: ۱۱/۷

(۳) فتح الباري: ۶۴۴/۱

نام ہے اور فرض روزے کے ذریعے امتیاز تو ہورے سال میں ایک مہینے میں ہی ہوسکتا ہے اور ثانی الذکر حج کا بھی معاملہ یہی ہے، کچھ افراد پر تو یہ سرے سے واجب ہی نہیں ہوتا اور بعض؛ جن پر واجب ہوتا ہے، ان سے اس فعل کے پہچاننے میں مہینوں یا سال لگ سکتے ہیں (۱)۔

اہلِ قبلہ سے متعلق ایک تحقیق

علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان ہی احادیث سے اہلِ قبلہ کا لقب اہلِ اسلام کے لیے اخذ کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ اہلِ اسلام کی بڑی اور کھلی ہوئی علامات ہیں، جن سے بڑی آسانی کے ساتھ دینِ اسلام والے دوسرے اہلِ مذاہب سے ممتاز ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ لوگ ہمارے ذبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں، ہماری جیسی نماز نہیں پڑھتے، اور اپنی عبادات میں ہمارے قبلہ کی طرف رخ بھی نہیں کرتے، لہٰذا یہ تینوں چیزیں اسلام کے لیے شعار کے درجہ میں ہوگئی ہیں، لیکن یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں ان کو ضرور مسلمان سمجھا اور کہا جائے گا، خواہ وہ دن کی (ضروری) چیزوں کا انکار بھی کردیں، اور خواہ وہ حضور علیہ السلام کے ارشاد ہی کے مطابق دینِ اسلام سے خارج بھی ہو جائیں، جس طرح تیر کمان سے دور ہو جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص پورے دین کو مانتا ہو اور اس پر عمل بھی کرتا ہو مگر ایک چھوٹی سے چھوٹی سورتِ قرآنی کا انکار بھی کرے، یا اس کے حکم کو نہ مانے، یا جان بوجھ کر اس کو غلط معنی پہنائے تو اس کے کفر میں شک نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے، انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرے، ان کے خلافِ شان سخت نامناسب الفاظ استعمال کرے، دین کی تحریف کرے، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اخبار وواقعات ومعجزات علیہم السلام کا انکار واستہزاء کرے وغیرہ تو اس کو کیسے داخلِ اسلام قرار دیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ ہمارے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی نے ان سب موجباتِ کفر کا ارتکاب کیا، جب کہ ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی ثبوتِ کفر کے لیے کافی تھا، مگر افسوس ہے کہ ہمارے اس دورِ جہالت کے بعض اہلِ علم نے بھی جن کو کتبِ فقہ وعقائد وکلام پر عبور نہیں تھا، مرزا کی تکفیر میں تردد کیا اور کہا کہ ہم احتیاط کرتے ہیں؛ اور یہ نہ سمجھا کہ جس طرح اکفارِ مسلم پر دلیری کرنا گناہ ہے، بالکل اسی طرح عدم اکفارِ کفار بھی گناہ ہے، اور اسی

(۱) شرح الکرماني: ٤/٥٥

لیے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال مانعین زکوۃ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تردد کو دیکھ کر فرمایا تھا: "أجبار في الجاهلية وخوار في الإسلام؟" (کہ زمانہ جاہلیت میں تو بڑے دلیر اور بہادر تھے، اب یہ اسلام کے زمانے میں بزدلی اور کمزوری کیسی؟) اس کے بعد پھر جلد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی رائے بدل دی اور فرمایا: میرا دل بھی اس بات کے لیے کھل گیا، جس کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل کھل گیا تھا اور وہ سمجھ گئے کہ احتیاط کا تقاضا بھی وہی تھا، جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا(۱)۔

اہلِ قبلہ کی تعریف

ملا علی قاری رحمہ اللہ اہلِ قبلہ کی تکفیر کرنے اور نہ کرنے کی بحث کے مقام پر سب سے قبل اہلِ قبلہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إعلم أن المراد بأهل القبلة؛ الذين اتفقوا على ما هو من ضرورات الدين كحدوث العالَم، وحشر الأجساد، وعلم الله بالكليات والجزئيات، وما أشبه ذٰلك من المسائل؛ فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قِدم العالَم، أو نفي الحشر، أو نفي علمه سبحانه بالجزئيات لا يكون من أهل القبلة"(۲).

''جاننا چاہیے کہ اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دینیہ پر اتفاق رکھتے ہوں، مثلاً: عالَم حادث ہے، (یعنی: اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے) اور لوگ اپنے جسموں سمیت قیامت میں اکٹھے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ تمام کلیات و جزئیات کا علم رکھتا ہے، اور اس قسم کے اور مسائل بھی وہ شخص مانتا ہو؛ پس جو شخص ساری زندگی طاعات وعبادات کی پابندی کرتا ہو، لیکن اس کا اعتقاد یہ ہو کہ عالَم قدیم ہے، (یعنی: ہمیشہ سے ہے) اور قیامت میں لوگ جسموں سمیت زندہ ہو کر اکٹھے نہیں ہوں گے، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات (یعنی: ہر چیز) کا علم نہیں ہے تو ایسا شخص اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے''۔

---

(۱) انوار الباری: ۱۲/۱۷۹

(۲) شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، مسئلة: استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، ص: ۲۵۸.

پھر مزید فرماتے ہیں:

”وإن المراد بعدم تكفير أحد من أهل القبلة عند أهل السنة أنه لا يكفر ما لم يوجد شيئ من أمارات الكفر ولاماته ولم يصدر عنه شيئ من موجباته“(١).

”اور اہل سنت کے نزدیک اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ ان کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک ان میں کفر کی نشانیوں اور علامتوں میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے اور جب تک اس سے موجباتِ کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو“۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ بحث کو دیکھتے ہوئے حدیث الباب کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہاں تین کام کرنے والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے ضمان کا اعلان کیا گیا ہے، تو وہاں ظاہری طور پر ان تینوں کاموں کے کرنے والے صرف اس وقت تک مسلمان متصور ہوں گے، جب تک ان سے دیگر ضروریاتِ دین کا انکار سامنے نہ آئے اور جب ان سے دیگر ضروریاتِ دین کے خلاف کچھ سرزد ہو جائے گا، تو پھر ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ضمان نہیں ہے، بلکہ ان کی تکفیر کی جائے گی، یعنی: ان کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

کتب علم الکلام والعقائد میں اس امر کی پوری تصریح موجود ہے۔

ابن امیر الحاج رحمہ اللہ کی تشریح

محقق ابن امیر الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أهل القبلة؛ هو الموافق على ما هو من ضروريات الإسلام، كحدوث العالم وحشر الأجساد من غير أن يصدر عنه شيئ من موجبات الكفر قطعا من اعتقاد راجع إلى وجود إله غير الله تعالى، أو إلى حلوله في بعض أشخاص الناس، أو إنكار نبوة محمد صلى الله

(١) شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، مسئلة: استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، ص: ٢٥٨.

عليه وسلم أو ذمه، أو استخفافه، ونحو ذلك المخالف في أصول سواها مما لا نزاع أن الحق فيه واحد كمسألة الصفات وخلق الأعمال وعموم الإرادة، وقدم الكلام ولعل إلى هذا أشار المصنف ماضيا بقوله إذ تمسكه بالقرآن، أو الحديث، أو العقل إذ لا خلاف في تكفير المخالف في ضروريات الإسلام من حدوث العالم وحشر الأجساد ونفي العلم بالجزئيات، وإن كان من أهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات، وكذا المتلبس بشيئ من موجبات الكفر ينبغي أن يكون كافرا بلا خلاف، وحينئذ ينبغي تكفير الخطابية لما قدمناه عنهم في فصل شرائط الراوي، وقد ظهر من هذا أن عدم تكفير أهل القبلة بذنب ليس على عمومه إلا أن يحمل الذنب على ما ليس بكفر، فيخرج المكفر به كما أشار إليه السبكي"(۱).

''اہل قبلہ وہ ہیں جو موافق ہوں تمام ضروریات دین کے، جیسے عالَم کا حدوث اور حشر اَجساد، اس طور پر کہ اس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر نہ ہو، مثلا: ایسا اعتقاد جو حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو الٰہ ماننے کی طرف لے جائے، یا اللہ تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کر جانے کی طرف، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کی طرف، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت اور استخفاف کی طرف لے جائے، یا اس طرح کی دیگر باتوں کی طرف لے جائے، (یہاں تک کہ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) اس سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے،

(۱) التقرير والتحبير لابن أمير الحاج على التحرير في أصول الفقه، المقالة الثالثة: في الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والافتاء: ۴۰۲/۳

ہاں اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ کوئی اور معنی لیا جائے، جیسا کہ اس کی طرف ملاسبکی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے تو عموم مراد لیا جاسکتا ہے''۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی تشریح

شرح المقاصد میں علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومعناه أن الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات إسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد، وما أشبه ذٰلك، واختلفوا في أصول سواها كمسألة الصفات، وخلق الأعمال، وعموم الإرادة، وقدم الكلام، وجواز الرؤية، ونحو ذٰلك مما لا نزاع أن الحق فيها واحد، هل يكفر المخالف للحق بذٰلك الاعتقاد والقول به أم لا؟ فلا نزاع في كفر أهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر، ونفي العلم بالجزئيات، ونحو ذٰلك، وكذا بصدور شيئ من موجبات الكفر عنه''(۱).

''جو لوگ ضروریاتِ اسلام پر تو متفق ہیں، مثلا: حدوثِ عالَم اور حشر وغیرہ، اور ان کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں، جیسے: مسئلہ صفات اور خلق افعال اور عموم ارادہ اور کلام اللہ کا قدیم ہونا اور رؤیۃ اللہ کا جواز وغیرہ، جن میں کوئی نزاع اس میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے، تو کیا اس اعتقاد اور اس کے قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالفِ حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟

سو ایسے اہلِ قبلہ کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو تمام عمر مداومت کے ساتھ قدیم عالَم اور نفی حشر اور نفی علم بالجزئیات وغیرہ کا قائل ہو اور اسی طرح موجباتِ کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

---

(۱) شرح المقاصد للتفتازاني، المبحث السابع: في حكم مخالف الحق في أهل القبلة: ۲۲۸/۵.

صاحبِ ''غاية التحقيق'' علامہ عبدالعزیز البخاریؒ کی تشریح

علامہ عبدالعزیز بن احمد ابن محمد البخاری رحمہ اللہ اصول فقہ کی کتاب ''حسامی'' کی شرح ''غاية التحقيق'' میں فرماتے ہیں:

"إن غلا فيه (أي: في هواه) حتى وجب الكفارة به لا يعتبر خلافه ووفاقه أيضا لعدم دخول في مسمى الامة المشهود لها بالعصر وإن صلى إلى القبلة، واعتقد نفسه مسلما، لأن الأمة ليست عبارة عن المصلين إلى القبلة بل؛ عن المؤمنين، وهو كافر؛ وإن كان لا يدري أنه كافر"(۱).

اگر کسی شخص نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ میں غلو کیا، یہاں تک کہ اس کہ تکفیر واجب ہوگئی تو اس (تکفیر) کے خلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ شخص امت کے اس طبقے میں شامل نہیں ہے، جس کے لیے حفاظت وعصمت کا وعدہ کیا گیا ہے، اگرچہ یہ شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھتا رہے، اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا رہے، کیونکہ ''امت'' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے، بلکہ امت تو مؤمنین کا نام ہے، اور ایسا شخص (جو غلو کرنے والا ہو) کافر ہے اگرچہ اسے اپنے کفر کا علم نہ ہو''۔

علامہ عبدالعزیز الفرہاوی رحمہ اللہ کی تشریح

علامہ عبدالعزیز الفرہاوی رحمہ اللہ شرح عقائد کی شرح النبر اس میں فرماتے ہیں:

"ومن قواعد أهل السنة أن لا يكفر" مجهول من التكفير، وهو النسبة إلى الكفر "أحد من أهل القبلة" معناه اللغوي: مَن يصلي إلى القبلة، أو يعتقدها قبلةً، وفي إصطلاح المتكلمين: من يصدق بضروريات الدين، أي: الأمور التي علم ثبوتها في الشرع واشتهر، فمن

(۱) غاية التحقيق، ص: ۲۰۸، مير محمد كتب خانه، كراتشي

أنكر شيئا من الضروريات كحدوث العالَم، وحشر الأجساد وعلم الله سبحانه بالجزئيات وفرضية الصلاة والصوم، لم يكن من أهل القبلة، ولو كان مجاهدا في الطاعات وكذٰلك مَن باشر شيئا مِن أمارات التكذيب كسجود الصنم والإهانة بأمرٍ شرعي والاستهزآء عليه، فليس مِن أهل القبلة، ومعنى عدم تكفير أهل القبلة؛ أن لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بإنكار الأمور الخفية غير المشهورة، هٰذا ما حققه المحققون، فاحفظه"(١).

''اہلِ سنت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اہلِ قبلہ معنی لغوی کے مطابق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے والا ہو، یا قبلہ کے قبلہ ہونے کا اعتقاد رکھنے والا ہو، اور متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی: ان اُمور کی، جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ومشہور ہو، پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریاتِ دین میں سے، جیسے: حدوثِ عالَم، حشر، علم اللہ بالجزئیات اور فرضیتِ نماز وروزہ؛ تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہ ہوگا، اگرچہ وہ طاعات کا پابند ہو، اور اسی طرح وہ شخص بھی اہلِ قبلہ میں سے نہ ہوگا جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے، جیسے: بت کو سجدہ کرنا، یا کسی ایسے امر کا ارتکاب کرنا کہ اس سے کسی امرِ شرعی کا استہزاء اور اہانت ہوتی ہو، تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے۔ اور اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکابِ معصیت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے، یا کسی اور خفیہ غیر مشہور کے انکار کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ یہ وہ تحقیق ہے جسے محققین نے درست قرار دیا ہے، اس کو محفوظ کرلو''۔

---

(١) النبراس على شرح العقائد، الاستهزآء على الشريعة كفر، ص: ٥٧١، ٥٧٢.

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ کی تشریح

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمہ اللہ ''فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث'' میں فرماتے ہیں:

"إذ لا يكفر أحد من أهل القبلة إلا بإنكارٍ قطعي من الشريعة"(١).

ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر شریعت کے کسی قطعی امر کے انکار کی وجہ سے۔

اسی طرح شارح ہدایہ المسمی بـ العناية علامہ بابرتی (۲) اور علامہ الغنیمی المیدانی (۳) رحمہما اللہ

---

(١) فتح المغيث شرح ألفية الحديث، تنبيهات: ١/٣١٠

(٢)، (ونسمي أهل قبلتنا مسلمين مؤمنين ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين، وله بكل ما قال وأخبر مصدقين)، لقوله عليه السلام: "من صلى إلى قبلتنا، وأكل ذبيحتنا فهو منا"، فإذا كانوا معترفين بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم من الشرع والدين، ومعتقدين التوحيد، ومتمسكين بالشريعة، نسميهم مؤمنين ونحكم عليهم بجميع أحكام المؤمنين، ونراعي ظواهرهم ونكِلُ ضمائرهم إلى الله، بقوله عليه السلام: "بعثت أتولى الظواهر، والله يتولى السرائر".

وإنما قال: "ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين"، لأن مجرد التوجه إلى قبلتنا لا يدل على الإيمان ما لم يصدق النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ فيما جاء به من الشريعة، فإن الغلاة من الرافضة الذين يدعون أن جبريل غلِط في الوحي لمحمد، فإن الله أرسله إلى عليّ، وبعضهم قالو: بأنه إلٰه، فهؤلاء وإن صلوا إلى القبلة ليسوا بمؤمنين. (شرح عقيدة الطحاوية للبابرتي، بيان شرط تسمية أهل القبلة مؤمنين، ص: ٨٩)

(٣)، (ونسمي أهل قبلتنا) وهم الذين شهدوا شهادتنا، واستقبلوا قبلتنا، وصلوا صلاتنا، وأكلوا ذبيحتنا (مسلمين) و (مؤمنين) وإن وصفوا بإرتكاب الكبائر فاسقين (ما داموا) أي: مدة دوامهم (بما) أي: بالذي (جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين، وله) صلى الله عليه وسلم (بكل ما قال وأخبر) به (مصدقين) جازمين به (غير مكذبين)، ففي صحيح البخاري عن ٠نس بن مالك رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذٰلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته"، وفيه: عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إلٰه إلا الله، فإذا قالوها وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وذبحوا ذبيحتنا، فقد حرمت علينا دماؤهم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله". (شرح عقيدة الطحاوية للغنيمي الميداني، إيمان من صدق بكل ما جاء به النبي، ص: ١٠٣)

وغیرہ نے بھی شرح العقیدۃ الطحاویہ میں اس بارے میں عمدہ بحث کی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تشریح

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے فرمودات کو بیان کرتے ہوئے علامہ بجنوری رحمہ اللہ انوار الباری میں فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں باب: فضل استقبال القبلة کے تحت جو احادیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ جو بھی توحید کی شہادت دے، اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے، ہماری طرح نماز پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے، وہ خدا کی پناہ اور ذمہ داری میں آ گیا، لہٰذا خدا کی پناہ میں کوئی خلل اندازی نہ کرے، سب کا فرض ہے کہ اس کے جان و مال کی حرمت سمجھ کر اس کی حفاظت کریں، بجز اس کے کہ وہ خود ہی اپنے کو قصاص وغیرہ کسی مواخذہ میں مبتلا کرلے، وغیرہ

ان احادیث سے ایک اصولی مسئلہ یہ سمجھا گیا کہ کسی اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان تین باتوں کے ساتھ اس کے عقائد واعمال کیسے ہی خلافِ حق اور قرآن وحدیث کے مخالف ہوں، وہ اہلِ قبلہ ہی باقی رہے گا، کیونکہ ان احادیث میں بھی شہادتِ توحید وغیرہ سے اشارہ اس طرف موجود ہے کہ بہ لحاظ عقیدہ مقتضیاتِ شہادتِ توحید کے خلاف کوئی امر اس سے صادر نہ ہوا ہو اور بہ لحاظِ عمل قبلہ وذبیحہ کے بارے میں اس نے عامہ مسلمین سے الگ طریقہ اختیار نہ کیا ہو۔

سب جانتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں صرف توحید سے تمام ایمانیات وعقائد مراد لیے گئے ہیں، جیسے: من قال لا إله إلا الله دخل الجنة، اور مسلم وغیرہ سے یہاں بھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جو آپ لے کر آئے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص ہمارے ذبیحہ سے پرہیز کرے گا وہ ضرور ہمارے عقائد سے مختلف عقیدہ رکھتا ہوگا، یا جو شخص ہمارے ساتھ یا ہمارے امام کے پیچھے اپنی نماز جائز نہ سمجھے وہ ہم سے مخالف عقائد والا ہوگا۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

بعض لوگوں کو قلتِ علم ونظر کے باعث یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اہلِ قبلہ اور اہلِ تاویل کی تکفیر درست نہیں،

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''اکفار الملحدین'' میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، جس کے بعد کسی بھی اہلِ علم ونظر کے لیے مسئلہ مذکورہ کی صحیح پوزیشن سمجھنے میں دقت پیش نہیں آسکتی، حضرتؒ نے فرمایا: ممانعتِ تکفیر اہل قبلہ کا اصل مأ خذ سنن ابی داؤد کی یہ حدیث ہے کہ تین چیزیں اصلِ ایمان ہیں، ۱۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے کے جان و مال پر دست درازی نہ کرنا، ۲۔ کسی گناہ کے ارتکاب کی بنا پر اس کو کافر نہ کہنا، ۳۔ کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ سمجھنا۔ (ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب: في الغزو مع ائمة الجور: ١/٣٤٢)

اس حدیث سے دو باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں، ایک: یہ کہ کسی گناہ کے ارتکاب کے باعث ایک مسلمان کو کافر یا اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے۔ دوسری: یہ کہ ارشاد مذکور کا زیادہ تعلق ائمہ جور سے ہے، اسی لیے مذکورہ تین باتوں کے ذکر کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جہاد کا یہ حکم میری بعثت سے دجال تک ضرور جاری رہے گا، خواہ ائمہ عدل کے ساتھ ہو کر کیا جائے، یا ائمہ جور کے ساتھ ہو کر کرنا پڑے، اس لیے امام ابو داؤدؒ اس حدیث کو عنوانِ مذکور کے تحت لائے ہیں، اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے بھی یہ ہے کہ عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کا تعلق دراصل امراء اور حکمرانوں سے ہے کہ ان کی پوری اطاعت ضروری ہے اور جب تک اس سے کھلا ہوا کفر ایسا نہ دیکھ لیا جائے کہ اس کے کفر ہونے پر قرآن وحدیث کی روشنی میں دلیل و برہان موجود ہو، ان کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ بخاری ومسلم کی احادیث میں مروی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھلا ہوا کفر اگر کسی میں دیکھ لیا جائے تو پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اُس کو قائل کر کے لاجواب بھی کر دیا جائے، یا اس کے کھلے ہوئے قولی یا فعلی کفر وشرک کی اس سے تاویل معلوم کی جائے (کیونکہ اس کے معاملہ کو اُن دیکھنے والے اہل علم ونظر کے فیصلہ ورائے پر محول کر دیا گیا ہے، جن کی نظر قرآن وحدیث کے دلائل و براہن پر حاوی ہو) کسی گناہ کی وجہ سے عدمِ تکفیر کی بات امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب الایمان میں باب: ما جاء لا يزني الزاني وهو مؤمن کے تحت اختیار کی ہے، جس کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ''اکفار الملحدین'' کے حاشیہ میں دیا ہے۔

حضرتؒ نے اس مغالطہ کو بھی رفع کیا کہ بہت سے جاہلوں نے امام اعظم کی طرف بھی عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کی بات مطلقاً منسوب کر دی ہے، حالانکہ محقق ابن امیر الحاج نے شرح تحریر میں امام صاحب کا قول بھی ولا

نکفر أهل القبلة بذنب نقل کیا ہے اور ان کا یہ ارشاد حسبِ تحقیق علامہ نوح آفندیؒ صرف معتزلہ اور خوارج کی تردید کے لیے ہے (کہ خوارج گناہِ کبیرہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ اس کو ایمان سے خارج اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں لیکن ہم اہل سنت والجماعت نہ اس کو گناہِ کبیرہ کے باعث کافر کہتے ہیں نہ اسلام سے خارج اور مخلد فی النار، بلکہ مسلمان اور لائق مغفرت مانتے ہیں)۔ امام صاحب کی طرف غلط بات اس لیے بھی منسوب ہوگئی کہ سب نے آپ کا قول "منتقیٰ" کے حوالے سے بغیر بذنب کے نقل کیا ہے، مثلاً: شرح مقاصد اور مسابرہ میں وغیرہا حالانکہ بذنب کی قید موجود تھی، اور اسی لیے حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی کتاب الایمان میں لکھا کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت اس امر پر متفق ہیں کہ گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہا جائے تو اس گناہ سے مراد زنا، شراب خوری وغیرہ معاصی ہوتے ہیں، علامہ نوویؒ نے بھی شرح عقیدۃ الطحاویہ میں اس کی پوری طرح وضاحت کی ہے۔ اور لکھا کہ بذنب کی قید بتا رہی ہے کہ فسادِ عقیدہ کی بنا پر ضرور کافر کہا جائے گا۔ (نقلہ الملاعلی قاری فی شرح الفقہ الاکبر ص: ۱۹۶) ....

......................................خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کا حکم غیر ضروریاتِ دین وغیر امور قطعی الثبوت سے متعلق ہے۔

(۲) حکم عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کا تعلق امراء وحکمرانوں سے ہے۔

(۳) حکم مذکور کا تعلق ذنوب کے ساتھ ہے نہ کہ عقائد وایمانیات کے ساتھ۔

ہم نے اکفار الملحدین کے مضامین کا خلاصہ اوپر پیش کر دیا ہے، باقی علماء اور اہلِ تحقیق ونظر کا پوری کتاب ہی کا مطالعہ کرنا چاہیے، ورنہ دور سے شاید وہ بھی یہی خیال کریں کہ "دار التکفیر" والوں نے یوں ہی بے تحقیق کچھ لکھ پڑھ دیا ہوگا۔ "والناس أعداء لما جهلوا"۔...

ایمان واسلام وضروریاتِ دین کی تشریح

قرآن وحدیث واجماع سے ثابت شدہ تمام امورِ غیبیہ اور اعمالِ طاعت کو ماننا ایمان ہے، اور اعمال کی ادائیگی اسلام ہے، پھر ان تمام ثابت شدہ امور کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں اور ان کا انکار یا تاویل باطل کفر ہے۔

حضرت مجاہد وقتادہؒ نے آیت: ﴿یایها الذین امنوا ادخلوا فی السلام کافة﴾ (بقرہ) کی تفسیر میں فرمایا: یہ آیت مسلمانوں کو شریعت محمدیہ کے ہر ہر جزو کے التزامِ طاعت کی دعوت دیتی ہے، خواہ فرائض ہوں

یا مستحبات، واجب علی الاعیان ہوں یا واجب علی الکفایہ، اگر فرض عین ہو تو اعتقادِ فرضیت کے ساتھ ان کی ادائیگی بھی فرض ہوگی، اور اگر مستحبات ہوں تو ان کے استحباب کا اعتقاد لازم ہوگا اور عمل صرف مستحب کے درجہ میں ہوگا، غرض جن چیزوں کا بھی دین میں داخل ہونا سب کو معلوم ہو چکا ہے، وہ سب ایمانیات میں داخل ہیں، کیونکہ ''ایمان'' رسولِ خدا کی کامل ومکمل فرمانبرداری کا نام ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے ضروریاتِ دین کی تشریح کے بعد فرمایا، مثلاً: (۱) نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے، اور نماز سیکھنا بھی فرض ہے، اور فرض سے ناواقفیت یا اس کا انکار کفر ہے۔

(۲) مسواک کرنا سنت ہے مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے، اور اس کے مسنون ہونے کا انکار کفر ہے، اس کا علم حاصل کرنا سنت ہے، ناواقفیت محرومی کا باعث ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا عتابِ نبوی اور ترک سنت کے درجہ کے عذاب کا موجب ہے۔

اس کے مسنون ہونے کا انکار اس لیے کفر ہوا کہ اس کا معمولات نبویہ میں سے ہونا سب عام وخاص کو معلوم ہے، اور جو چیز بھی اس درجہ کی ہے وہ ضروریات دن میں داخل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اپنے فتاوی میں پوری تفصیل کے ساتھ ایمان وکفر کی بحث ذکر فرمائی ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص بھی ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہے وہ اہلِ قبلہ (اور مسلمان) رہتا ہی نہیں اس لیے کہ ضروریاتِ دین وہ کہلاتے ہیں جو کتاب اللہ اور احادیثِ متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہو چکے ہیں، ان تینوں کے ذریعہ جتنے بھی عقائد واعمال فرض ونفل وغیرہ ثابت ہیں، ان سب کو ماننا ضروری ہے، پھر عقائد کو جاننا مستحب اور عمل بھی صرف مستحب کے درجہ میں رہے گا، لیکن ضروریاتِ دین میں سے انکار کسی ایک چیز کا بھی کفر ہوگا۔

تفصیل ضروریاتِ دین

مندرجہ ذیل حقیقتوں پر ایمان ویقین رکھنا ایک مومن کے لیے ضروری ہے:

(۱) وجودِ باری تعالیٰ مع تمام صفاتِ کمال اس طرح کہ وہ اپنی ذات وصفاتِ عالیہ کے لحاظ سے یکتا وبے مثال اور ازلی وابدی ہے، اور صفاتِ عیوب ونقصان صفاتِ مخلوق سے اس کی ذات سبحانہ تعالیٰ منزہ ومبرا ہے۔

(۲) حدوثِ عالَم؛ کہ حق تعالیٰ کے سوا پہلے سے کچھ نہ تھا، اس کے سوا تمامی موجوداتِ عالَم (علوی

وسفلی) اس کی قدرت وارادہ کے تحت موجود ومخلوق ہوئی ہیں۔

(۳) قضاء وقدر پر ایمان؛ کہ جو کچھ دنیا میں اب تک ہوا، یا اب ہو رہا ہے، اور آئندہ ہوگا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق ہیں، اور اسی کے ارادہ وقدرتِ کاملہ سے ظہور ووجود حاصل کرتا ہے، اور بندوں کو جن اعمال کا مکلّف بنایا گیا ہے، ان کے لیے بندوں کو بھی بقدرِ ضرورت اختیار وارادہ عطا کر دیا گیا ہے، یعنی: بندہ نہ مجبورِ محض ہے، نہ مختارِ مطلق، اور جس درجہ میں بھی اس کو اختیار وارادہ دے دیا گیا ہے، بقدر اس کے ہی اعمال کی جزاء وسزا مقرر کر دی گئی ہے، جو سراسر عدل ہے، اسی لیے اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کہ بندہ کو کچھ بھی اختیار نہیں، یا وہ مکمل طور سے مختارِ مطلق ہے، دونوں باتیں ایمان کے خلاف اور کفر میں داخل ہیں۔

(۴) فرشتے، جن اور انسان اس کی اہم ترین مخلوقات میں سے ہیں۔

(۵) بنی آدم کو اپنی ساری مخلوقات پر شرف بخشا اور ان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا، اور زمین وآسمان کی ساری چیزوں کو اس کے لیے مسخر کیا۔

(۶) بنی آدم میں سے انبیاء علیہم السلام کو منتخب کیا، اور ان کو شرفِ نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر جن وانس کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

(۷) ہدایت ورہنمائی کے لیے وحی کا سلسلہ قائم کیا اور کتابیں بھی نازل فرمائیں، مثلاً: تورات، زبور، انجیل وقرآنِ مجید۔

(۸) انبیاء علیہم السلام کی تعداد خدا کو معلوم ہے، یہ سلسلہ آخری پیغمبر سرورِ دو عالم افضل الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا، آپ کے بعد کوئی نیا نبی دنیا میں نہیں آئے گا۔

(۹) آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر دینِ محمدی کی تائید وتقویت فرمائیں گے، وہ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے اور اس وقت بھی وہاں پر زندہ موجود ہیں اور دنیا میں آ کر اپنے مفوضہ کاموں کی تکمیل کے بعد وفات پا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ مقدسہ میں دفن ہوں گے (قرآن مجید اور صحیح متواتر احادیث سے یہ سب امور ثابت ہیں)۔

(۱۰) انبیاء علیہم السلام کے بعد مرتبہ ان کے صحابہ کا ہے، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، علماء واولیائے امت کے درجات ہیں۔

(۱۱) انبیاء علیہم السلام کے جن معجزات کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہو چکا ہے، ان سب کو درست بلا تاویل ماننا ضروری ہے۔

(۱۲) شریعت محمدیہ کے تمام احکام جو قرآن مجید وحدیث واجماع وقیاس سے ثابت ہیں، ان سب کو ماننا اور درجہ بہ درجہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، یعنی: فرائض، واجبات، سنن ومستحباتِ دین سب ہی کو دین کا جزو یقین کرنا تو ضروری ہے، باقی عمل کے لحاظ سے فرض پر عمل کرنا فرض (واجب پر عمل کرنا واجب، سنت پر عمل کرنا سنت، اور مستحب پر عمل کرنا) مستحب ہوگا، وغیرہ اسی طرح نواہی ومنکرات دین کا حکم ہے۔

(۱۳) مرنے کے بعد ہر شخص آخرت کی پہلی منزل میں مقیم ہوگا، جس کو ''برزخ'' کہتے ہیں۔

(۱۴) روزِ قیامت کا یقین؛ کہ ایک دن خدا کے حکم سے ساری دنیا، زمین وآسمان کی چیزیں فنا ہو جائیں گی۔

(۱۵) روزِ جزاء، یعنی: حساب وکتاب کا دن؛ کہ ہر مکلّف کے سارے اعمال کا جائزہ لے کر جزاء وسزا کا حکم کیا جائے گا۔

(۱۶) جنت وجہنم کا وجود برحق ہے، جنت میں ابدی نعمتوں کے مستحق ہمیشہ رہیں گے، اور جہنم میں ابدی عذاب کے مستحق ہمیشہ رہیں گے، اور کسی کے لیے موت نہ ہوگی۔

(۱۷) حق تعالیٰ کے مقرب وبرگزیدہ بندوں کی شفاعت گنہگار بندوں کے لیے باذن واجازتِ خداوندی ہوگی۔

(۱۸) جنت میں حق تعالیٰ شانہ کی دائمی خوشنودی اور دولتِ دیدار بھی حاصل ہوگی جو سب نعمتوں سے برتر اور افضل ہوگی۔

کفر کی باتیں

اوپر کی درج شدہ تمام ضروریاتِ دین اور جو دوسری کتبِ عقائد وکلام میں مفصل درج ہیں، سب ہی پر ایمان ویقین رکھنا مؤمن کے لیے ضروری ہے، اور کسی ایک چیز کا انکار بھی کفر کی سرحد میں داخل کر دینے کے لیے کافی ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی توحید، یا کسی صفت، یا حدوثِ عالَم کا انکار، اور وجودِ جن وملائکہ، برزخ، جنت وجہنم، معجزات وغیرہ یا احکامِ اسلام میں سے کسی کا انکار یا تاویل بھی کفر ہے، اسی طرح کسی نبی کی نبوت کا انکار، یا کسی

آیتِ قرآنی کا انکار وتحریف، یا خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کی نبوت کا اقرار، یا عالم کو قدیم سمجھنا، یا حق تعالیٰ جل ذکرہ، انبیاء وملائکہ کے بارے میں توہین وتحقیر کے الفاظ استعمال کرنا، اور کسی شخص میں کفر کی باتیں ہوتے ہوئے اس کو کافر نہ سمجھنا، یا اس کو کافر کہنے میں تامل وتردد کرنا بھی کفر ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفر وایمان کی باتوں میں فرق نہیں کرتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید تفصیلات ودلائل کے لیے اکفار الملحدین اور کتب عقائد وکلام کا مطالعہ کیا جائے۔ واللہ الموفق (۱)

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (دوسری حدیث)

(۳۸۵) : حدّثنا نُعَيْمٌ قَالَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ ٱلْمُبَارَكِ ، عَنْ حُمَيْدٍ ٱلطَّوِيلِ ، عَنْ أَنَسِ[۱] بْنِ مالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ ٱلنَّاسَ ، حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، فَإِذَا قَالُوهَا ، وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا ، وَٱسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا ، وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا ، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ ، إِلَّا بِحَقِّهَا ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى ٱللهِ) .

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ ''لا الہ الا اللہ'' نہ کہہ لیں، پھر جب وہ یہ کہہ لیں اور ہماری طرح نماز پڑھ لیں اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کر لیں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو ہم پر ان کے جان ومال حرام ہو گئے، مگر حق کی بناء پر، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہوگا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

---

(۱) انوار الباری: ۱۲/۱۷۹-۱۹۳

(۲) مر تخريجه تحت الحديث السابق رقمه: ۳۹۱

۱۔نعیم

یہ ابوعبداللہ نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحرث المروزي رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: دفع السواك إلى الأكبر میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ابن المبارک

یہ مشہور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کتاب بدء الوحی کی پانچویں حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔حمید الطّویل

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

شرحِ حدیث

أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله

---

(۱) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: دفع السواك إلى الأكبر

(۲) كشف الباري: ۱/۴٦۲

(۳) كشف الباري: ۲/۵۷۱

(٤) كشف الباري: ۲/٤

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ (کلمہ توحید) لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔

"أُمِــــرتُ" صیغہ مجہول ہے، مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، معروف کو چھوڑ کر مجہول کا صیغہ اس لیے استعمال کیا کہ فاعل مشہور و معروف ہے اور اس میں فاعل (اللہ تعالی) کی تعظیم بھی ہے(۱)۔

"الناسَ" سے مراد مشرکین ہیں(۲)۔

اقرارِ توحید کے ساتھ اقرارِ رسالت ذکر نہ کرنے کی حکمت

"حتی یقولوا" یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید کا اقرار کرلیں، یہاں اقرارِ توحید کے ساتھ اقرارِ رسالت کو ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے یہاں کنایۃً رسالت کا اقرار مذکور ہے، وہ اس طرح کہ نماز کا طریقِ محمدی کے ساتھ ادا کیا جانا، جہتِ قبلہ کو قبلہ بنانا، طریقِ محمدی پر ہی جانور ذبح کرنا، سب اُمور قرارِ رسالت کی طرف ہی مشیر ہیں، اس لیے کہ یہ تینوں اُمور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص ہیں، اس لیے کہ محض "لا الہ الا اللہ" کہنے والے یہود کی نماز رکوع سے خالی تھی، اور ان کا قبلہ کعبہ کے علاوہ کوئی اور تھا، اور ان کا ذبیحہ بھی ہمارے ذبیحہ کی طرح نہیں ہوتا تھا، چنانچہ صرف "لا الہ الا اللہ" کا اقرار ہی اقرارِ رسالت بھی ہے۔

جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے "الم ذلك الكتاب" کی قراءت کی، تو اس سے مراد محض یہ الفاظ ہی نہیں ہوتے، بلکہ پوری سورت کی قراءت مراد ہوتی ہے، چنانچہ اب کہا جائے گا کہ جس شخص کے اس زبانی قول کے ساتھ اس کا فعل مل گیا، یعنی: جب لوگ زبان سے یہ کلمہ کہہ لیں گے اور فعل کے ساتھ اس کلمہ کے معنی کو ثابت کردیں گے تو اس کے مال و جان کی حرمت دیگر مسلمانوں کی طرح ہی ہوجائے گی(۳)۔

"صلوا صلاتنا" سے مراد رکوع و سجود والی نماز ہے(۴)۔

"ذبحوا ذبیحتنا"، مصری نسخوں میں اس جگہ اسی طرح ہے، یعنی: "ذبحوا" لیکن ہندی نسخوں میں "ذبحوا" کی جگہ "أکلوا" ہے(۵)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٨٨۔ الكوثر الجاري: ٢/٧٨۔ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(۲)عمدة القاري: ٤/١٨٨۔ الكوثر الجاري: ٢/٧٨۔ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(۳)عمدة القاري: ٤/١٨٨۔ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(٤)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ٣/١٣٣۔ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(٥) صحيح البخاري: ١/٥٦، قديمي۔ ١/١١٧، الطاف سنز كراتشي

یہی وجہ ہے کہ لامع الدراري میں اس مقام پر "قوله: ذبيحتنا" کہہ کر تشریح کی گئی ہے(۱)۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تقاضا تو یہ ہے کہ اس جگہ "أكلوا" ہوتا نہ کہ "ذبحوا"، چنانچہ مراد اس سے یہ ہے کہ "ذبحوا مثل ذبيحتنا"(۲).

"ذبيحتنا" سے مراد "مذبوحتنا" ہے، یعنی: ذبح کیا ہوا جانور، اس طرح "ذبيحة" فعيلة کے وزن پر "مذبوح" کے معنی میں ہے، تو عبارت بنے گی: "ذبحوا المذبوح مثل مذبوحنا"(۳).

ایک لغوی اشکال اور اس کا جواب

اس مقام پر علامہ کرمانی رحمہ اللہ ایک اعتراض اور اس کا جواب لکھتے ہیں کہ

اگر کوئی اعتراض کرے کہ "فعیل" جب مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں، تو پھر اس جگہ (جب کہ فعیل مفعول کے معنی میں ہے تو) اس کے ساتھ "التاء" کو کیوں لاحق کیا گیا ہے؟ (جو کہ صرف مؤنث پر دلالت کرتی ہے)۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لفظ پر اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے کیا گیا، (دوسری بات یہ کہ) فعیل کے وزن میں مذکر ومؤنث اس وقت برابر ہوتے ہیں جب یہ موصوف کے ساتھ مذکور ہو، اور جب یہ لفظ موصوف کے بغیر تنہا ہو تو اس وقت اس میں مذکر ومؤنث برابر نہیں ہوتے (۴)۔

---

(۱) لامع الدراري: ۲/۲٦۱

(۲) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ۳/۱۳۳

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ۳/۱۳۳ـ عمدة القاري: ٤/۱۸۸ـ تحفة الباري: ۲/۹٦

(٤) شرح الكرماني: ٤/٥٥

اس اعتراض کے جواب کی جو تفصیل عمدة القاري میں نقل کی گئی ہے، وہ اس طرح ہے:

"فإن قلت: "فعيل" إذا كان بمعنى المفعول يستوي فيه المذكر والمؤنث، فلا تدخله التاء، قلت: لما زال عنه معنى الوصفية وغلبت الإسمية عليه، واستوى فيه المذكر والمؤنث، فدخله التاء، وقد يقال: إن الاستواء فيه عند ذكر الموصوف معه، وأما إذا انفرد عنه منه فلا". (عمدة القاري: ٤/ ۱۸۸)

اس عبارت میں ایک جملہ "واستوىٰ فيه المذكر والمؤنث" (جو کہ عمدۃ القاری کے دیگر مطبوع نسخوں میں بھی اسی طرح ہے) محلِّ نظر ہے، اس لیے کہ اس مقام پر علامہ عینی رحمہ اللہ معترض کا جواب دے رہے ہیں =

فقد حرمت علینا دماؤهم وأموالهم

توان کے خون اوران کے اموال ہم پرحرام ہوجائیں گے۔

"حرُمت"، "ح" کی زبراور"را" کی پیش کے ساتھ ہے،یعنی: کَرُمَ یَکرُمُ کے باب سے،اس میں دوسری لغت یہ بھی ہے کہ یہ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ "حُرِّمَت" ہو۔

علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے اول الذکر کو ترجیح دی ہے(۱)۔اور علامہ برماوی رحمہ اللہ نے دوسری کو(۲)۔لیکن اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے رد کیا ہے اور پہلی رائے کو ہی راجح قرار دیا ہے(۳)۔

إلا بحقها

مگر حق کی بنا پر۔

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: أي: إلا بحق الدماء والأموال"(٤).

= کہ معترض صاحب آپ کا بیان کردہ قاعدہ ٹھیک ہے،لیکن یہ اس وقت ہے جب "فعیل" کے ساتھ اس کا موصوف بھی ذکر کیا گیا ہو،چنانچہ ایسی صورت میں اس پر "تـا" داخل نہیں ہوتی۔لیکن جب "فـعـیـل" سے معنی وصفیت زائل ہوجائیں اوراس پر اسمیت غالب آجائے (جیسا کہ ہمارے مبحوث عنہا عبارت میں ہے) تو اس پر "تا" داخل ہوتی ہے،چنانچہ "غلبت الإسمية علیه" کے بعد والی عبارت "واستویٰ فیـه المذکر و المؤنث" جواب اور قاعدہ کے مطابق نہیں بنتی،اس لیے کہ یہاں تو استویٰ کی نفی کرنا چاہ رہے ہیں،تو پھر اس کو یہاں کیسے ذکر کردیا؟

نیز!یا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ علامہ عینی رحمہ اللہ سے یا ناقلین وکاتبین وغیرہ کی طرف سے تسامح ہوگیا ہے،یا پھر ایک دور کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ جب "فـعـیـل" کے وزن میں اسمیت غالب آجائے تو اس وقت اُس میں مذکر ومؤنث دونوں؛حکم کے اعتبار سے برابر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مستقل حکم رکھے گا،دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوگا،بلکہ حکم کے اعتبار سے ہر ایک مستقل ہونے میں برابر ہے۔

نیز!اس کے بعد والے جملہ "فـدخـلـه التـاء" پر بھی "ف" داخل نہیں ہونی چاہیے،کیونکہ یہ جملہ جوابِ لمّا ہے اور جوابِ لمّا پر "ف" داخل نہیں ہوتی۔

(١) التوشيح للسيوطي: ٣/٤٨٤۔ فتح الباري: ١/٦٤٤

(٢) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ٣/١٣٤.

(٣) فتح الباري: ١/ ٦٤٤

(٤) عمدة القاري: ٤/١٨٨

یعنی: اگر ایسے شخص پر مال یا جان کا تاوان وقصاص واجب ہوا تو وہ اس سے ضرور وصول کیا جاوے گا اور یہ وصول کیا جانا ہمارے اس سے کیے گئے عہد اور ذمہ کے خلاف متصور نہ ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أي: بحق الكلمة والإسلام"، اورحق اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کام کرے، جس پر اسلام میں حفظ دم وغیرہ نہ ہوگا، مثلا: کوئی اس کو قتل کر دے، یا محصن زنا کر لے تو پہلا شخص قصاصاً قتل کیا جائے گا اور دوسرا رجم کیا جائے گا(۱)۔

وحسابهم على الله

اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس جملہ کا تعلق منافقین سے ہے کہ ان کا حساب اللہ کے ہی سپرد ہے، یعنی: روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ظاہری طور پر اسلامی کلمہ کا اقرار کرے، اسلامی شعار ظاہر کرے، مثلا: فقط منہ سے کہہ دے کہ میں مسلمان ہو گیا، یا کلمۂ ایمانی پڑھ لے تو اب اس سے تعرض جائز نہیں، البتہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے کہ اس کے دل میں نفاق ہے یا اسلام، کیوں کہ دل کی حالت کو وہی جانتا ہے(۲)۔

"على الله"، لفظِ علی اس مقام پر محض تشبیہ کے لیے ہے کہ کسی امر کے وقوع کے تحقق میں یہ ایسا ہے جیسے اللہ کے ذمہ کوئی چیز لازم ہو، ورنہ حقیقت میں اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے، یا پھر اس جگہ "على" لام کے معنی میں ہے، یا "إلى" کے معنی میں ہے، چنانچہ معنی ہوگا کہ "حسابهم موكول أو مفوض إلى الله" کہ ان کا حساب اللہ کے حوالے(۳)۔

---

(۱) تقرير بخاری شريف: ۱۳۹/۲

(۲) سراج القاري: ۴۲۶/۲، ۴۲۷

(۳) عمدة القاري: ۱۸۸/۴۔ إرشاد الساري: ۵۴/۲، مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۱، ۱۵۱/۱۔

نوٹ: مذکورہ حدیث کی تشریح سے متعلقہ بہت سی اہم مباحث کشف الباری، کتاب الایمان، باب: فإن تابوا وأقاموا الصلاة............ میں گزر چکی ہے، ملاحظہ ہو، کشف الباری: ۲/ ۱۳۶ - ۱۵۲

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب کی پہلی حدیث اس بارے میں تھی کہ جو شخص شعائر اسلام ظاہر کرنے والا ہو تو اس سے کوئی تعرض نہ کرو، نہ اس کی جان میں اور نہ اس کے مال میں، یہاں تک کہ اس شخص سے اس شعارِ دین کے خلاف کوئی امر سرزد ہوجائے۔

اور دوسری حدیث اس بارے میں ہے کہ جو شخص شعائر دین کو تسلیم کرنے والا نہ ہو اس کے درپے رہو، یہاں تک کہ وہ ان شرائط کو تسلیم کرلے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

تعلیق

قَالَ ٱبْنُ أَبِي مَرْيَمَ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى : حَدَّثنا حُمَيْدٌ : حَدَّثنا أَنَسٌ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ .

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کی تخریج میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''ہدي الساري'' میں لکھتے ہیں:

"ورواية ابن أبي مريم عن يحيى هو ابن أيوب وصلها محمد بن نصر المروزي في كتاب "تعظيم الصلاة"، والبيهقي وابن منده في الإيمان"(٢).

یعنی: اس تعلیق کو موصولا المروزی، البیہقی اور ابن مندہ رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے، محمد بن نصر بن الحجاج المروزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تعظيم قدر الصلاة" میں اس سند کے ساتھ مذکورہ تعلیق کو موصولا نقل کیا ہے:

حدثنا محمد بن يحيى ثنا ابن أبي مريم أنا يحيى يعني: ابن أيوب، قال: أخبرني حميد أنه سمع أنس بن مالك، يقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، فإذا شهدوا أن لا إله

(١) أعلام الحديث للخطابي: ٢/٣٧٧

(٢)هدي الساري، الفصل الرابع في بيان السبب في إيراده للأحاديث المعلقة، ص: ٣٠

إلا الـلـه، وأن محمدا رسول الله، وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وأكلوا ذبيـحتـنـا، حـرمـت علينا أموالهم ودماؤهم إلا بحقها، له ما للمسلمين وعليه ما عليهم(١).

اورامام بیہقی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ مذکورہ تعلیق موصولاً نقل کی ہے:

أخبـرنـا عـلـي بـن مـحـمـد بن عبد الله بن بِشران العدل ببـغـداد، أنبـأ أبو الحسن علي بن محمد المصري، ثنا يحيى بن أيوب، ثنا سعيد بن أبي مريم، ثنا يحيى بن أيوب، حدثني حميد أنه سمع أنس بـن مالك رضي الله عنه يقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أمـرت أن أقـاتل المشركين حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسـول الله، فإذا شهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وصلوا صـلاتـنـا، واستـقبـلـوا قبـلتـنـا، وأكـلـوا ذبيحتنا، حرمت علينا أموالهم ودماؤهم إلا بحقها، له ما للمسلم، وعليه ما على المسلم"(٢).

اورابن مندہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الایمان میں مذکورہ تعلیق کی موصولاً جوتخریج کی ہے وہ یہ ہے:

أخبـرنـا عـمـر بـن الـربيع بن سليمان، ثنا يحيى بن أيوب الـمـصـري، حـدثـني حميد الطويل أنه سمع أنس بن مالك يقول: "إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أمرت أن أقاتل المشركين حتى يشهـدوا أن لا إلـه إلا الـلـه وأن مـحـمـدا رسـول الـله، وصلوا صلاتنا، واستـقبـلـوا قبـلتـنـا، وأكلوا ذبيحتنا، حرمت علينا أموالهم ودماؤهم إلا بحقها، لهم ما للمسلمين، وعليهم ما على المسلمين"(٣).

(١)تعظيم قدر الصلوٰة للمروزي، أول فريضة بعد الإخلاص بعبادة الله، رقم الحديث: ١٠، ٩٣/١

(٢)سنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب: لا يأثم مسلم بكافر لقول، رقم الحديث: ٥٣٤٧، ٩٢/٣

(٣)الإيـمـان لابـن مـنـده، ذكر الأخبار التي جاء ت عن النبي صلى الله عليه وسلم الدالة على أساس الإيمان وشعبه، رقم الحديث: ١٩١، ٣٥٥/١

تعلیق کے رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

۱۔ابن ابی مریم

یہ ابو محمد سعید بن الحکم بن محمد بن سالم جمحی المصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من سمع شيئا فراجع حتى يعرفه، **میں** گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔یحیی

یہ یحیی بن ایوب الغافقی المصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب **میں** گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔حمید

یہ ابو عبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر **کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔**

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه **کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔**

---

(۱) کشف الباری: ١٠٦/٤

(۲) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب.

(۳) کشف الباري: ٥٧١/٢

(٤) کشف الباري: ٤/٢

تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں خالد بن حارث کی روایت ذکی کی تھی، جو حمید الطّویل سے نقل کرنے والے تھے، اب اس تعلیق میں یحیی بن ایوب کی روایت حمید الطّویل سے ذکر کر کے متابعت کی ہے، اور اس میں حمید کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ تعلیق کو اس لیے ذکر فرمایا کہ حمید الطّویل کے متعلق تدلیس کا قول منقول ہے، اور انہوں نے ترجمۃ الباب کی دوسری روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بصیغۂ عن نقل کیا ہے، اور مدلس کے عنعنہ میں تدلیس کا احتمال رہتا ہے، اس لیے تحدیث ثابت کرنے کے لیے اس روایت کا ذکر فرمایا(۲)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

دوسری تعلیق

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ : حَدَّثَنا خَالِدُ بْنُ ٱلحارِثِ قَالَ : حَدَّثَنا حُمَيْدٌ قَالَ : سَأَلَ مَيْمُونُ ٱبْنُ سِيَاهٍ(۳) أَنَسَ بْنَ مالِكٍ قَالَ : يَا أَبَا حَمْزَةَ ، مَا يُحَرِّمُ دَمَ ٱلْعَبْدِ وَمَالَهُ ؟ فَقَالَ : مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ ، وَٱسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا ، وَصَلَّى صَلَاتَنَا ، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا ، فَهُوَ ٱلْمُسْلِمُ ، لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ ، وَعَلَيْهِ مَا عَلَى ٱلْمُسْلِمِ .

تعلیق کے رجال

مذکورہ تعلیق کے کل چار رجال ہیں:

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ١٨٨

(۲)تقرير بخاري شريف: ٢/ ١٤٠ـ الكنز المتواري: ٤/ ٧٩

(۳) هٰذا معلق وموقوف، ووافقه النسائي عليه في سننه، كتاب تحريم الدم، رقم الحديث: ٣٩٩٨.

وفي جامع الأصول، حرف الهمزه، الكتاب الأول: في الإيمان والإسلام، الباب الثاني: في أحكام الإيمان والإسلام، الفصل الأول: في حكم الإقرار بالشهادتين، رقم الحديث: ٣٨، ١/ ٢٤٧

۱۔علی بن عبداللہ

یہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری رحمہ اللہ ہیں، ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: المفهم في العلم میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔خالد بن الحارث

ان کا پورا نام خالد بن الحارث بن عبید بن سلیمان بن عبید بن سفیان بن مسعود رحمہ اللہ ہیں۔

ان کی کنیت ابوعثمان البصری ہے، سلیمان بن الحارث کے بھائی ہیں، تمیم قبیلہ کی شاخ بنوالعنبر کی شاخ بنوالھجیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کے اساتذہ ومشائخ کی ایک لمبی فہرست ہے، ان میں سے

حمید الطّویل، حاتم بن ابی مغیرہ، سعید بن ابی عروبہ، سفیان الثوری، شعبہ بن الحجاج، عبداللہ بن عون، عبدالحمید بن جعفر وغیرہ رحمہم اللہ بھی ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں

علی بن عبداللہ ابن المدینی، ابوالشعث احمد بن مقدام عجلی، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن وھاب الحجبی، اور عمرو بن علی وغیرہ رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت ہے۔

یحیی بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان اور خالد بن الحارث سے بہتر کوئی اورنہیں دیکھا۔

ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے: خالد الصدوق

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إمام ثقة

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة ثبت

یہ ایک سو بیس ہجری میں پیدا ہوئے اور ایک سو چھیاسی ہجری میں فوت ہوئے (۲)۔

---

(۱) کشف الباري: ۲۹۷/۳

(۲) تهذيب الكمال: ۸/۳۵-۳۸، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۲۹۱/۷، سير أعلام النبلاء: ۱۲٦/٦، تهذيب التهذيب: ۸۲/۳، إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي: ۳۰۹/۱

۳۔ میمون بن سیاہ

ان کا تعارف کشف الباری کی اسی جلد میں باب: فضل استقبال القبلة، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

تعلیق کا ترجمہ

حمید نے کہا کہ میمون بن سیاہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابوحمزہ! کون سی چیز آدمی کے جان ومال کو حرام کردیتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہمارے قبیلہ کی طرف منہ کرے، ہماری طرح نماز ادا کرے، اور ہمارے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت کھائے تو وہ مسلمان ہے، جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، وہی اس کے لیے ہے اور جو مسلمانوں پر لازم ہے، وہی اس پر لازم ہے۔

شرح تعلیق

یا ابا حمزہ! یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے(۲)۔

وما یحرم؟ اصیلی کی روایت میں اس جملہ کی ابتداء میں "و" نہیں ہے، اثبات کی صورت میں اس "واو" میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ استینا فیہ ہو اور "ما یحرم" سے کلام مستانف ہو۔ اور دوسرا احتمال "واو عاطفہ" ہونے کا ہے، اس صورت میں اس کا معطوف علیہ "شيئ" محذوف ہوگا، یعنی: عبارت اس طرح ہو گی: "سأل عن شيئ ثم قال: وما يحرم"(۳)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سببِ

---

(۱) کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: فضل استقبال القبلة، ص: ۱۸۰

(۲) عمدة القاري: ۱۸۹/٤۔ إرشاد الساري: ۵۵/۲

(۳) فتح الباري: ٦٤٥/۱۔ عمدة القاري: ۱۸۹/٤۔ إرشاد الساري: ۵۵/۲

تحریم (یعنی: کون سی چیز آدمی کی جان و مال کو حرام کرتی ہے) کے متعلق سوال کیا گیا تھا، اس کے جواب میں انہوں نے "من شهد أن لا إله إلا الله" فرمایا، تو ظاہر ہے کہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہوا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اصولی طور پر جواب دیا، بایں معنیٰ! کہ جو شخص کلمۂ شہادت کا اقرار کرے، ہمارے طریقہ پر نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے، اور ہمارے ذبیحہ کو استعمال کرے تو ایسا شخص مسلمان ہے، اور مسلمان کا خون بہانا اور اس کے مال کے درپے ہونا حرام ہے۔

یعنی: انہوں نے جس طرز پر جواب دیا اس سے خود بخود علم ہو گیا کہ کیا چیز مسلمانوں کے جان و مال کو حرام کرتی ہے(۱)۔

ما للمسلم: مراد جو منافع مسلمانوں کو پہنچیں گے، وہی اس مسلم کو ملیں گے۔

ما على المسلم: مراد جو مضرت مسلمانوں کے لیے ہوگی وہی اس مسلم کے لیے ہوگی (۲)۔

تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ ایک اور استاد پیش کر رہے ہیں، ماقبل میں ان کے استاد پہلی حدیث میں عمرو بن عباس تھے، دوسری حدیث میں نعیم تھے، اور یہاں علی بن المدینی کی روایت بیان کر رہے ہیں، اسی باب کی پہلی حدیث میں میمون بن سیاہ کی روایت پیش کی تھی، یہاں اس کی تقویت بیان کرنا مقصود ہے، وہاں میمون سے نقل کرنے والے منصور بن سعد تھے، اور یہاں حمید الطّویل ہیں، اس لیے یہ حمید کی روایت منصور کی روایت کے متابع ہے، اور یہ دونوں میمون سے روایت کر رہے ہیں، اس طرح تائید ہو گئی، اور سماع کی تصریح بھی ہو گئی، پہلی روایت میں عن انس بن مالک تھا اور یہاں "سأل" ہے تو یہ سماع ہو گیا (۳)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/٦٤٥۔ عمدة القاري: ٤/١٨٩

(۲)عمدة القاري: ٤/١٨٩۔ إرشاد الساري: ۲/٥٥

(۳)عمدة القاري: ٤/١٨٩۔ إرشاد الساري: ۲/٥٥

۲ – باب : قِبْلَةِ أَهْلِ ٱلْمَدِينَةِ ، وَأَهْلِ ٱلشَّأْمِ ، وَٱلْمَشْرِقِ .(۱)

لَيْسَ فِي ٱلْمَشْرِقِ وَلَا فِي ٱلْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ ، لِقَوْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (لَا تَسْتَقْبِلُوا ٱلْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ ، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا) .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاریؒ کی ساری کمائی ان کے تراجم ہیں اور میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ چونکہ امام بخاریؒ کا وظیفہ طرق استنباط ہے، اس لیے تعلیم کے لحاظ سے بخاری شریف درجہ ثالث میں ہے، گو فضیلت کے لحاظ سے سب سے مقدم ہے اور ساری روایاتِ بخاری صحیح ہیں، اگر کسی نے کلام کیا ہے تو غلط کیا ہے، تو ان کے تراجم کا اثبات خود ایک معرکۃ الآراء چیز ہے اور پھر میں نے باب:"من بدأ بالحلاب والطیب" میں یہ بتلایا تھا کہ کچھ تراجم ایسے بھی ہیں، جن کے اندر شراح ومشائخ نے طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنی کوشش صَرف فرمائی ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ امام بخاریؒ کی غرض اِن اَبواب سے کیا ہے؟ گو توجیہ ہر جگہ کرتے ہیں، چنانچہ! یہاں بھی توجیہ بیان کروں گا، کیونکہ یہ باب بھی ان ہی ابواب میں سے ہے جو معرکۃ الآراء ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں:"باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام" اہلِ مدینہ کا قبلہ تو جنوب میں ہے، اس لیے کہ ’’مکہ‘‘ مدینہ سے جنوب کی طرف واقع ہے اور اہلِ شام کا قبلہ بھی جنوب میں ہے، اس لیے کہ ’’شام‘‘ مدینہ سے شمال کے اندر واقع ہے، یہاں تک تو کوئی اشکال نہیں، مگر آگے جو "والمشرق" کا حضرت امام بخاریؒ نے بڑھا دیا ہے، یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوتا، اس لیے کہ بعض شراح کی رائے تو یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ اور بعض [شراح] کی رائے ہے کہ یہ اشکال اُس وقت ہوتا ہے، جب کہ اس [والمشرقِ] کو ’’جر‘‘ کے ساتھ پڑھا جائے، اور اگر اس [والمشرقُ] کو ’’رفع‘‘ کے ساتھ پڑھا جاوے اور خبر محذوف مانی جائے تو پھر

---

(۱) کشف الباری میں الدکتور مصطفیٰ دیب البغا کے جس نسخے کو بطور متن کے بنیاد بنایا گیا ہے، اس نسخے کے مطابق اس باب کا نمبر ’’ابواب القبلۃ‘‘ کے تحت ’’دو‘‘ ہے، جب کہ دیگر نسخ میں جو فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ میں ہیں، کے مطابق اس باب کا نمبر ’’انتیس‘‘ ہے۔

کوئی اشکال نہیں، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: "والمشرقُ بخلافهما"، یعنی: ''قبلةُ أهلِ المشرق قبلةُ أهلِ مدينة والشام''، مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ پھر اس مخالفت میں مشرق ہی کی کیا تخصیص ہے؟ مغرب کا بھی قبلہ ان دونوں کے خلاف ہے، علامہ عینیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں "والمغرب" محذوف ہے، علی طريقة قوله تعالىٰ: ﴿سرابيل تقيكم الحر﴾ أي: والبرد یعنی: أحد المتقابلين کے ذکر پر اکتفاء کرلیا۔ کیونکہ دوسرا خود سمجھ میں آجائے گا، مگر اس مجموعے پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ پھر یہ ترجمہ شانِ بخاریؒ کے موافق نہیں رہتا، کیونکہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ جو ایک جہت والوں کا قبلہ ہوگا وہ دوسری جہت والوں کا نہیں ہوگا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''والمشرق'' جو روایت میں مذکور ہے وہ ''جر'' کے ساتھ ہے۔

اب تم یہ سنو کہ "والمشرق" جر کے ساتھ ہے نہ کہ رفع کے ساتھ، اب اِشکال جو یہاں پیش آیا اِس کی وجہ یہ ہے کہ "والمشرق" سے عام مراد لیا گیا ہے، حالانکہ حضرت امام بخاریؒ کی غرض اس سے عام نہیں ہے، بلکہ خاص ہے۔ اور خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے خاص خطے کے لوگ مراد ہیں، جو بخارا و مرو وغیرہ کے ہیں، یہ علاقے اُس زمانے میں ''مشرق'' کہلاتے تھے، اور ''شام'' چونکہ اس سے مغرب میں واقع ہے، اس لیے وہ ''مغرب'' کہلاتا تھا، تو یہاں پر ''مشرق'' سے مراد خاص بخارا اور مرو وغیرہ ہیں، جو ''شام'' کے مقابل میں مراد ہیں اور اہلِ شام ان کے مقابل میں ''مغرب'' میں ہیں اور بخارا و مرو وغیرہ سے قبلہ جنوب کی جانب میں ہے، لہٰذا جو اہلِ مدینہ و شام کا قبلہ ہے، وہی اہلِ مشرق خاص یعنی: اہلِ بخارا و مرو وغیرہ کا قبلہ ہوا۔ مگر چونکہ مرو وغیرہ تھوڑا سا مشرق میں دب کر واقع ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں واختار ابن المبارك لأهل مرو التياسر نقل کیا ہے کہ ذرا سا بائیں طرف کو مائل ہو کر نماز وغیرہ پڑھیں۔ اب اشکال نہیں رہا اور کوکب الدری صفحہ ایک سو باسٹھ جلد اول کے حاشیہ میں جہاں حضرت ابن المبارکؒ کا یہ مقولہ ترمذی میں مذکور ہے، وہاں بخارا اور مرو، مکہ، مدینہ اور شام کی صورت بنا کے میں نے واضح کر دیا ہے کہ مطلق اہلِ مشرق کا قبلہ مغرب ہے، جیسے: ہم بالکل مشرق کے اندر واقع ہے، لہٰذا مغرب ہے(۱)۔

---

(۱) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۴۳،۱۴۴

حضرت کشمیریؒ کی رائے

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اور کعبہ کے لحاظ سے اسی کی سمت میں واقع ہونے والے ملکِ شام اور مدینہ طیبہ سے مشرق والے بلاد کا قبلہ ان کی مشرقی ومغربی سمت میں نہیں ہے اور اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قضائے حاجت کے وقت مشرق ومغرب کی سمت میں تمہارے لیے رُخ کرنے کی اجازت ہے کہ یہ کعبہ معظّمہ کی تعظیم میں مخل نہیں ہے، امام بخاریؒ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے کسی حصہ کے لوگوں کے لیے بھی مشرق ومغرب کی سمت میں قبلہ نہیں ہے، کیوں کہ امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر علامہ زماں سے اس کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔

تاہم علامہ ابنِ بطالؒ نے امام کی یہی مراد قرار دے کر اس کو صحیح کرنے کی یہ توجیہ کی کہ کعبہ کے مشرق ومغرب میں بھی جن کے بلاد اس خط کے نیچے واقع ہیں، جو مشرق ومغرب تک کعبہ کے اوپر سے گزرتا ہے، صرف ان کو چھوڑ کر باقی ان سب کے لیے جو اس خط کے دائیں بائیں آباد ہیں، انحراف کی وجہ سے جواز کی گنجائش ہے، جس طرح حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کیا کہ شام جا کر عیسائیوں کے زمانہ کے سمتِ قبلہ پر بنے ہوئے بیت الخلاؤں کا استعمال انحراف کے ساتھ کیا اور چونکہ اس معمولی انحراف کے وہ عادی نہ تھے، اس کو طبعًا وعادۃ مکروہ سمجھ کے استغفار کو بھی اختیار کیا۔

محقق عینیؒ نے علامہ موصوفؒ کی اس توجیہ کو ذکر کر کے اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی نقد نہیں کیا، بلکہ اس کو اور زیادہ سنبھال کر پیش کر دیا ہے، جس سے دونوں توجیہ اپنی اپنی جگہ درست ہو جاتی ہیں، یعنی: امام بخاریؒ کی مراد صرف اہلِ مدینہ، اہلِ شام اور مدینہ سے مشرق کی سمت والے بلادِ عرب ہوں، تب تو بات صاف ہی ہے، لیکن اگر ابنِ بطالؒ والی توجیہ مراد ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ مشرق ومغرب سے مراد مشرق ومغرب کی تمام سمتیں ہوسکتی ہیں، ٹھیک درمیانی خطِ مشرق ومغرب کو چھوڑ کر جنوب وشمال کی طرف تھوڑا سا انحراف بھی بول وغائط کے وقت کافی ہے اور یہی تشریق وتغریب ہے، جس میں کعبہ معظّمہ کی تعظیم کے خلاف کوئی بات نہیں ہے اور چونکہ ٹھیک درمیانی خط والے بہ نسبت دوسروں کے بہت کم لوگ ہوں گے، ان کی طرف گویا اس عام حکم میں تعرض نہیں کیا گیا، محقق عینیؒ نے اس توجیہ میں خاص طور سے انحراف مذکور کے ساتھ عند الغائط کی بھی قید ظاہر کر دی، تا کہ معلوم ہو کہ جس طرح یہاں امت سے تنگی رفع کرنے کے لیے بول وغائط کے وقت تھوڑے انحراف بہ سمتِ شمال

وجنوب کوشریعت نے کافی قرار دیا ہے، اسی طرح دوسری طرف بھی تنگی رفع کرنے کے لیے نماز میں استقبال قبلہ کے واسطے ربعِ دائرہ تک کا توسع جائز کر دیا گیا ہے، دونوں جگہ توسع ملحوظ ہے، وللہ در المحقق العینیؒ اور شاید اسی لیے عینیؒ نے اس بحث کے شروع میں یہ الفاظ ادا کیے ہیں کہ یہاں ہمیں قلم دبا کر ذرا زور دار تحریر لکھنی ہے، کیوں کہ بعض دوسرے لوگوں نے خواہ مخواہ دور از کار بحثوں کا رُخ اختیار کیا ہے۔

یہاں سے دوسری حدیثِ ترمذی وغیرہ کی مراد بھی واضح ہوگئی، جس میں ”ما بین المشرق والمغرب قبلة“ وارد ہے، محقق عینیؒ نے لکھا کہ وہ بھی صرف مدینہ اور اس کی سمت پر واقع بلاد وممالک کے لیے ہے اور جس طرح ان کے لیے وسعت ہے، ایسی ہی وسعت مشرق ومغرب کی سمت میں رہنے والوں کے لیے بھی جنوب وشمال کے لحاظ سے ہوگی اور اس سے قبلہ کی سمت میں ربع دائرہ تک کی وسعت کا جواز بھی ملتا ہے، یعنی: جس طرح اہلِ مدینہ اور دوسرے کعبہ معظّمہ سے شمال میں رہنے والوں کے لیے قبلہ کا رُخ ما بین المشرق والمغرب وسیع ہے، اسی طرح اہلِ مشرق کے لیے ما بین الشمال والجنوب وسعت ہوگی (۱)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہاں ”والمشرق“ کا کیا مطلب ہے؟ اس میں شارحین نے بہت خبط کر دیا ہے، دراصل امام بخاریؒ کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ اور شام والوں کا قبلہ کیا ہے (اُسے اس باب میں بیان کروں گا،) ”والمشرق“ یعنی: اہلِ مشرق کا قبلہ کیا ہے؟ وہ بھی معلوم ہوگا۔ (امام بخاریؒ نے یہاں صرف مشرق کا ذکر کیا ہے) مغرب کا ذکر نہیں کیا، گو مراد وہ بھی ہے، مگر مشرق ومغرب (ان دو) ضدین میں سے فقط ایک کا ذکر کافی سمجھا، مراد دونوں ہیں۔ جیسا کہ ﴿واجعل لكم سرآبيل تقيكم الحر﴾ (النحل: ۸۱) (میں ضدین یعنی: حر و برد میں سے صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ دونوں مراد ہیں)۔ الغرض مطلب یہ ہے کہ مدینہ اور شام والوں کا قبلہ تو بالتخصیص ذکر کروں گا، یہ دونوں حدیث میں منصوص ہیں، اسی سے اہلِ مشرق ومغرب کا قبلہ معلوم ہو جائے گا (۲)۔

---

(۱) انوار الباری: ۱۲/ ۱۹۳، ۱۹٤

(۲) فضل الباری: ۳/ ۱۰٤، ۱۰۵

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس ترجمہ سے مراد یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کا قبلہ مشرق اور مغرب کی جانب نہیں ہے، بلکہ جنوب اور شمال کی جانب ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے لیے مشرق اور مغرب کی جانب رُخ کر کے قضائے حاجت کو مباح قرار دیا ہے، اور مشرق سے مراد بلادِ عربیہ کا مشرق ہے نہ کہ پورے عالَم کا مشرق۔ خلاصہ کلام امام بخاریؒ کا مقصود اس ترجمہ سے صرف اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے قبلہ کا ذکر کرنا ہے، نہ کہ پوری دنیا والوں کے سمتِ قبلہ کا ذکر(۱)۔

علامہ ابن بطال اور علامہ کورانی رحمہما اللہ کی آراء

اس بارے میں صحیح البخاری کے قدیم ترین شارح علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے ایک ایسی توجیہ بیان فرمادی جسے مؤخرین شراحِ حدیث میں سے کسی بھی شارح نے قبول نہیں کیا، وہ یہ کہ ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ ''مشرق'' سے صرف اہلِ مدینہ یا اہلِ شام کا مشرق مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پوری دنیا کے مشرق والے ہیں اور بظاہر انہی کی تائید میں علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی شرح بخاری ''الکوثر الجاري'' میں اسی قول کو ذکر کیا ہے(۲)۔

چنانچہ اس کی تردید میں سب سے تفصیلی کلام علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ کا ہے، انہوں نے اس قول کی خرابیوں کی بیان کیا ہے، ان کے علاوہ اکثر شراح (حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی، اور مولانا محمد ادریس کاندہلوی وغیرہ رحمہم اللہ) نے اس توجیہ کو اختیار نہیں کیا، بلکہ مشرق سے مراد اہلِ مدینہ کا مشرق ہی مراد لیا ہے(۳)۔

خلاصہ کلام

یہ ترجمہ مشکل تراجم میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن مشکل نہیں ہے، یوں سمجھا جائے کہ بعض نسخے تو وہ ہیں،

---

(۱) تحفة القاري: ۳/۴۶۲

(۲) شرح ابن بطال: ۲/۶۱، ۶۲، الكوثر الجاري: ۲/ ۷۹، ۸۰

(۳) فيض الباري: ۲/ ۴۰، ۴۱، فتح الباري: ۱/۶۴۶، عمدة القاري: ۴/۱۹۰، ۱۹۱، إرشاد الساري: ۲/۵۶، الكنز المتواري: ۴/۸۲، تحفة القاري: ۲/۴۶۲

جن میں "ليس في المشرق ولا في المغرب قبلة" آیا ہے، یعنی: "ليس في المشرق ولا في المغرب" کے بعد لفظ "قبلةٌ" مذکور ہے، جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں بھی اسی طرح ہے، اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ لفظ "باب" مضاف ہے اور "قبلةُ أهلِ المدينة" میں لفظ "قبلة" مضاف الیہ مضاف ہے اور "أهلِ المدينة، وأهلِ الشام، والمشرق" یہ تینوں بذریعۂ عطف لفظِ "قبلة" کا مضاف الیہ ہیں، اور معنی یہ ہیں کہ یہ باب اہلِ مدینہ اور اہلِ شام اور اہلِ مشرق کے قبلے کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ اِن تینوں میں اہلِ مدینہ اور اہلِ شام تو معروف (بلاد) ہیں، اور آخر میں جو "مشرق" ہے، اُس سے مراد "مشرقِ مدینہ" ہے، مدینے کے مشرق میں جو لوگ آباد ہیں، جیسے نجد اور عراق والے، اُن کے قبلے کو بیان کرنا چاہتے ہیں، سوال ہوا کہ کیا ہے ان کا قبلہ؟ جواب دیا گیا کہ "ليس في المشرق ولا في المغرب"، ان کا قبلہ نہ مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں ہے، بلکہ جانبِ جنوب میں ہے، مطلب یہ کہ یہ ایک جملہ سوال کا جواب دینے کے لیے لایا گیا ہے، اور "ليس في المشرق ولا في المغرب" میں "المشرق" سے مراد عام مشرق نہیں ہے، بلکہ مشرقِ اہلِ مدینہ اور مغربِ اہلِ مدینہ مراد ہے، یہ تو ایک حل ہوا عبارت کا جو بالکل واضح ہے، یہاں ایک ذرا سا اشکال ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے "قبلة اهلِ المدينه وأهلِ الشام والمشرق" میں صرف مشرق کا ذکر کیا ہے، مغرب کا ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کے مشرق میں تو بڑی مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی تھی، اس لیے ان کا ذکر کر دیا اور مغربِ مدینہ میں تو آبادی نہیں تھی اس لیے ذکر نہیں کیا۔

پہلا لفظِ "المشرق" جو اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے بعد مذکور ہوا، اس سے مراد "مشرق اہلِ مدینہ" ہے، اس میں نجد اور عراق کا علاقہ داخل ہے۔ اور دوسرا جملہ جو "ليس في المشرق ولا في المغرب" ہے، یہ جملہ مستانفہ ہے، اس لیے بغیر واؤ کے لایا گیا ہے، یہ جملہ درحقیقت ایک سوال کا جواب بنے گا کہ آپ ان تینوں کا قبلہ بیان کرنا چاہتے ہیں تو بتلایئے! جواب دیا گیا کہ ان تینوں کا قبلہ نہ مشرقِ مدینہ میں ہے اور نہ ہی مغربِ مدینہ میں ہے، لہٰذا اب دو جہتیں رہ گئیں: یا جنوبِ مدینہ یا شمالِ مدینہ؛ ظاہر ہے کہ شمالِ مدینہ میں تو بیت المقدس آتا ہے، تو جنوبِ مدینہ میں کعبہ واقع ہوا، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا قبلہ مدینے کے جنوب میں ہے۔

دوسری صورت؛ جہاں "ليس في المشرق ولا في المغرب" کے بعد لفظِ "قبلة" نہیں ہے، بعض نسخوں میں ایسا بھی ہے، اس صورت میں لفظِ "بابٌ" پر تنوین پڑھی جائے گی اور "قبلةُ" مرفوع ہوگا، اور "أهلِ

المدينة، وأهلِ الشام، والمشرقِ" اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر "قبلةُ" مضاف کے لیے مضاف الیہ ہوکر مبتداء ہوگا اوراس کے لیے "ليس في المشرق ولا في المغرب" خبر بنے گی۔ مطلب یہ بنے گا کہ اہلِ مدینہ، اہلِ شام اوراہلِ مشرق کا قبلہ نہ تو مشرق میں ہے اور نہ ہی مغرب میں۔

اس توجیہ پرایک اشکال ہوتا ہے کہ "ليس في المشرق ولا في المغرب" میں "ليس" نہیں، "ليست" آنا چاہیے تھا، کیوں کہ "ليس" کی مذکر ضمیر "قبلة" کی طرف لوٹ رہی ہے، حالانکہ مرجع مؤنث ہے۔ تواس کا جواب یہ ہے کہ "قبلة" کو "مستقبل" کے معنی میں لے لیا جائے اور ليس کی مذکر ضمیر کواس کی طرف لوٹا لیا جائے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ اشکال کرنا کہ امام بخاریؒ نے کہہ دیا ہے کہ "ليس في المشرق ولا في المغرب" مشرق ومغرب میں تو قبلہ ہی نہیں ہے، حالاں کہ اہلِ ہنداوراہلِ بخارا کا اوراہلِ چین وغیرہ سب کا قبلہ مغرب کی جانب ہوتا ہے، تو اس کا جواب بھی بتا دیا گیا کہ یہاں مشرق سے ''مشرقِ مدینہ'' اورمغرب سے ''مغربِ مدینہ'' مراد ہے، مطلقاً ''عام جانبِ مشرق'' اور''عام جانبِ مغرب'' مراد نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہاں مذکورہ حدیث یا باب میں صرف اہلِ مدینہ، اہلِ شام اوراہلِ مشرق کا قبلہ بتلانا مقصود ہے، تمام عالَم کا قبلہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے اگر اہلِ ہند کا قبلہ مغرب میں ہوتا ہے اور جولوگ انتہائے مغرب میں آباد ہیں، ان کا قبلہ جانبِ مشرق میں ہوتا ہے تو بالکل ہوسکتا ہے، اس سے یہاں تعرض مقصود ہے ہی نہیں۔(۱)

تعلیق

لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تستقبلوا القبلة بغائط أو بول، ولكن شرقوا أو غربوا".

تعلیق کا ترجمہ

(اہلِ مدینہ، اہل شام اور اہلِ مشرق کا قبلہ نہ مشرق میں ہے اور نہ ہی

(۱) ملخص از فتح الباري: ١/٦٤٥، عمدة القاري: ٤/١٩٠، ١٩١، إرشاد الساري: ١/٥٦، ٥٧، فيض الباري: ٢/٣٩-٤١، لامع الدراري: ٣٦٢-٣٦٤

مغرب میں) اس دلیل کی وجہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(قضائے حاجت) پاخانہ یا پیشاب کرنے کے وقت قبلہ کی طرف رُخ نہ کرو،
لیکن مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کرلو۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق کو انہی الفاظ سے امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں موصولاً نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

أخبرنا محمد بن منصور قال: حدثنا سفيان، عن الزهري، عن عطاء بن يزيد، عن أبي أيوب رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها لغائط أو بول، ولكن شرقوا أو غربوا(۱).

تعلیق کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کے عموم سے دلیل پکڑی ہے کہ صحراء اور آبادیاں اس حکم میں برابر ہیں کہ ان دونوں جگہوں میں قضائے حاجت کے وقت نہ استقبالِ قبلہ جائز ہے اور نہ ہی استدبارِ قبلہ۔ اور مذکورہ حدیث کو ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے دلیل بنایا ہے۔

فقہائے احناف کثر اللہ سوادہم کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، جب کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ صحراء میں تو ناجائز ہے لیکن آبادیوں میں جائز ہے(۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تستقبلوا القبلة بغائط أو بول، ولكن شرقوا أو غربوا" ذکر فرما کر ایک تو یہ ثابت فرمادیا کہ مشرق ومغرب میں اہلِ مدینہ ومَن علی سمتہم کا

(۲) عمدة القاري: ۱۹۱/٤

(نوٹ) اس موضوع پر (یعنی: مذاہبِ ائمہ پر) تفصیلی کلام کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: "لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه" میں گذر چکا ہے۔

قبلہ نہیں ہے، اسی کے ساتھ ان لوگوں کے قول پر بھی رد فرما دیا، جو کہتے ہیں کہ "ولکن شرقوا أو غربوا" کا خطاب عام ہے۔ اہلِ مدینہ اور اُن کے غیر سب مشرق ومغرب کی طرف بحالتِ استنجاء استقبال کر سکتے ہیں، خواہ قبلہ سامنے ہو یا پیچھے ہی کیوں نہ ہو(۱)۔

حدیثِ باب

۳۸٦ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيانُ قَالَ : حَدَّثنا ٱلزُّهْرِيُّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ ٱلْأَنْصَارِيِّ(۲) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (إِذَا أَتَيْتُمُ ٱلْغَائِطَ ، فَلَا تَسْتَقْبِلُوا ٱلْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا ، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا) .

قَالَ أَبُو أَيُّوبَ : فَقَدِمْنَا ٱلشَّأْمَ ، فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ ٱلْقِبْلَةِ ، فَنَنْحَرِفُ ، وَنَسْتَغْفِرُ ٱللهَ تَعَالَى .

ترجمہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو قبلہ کی جانب نہ منہ کرو، نہ پیٹھ۔ البتہ مشرق یا مغرب کی جانب رُخ کرلو۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہم ملکِ شام پہنچے تو ہم نے وہاں بیت الخلاء قبلے کے رُخ پر بنے ہوئے پائے، تو (قضائے حاجت کے وقت) ہم اپنا رُخ قبلے سے تھوڑا سا پھیر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

(۱)تقرير بخاري شريف: ۲/۱٤٤، الكنز المتواري: ٤/ ۸۲، سراج القاري: ۲/ ٤۳۰

(۲)مر تخريجه رقم الحديث: ۱٤٤، كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: "لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه"

علی بن عبداللہ

یہ حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی البصری رحمہ اللہ ہیں، ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: "الفهم في العلم" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

سفیان

یہ مشہور امامِ حدیث، تبع تابعی حضرت ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب: "علامة المنافق" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

زہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زُہری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب: "بدء الوحی" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں(۳)۔

عطاء بن یزید اللیثی

یہ ابومحمد یا ابویزید عطاء بن یزید اللیثی، ثم الجُندعی المدنی، ثم الشامی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲۹۷/۳

(۲) کشف الباری: ۲۷۸/۲

(۳) کشف الباری: ۳۲٦/۱

(٤) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، رقم الحدیث: ١٤٤

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

یہ میزبان رسول، حضرت ابو ایوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم الانصاري النجاري الخزرجي رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے بھی تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا.

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو قبلہ کی جانب نہ منہ کرو، نہ پیٹھ۔ البتہ مشرق یا مغرب کی جانب رُخ کرلو۔

اس جملے کی تشریح، متعلقہ مسئلہ اختلافِ ائمہ اور وجہ ترجیح احناف پوری شرح وبسط کے ساتھ کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، رقم الحديث: ۱۴۴ میں گذر چکی ہے۔

قال أبو أيوب: فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض بنيت قبل القبلة، فننحرف، ونستغفر الله تعالىٰ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہم ملکِ شام پہنچے تو ہم نے وہاں بیت الخلاء قبلے کے رُخ پر بنے ہوئے پائے، تو (قضائے حاجت کے وقت) ہم اپنا رُخ قبلے سے تھوڑا سا پھیر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اب تم یہ سنو کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس

---

(۱) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بتول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، رقم الحديث: ۱٤٤

[ٹکڑے] کو وہاں ذکر نہیں فرمایا، جہاں استقبال واستدبار کا ذکر ہے، بس صرف حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کردی، کیوں کہ وہ اُن کے موافق تھی'' (۱)۔

فقدمنا الشام،

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہم ملکِ شام پہنچے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلام شام میں ہوا یا مصر میں؟

صحیح البخاری کی مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بات ملکِ شام کی نقل کی، جب کہ سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ راوی حدیث حضرت رافع بن اسحاق نے حضرت ابو ایوب رضی للہ عنہ سے سنا، اس حال میں کہ وہ مصر میں تھے............ الخ (۲)

تو اس بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ، شیخ ولی الدین العراقی رحمہ اللہ کے حوالے سے اور علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ صحیحین کی روایت میں یہ ہے کہ یہ معاملہ ملک شام میں پیش آیا، لیکن ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ ہی یہ دونوں ایک دوسرے کے معارض ہیں، اس لیے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ کلام مصر میں بھی ہوا ہو اور شام میں بھی (۳)۔

اور شیخ مختار بن محمد الشنقيطي رحمہ اللہ اپنی شرح سنن النسائی ''شروق أنوار المنن الكبرى الإلهيه'' میں اسی بات پر مزید فرماتے ہیں کہ (علامہ عراقی اور علامہ سندھی رحمہما اللہ کی) یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے

(۱) تقریرِ بخاری شریف: ۱٤٢/٢

(۲) أخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسكين قراءة عليه وأنا أسمع واللفظ له عن ابن قاسم قال حدثني مالك عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن رافع بن إسحاق أنه سمع أبا أيوب الأنصاري وهو بمصر يقول: والله ما أدري كيف أصنع بهٰذه الكراييس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا ذهب أحدكم إلى الغائط أو البول فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها". (سنن النسائي، كتاب الطهارة، النهي عن استدبار القبلة عند الحاجة، رقم الحديث: ٢٠)

(۳) حاشية السيوطي، والسندهي على سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب: النهي عن استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ٢٠، ٢٥/١

ذخيرة العقبىٰ شرح سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب: النهي عن استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ٢٠، ٤٤٣/١

خاص طور پر جب کہ دونوں احادیث کا مخرج بھی مختلف ہے اس لیے کہ امام نسائی رحمہ اللہ کی تخریج کردہ حدیث کی سند دیگر ائمہ کی تخریج کردہ سند سے مختلف ہے، وہ اس طرح کہ اکثر ائمہ کی ذکر کردہ روایت امام زہریؒ کی ہے جو وہ عطاء بن یزید اللیثیؒ سے روایت کرتے ہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ کی روایت اسحاق بن عبداللہ کی ہے جو وہ رافع بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ علماء نے نسائی کی اس روایت کو غلط قرار دیا ہے اور علمائے موجہین فرماتے ہیں کہ قدوم شام میں تھا اور روایت مصر میں بیان کی تھی (۲)۔

"الشـــام" یہ مشہور شہر ہے، اس کا استعمال مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے ہوتا ہے، اس کے ہمزہ کو تسہیلاً الف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، اس ملک کا نام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے "سام بن نوح" کے نام پر رکھا گیا تھا، پھر عجمی لفظ ہونے کی بناء پر سین کو شین سے بدل دیا گیا (۳)۔

"مَراحِیض" بفتح المیم، وبالحاء المهملة والضاد المعجمة، جمع ہے "مِرحاض" بکسر المیم کی، یہ ایسے مکان کا نام ہے، جسے قضائے حاجت کے لیے تیار کیا جاتا ہے (۴)۔

"فننحرف" یہ إنحراف سے ہے، یعنی: ہم قبلہ کی جانب سے پھر جاتے، ایک نسخے کے مطابق یہ لفظ "فنتحرَّف" التحرف سے ہے۔ مراد دونوں کی ایک ہی ہے (۵)۔

"ونستغفر الله تعالىٰ" اور اللہ سے اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتے تھے۔

---

(۱) شرح سنن النسائي المسمى بـ شروق أنوار المنن الكبرى الإلهيه، كتاب الطهارة، باب: النهي عن استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ۲۰، ۱۴۷/۱

(۲) تقرير بخاری شريف: ۱۴۱/۲

(۳) نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ۱۸۹/۱۳، عمدة القاري: ۱۹۲

(٤) تهذيب اللغة، المادة: رحض: ۲۰۳/٤، لسان العرب، المادة: ر ح ض: ۱۵۳/۷، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ۱۸۹/۱۳

(٥) عمدة القاري: ۱۹۲/٤

انحراف عن القبلہ کا مطلب

انحراف عن القبلہ کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم ملکِ شام میں بیت الخلاؤں کا رُخ قبلے کی جانب دیکھ کر واپس ہو جاتے تھے، انہیں استعمال نہیں کرتے تھے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔

انحراف عن القبلہ پر استغفار کی وجہ

اس معنیٰ پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جب ان کو استعمال ہی نہیں کرتے تھے تو پھر استغفار کس بات پر کرتے تھے؟

اس اشکال کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ استغفار بنانے والوں کے لیے ہوتا تھا، کہ انہوں نے کیسا بُرا کام کیا(۱)۔

اس جواب کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جن لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ ان کے بنانے والوں کے لیے استغفار کرتے تھے، [تو] یہ غلط ہے، اس لیے کہ اس کے بنانے والے تو کفار تھے، ان کے لیے استغفار کا کیا مطلب؟(۲)

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ان کا استغفار اُن بنانے والوں پر اس لیے ہوتا تھا کہ [ملکِ شام میں] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت موجود تھی، اس کے باوجود ان لوگوں نے قبلہ رُخ بیت الخلاء بنائے، یعنی: اُن پر انکار کرتے ہوئے استغفار کرتے تھے(۳)۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم استغفار کرتے تھے استقبالِ قبلہ سے، کہ اے اللہ! ہمیں قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ سے ہمیشہ محفوظ رکھنا، ہم آپ سے اس بات پر معافی چاہتے ہیں کہ ہم قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھیں یا پیٹھ کرکے بیٹھیں(۴)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٩٢، الكوثر الجاري: ٢/٨٠، إرشاد الساري: ٢/٥٧، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ١٣/١٨٩، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري، الحديث الثالث: ٧/١٨

(۲)تقرير بخاري شريف: ٢/١٤٢، الكنز المتواري: ٤/٨٣، ٨٤

(۳)الكوثر الجاري: ٢/٨٠

(٤) عمدة القاري: ٤/١٩٢، إرشاد الساري: ٢/٥٧، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح =

ایک تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں جب کبھی بھی یہ بات نظر آتی تھی کہ لوگوں نے اس طریقے سے بیت الخلاء بنائے ہوئے ہیں تو ہمیں اپنے گناہ یاد آجاتے تھے کہ جیسے انہوں نے یہ غلطی کی ہے اور گناہ کا کام کیا ہے، اسی طرح ہم نے بھی گناہ کے بہت سارے کام کیے ہوئے ہیں، اس لیے ہم اپنے گناہوں پر استغفار کرتے تھے، اہل تقویٰ کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ کسی کی غلطی دیکھ کر اپنی غلطیوں سے استغفار کیا کرتے ہیں(۱)۔

چوتھا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ بہت دفع انسان کسی منکر، بُری بات کو دیکھ کر استغفر اللہ کہتا ہے، اگرچہ وہ برائی اس صادر نہیں ہوئی ہوتی، فلا اشکال (۲)

انحراف عن القبلہ کے دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ ہم ان بیت الخلاؤں کو استعمال کرتے تھے، لیکن بقدرِ استطاعت ٹیڑھا ہوکر بیٹھتے تھے، لیکن پھر بھی تھوڑی بہت چوک ہوجایا کرتی تھی اور کوتاہی واقع ہوجاتی تھی، اس لیے اس کوتاہی کے سرزد ہونے پر ہم استغفار کیا کرتے تھے(۳)۔

اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاعدہ یہ ہے کہ مشغول لوگ جو ہوتے ہیں وہ پائخانہ میں اس وقت جاتے ہیں جب کہ شدت کے ساتھ تقاضا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی حال تھا کہ انتہائی مشغول ہوتے تھے اور جب شدت کے ساتھ طبیعت پر تقاضا ہوتا تب بیت الخلاء کا رُخ فرماتے اور جلدی میں اس کا خیال نہ رہتا اور اِن مراحیض میں جو کہ قبلہ کی طرف بنائے گئے تھے، بیٹھ جاتے، مگر جب یاد آتا تو اپنا رُخ پلٹتے اور اپنی غلطی پر گو وہ نسیاناً ہوتی تھی، نادِم ہوتے اور استغفار کرتے تھے، بہر حال یہ حضرات اپنے فعل پر استغفار کرتے تھے(۴)۔

= معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ١٨٩/١٣، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري، الحديث الثالث: ١٨/٧

(١)عمدة القاري: ١٩٢/٤، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ١٨٩/١٣، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري، الحديث الثالث: ١٨/٧

(٢)الكوثر الجاري: ٢/ ٨٠

(٣)الكوثر الجاري: ٨٠/٢

(٤)تقرير بخاري شريف: ١٤٢/٢، الكنز المتواري: ٨٣/٤، ٨٤، سراج القاري: ٤٣١/٢

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ اور استدبارِ قبلہ دونوں ناجائز ہیں(۱)۔

۲۔استقبالِ قبلہ اور استدبارِ قبلہ کی کراہت صحرا اور آبادی دونوں جگہ ہے(۲)۔

۳۔شعار اللہ کی تعظیم اور احترام پر تنبیہ معلوم ہوتی ہے(۳)۔

۴۔اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے لیے جہتِ قبلہ کا مشرق ومغرب میں ہونا معلوم ہوتا ہے(۴)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٤٢٢/٢

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

(۲)التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ١٠٦/٤

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

(۳)عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٤٢٤/٢

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

(٤) أعلام الحديث للخطابي، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٩/١

التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ١٠٦/٤

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

تعلیق

وَعَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : مِثْلَهُ . [ر : ١٤٤]

تعلیق کی تشریح وغرض

امام بخاری رحمہ اللہ نے سابقہ حدیث کی مطابعت کے لیے ایک اور سند پیش کی ہے، چنانچہ "وعن الزهري" کا عطف سابقہ سند میں "حدثنا سفيان عن الزهري" پر ہے، یعنی: سابقہ سند "حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا زهري، عن عطاء بن يزيد، عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه" تھی اور موجودہ سند "وعن الزهري عن عطاء قال سمعت أبا أيوب عن النبي صلى الله عليه وسلممثله " ہے، اس طریق کا فائدہ یہ ہے کہ اس طریق میں اس بات کی تصریح ہے کہ عطاء نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، جب کہ سابقہ طریق میں سماع ثابت نہیں تھا(۱)۔

اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سماع" عنعنہ سے قوی ہوتا ہے، لیکن اس میں ضعف ہے "عن الزهری" کی تعلیق کی جہت سے(۲).

تو حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ بظاہر تو علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی بات صحیح ہے، لیکن یہی حدیث مسند اسحٰق بن راہویہ میں مسندا موجود ہے، لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا(۳)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(١)فتح الباري: ١/٦٤٦، عمدة القاري: ١٩٢/٤، ١٩٣، الكوثر الجاري: ٨٠/٢ ، اللامع الصبيح شرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١١٨/٣

(٢)شرح الكرماني: ٥٨/٤

(٣)فتح الباري: ١/٦٤٦، عمدة القاري: ١٩٣/٤

٣ – باب: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: «وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى» /البقرة: ١٢٥/.

اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قیام کی جگہ کو جائے نماز بناؤ

ترجمۃ الباب کی غرض

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے کیا ہے؟! بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "اتخذوا" امر کا صیغہ ہے، اس سے بظاہر وجوب سمجھ میں آتا ہے، تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب منعقد فرما کر بتلا دیا کہ امر ایجابی نہیں ہے اور یہی میرے والد صاحب قدس سرہ کی رائے ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ "اتخذوا" اپنے اطلاق کی وجہ سے مطلقاً اتخاذِ صلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے، تو امام بخاریؒ نے اس کو ترجمہ گردان کر اور روایات ذکر فرما کر بتلا دیا کہ اس سے خاص ركعتي الطواف مراد ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ من مقام إبراهيم کے لفظ سے بظاہر اس مقام کی تخصیص معلوم ہوتی تھی، تو امام بخاریؒ نے روایات ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ کوئی تخصیص نہیں، بلکہ اس کے آس پاس کا حصہ بھی مقام ابراہیم میں داخل ہے، مقامِ خاص مراد نہیں''۔(١)

اور سراج القاری میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی نسبت سے لامع الدراری اور الکنز المتواری کی تحریرات کے خلاصہ کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ

"اتخذوا" امر کا صیغہ ہے اور امر کی اصل وجوب ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، اور اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدمین مبارکین کے نشانات موجود ہیں، یہ پتھر بیت اللہ کے سامنے نصب ہے۔ اور "مصلّی" کا مطلب قبلہ ہے۔ اب گویا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ مقامِ ابراہیم کی طرف نماز پڑھی جائے، حالانکہ مقامِ ابراہیم کی طرف نماز پڑھنے کو کوئی ضروری نہیں سمجھتا؛ اس لیے لامحالہ یا اتخذوا میں وجوب کے علاوہ کوئی اور معنی اختیار کیے جائیں، یا پھر

---

(١) تقرير بخاري شريف: ٢/١٢٥

مقامِ ابراہیم میں توسع اختیار کیا جائے، چناچہ! اکثر حضرات نے اتخذوا میں وجوب کے بجائے استحباب مراد لیا ہے اور مقامِ ابراہیم سے مراد وہی پتھر لیا ہے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات موجود ہیں، اس صورت میں جس نماز کو مقامِ ابراہیم میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف تحیۃ الطّواف کی دو رکعت ہیں، یعنی: وہ دو رکعتیں جو طواف کے بعد ادا کی جاتی ہیں، ان کے لیے تمام مقامات سے اولیٰ تر مقام: مقامِ ابراہیم ہے، یعنی: وہ جگہ جہاں یہ پتھر رکھا ہوا ہے، اور اگر "اتخذوا" کو اپنے اصل معنی، یعنی وجوب پر محمول کیا جائے تو ایسی صورت میں مقامِ ابراہیم میں توسع کر کے اس سے مراد کعبۃ اللہ لیا جائے گا؛ کیوں کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ کعبہ چوں کہ نماز کا قبلہ ہے؛ اس لیے ہر شخص مکلّف ہے کہ اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے، اس صورت میں صیغۂ امر اپنے اصل یعنی: وجوب کے معنی میں ہوگا اور مقامِ ابراہیم سے مراد "کعبہ" ہوگا۔(۱)"

علامہ فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ کی رائے

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ اتخذوا صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں، بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

لیکن اس صورت میں دشواری یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ کے ذیل میں جو تین روایات ذکر کی ہیں، اس تقدیر پر ان تینوں روایات میں سے پہلی روایت تو ترجمہ سے بلا تکلف منطبق ہو جائے گی، لیکن باقی دو روایتوں کو منطبق کرنے کے لیے تکلفات سے کام لینا ہوگا، اس لیے کہ امام بخاریؒ کی ذکر کردہ روایات کے پیشِ نظر بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اتخذوا" کو تو اپنے اصل معنی یعنی: وجوب پر محمول کیا جائے اور مقامِ ابراہیم میں توسع کر کے اس سے مراد بیت اللہ شریف لیا جائے، کیونکہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ بیت اللہ چونکہ نماز کا قبلہ ہے اس لیے ہر شخص مکلّف ہے کہ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے، اس صورت میں صیغۂ امر اپنی اصل یعنی: وجوب کے معنی میں رہا اور مقامِ ابراہیم کے معنی: بیت اللہ ہو گئے، اس صورت میں تینوں روایات کے انطباق میں کوئی دشواری نہ ہوگی (۲)۔

---

(۱) سراج القاري: ۲/۴۳۲، لامع الدراري: ۱/۱۵٤، ۱۵۵، الكنز المتواري: ٤/۸٤، ۸۵

(۲) إيضاح البخاري: ۳/۱۱۷، ۱۱۸

مقامِ ابراہیم کی مراد میں چند اقوال

اس سلسلہ میں علماءِ امت کے مختلف اقوال ہیں: (۱) وہ مقام جہاں وہ پتھر رکھا ہوا ہے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشاناتِ قدم ہیں۔ (۲) بیت اللہ شریف۔ (۳) مسجدِ حرام۔ (۴) پورا حرم شریف۔ ان چار مشہور اقوال میں سے ہم نے دوسرے معنیٰ مراد لیے ہیں، تیسرے اور چوتھے معنی میں بہت زیادہ توسع ہے اور آیتِ کریمی کی مراد یہ ہے: ''بیت اللہ شریف کی کسی بھی حصہ کا استقبال نماز میں فرض ہے، چونکہ بیت اللہ وہ مقام ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمایا اور تعمیر کیا تھا اور تمہاری ملت؛ ملتِ ابراہیمی ہے اس لیے بیت اللہ کو تمہارا قبلہ مقرر کیا گیا''۔

یہ معنیٰ مراد لینے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی ذکر کردہ روایات بے تکلف ترجمہ سے منطبق ہو جاتی ہیں، دوسرے یہ کہ امام بخاریؒ نے یہ باب؛ ابوابِ قبلہ میں ذکر کیا ہے، اگر اتخذوا کو استحباب پر محمول کیا جائے اور مقامِ ابراہیم سے مراد وہ خاص پتھر لیا جائے تو ابوابِ قبلہ سے اس کا ربط کمزور ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (۱)

علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ صرف اتنی بات فرماتے ہیں:

''قبلہ کے ابواب میں اس باب کو لا کر (امام بخاریؒ نے) آیتِ مذکورہ ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، کیوں کہ مقامِ ابراہیم کو مصلی بنانے کا ظاہرِ مطلب تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں. امام بخاریؒ نے (یہ باب قائم کر کے) بتلا دیا کہ یہ مطلب نہیں، بلکہ مرد یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم کو قبلہ کی طرح سامنے رکھ کر نماز پڑھو۔ (۲)''

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

۳۸۷ : حدّثنا ٱلْحُمَيْدِيُّ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيَانُ قَالَ : حَدَّثنا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ : سَأَلْنَا ٱبْنَ عُمَرَ ، عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ (۳) ٱلْعُمْرَةَ ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةِ ، أَيَأْتِي ٱمْرَأَتَهُ ؟ فَقَالَ :

(۱) إيضاح البخاري: ۱۱۷/۳، ۱۱۸، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱۳۹/۳

(۲)فضل الباري: ۱۰٦/۳

(۳) أخرجه البخاري أيضاً في الحج، في باب: صلى النبي صلى الله عليه وسلم لسبوعه ركعتين، =

قَدِمَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا ، وَصَلَّى خَلْفَ ٱلْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ، وَطَافَ بَيْنَ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةِ ، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .

وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ فَقَالَ : لَا يَقْرَبَنَّهَا ، حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةِ .

[١٥٤٤ ، ١٥٤٧ ، ١٥٦٣ ، ١٥٦٤ ، ١٧٠٠]

ترجمہ

حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ جس نے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی نہیں کی، کیا وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرسکتا ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ) تشریف لائے، (تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا، اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، اور بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ (لہٰذا عمرہ کے لیے صفا ومروہ کے درمیان سعی ضرور کرنی چاہیے۔)

= رقم الحديث: ١٦٢٣، وفي باب: من صلى ركعتي الطواف خلف المقام، رقم الحديث: ١٦٢٧، وفي باب: ما جاء في السعي بين الصفا والمروة، رقم الحديث: ١٦٤٥، ١٦٤٧، و في باب: متى يحل المعتمر، رقم الحديث: ١٧٩٣

ومسلم في صحيحه، في الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي وأن المحرم بحج لا يتحلل بطواف القدوم وكذلك القارن، رقم الحديث: ١٢٣٤

والنسائي في سننه، في الحج، باب: طواف من أهل بعمرة، رقم الحديث: ٢٩٣٣

وابن ماجة في سننه، في الحج، باب: الركعتين بعد الطواف، رقم الحديث: ٢٩٥٩

وفي جامع الأصول، حرف الحاء، الكتاب الأول: في الحج والعمرة، الباب الثامن: في التحلل وأحكامه، الفصل الثاني: في وقت التحلل وجوازه، رقم الحديث: ١٦١٢، ٣/٣٠٧

حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ یہی سوال ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے صراحۃ فرمایا: ایسا شخص ہرگز اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرے، یہاں تک کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لے۔

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

۱۔الحمیدی

یہ ''ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ قریشی، اسدی، حمیدی، مکی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، کی پہلی حدیث کے تحت اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا أوأخبرنا وأنبأنا، میں گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔سفیان

یہ ''مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، کی پہلی حدیث کے تحت اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا أوأخبرنا وأنبأنا، میں گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔عمرو بن دینار

یہ ''ابومحمد عمرو بن دینار مکی جُمَحی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: كتابة العلم، کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن عمر بن خطاب'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۳۷، ۳/۹۹

(۲) كشف الباري: ۱/ ۲۳۸، ۳/۱۰۲

(۳) كشف الباري: ٤/۳۰۹

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بني الإسلام على خمس میں گذر چکے ہیں (۱)۔

شرح حدیث

طاف بالبيت العمرة

(حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ) جس نے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا۔

اس جملے میں لفظ "العمرة" حرف جر "لام" کے حذف کے ساتھ ہے، یہ مستملی اور حموی کی روایت ہے، اس جگہ حرفِ جر کو محذوف مانے بغیر معنی درست نہیں ہوتے اس لیے تقدیر ماننا ضروری ہے۔ اور دیگر بہت سارے نسخوں میں یہ لفظ "العمرة" کے بجائے "للعمرة" ہے (۲)۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "لام" کے بغیر بھی درست ہے، اس صورت میں یہ مفعول لہ ہوگا اور "العمرة" کو "اعتمار" کے معنی میں لے لیا جائے گا (۳)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ "العمرة" سے قبل لفظِ طواف کو بطورِ مضاف محذوف مانا جائے، پھر مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا جائے (۴)۔

ولم يطف بين الصفا والمروة

اور صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی،

"لم يطف" یہ لفظ "لم يسع" کے معنی میں ہے، یعنی: "ولم يسع بين الصفا والمروة" کہ اس نے صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔

سعی کو طواف سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "سعی" طواف کی ہی ایک نوع ہے، یا مشاکلت اور

---

(۱) كشف الباری: ۱/۶۳۷

(۲) الكواكب الدراري: ٤/٥٩، مصابيح الجامع: ٢/١١٢، عمدة القاري: ٤/١٩٤

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/١٣٩

(٤) مصابيح الجامع: ٢/١١٢، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ٧/٢٢

بیت اللہ کے طواف کے مصاحب ہونے کی وجہ سے سعی کو طواف سے تعبیر کیا ہے(۱)۔

أ يأتي امرأته؟

کیا وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کر سکتا ہے؟

ہمزہ استفہام کے لیے ہے، یعنی: سوال کیا کہ عمرہ کرتے ہوئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلے عمرہ کرنے والا حلال ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اسی بناء پر ایسے شخص کے لیے اپنی بیوی سے صحبت کرنا جائز ہو جائے گا یا نہیں؟ اس مقام پر سوال صرف بیوی سے مجامعت کے حلال ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اس لیے کیا گیا ہے، کہ بیوی کے پاس آنا احرام کی حالت میں کیے جانے والے حرام کاموں میں سے سب بڑا احرام کام ہے، وگرنہ احرام سے حلال ہونے سے قبل تمام محرمات کا حکم یہ ہی ہے کہ ان کا ارتکاب جائز نہیں ہے(۲)۔

فقال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم

تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ) تشریف لائے۔

"فقال" سے مراد "فأجاب" ہے، یعنی: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سوال کا یہ جواب دیا۔ اس جواب میں اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے براہ راست دوٹوک الفاظ میں جواب دینے کے بجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے فعل کے لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے دلیل حاصل کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی گذارنے کے لیے بہترین نمونہ اپنے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں رکھا ہے، بالخصوص حج کے معاملات میں تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا صریح

(١)الكواكب الدراري: ٥٩/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٣٩/٣، عمدة القاري: ١٩٥/٤، فتح الملهم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي: ١٠٣/٦

(٢)الكواكب الدراري: ٥٩/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٣٩/٣، عمدة القاري: ١٩٥/٤، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ٢٢/٧، فتح الملهم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي: ١٠٤/٦

قول:"لتأخذوا مناسككم"(۱) بھی موجود ہے۔(۲)

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت:﴿قد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ کی تشریح میں (جو دلیل میں حضرت بن عمر رضی اللہ عنہما نے پیش فرمائی) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"هذه الآية الكريمة أصلٌ كبيرٌ في التأسّي برسول الله صلى الله عليه وسلم في أقواله، وأفعاله، وأحواله". (۳)

کہ یہ آیت کریمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کی اتباع کرنے میں بہت بڑی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

اور اس مسئلے میں چونکہ نبی اکرم سعی کرنے کے بعد حلال ہوئے تھے، اس لیے سعی کرنے سے قبل بیوی سے ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے(۴)۔

عمرہ سے حلال ہونے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب

عمرہ سے حلال ہونے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب مذکورہ حدیث میں بیان کیے جانے والے مذہب کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ جب کسی کی نظر بیت اللہ پر پڑ جائے تو اس کا احرام کھل جائے گا، لہٰذا ایسے شخص کے لیے اپنی بیوی سے صحبت کرنا جائز ہوگا، یعنی: طواف کے بعد سعی سے پہلے ہی وہ حلال ہو جائے

(۱) عن جابر رضي الله عنه يقول: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يرمي على راحلته يوم النحر، ويقول: "لتأخذوا مناسككم، فإني لا أدري لعلي لا أحج بعد حجتي هذه". (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: استحباب رمي الجمرة العقبة يوم النحر راكباً، وبيان قولهصلى الله عليه وسلم: "لتأخذوا مناسككم"، رقم الحديث: ۱۲۹۷، بيت الأفكار)

(۲) الكواكب الدراري: ۵۹/۴، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۲۲/۷، فتح الملهم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي: ۱۰۴/۶

(۳) تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۳۱، ۳۹۱/۶)

(۴) إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب الحج، باب: ما يلزم من أحرم بالحج، ثم قدم مكة، من الطواف والسعي: ۳۱۲/۴، المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي، ۲۱۹/۸

گا۔اسی وجہ سے ایک صحابی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا تو انہوں نے اشارۃً جواب دیا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔قاضی عیاض، علامہ نووی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب جمہور صحابہ کے ساتھ نہیں تھا(۱)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "وصلی خلف المقام رکعتین" میں ہے(۲)۔

''امام بخاریؒ کا مقصد صرف "وصلی خلف المقام رکعتین" سے ہے، اب اگر "اتخذوا من مقام إبراهيم مصلی" میں "اتخذوا" کو استحباب پر محمول کریں تو بھی مطابقت ظاہر ہے کہ تحیۃ الطّواف کے لیے سب سے اولیٰ تر مقام ''مقامِ ابراہیم'' ہی ہے، ضروری کسی کے نزدیک نہیں۔اور اگر "اتخذوا" کو وجوب پر حمل کریں تو مقامِ ابراہیم سے مراد ''بیت اللہ'' ہوگا اس صورت میں روایت کا ترجمۃ الباب سے انطباق ظاہر ہے کہ نماز میں کعبہ کو قبلہ بنایا جائے، جیسا کہ روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہی ثابت ہے''۔(۳)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مطابقتِ ترجمہ "وصلی خلف المقام" سے حاصل ہوگئی، جو پہلی حدیث الباب میں مذکور ہے اور محقق عینیؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، پھر نہ معلوم لامع الدراری: ۱/۱۵۴ میں ایسا کیوں لکھا گیا کہ ترجمۃ الباب پر یہ اشکال ہے کہ امام بخاریؒ نے اس میں آیتِ قرآنی ذکر کی ہے، جس میں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا امر ہے، پھر وہ جو روایات اس ترجمہ کے تحت لائے ہیں، ان میں مقام ابراہیم کو مصلی بنانے پر کوئی دلالت نہیں

---

(۱)شرح ابن بطال، كتاب الحج، باب: متى يحل المعتمر، رقم الحديث: ۱۵٦۷: ٤/۳۹۸، دارالكتب العلمية۔ إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب الحج، باب: ما يلزم من أحرم بالحج، ثم قدم مكة، من الطواف والسعي: ٤/۳۱۲۔ المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي، ۸/۲۱۹۔ فتح الباري: ۱/٦٤۷۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۷/۲۲

(۲)فتح الباري: ۱/٦٤۷۔ عمدة القاري: ٤/۱۹٤۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۷/۲۲

(۳)إيضاح البخاري: ۳/۱۷۳

ہے، پھر لکھا کہ حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے اسی اشکال کے دو جواب دیئے ہیں، الخ حیرت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے عدمِ مطابقت کی نشاندہی بھی کردی۔ اور بظاہر حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک بھی عدمِ مطابقت کا کوئی اشکال یہاں نہیں ہے، بلکہ وہ امام بخاریؒ کی یہ مراد واضح فرمانا چاہتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز کے حکم کے باوجود بھی فرض استقبال کعبہ کے تأکد میں فرق نہیں آیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خلف المقام کے ساتھ بھی استقبالِ کعبہ کو ترک نہیں فرمایا، دوسری بات حضرتؒ نے امام بخاریؒ کی یہ بتائی کہ آیت میں اگرچہ امر ہے مگر وہ سنیت یا استحباب کے لیے ہے، وجوب کے لیے نہیں ہے، کیونکہ وجوب کے لیے ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مواجہہ بیت اللہ میں نماز نہ پڑھتے، جو دوسری اور تیسری حدیث الباب میں

---

(١)الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ٢/٣١٤- ٣١٦

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام والمأموم: ١/٦٧٤

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الصلاة، الفصل الخامس في بيان المقام الإمام والمأموم: ١/٨٨

(٢)حدثنا محمد بن العلاء الهمداني أبو كريب، قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، وعلقمة، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا: لا، قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولا إقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والآخر عن شماله، قال: فلما ركع وضعنا أيدينا على ركبنا، قال: فضرب أيدينا وطبق بين كفيه، ثم أدخلهما بين فخذيه، قال: فلما صلى، قال: إنه ستكون عليكم أمراء يؤخرون الصلاة عن ميقاتها، ويخنقونها إلى شرق الموتى، فإذا رأيتموهم قد فعلوا ذلك، فصلوا الصلاة لميقاتها، واجعلوا صلاتكم معهم سبحة، وإذا كنتم ثلاثة فصلوا جميعا، وإذا كنتم أكثر من ذلك، فليؤمكم أحدكم، وإذا ركع أحدكم فليفرش ذراعيه على فخذيه، ولْيَجْنَأْ، وليطبق بين كفيه، فلكأني أنظر إلى اختلاف أصابع رسول الله صلى الله عليه وسلم فأراهم.(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، رقم الحديث: ١٢٢١)

والمذكور في "نزهة الألباب في قول الترمذي: وفي الباب هٰذا: "أما حديث ابن مسعود"، فرواه مسلم: ١/٣٧٨، وأبو عوانة في مستخرجه: ٢/١٨٠، ١٨١، والنسائي في المجتبى: ٢/٦٦، والكبرىٰ:١/٣٧٨، وأحمد: ١/٤١٣، ٤١٨، وغيرهم. (نزهة الألباب وفي قول الترمذي:"وفي الباب"، كتاب الصلاة: ٢/٥٥٤)

مذکور ہے، اس لیے کہ اس صورت میں مقامِ ابراہیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے تھا، آگے نہیں تھا اور آگے صرف کعبہ تھا، علاوہ ازیں یہ بات بجائے خود بھی صحیح نہیں ہے کہ روایاتِ باب میں مقامِ ابراہیم کو مصلی بنانے پر کوئی دلالت نہیں ہے، جب کہ پہلی ہی حدیث میں حضور اکرم و کے مقامِ ابراہیم میں نماز پڑھنے کا ذکر صراحت سے موجود ہے، یہ تو پوری طرح آیتِ ترجمۃ الباب کے مصداق پر عمل تھا، لیکن اس پر عمل کے باوجود یہ بھی ظاہر کرنا ضروری تھا کہ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھنا موجبِ شرف وبرکت وازدیادِ اجر ہے، یہ نہیں کہ اس کی وجہ سے بیت اللہ کے استقبال کی اہمیت کچھ کم ہوگئی، بلکہ حسبِ تحقیق حضرت گنگوہیؒ اس کا تأکدِ مزید مفہوم ہوا کہ اس کے پاس بھی نماز کی صحت استقبالِ کعبہ معظّمہ پر ہی موقوف ہے اور اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی نماز میں استقبال ترک نہیں فرمایا۔(۱)‘‘

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے جو فوائد واحکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) باتفاق علماء عمرہ میں سعی کرنا واجب ہے، اس کے بغیر عمرہ کرنے والا احلال نہیں ہوسکتا (۲)۔

(۲) سعی کے لیے سات چکر ہونا لازمی ہے (۳)۔

(۳) دو رکعت نماز مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھنا واجب ہے، اس میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے، یہ احناف کے نزدیک ہے، ورنہ شوافع کے نزدیک یہ دو رکعت سنت ہیں (۴)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)أنوار الباري: ۱۹۵/۱۲

(۲)فتح الباري: ۶٤۷/۱۔ الشرح الميسر لصحيح البخاري: ٤٤٤/۱۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۲۲/۷

(۳)الشرح الميسر لصحيح البخاري: ٤٤٤/۱

(٤)فتح الباري: ٦٤٧/١۔ الشرح الميسر لصحيح البخاري: ٤٤٤/١۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۲۲/۷

تعلیق

وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ : لَا يَقْرَبَنَّهَا ، حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ یہی سوال ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے (صراحۃ) فرمایا: ایسا شخص ہرگز اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرے، یہاں تک کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لے۔

تعلیق کی تخریج

یہ روایت مسند حمیدی (۱) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۲) میں موصولا موجود ہے۔

تعلیق کا مقصد

اس تعلیق سے مقصود صرف اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ماقبل والی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے صراحۃً سائل کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا، بلکہ محض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کیا تھا کہ اس میں تمہارے لیے رہنمائی موجود ہے، اس کے مطابق عمل کرلو۔

لیکن مذکورہ تعلیق میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے واضح طور پر بتادیا کہ معتمر اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا، جب تک سعی نہ کرلے (۳)۔

---

(۱) حدثنا الحميدي، قال: حدثنا سفيان، قال: حدثنا عمرو بن دينار، قال: سألنا جابر بن عبد الله، فقال: لا تقربها حتى تطوف بين الصفا والمروة.

(مسند الحميدي، كتاب الحج، باب: أ يقع الرجل بإمرأته قبل أن يسعي، رقم الحديث: ٦٨٤، ٥٤١/١)

(٢) حدثنا أبو بكر قال: حدثنا ابن عيينة عن عمرو قال: سألت جابر بن عبد الله عن رجل اعتمر، فطاف بالبيت، ثم أراد أن يقع على أهله قبل أن يطوف بين الصفا والمروة؟ فقال: لا، حتى يطوف بين الصفا والمروة.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحج، باب: في المعتمر يطوف بالبيت، أيقع على أهله، رقم الحديث: ١٤٩٢٧، ٤٩٣/٥)

(٣) فتح الباري: ٦٤٧/١۔ عمدة القاري: ١٩٥/٤

حدیثِ باب: (دوسری حدیث)

۳۸۸ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثَنا يَحْيَى ، عَنْ سَيْفٍ قَالَ : سَمِعْتُ مُجَاهِدًا[1] قَالَ : أُتِيَ ٱبْنُ عُمَرَ ، فَقِيلَ لَهُ : هٰذَا رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ دَخَلَ ٱلْكَعْبَةَ ، فَقَالَ ٱبْنُ عُمَرَ : فَأَقْبَلْتُ وَٱلنَّبِيُّ ﷺ قَدْ خَرَجَ ، وَأَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ ٱلْبَابَيْنِ ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقُلْتُ : أَصَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِي ٱلْكَعْبَةِ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، رَكْعَتَيْنِ ، بَيْنَ ٱلسَّارِيَتَيْنِ ٱللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَصَلَّى فِي وَجْهِ ٱلْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ .

[٤٥٦ ، ٤٨٢–٤٨٤ ، ١١١٤ ، ١٥٢١ ، ١٥٢٢ ، ٢٨٢٦ ، ٤٠٣٨ ، ٤١٣٩]

---

(١) أخرجه البخاري أيضاً وفي المساجد، باب: الأبواب والغلق للكعبة والمساجد، رقم الحديث: ٤٦٨، وفي سترة المصلي، باب: الصلاة بين السواري في غير جماعة، رقم الحديث: ٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦، وفي التطوع، باب: ما جاء في التطوع مثنى مثنى، رقم الحديث: ١١٦٧، وفي الحج، باب: إغلاق البيت ويصلي في أيّ نواحي البيت شاء، رقم الحديث: ١٥٩٨، وباب: الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ١٥٩٩، وفي الجهاد، باب: الردف على الحمار، رقم الحديث: ٢٩٨٨، وفي المغازي، باب: دخول النبي صلى الله عليه وسلم من أعلى مكة، رقم الحديث: ٤٢٨٩، باب: حجة الوداع، رقم الحديث: ٤٤٠٠

ومسلم في صحيحه، في الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ٣٢٣٠، ٣٢٣١، ٣٢٣٢، ٣٢٣٣، ٣٢٣٤، ٣٢٣٥، ٣٢٣٦

وأبو داؤد في سننه، في المناسك، باب: الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٢٠٢٣

والترمذي في سننه، في الحج، باب ما جاء في الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٨٧٤

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٦٩٣، وفي القبلة، باب: مقدار ذٰلك، رقم الحديث: ٧٥٠، وفي الحج، باب: دخول البيت، رقم الحديث: ٢٩٠٨، ٢٩٠٩، وباب: موضع الصلاة بالبيت، رقم الحديث: ٢٩١٠، ٢٩١١

وابن ماجة في سننه، في المناسك، باب: ٣٠٦٣

وفي جامع الأصول، حرف الحاء، الكتاب الأول: في الحج والعمرة، الباب الرابع: في الطواف والسعي ودخول البيت، الفصل الثالث: في دخول البيت، رقم الحديث: ١٥١٤، ٣/٢٢٥

ترجمہ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی شخص آیا اور بتایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کے اندر تشریف لے گئے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اُدھر پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے، اور (گویا) میں بلال کو (اب بھی) دیکھ رہا ہوں کہ دونوں باب کے درمیان کھڑے ہیں، میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ تو انہوں نے کہا، ہاں! دو رکعت، اُن ستونوں کے درمیان، جو داخلۂ بیت اللہ کے وقت دائیں بائیں جانب ہوتے ہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر آکر دو رکعت کعبہ کے مواجہہ میں پڑھیں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ان کا نام ''عبدالملک بن عبدالعزیز'' ہے۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أب یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم کراهیة أن لا یفهموا، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ یحیی

یہ ''یحی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی'' رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ''ابوسعید'' ہے۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲، ٤/٥٨٨

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب:من الإيمان أب يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔سیف

یہ ''سیف بن سلیمان المخز ومی المکی'' ہیں، ان کی کنیت ''ابوسلیمان المکی'' ہے(۲)۔ان کو''سیف بن ابی سلیمان'' بھی کہا جاتا تھا(۳)۔

ابن معین کہتے ہیں کہ سیف بن سلیمان المکی اور سیف بن ابی سلیمان ایک ہی فرد کے دو نام ہیں (۴)۔

ان کا شمار طبقہ سادسہ میں ہوتا تھا(۵)۔

یہ بنی مخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے(۶)۔

یہ جن مشائخ سے روایت کرتے ہیں ان میں ''مجاہد بن جبر، عبداللہ بن ابی نجیح، قیس بن سعد المکی، عدی بن عدی الکندی، عمرو بن دینار، ابوامیہ عبدالکریم بن ابی المخارق البصری'' وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں (۷)۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ''یحیی بن سعید القطان، ابواسامہ حماد بن اسامہ، زید بن الحباب، سفیان الثوری، معتمر بن سلیمان، عبداللہ ابن المبارک، مسلم بن خالد الزنجی، زید بن الحباب، عبداللہ بن نمیر وغیرہ''، رحمہم اللہ شامل ہیں(۸)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحیی القطان رحمہ اللہ کہتے ہیں: كان عندنا ثقة ممن يصدق ويحفظ(۹).

---

(۱) كشف الباری: ۲/۲

(۲)تهذيب الكمال: ۱۲/۳۲۰

(۳)الجرح والتعديل: ٦/٤٢٥، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٤)تاريخ ابن معين: ٣/٨٤

(٥)موسوعة رجال الكتب التسعة: ٢/١٣٣، تقريب التهذيب: ١/٤٩٨

(٦)التاريخ الكبير للبخاري: ٤/١٧١، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٧)تهذيب الكمال: ١٢/٣٢٠، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٨)تهذيب الكمال: ١٢/٣٢٠، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٩)التاريخ الكبير للبخاري: ٤/١٧١

اسی قول کو ابو حاتم نے علی ابن المدینی سے اس طرح نقل کیا ہے کہ میں نے یحیی بن سعید سے سیف بن سلیمان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: كان عندنا ثبت ممن يصدق ويحفظ(١).

صالح بن احمد کہتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: سيف ثقة

ابو محمد کہتے ہیں کہ میرے والد سے سیف بن سلیمان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: لا بأس به(٢).

عجلی اور ابو بکر البزار رحمہما اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة(٣).

ابو زرعہ الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثبت(٤).

ابن عدی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: حديثه ليس بالكثير، وارجو أنه لا بأس به(٥).

امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثقة ثبت(٦).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے(۷)۔

یحیی ابن معین کہتے تھے کہ سیف بن سلیمان اور زکریا بن اسحاق دونوں ''قدری'' تھے(۸)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن معینؒ کے اس تعنت کے باوجود یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے ان سے روایت نقل کی ہے(۹)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن عدی رحمہ اللہ نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی یہ حدیث نقل کی ہے:

---

(۱) یعنی: ''ثقة'' کی جگہ ''ثبت'' کا لفظ استعمال کیا۔ الجرح والتعديل: ٢٥٤/٤، تهذيب الكمال: ٣٢١/١٢

(٢) الجرح والتعديل: ٢٥٤/٤، تهذيب الكمال: ٣٢١/١٢

(٣) تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٤) تهذيب الكمال: ٣٢٠/١٢، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٥) تهذيب الكمال: ٣٢٢/١٢، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٦) الكاشف: ٤٧٥/١، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٧) الثقات لابن حبان: ١٨٣/١

(٨) تاريخ ابن معين برواية الدوري: ٧٧/٣

(٩) ميزان الاعتدال: ٢/ ٢٥٥، سير أعلام النبلاء: ٣٣٨/٦

عن قيس بن سعد، عن عمرو بن دينار، عن ابن عباس، "أن النبي صلى الله عليه وسلم قضى باليمين مع الشاهد الواحد". (الکامل فی ضعفاء الرجال:۳/۴۳۸) اور عباس نے یحیی ابن معین سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ليس بمحفوظ، وسيف قدري۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو تو عبدالرزاق نے عن محمد بن مسلم الطائفي، عن عمرو کی سند سے روایت کیا ہے اور یہ عن داؤد العطار، عن عمرو کی سند سے بھی روایت کی گئی ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ نے اس پوری بحث کے بعد فرمایا ہے: أرجو أنه لا بأس به(۱).

الساجی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اجمعوا على أنه صدوق ثقة، غير أنه اتهم بالقدر(۲).

ابوعبید الآجری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ثقة، میں نے عرض کیا: يرمى بالقدر تو انہوں نے جواب دیا: أعلمه(۳).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة ثبت، رمي بالقدر(٤).

خلاصہ یہ کہ ان پر کی جانے والی یہ جرح جمہور ائمۃ الرجال کی تعدیل کے مقابلے میں مذموم نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مقدمہ فتح الباری "ہدی الساری" میں ان پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

---

(١)ميزان الاعتدال : ٢/ ٢٥٥، سير أعلام النبلاء: ٦/٣٣٨، ٣٣٩

(٢)تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤، هدي الساري، ص: ٥٧٤

(٣)تهذيب الكمال: ١٢/٣٢١، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٤)تقريب التهذيب: ١/٤٩٨، تحرير تقريب التهذيب: ٢/١٠٠

"قلت: له في البخاري أحاديث، **أحدها** في الأطعمة حديث حذيفة في آنية الذهب بمتابعة الحكم وابن عون وغيرهما عن مجاهد عن ابن أبي ليلى عنه، **ثانيها**: في الحج حديث في القيام على البدن بمتابعة ابن أبي نجيح وغيره عن مجاهد عن ابن أبي ليلى عنه، **ثالثها**: في الحج أيضا حديث كعب بن عجرة في الفدية بمتابعة حميد بن قيس وغير واحد عن مجاهد عن أبي ليلى عنه، **رابعها**: في الصلاة وفي التهجد حديث ابن عمر عن بلال في صلاة النبي صلى الله عليه وسلم أخرجه من حديثه عن مجاهد عنه وله متابع عنده عن نافع وعن سالم معا، وهذه الأحاديظ وقعت للبخاري عالية من حديث مجاهد، فإنه رواها عن أبي نعيم عن سيف هذا عن مجاهد، ولم أر له عنده من أفراده عن مجاهد، ولم أر له عنده من أفراده عن مجاهد غير الرابع، وقد ذكرت أنه أخرج شاهده والله أعلم، وروى له الباقون إلا الترمذي". (هدي الساري مقدمة فتح الباري، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن فيه من الرجال، ص: ٥٧٤)

ان کی عمر کا آخری حصہ بصرہ میں گذرا اور وفات ایک سو چھپن ہجری میں ہوئی (۱)۔
ان کی وفات کے بارے میں دوسرا قول ایک سو اکاون ہجری کا ہے (۲)۔

۴۔مجاہد

یہ "ابوالحجاج مجاہد بن جَبُر مکی قرشی مخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔
ان کے حالات کشف الباری، کتاب العلم، باب: الفهم في الحديث، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۵۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت "عبداللہ بن عمر بن خطاب" رضی اللہ عنہ ہیں۔
ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بني الإسلام علی خمس میں گذر چکے ہیں (۴)۔

شرح حدیث

أتي ابن عمر، فقيل له: هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی شخص آیا اور بتایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کے اندر تشریف لے گئے ہیں۔
"أتي" ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، مجہول کا صیغہ ہے (۵)۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے نام کا علم نہیں ہو سکا، جس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خبر دی تھی (۶)۔

---

(۱) الجرح والتعديل: ٤٢٥/٦، تقريب التهذيب: ٤٩٨/١
(۲) الكاشف: ٤٧٥/١
(۳) کشف الباری: ٣٠٧/٣
(٤) کشف الباری: ٦٣٧/١
(٥) عمدة القاري: ١٩٦/٤، الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري: ٨٢/٢
(٦) فتح الباري: ٦٤٨/١، التوضيح لمبهمات الجامع الصحيح، ص: ٥٢

فأقبلت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اُدھر پہنچا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چونکہ سخت متبع سنت تھے، اس لیے جب اُن کو یہ خبر ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو وہ بھی چلے تا کہ یہ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جا کر کیا کیا اور جو کچھ آپ نے کیا وہ ہی میں کروں گا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے(۱)۔

والنبي صلى الله عليه وسلم قد خرج

اس حال میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے۔

"خرج" کا صلہ "من الكعبة" ہے۔

وأجد بلالا قائما بين البابين

میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کے دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے ہوئے پایا۔

یہاں "أجد" مضارع کا صیغہ ہے، لیکن یہ ماضی "وجدتُ" کے معنی میں ہے۔اور مقصود اس سے حال کی حکایت کرنا ہے یا زمانہ ماضی کی اس صورت کو مستحضر رکھنا ہے(۲)۔

یعنی: ماضی کو استقبال کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا، ماضی کو استقبال کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ واقعہ اس وقت میرے آنکھوں کے سامنے گھوم گیا ہے، جیسے: اس وقت میری آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔

علامہ سیوطی رحمہ فرماتے ہیں:

"بين البابين" سے مراد "بين المصراعين" ہے، اور حموی کی روایت میں تو اس لفظ کی جگہ "بين الناس" کا لفظ ہے(۳)۔

---

(۱)تقرير بخاری شريف: ۱٤٥/۲، الكنز المتواري: ۸٦/٤

(۲)شرح الكرماني: ٥٩/٤، التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٤۸٦/۳، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱٤٠/۳

(۳)التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٤۸٦/۳

یعنی: یہ بات نہیں ہے کہ اس وقت کعبہ کے دو دروازے تھے، یعنی ایک دروازہ داخل ہونے کے لیے اور دوسرا دروازہ نکلنے کے لیے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو دروازوں کے درمیان کھڑے تھے۔ بلکہ دو دروازوں سے مراد ایک دروازے کے دو پٹ ہیں جن کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔(از مرتب)

علامہ برماوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بين البابين" سے مراد "مصراعي الباب" بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ اس وقت کعبہ کا صرف ایک ہی دروازہ تھا اور اس سے مراد دو دروازے بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کعبہ کے دو دروازے تھے، اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دور میں کعبہ کے دو ہی دروازے کروا دیئے تھے۔ اور بعض نسخوں میں البابين کی جگہ الناس کا لفظ بھی ہے"(۱)۔

فسألت بلالا، فقلت: أ صلى النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة؟

قال: نعم، ركعتين، بين الساريتين اللتين على يساره إذا دخلت

تو میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ستونوں کے درمیان جو تمہارے داخل ہوتے وقت بائیں ہاتھ پڑتے ہیں، دو رکعتیں پڑھیں۔

"نعم! ركعتين" سے مراد "نعم! صلى ركعتين" ہے(۲)۔

"الساريتين" سے مراد "الأسطوانتين" ہے، اور "على يساره" سے مراد "يسار الداخل" ہے یا "يسار البيت" ہے، یا پھر اس مقام پر حاضر سے غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے، وگرنہ مقام کے مناسب تو "يسارك" ہونا چاہیے تھا(۳)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کتنی رکعت نماز ادا فرمائی؟

روایت کے اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں تو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ دو رکعتیں پڑھیں۔ جب کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے افسوس سے فرماتے ہیں کہ (افسوس) میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے

(۱) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/۱٤۰، وكذا في شرح الكرماني: ٤/٥۹

(۲) التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ۳/٤۸٦

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/۱٤۰

اندر کتنی رکعات ادا فرمائی؟(۱)

تو اس اشکال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں: اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس وقت صرف یہ سوال کیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت کے اندر کیا کیا؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کر دیا(۲)، جس سے دو رکعت سمجھی گئیں، پھر زبانی طور پر اس کی وضاحت کرانے کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھول گئے ہوں گے، جس کا افسوس کیا کرتے تھے(۳)۔

(۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے "رکعتین" کا جو لفظ ذکر کیا ہے وہ ان کا اپنا کلام ہے حضرت

---

(۱) كما رواه البخاري في صحيح البخاري: حدثنا أبو النعمان، وقتيبة بن سعيد، قالا: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر: "أن النبي صلى الله عليه وسلم قدم مكة فدعا عثمان بن طلحة، ففتح الباب، فدخل النبي صلى الله عليه وسلم وبلالا وأسامة بن زيد وعثمان بن طلحة، ثم أغلق الباب، فلبث فيه ساعة، ثم خرجوا"، قال ابن عمر: فبدرتُ فسألتُ بلالا فقال: صلى فيه، فقلت: في أي؟ قال: بين الأسوانتين، قال: ابن عمر: فذهب عليّ أسأله كم صلى.(كتاب الصلاة، باب: الأبواب والغلق للكعبة والساجد، رقم الحديث: ٤٦٨، دار طوق النجاة)

ورواه أيضا: حدثنا يحيى بن بكير، حدثناالليث، قال يونس: أخبرني نافع، عن عبد الله رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل يوم الفتح من أعلى مكة على راحلته مردفا أسامة بن زياد، ومعه بلال، ومعه عثمان بن طلحة من الحجبة، حتى أناخ في المسجد، فأمره أن يأتي بمفتاح البيت، ففتح، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه أسامة وبلال وعثمان، فمكث فيها نهارا طويلا، ثم خرج، فاستبق الناس، وكان عبد الله بن عمر أول من دخل، فوجد بلالا وراء الباب قائما، فسأله: "أين صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فأشار له إلى المكان الذي صلى فيه"، قال عبد الله: فنسيت أن أسأله كم صلى من سجدة. (كتاب الجهاد والسير، باب الردف على الحمار، رقم الحديث: ٢٩٨٨، دار طوق النجاة)

(٢)حدثنا إسحاق بن يوسف، حدثنا ابن أبي داؤد، عن نافع، عن ابن عمر، قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت وبلال خلفه، قال: وكنت شابا، فسعدت، فاستقبلني بلال، فقلت له: ما صنع رسول الله هاهنا؟ قال: فأشار بيده، أي: صلى ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل، حديث بلال، رقم الحديث: ٢٣٩٢١، ٣٩/٣٤٣، مؤسسة الرسالة)

(٣)عمدة القاري: ٤/١٩٧

بلال رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے، بظاہر انہوں نے نماز کی تحقیقی مقدار پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا یہ قول ذکر کیا، وہ اس طرح کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ جواب تو مل گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، دوسری طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دن میں دو رکعت سے زیادہ پڑھنا منقول نہیں، تو ان مقدمات کا لازمی نتیجہ یہ ہی نکلے گا کہ کعبہ کے اندر آپ علیہ السلام کی نماز کم از کم دو رکعت تو تھی، اسی بناء پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے "رکعتین" کا لفظ کہہ دیا۔

حافظ صاحب رحمہ فرماتے ہیں: پھر مجھے اپنی اس بات کی تائید بھی مل گئی وہ اس طرح کہ عمر بن شبہ نے "کتاب مکہ" میں عبدالعزیز بن ابی رواد کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے: عن نافع، عن ابن عمر: "...... فاستقبلني بلال، فقلت: ما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم هاهنا؟ فأشار بيده، أي: صلى ركعتين، بالسبابة والوسطى"۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول: "نسيت أن أسأله كم صلى" کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے زبان سے نہ یہ سوال کیا اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے زبان سے اس کا جواب دیا، یعنی: دو رکعت نماز کا پڑھنا ان کے اشارے سے سمجھا گیا نہ کہ ان کے کلام کرنے سے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہما کا یہ قول "نسيت أن أسأله كم صلى" اس بات پر محمول ہوگا کہ ان کو اس بات کی تحقیق نہ ہو سکی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا فرمائی یا دو سے زیادہ؟(۱)

علامہ کورانی رحمہ اللہ اس بات کے جواب میں فرماتے ہیں

یہ تو ایسا جواب ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں یہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کعبہ کے اندر) نماز پڑھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں؛ دو ستونوں کے درمیان دو رکعتیں ادا فرمائی۔ تو یہ بات کیسے سوچی جا سکتی ہے کہ یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے، درست جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو بار خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، ایک: فتح مکہ کے موقع پر، اور دوسرے: حجۃ الوداع کے موقع پر۔ (تعددِ دخول یا تعددِ واقعہ کی) دلیل یہ ہے کہ اس مقام میں (یعنی: حجۃ الوداع کے موقع پر دخولِ کعبہ والے واقعہ میں) یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت کی طرف آئے، آپ کو خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ

(۱) فتح الباري: ۱/۶٤۸، شرح الزرقاني على المؤطا للإمام مالك، كتاب الحج، الصلاة في البيت: ۲/۲٤۹

میں داخل ہوئے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر دخول کعبہ والی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور بیت اللہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا، اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو میں نے کعبہ کے دروازے کے پیچھے کھڑے ہوئے دیکھا، جب کہ حجۃ الوداع والے واقعہ میں فرمایا تھا کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے دیکھا تھا۔ تو جو شخص بھی دونوں قسم کی احادیث میں غور وفکر کرلے گا، وہ اس واضح فرق کو خوب اچھی طرح پہچان لے گا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض متأخرین نے ان دونوں متضاد روایتوں کو اس طرح جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کرنا بھول گئے تھے، پھر اگلی ملاقات ہوئی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے یہ سوال بھی کرلیا۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جواب یا احتمال میں دو طریقوں سے نظر ہے ایک یہ کہ یہ قصہ (یعنی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کعبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھنے والا) ایک بار پیش آیا متعدد بار نہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں سوال وجواب کے مقام میں "فا" تعقیبیہ کا استعمال موجود ہے، ملاحظہ ہو پہلی روایت میں "فأقبلتُ، ثم قال: فسألتُ بلالا" ہے اور دوسری روایت میں "فبدرتُ، فسألتُ بلالا" ہے۔ تو "فا" تعقیبیہ کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ سوال ایک ہی بار ایک ہی وقت میں ہوا تھا۔

دوسری بات یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول "ونسیتُ ......إلخ" کو روایت کرنے والے ان کے آزاد کردہ غلام "نافع" ہیں، جو بہت لمبا عرصہ ان کے ساتھ رہے ہیں، لیکن آخری وقت میں یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ ان سے جدا ہو گئے تھے، تو یہ بات عین ممکن ہے کہ اس آخری وقت میں ابن عمر

(۱) الکوثر الجاري إلی ریاض أحادیث البخاري: ۲/۸۲

خلاصہ یہ کہ حدیثِ باب حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، یہ جواب زیادہ قرین قیاس ہے، اس اعتبار سے کہ فتح مکہ پہلے پیش آیا اور حجۃ الوداع بعد میں، چنانچہ یہ بات عین ممکن ہے کہ پہلے پیش آنے والے واقعہ میں وہ یہ نہیں پوچھ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں ادا فرمائیں اور بعد میں پیش آنے والے واقعہ میں انہوں نے دریافت بھی کرلیا اور انہیں جواب بھی مل گیا، فلا تعارض، واللہ اعلم بالصواب۔ (از مرتب)

رضی اللہ عنہما اپنے اس نسیان والے قول پر باقی نہ رہے ہوں، بلکہ انہوں نے دو رکعت کی ادائیگی والے صریح قول کو اختیار کرلیا ہو(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ وجوہِ نظر کو بیان کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ کا نام لیے بغیر فرماتے ہیں کہ مذکورہ وجوہ کو نظر سے تعبیر کرنے میں بھی بہت سے اعتبارات سے نظر ہے:

پہلی بات یہ کہ اس قصے کے متعدد ہونے کا دعوی کرنا بلا دلیل ہے، اس قصے کے متعدد ہونے سے مانع کیا چیز ہے؟ وہ ذکر کی جائے۔

دوسری بات؛ "فـا" تعقیبیہ ہونے سے استدلال کرتے ہوئے تعدد کی نفی کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ "فا" کا استعمال محض تعقیب کے لیے ہی نہیں ہوتا، بلکہ "فا" کا استعمال "ثم" کے معنی میں ہوکر تراخی کے لیے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول ﴿ثم خلقنا النطفة علقة، فخلقنا العلقة مضغة﴾ میں فخلقنا پر داخل ہونے والی "فا" اور اس سے آگے ﴿فخلقنا المضغة﴾ اور اس سے آگے ﴿فكسونا﴾ پر داخل ہونے والی "فـا"، ثم کے معنی میں ہوکر تراخی کے لیے ہے؛ اور اگر اس "فـا" کا تعقیب کے لیے ہونا ہی تسلیم کرلیا جائے تو بھی کسی بھی چیز میں تعقیب کا معنی اس چیز کے اعتبار سے ہی مراد لینا درست ہوتا ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ عربوں کے ہاں یہ کہا جاتا ہے: "تزوج فلان، فولد له" حالانکہ تزویج اور ولادت کے درمیان پورا مدت حمل کا وقت موجود ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: "دخلت البصرة، فبغداد" یہاں بغداد پر فا تعقیب کے لیے ہے، لیکن بصرہ اور بغداد کے درمیان دو شہروں کے درمیان والی مسافت موجود ہے۔ لہذا یہ نظر بھی قابل تسلیم نہیں۔

تیسری بات: یہ کہنا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع کا ان سے جدا ہو جانا اور پھر ان کی آخری لمبی عمر میں از خود یہ احتمال پیدا کر لینا کہ انہوں نے اپنا قول بدل لیا ہوگا، یہ بھی بے بنیاد بات ہے، اس لیے کہ انسان تو ماخوذ ہی نسیان سے ہے، لہذا جب ایسا ہے تو اس احتمال کی بھی کوئی وقعت باقی نہیں رہ جاتی (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/٦٤٨۔ ذخيرة العقبىٰ شرح سنن النسائي، كتاب المساجد، الصلاة في الكعبة: ۸/۵۰۹، ۵۱۰، دار المعراج

(۲) عمدة القاري: ٤/١٩٨

(۳) علامہ ولی الدین العراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میرے والد (علامہ زین الدین العراقی رحمہ اللہ) نے بیان کیا کہ ایک احتمال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ازخود اس بارے میں سوال نہیں کیا تھا بلکہ ان کے پوچھے بغیر ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دے دی تھی''۔ لیکن اس میں بُعد ہے، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس صورت میں وہ اپنے نہ پوچھ سکنے پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرتے (۱)۔

(۴) اسی طرح ایک احتمال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو رکعت پڑھنے کا ذکر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھنے سے قبل ہی کر دیا ہو اور پھر بعد میں ان سے پوچھا ہو، یا پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دو رکعت ادا کرنے کے بارے میں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کے بعد بیان کی ہو۔ لیکن اس میں بھی بُعد ہے اس لیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بعض احادیث جو اس بارے میں ان سے منقول ہیں وہ ان سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سنی گئیں (۲)۔

(۵) ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ پوچھنا بھول گئے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں سے زیادہ ادا فرمائی تھیں یا نہیں (۳)۔

(۶) حضرت مولانا انور علی شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ بعض علماء نے جو لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے زمانہ کے لحاظ سے افضل تھے، وہ شاید ان ہی جیسی وجوہ سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ہر وقت اتباع سنت کی دھن لگی رہتی تھی اور اگر کوئی بات تحقیق سے رہ گئی تو اس کا افسوس کیا کرتے تھے، یہ ان کی عجیب وغریب شان ہی فضیلتِ خاصہ کا موجب تھی اور فرمایا: یہاں جو حضرت ابن

---

(۱) طرح التثریب في شرح التقریب، باب: دخول الکعبة والصلاة فیها، هل کانت هذا الصلاة تحیة الکعبة؟ وهل یستدل بها علی جواز صلاة الفریضة في جوف الکعبة؟ ذکر المذاهب في ذلك: ۱۳۹/۸، دار إحیاء التراث العربي۔ ذخیرة العقبیٰ شرح سنن النسائي، کتاب المساجد، الصلاة في الکعبة: ۵۰۹/۸، ۵۱۰، دار المعراج

(۲) أیضا

(۳) أیضا

عمر رضی اللہ عنہما نے یقین کے ساتھ دو رکعت کا ذکر فرما دیا، وہ اس لیے نہیں تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا تھا، بلکہ اس وجہ سے کہ کم سے کم نماز دو ہی رکعت ہوتی ہے، پس اسی کے قائل ہو گئے (۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں کس جگہ نماز ادا فرمائی؟

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز کس جگہ ادا فرمائی؟ اس بارے میں مختلف قسم کی روایات منقول ہیں (۲)۔

---

(۱) أنوار الباري: ۱۲/۱۹۶، فیض الباري: ۲/۴۲

(۲) **ابوزرعہ ولی الدین، ابن العراقی رحمہ اللہ** "تقریب الأسانید وترتیب المسانید" **کی شرح** "طرح التثریب" **میں ان مختلف روایات اور ان پر تشریحی کلام نقل کرنے کے بعد اپنے والد ابوالفضل زین الدین العراقی رحمہ اللہ کا اخذ کیا ہوا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں، جو کہ خوب جامع و مانع ہے، مقصود تک پہنچنے کے لیے اس کا نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ کیجیے:**

عن ابن عمر "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة............ فقال جعل عمودا عن يساره، وعمودين عن يمينه، وثلاثة أعمدة وراءه، وكان البيت يومئذ على ستة أعمدة، ثم صلى". وفي رواية ابن القاسم عن مالك: "وجعل بينه وبين الجدار نحوا من ثلاثة أذرع"، وفي رواية البخاري: "عمودا عن يمينه وعمودا عن يساره"، وفي رواية لمسلم: "عمودا عن يمينه وعمودين عن يساره"، وله في رواية: "بين العمودين اليمانيين".

قال والدي: "في شرح الترمذي وهي موافقة لكونه مقابل الباب، وفي رواية في الصحيح أيضا "صلى بين العمودين اليمانيين" وإذا تقرر ترجيح الرواية الأولىٰ فلا ينافيها قوله في الرواية الثانية عمودا عن يمينه وعمودا عن يساره لأن معناها صلى بين عمودين وإن كان بجانب أحد العمودين عمود آخر ولا قوله في الرواية الأخيرة بين العمودين اليمانيين فإن العمد الثلاثة أحدها يماني وهو الأقرب إلى الركن اليماني والآخر وهو الأقرب إلى الهجر شامي والأوسط بينهما إن قرن بالأول قيل: اليمانيان وإن قرن بالثاني قيل الشاميان، ذكر المحب الطبري، وهو واضح، وأما الرواية الثالثة: فإنه يتعذر الجمع بينها وبين الأولى، فهي ضعيفة لشذوذها ومخالفتها رواية الأكثرين كما تقدم، والرواية الرابعة: فهي مقطوع بوهمها إذ ليس هناك أربعة أعمدة حتى يكون عن يمينه اثنان وعن يساره اثنان". (طرح التثريب في شرح التقريب، كتاب الحج، باب: دخول الكعبة، والصلاة فيها، حديث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة هو وأسامة بن زيد، فائدة: إثبات صلاته عليه السلام في الكعبة: ۵/۱۳۶)

تقریر بخاری شریف میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نور المرقدہ نے ان روایات کے درمیان بہت بہترین تطبیق دی ہے۔

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مذکورہ حدیث میں ایک جملہ ہے: "الساریتین اللتین علی یسارہ" بعض روایات میں اس کا عکس آیا ہے، یعنی: علی یمینہ، اور بعض روایات میں بین العمودین المقدمین ہے اور بعض میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے تین ستون تھے۔ ان مختلف روایات کی وجہ سے اس جگہ کی تعیین میں اختلاف ہوگیا۔

میرے والد صاحب اعلی اللہ مراتبہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں عام طور سے ستون غیر مرتب ہوتے تھے، ہموار اور بالکل خط مستقیم کے ذریعے سیدھے ایک لائن میں نہیں ہوتے تھے تو اس زمانے کا نقشہ اس قسم کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کھڑے تھے کہ یسار میں بھی دو ستون تھے اور یمین میں بھی دو ستون تھے، اس طور پر آپ کا بین الساریتین ہونا بھی صادق ہوگیا اور یہ کہ آپ کے سامنے بھی دو ستون ہیں کیونکہ تین ہیں ایسے ہی ادھر ادھر مقابلہ میں دو ہیں، انہی کا ذکر کر دیا(۱)۔

ثم خرج، فصلی في وجه الکعبة رکعتین.

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر نکلے، پھر کعبہ کے (دروازے کے) سامنے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

"وجه الکعبة" سے مراد "مواجهة باب الکعبة" ہے۔ یعنی: کعبہ مکرمہ کے دروازے کے سامنے(۲)۔

علامہ برماوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ "وجه الکعبة" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت مقام ابراہیم کے پاس ادا کی گئی، اور وجہ کعبہ سے عموم مراد لینے کا احتمال بھی ہے کہ کعبہ کے دروازے کی جہت میں نماز ادا فرمائی(۳)۔

(۱)تقریر بخاری شریف: ۲/۱٤٤، الکنز المتواري: ٤/ ۸٦، ۸۷

(۲)التوشیح شرح الجامع الصحیح للسیوطي: ۳/٤۸۷،

(۳)ظاهره: عند مقام إبراهیم، وبه تحصل مطابقة الترجمة، ویحتمل جهة الباب عموما. (اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۳/۱٤۰)

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اس "وجه الكعبة" سے تعمیم بھی ہوگئی، اس لیے کہ "وجہ کعبہ" میں جب پڑھی، تو مقامِ ابراہیم پیچھے رہ گیا، تو وہ رکعتین جو مقام (ابراہیمی) کے ساتھ متعلق ہیں، ان کا ایجاب ہی نہ رہا(۱)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت روایت کے آخری جملے: "فصلى في وجه الكعبة" میں ہے، وہ اس طرح کہ "وجه الكعبة" سے مراد کعبہ کے دروازے کی جہت ہے جسے "مقامِ ابراہیم" کہتے ہیں(۲)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام وفوائد

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بہت سارے احکام وفوائد مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا جائز ہے(۳)۔

المغنی میں مذکور ہے کہ جو شخص حج کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ بیت اللہ میں بھی داخل ہو اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرے، جیسا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا؛ اور بیت اللہ میں جوتے اور موزے وغیرہ اتار کر داخل ہو(۴)۔

۲۔ بیت اللہ میں دو رکعت نماز ادا کرنا مستحب ہے(۵)۔

---

(۱)تقریر بخاری شریف: ۱٤٥/۲

(۲)عمدة القاري: ۱۹٥/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱٤۰/۳

(۳)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ۱۸۰/٦، عمدة القاري: ۱۹۷/٤

(٤)المغني لابن قدامة الحنبلي، كتاب الحج، باب: الفدية وجزاء الصيد، مسئلة ما لزم من الدماء، فصل: يستحب لمن حج أن يدكل البيت ويصلي: ٥٦٤/٥

(٥)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ۱۸۰/٦۔ عمدة القاري: ۱۹۸/٤

۳۔ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ دن میں دو رکعت پڑھنا افضل ہے(۱)۔

۴۔ یہ حدیث ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے خلاف اس مسئلہ میں حجت ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ کعبہ میں نماز پڑھنا ہی جائز نہیں ہے، چاہے فرض ہو یا نفل (۲)۔

۵۔ اس حدیث سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عظیم منقبت ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ احکام کے سیکھنے اور ہر جگہ، ہر وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تلاش اور اتباع پر خوب حریص تھے(۳)۔

۶۔ خبر واحد پر عمل کرنے ثبوت بھی ہو رہا ہے(۴)۔

بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے آداب اور متعلقہ مسائل

معلم الحجاج (مؤلفہ: مفتی سعید احمد مظاہریؒ) میں بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے آداب کے بارے میں مفید بحث موجودہ ہے، ذیل میں وہ بعینہ نقل کی جاتی ہے(۵):

مسئلہ نمبر ۱: بیت اللہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے، بشرطیکہ سہولت سے داخل ہونے کا موقع میسر ہو۔ خود تکلیف اٹھا کر یا دوسرے کو تکلیف دے کر داخل ہونے سے بچنا چاہیے، دوسرے کو تکلیف دینا حرام ہے۔ اکثر لوگ شوق میں ایسے بے ہوش ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی تکلیف کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے، ایسا شوق کہ جس سے حرام کا ارتکاب ہو، موجبِ ناراضگیٔ باری تعالیٰ ہے، نہ کہ موجبِ ثواب(۶)۔

مسئلہ نمبر ۲: بیت میں کنجی بردار کو کچھ دے کر داخل ہونا حرام ہے، آج کل عام طور سے دربانِ بیت اللہ

---

(۱)عمدة القاري: ١٩٨/٤

(٢)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦ـ عمدة القاري: ١٩٨/٤

(٣)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦

(٤)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦

(۵)معلم الحجاج، بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے آداب اور متعلقہ مسائل، ص:۱۴۲، گابا سنز، کراچی

(٦)غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص:١٣٨ـ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦، ٥٤٧.

بلا کچھ لیے داخل نہیں ہونے دیتا، یہ دینا اور لینا حرام ہے، کیوں کہ رشوت ہے۔ (دربان داخلے کے وقت رشوت کا نام نہیں لیتے، بلکہ بخشش کہتے ہیں، یہ بھی رشوت ہے، یوں سمجھیں کہ شراب کہنہ در جام نو)، (۱)

مسئلہ نمبر۳: بیت اللہ میں اگر داخل ہونے کا موقع مل جائے تو مستحب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور دعا مانگے اور ننگے پیر داخل ہو۔ پہلے سیدھا پیر رکھے اور نہایت خشوع وخضوع سے داخل ہو، چھت کی طرف نظر نہ اٹھائے اور اِدھر اُدھر بھی نہ دیکھے، یہ بے ادبی ہے اور جس جگہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو اس جگہ نفل پڑھے، یعنی: دروازے سے داخل ہو کر سیدھا چلا جائے، جب مغربی دیوار تین ہاتھ رہ جائے تو اسی جگہ دو یا چار نفل پڑھ کر اپنے رخسار کو دیوار پر رکھے اور خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اور تہلیل وتکبیر اور درود کے بعد دعا مانگے۔ (مسئلہ: کعبہ میں دوستونوں کے درمیان سبز بلاط ''سبز پتھر کا فرش'' عوام اس کو مصلیٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے)، (۲)۔

مسئلہ: کعبہ کے ہر ستون کے نزدیک بھی دعا مانگے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ كما رواه الإمام أحمد في المسند ۔ البتہ ستون سے معانقہ ثابت نہیں، امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: کعبہ کے ستونوں کا معانقہ نہ کیا جائے، چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو میں نے نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں کا معانقہ کیا ہو، كذا ذكر العز بن جماعة (۳).

مسئلہ نمبر۴: حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے، اگر کسی شخص کو بیت اللہ میں داخل ہونے کا موقع نہ ملے تو حطیم میں داخل ہو جائے (۴)۔

مسئلہ نمبر۵: وسطِ کعبہ میں ایک میخ ہے، اس کو عوام "سرّة الدنيا" (دنیا کی ناف) کہتے ہیں اور اس پر

---

(۱) غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص: ۱۳۸، ۱۳۹۔ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦، ٥٤٧.

(۲) غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص: ۱۳۸، ۱۳۹۔ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦، ٥٤٧.

(۳) غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص: ۱۳۹۔ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦

(٤) مجمع الزوائد، كتاب الحج، باب الحجر من البيت: ٤/٤١٤، ٤٧٥

اپنی ناف رکھتے ہیں یا سامنے کی دیوار میں ایک کڑہ ہے، اس کو "عروة الوثقیٰ" کہتے ہیں، یہ سب عوام کی خود ساختہ باتیں ہیں، ایسا ہرگز نہ کرے(۱)۔

مسئلہ: کعبہ کے اندر تنہا یا جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہے اور وہاں یہ شرط بھی نہیں کہ امام اور مقتدیوں کا منہ ایک ہی طرف ہو، کیونکہ وہاں ہر طرف قبلہ ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو، اگر کوئی مقتدی امام کی طرف کو منہ کر کے پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی، مگر اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس صورت میں مقتدی کو امام آگے نہ کیا جائے، آگے ہونے کی صورت یہ ہے کہ مقتدی اور امام دونوں کا منہ ایک ہی طرف ہو اور مقتدی آگے ہو اس صورت میں مقتدی کی نماز نہیں ہوگی (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (تیسری حدیث)

۳۸۹ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ : حَدَّثنا عبْدُ ٱلرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ(۳) قَالَ : لمَّا دَخَلَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلْبَيْتَ ، دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا ، وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ ، فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ ٱلْكَعْبَةِ ، وَقَالَ : (هٰذِهِ ٱلْقِبْلَةُ) .

---

(۱)الدر المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ۶۲۴/۲۔ غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص: ۱۳۹

(۲)الفتاوى العالمگيرية، كتاب الصلاة، ومما يتصل بذٰلك الصلاة في الكعبة: ۶۵/۱۔ الفتاوى التاترخانية، كتاب الصلاة، الفرائض: ۴۲۶/۱

(۳)أخرجه البخاري أيضا في الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ۱۶۰۱ ، وفي المغازي، باب: أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح، رقم الحديث: ۴۲۸۸ .

ومسلم في الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج، رقم الحديث: ۱۳۳۱

والنسائي في الحج، باب: التكبير في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ۲۹۱۶، وفي باب: موضع الصلاة من الكعبة، رقم الحديث: ۲۹۲۰

وفي جامع الأصول، حرف الحاء، الكتاب الأول: في الحج والعمرة، الباب الرابع: في الطواف والسعي ودخول البيت، الفصل الثالث: في دخول البيت، رقم الحديث: ۱۵۱۳، ۲۲۵/۳

ترجمہ حدیث

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام گوشوں میں دعا کی اور باہر تشریف لانے تک نماز نہیں پڑھی، پھر جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت کعبہ کے سامنے پڑھیں اور فرمایا: یہی قبلہ ہے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔اسحاق بن نصر

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر ان سے حدیث روایت کی ہے، تو امام صاحبؒ کبھی ان کا نام ''اسحاق بن ابراہیم بن سعد'' ذکر کرتے ہیں اور کبھی ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف کرتے ہوئے ''اسحاق بن نصر'' کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في خلوة، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔عبدالرزاق

یہ ''ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی یمانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ ابن جریج

ان کا پورا نام ''عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج'' ہے۔

---

(۱) کشف الباري، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في خلوة.

(۲) کشف الباری: ۴۲۱/۲

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: غسل الحائض رأس زوجها وترجيله ، میں گذر چکے ہیں(١)۔

۴۔عطاء

یہ ''ابومحمد عطاء بن ابی رباح مکی قرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:عظة الإمام النساء وتعليمهن ، کے تحت گذر چکے ہیں (٢)۔

۵۔ابن عباس

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن عباس'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی چوتھی حدیث کے تحت، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:كفران العشير، وكفر دون كفر ، کے تحت گذر چکے ہیں (٣)۔

شرح حدیث

عن عطاء قال: سمعت ابن عباس قال: دخل النبي صلى الله عليه وسلم البيت، دعا في نواحيه كلها

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام گوشوں میں دعا کی۔

''نواحيه'' جمع ہے ''ناحية'' کی اور مراد اس سے جہت ہے(۴)۔

ولم يصل حتى خرج منه، فلما خرج ركع ركعتين في قبل الكعبة

اور باہر تشریف لانے تک نماز نہیں پڑھی، پھر جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت کعبہ کے سامنے پڑھیں۔

---

(١) كشف الباری، كتاب الحيض، غسل الحائض رأس زوجهاوترجيله،ص: ٢٠٤

(٢) كشف الباری: ٣٩/٤

(٣) كشف الباری: ٤٣٥/١، ٢٠٥/٢

(٤) عمدة القاري: ١٩٩/٤

"ركع ركعتين" سے مراد "صلی رکعتین" ہے، جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے(۱)۔

"في قُبُل الكعبة" میں "قُبُل" قاف اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے اور مراد اس سے کسی چیز کے مقابل ہونا ہے۔ یعنی: کعبہ مکرمہ کے دروازے کے سامنے، مقامِ ابراہیمی کے پاس (۲)۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد وجہ کعبہ ہے، یعنی: بیت اللہ کے دروازے کے پاس، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ماقبل والی حدیث مبارکہ میں گزرا (۳)۔

وقال: هٰذه القبلة.

اور ارشاد فرمایا: یہی قبلہ ہے۔

''هٰذه''اسم اشارہ ہے اور مشار الیہ ''کعبہ'' ہے(۴)۔

"هٰذه القبلة" کہنے کا مطلب ومقصد

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کے ذریعے گویا کہ یہ ارادہ فرمایا کہ قبلہ کا معاملہ اس بیت اللہ پر قرار پکڑ چکا ہے، اب اس کے علاوہ کسی اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا نہ کی جائے، یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اس سے قبل بیت المقدس کی طرف بھی منہ کر کے نماز ادا کر لی جاتی تھی، پھر بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو گیا اور قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا، گویا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ آج کے بعد تمہارا قبلہ تبدیل نہیں ہوگا، چنانچہ تم ہمیشہ کعبہ کی جانب ہی رخ کر کے نماز ادا کیا کرو، یہی تمہارا قبلہ ہے۔

اس جملہ کے مطلب میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ

---

(١)شرح الكرماني: ٤/٦٠، اللامع الصبيح: ١٤١/٣، عمدة القاري: ١٩٩/٤

(٢)التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح: ١٥٠/١۔ مصابيح الجامع: ١١٣/٢۔ اللامع الصبيح: ١٤١/٣۔ عمدة القاري: ١٩٩/٤۔ حاشية السندي على سنن النسائي، كتاب المناسك، رقم الحديث: ٢٩٠٨، ٢٣٦/٥، دار المعرفة.

فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١١٩/٢

(٤)عمدة القاري: ١٩٨/٤، الكوثر الجاري: ٨٨/٢

عنہم کو ان کے امام کے کھڑے ہونے کی مسنون جگہ بتلائی کہ امام مواجہہ بیت میں کھڑا ہو، نہ کہ بیت اللہ کے کونوں اور بقیہ تین اطراف میں سے کسی ایک طرف، اگرچہ بیت اللہ کے اطراف میں سے کسی ایک طرف میں بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھانا جائز ہے۔

اس جملہ کے مطلب میں تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے صرف ان لوگوں کا حکم بتلایا جو بیت اللہ کا مشاہدہ ومعائنہ کر رہے ہوں کہ ان کے لیے مواجہہ بیت عیاناً ضروری ہے، اپنی اجتہادی رائے سے کام نہیں لے سکتے''(۱)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک اور احتمال ذکر فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مسجد حرام جس کے استقبال کا تم کو حکم دیا گیا ہے یہی قبلہ ہے، نہ کہ کُل حرم، اور نہ مکہ، اور نہ ہی ہر وہ مسجد جو کعبہ کے اردگرد ہو، بلکہ کعبہ فقط یہی ہے(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر نماز ادا فرمائی یا نہیں؟

اسی باب کی مذکورہ حدیث سے قبل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گزرا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی (۳)۔

---

(۲)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ۸۳/۹.

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وزعم غيره أن مراده: أن القبلة هي الكعبة نفسها، لا المسجد ولا الحرم، وهٰذا قاله بعض من يرى أن الواجب على البعيد الاستقبال على العين". (فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱۲۰/۲)

وقال السندي رحمه الله: "الإشارة إلى الكعبة المشرفة، أو جهتها، وعلى الثاني الحصر واضح، وعلى الأول باعتبار من كان داخل المسجد، أو من كان بمكة".(حاشية السندي على سنن النسائي، كتاب المناسك، رقم الحديث: ۲۹۰۸، ۲۳٦/۵، دار المعرفة)

(۳)حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن سيف قال: سمعت مجاهداً قال: أتي ابن عمر، فقيل له: هٰذا رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة، فقال ابن عمر: فأقبلت والنبي صلى الله عليه وسلم قد خرج، وأجد بلالاً قائماً بين البابين، فسألت بلالاً فقلت: أ صلى النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة؟ قال: نعم، ركعتين، بين السارتين اللتين على يساره إذا دخلت، ثم خرج، فصلى في وجه الكعبة ركعتين.(صحيح البخاري: رقم الحديث: ۳۹۷)

جب کہ مذکورہ حدیث مبارکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر دعا تو مانگی لیکن نماز ادا نہیں فرمائی۔

احادیثِ متعارضہ میں تطبیق

احادیث کے اس تعارض کو تطبیق وتوفیق اور ترجیح کے راستے سے دور کیا گیا ہے، تطبیق دینے والے حضرات میں امام زرقانی رحمہ اللہ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

(۱) مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بارے میں احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہوں گے، ایک بار کے دخول میں نماز پڑھی اور دوسری بار کے دخول میں نماز نہیں پڑھی''۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک دونوں قسم کی احادیث جمع کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان دونوں خبروں کو دو مختلف مواقع میں پیش آنا قرار دیا جائے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز ادا فرمائی، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کعبہ میں نماز ادا کرنے کی نفی فرمائی ہے وہ حجۃ الوداع کے موقع پر کعبہ میں داخل ہونے کے موقع کی ہے؛ اور انہوں نے اس کی نسبت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے، لہٰذا تعارض باطل ہوگیا'' (۱)۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے اس تاویل پر اعتراض کیا ہے کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے، نہ کہ حجۃ الوداع کے دن۔ اور اس بات کی شہادت وہ حدیث ہے جو الأزرقي رحمہ اللہ نے اپنی ''کتابِ مکہ'' (اصل نام ''اخبارِ مکہ'' ہے) میں ذکر کی ہے: ''حضرت سفیان نے بہت سے اہلِ علم سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال بیت

---

(۱) قال المهلب: "يحتمل أنه دخل البيت مرتين، صلى في إحداهما، ولم يصل في الأخرى"..................

وقال ابن حبان: "الأشبه عندي في الجمع أن يجعل الخبران في وقتين، فلما دخل الكعبة في الفتح، صلى فيها على ما رواه ابن عمر عن بلال......إلخ ونفى ابن عباس الصلاة فيها في حجة الوداع، لأنه نفاها وأسنده إلى أسامة، وابن عمر أثبتها، وأسنده إلى بلال وإلى أسامة أيضا، فبطل التعارض، وهذا جمع حسن". (شرح الزرقاني على المؤطا للإمام مالك، كتاب الحج، الصلاة في البيت: ٢٤٧/٤)

اللہ میں صرف ایک بار داخل ہوئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو بیت اللہ میں داخل نہیں ہوئے"۔(۱)
تو جب معاملہ اسی طرح ہے تو یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال دو مرتبہ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہوں؛ اور ابن عیینہ کی حدیث میں جس وحدۃ کا ذکر ہے اس سے مراد وحدتِ سفر ہو نہ کہ وحدت دخول؛ اس حال میں کہ دارقطنی کی ایک ضعیف حدیث سے بھی اس جمع کی تقویت ہوتی ہے، واللہ اعلم۔(۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کعبہ کے اندر داخل ہونے اور وہاں نماز ادا کرنے کے بارے میں جو کچھ احادیث میں مذکور ہے، وہ (دخولِ کعبہ) فتح مکہ کے موقع پر تھا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور وہ دن حجۃ الوداع کا دن نہیں تھا(۳)۔

(۲) بعض وہ حضرات جو بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، انہوں نے ان دونوں متعارض روایات کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ جس حدیث میں نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے، اس میں صلاۃ سے مراد لغوی صلاۃ (یعنی: دعا وغیرہ) مراد ہے اور جن احادیث میں نماز نہ پڑھنے کا ذکر ہے، ان میں نماز سے مراد نمازِ شرعی ہے۔

لیکن اس توجیح کو اس بات سے رد کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں نماز کے اثبات کا ذکر ہے ان میں تعداد رکعات کا بھی ذکر ہے، اس صورت میں صلاۃ سے مراد صلاۃ لغوی مراد لینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟!

(۳) امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مالکیہ کے مذہب کے مطابق ان دونوں متعارض احادیث کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول: "أنه صلى فيها" سے نفل نماز مراد لی جائے اور

---

(۱) قال: حدثنا أبو الوليد، قال: وحدثني جدي، قال: سمعت سفيان يقول: سمعت غير واحد من أهل العلم يذكرون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما دخل الكعبة مرّة واحدة عام الفتح، ثم حج، فلم يدخلها. (أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار للأزرقي، الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٣٣٤، مكتبة الأسدي)

(٢) نيل الأوطار، باب صلاة التطوع في الكعبة، رقم الحديث: ٦١٩، ١٦٤/٢

شرح الزرقاني على المؤطا للإمام مالك، كتاب الحج، الصلاة في البيت: ٢٤٧/٤

كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ٣٧/٧

(٣)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الحج، استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ٣٨٩، ٨٢/٩

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے قول: "إنه لم يصل" سے فرض نماز مراد لی جائے"(۱)۔

علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ (علامہ کشمیری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ یہ بات ممکن ہے کہ اثبات اور نافی دونوں روایتوں تعددِ واقعہ پر محمول کرتے ہوئے توفیق وتطبیق دی جائے، لیکن محدثین کرام اس کی طرف مائل نہیں ہوئے، بلکہ ان حضرات کا میلان ترجیح کی طرف ہوا ہے(۲)۔

اس پر علامہ بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی بات اپنی جگہ لیکن) راقم کہتا ہے کہ (تطبیق والا راستہ اختیار کرتے ہوئے محدثین میں سے) علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے............(۳)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اثبات اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی نفی کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ جب یہ تمام حضرات بیت اللہ میں داخل ہوئے تو دعاء میں مشغول ہوگئے، تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا میں مشغول دیکھا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ایک کونے میں بیٹھ کر دعا میں مشغول ہو گئے اس حال میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کونے میں تھے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع فرمائی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دور ہونے کی وجہ سے اور اپنے دعا میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکے، یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ بیت اللہ کا دروازہ بند تھا اور کعبہ کے اندر کئی ستون بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گمان کی وجہ سے نفی کر دی (۴)۔

احادیثِ متعارضہ میں ترجیح

دوسرے بعض حضرات نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق کے بجائے ترجیح کا راستہ اختیار کیا۔

(۱)"ويمكن أن يجمع بين حديث أسامة وبلال على مقتضى مذهب مالك، فيقال: إن قول بلال: "أنه صلى فيها" يعني به: "التطوع". وقول أسامة: "إنه لم يصل فيها"، يعني به: "الفرض". (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الحج، باب: ما جاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم الكعبة: ٤٣١/٣)

(۲)معارف السنن، باب: الصلاة في الكعبه: ١٧٣/٦، فيض الباري: ٤٢/٢

(۳)معارف السنن، باب: الصلاة في الكعبه: ١٧٣/٦، ١٧٤

(٤)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الحج، استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ٣٨٩، ٨٢/٩

چنانچہ! علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بہرحال ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يصل في الكعبة"، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے، اس حال میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے کر بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور مُثبِت کا قول نافِي کے قول سے افضل ہوتا ہے''(۱)۔

محبّ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کسی حاجت کی وجہ سے بیت اللہ سے نکل گئے ہوں گے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر مطلع نہ ہو سکے''(۲)۔

اس پر شاہد وہ روایت ہے جو ابوداؤد الطیالسی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہوا، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصاویر بنی ہوئی دیکھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ڈول منگوایا، میں جا کر لے آیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کے ذریعے ان تصاویر کو مٹا دیا(۳)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بہت جلد واپس لوٹ آنے کی وجہ

---

(۱) أعلام الحديث للخطابي: ۳۸۱/۱

(۲) فتح الباري، كتاب الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ۱۶۰۱، ۴۶۹/۳

(۳) حدثنا أبو داؤد، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن عبد الرحمن ابن مهران، قال: حدثني عمير مولى ابن عباس، عن أسامة بن زيد، قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكعبة، ورأى صورا، قال: فدعا بدلو من ماء، فأتيته به، فجعل يمحوها، ويقول: "قاتل الله قوما يصورون ما لا يخلقون". (مسند أبي داؤد الطيالسي، مسند أسامة بن زيد، رقم الحديث: ۶۵۷، ۱۷/۲)

واضح رہے کہ مذکورہ جواب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں درست ہو جائے گا، لیکن حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کا جواب یہ نہیں بن سکتا، کیوں کہ جس حدیث میں ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بھی کعبہ میں داخل ہوئے، اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی کسی کام کے سلسلے میں باہر بھیجا ہو، بلکہ بظاہر وہ تو اندر ہی رہے ہوں گے، تو ان کے بارے میں وہی جواب دیا جائے گا جو اوپر متن میں امام نووی رحمہ اللہ کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے۔

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز نہ پڑھنے پر قیاس کیا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عمر بن شبہ نے اپنی کتاب ''کتاب مکۃ'' میں علی بن بذیمہ رحمہ اللہ کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے؛ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیت اللہ کے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گئے، پھر جب یہ حضرات بیت اللہ سے نکلے تو انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو احتباء کے ساتھ بیٹھے ہوئے پایا، (یعنی: وہ اپنی سرین پر اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے گھٹنے کھڑے کیے ہوئے تھے اور اپنی کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھا ہوا تھا) إلخ، پس عین ممکن ہے کہ احتباء کی حالت میں انہوں نے آرام کرنا چاہا، پھر ان کو اونگھ آ گئی، تو اس وجہ سے وہ آپ علیہ السلام کے نماز پڑھنے کو نہ دیکھ سکے، چنانچہ جب ان سے کعبہ کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے نفی فرمادی، تاہم اس تمام قصے میں انہوں نے اپنی رؤیت کی نفی کی ہے نہ کہ نفس الامر کی''(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از خود بیت اللہ میں داخل نہیں ہوئے تھے(۳) کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ادا نہ کرنے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر دعا تو مانگی لیکن نماز ادا نہیں فرمائی''۔ بلکہ وہ اس نفی کی نسبت کبھی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی

---

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الحج، باب: ما جاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم الكعبة: ٤٣١/٣

(۲)فتح الباري، كتاب الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ١٦٠١، ٤٦٩/٣

(۳)اس لیے کہ بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف تین کا ذکر ملتا ہے، اُن میں حضرت ابن عباس نہیں ہیں، بلکہ حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم، ملاحظہ ہو: عن ابن شهاب، عن سالم، عن أبيه أنه قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت هو وأسامة بن زيد، وبلال، وعثمان بن طلحة، فأغلقوا عليهم ......إلخ. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب: إغلاق البيت، ويصلي في أي نواحي البيت شاء، رقم الحديث: ١٥٩٨)

طرف منسوب کرتے ہیں (۱) اور کبھی اپنے بھائی "فضل بن عباس" کی طرف، (۲) باوجود اس کے کہ ان کے بھائی "فضل بن عباس" کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونا ایک شاذ روایت کے علاوہ کہیں نہیں ملتا، اس کے علاوہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی نسبت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنے کی نفی کرنا مذکور ہے، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں نماز ادا کرنا بھی مذکور ہے، (۳) اس لیے نماز کی نفی کے بارے میں احادیث مختلف ہوگئی، جب کہ نماز کے اثبات سے متعلق احادیث میں اختلاف نہیں ہے، اس لیے مثبت کو نافی پر ترجیح دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر نماز ادا فرمائی ہے۔ (۴)

بیت اللہ میں نماز کے جواز یا عدمِ جواز کا حکم

ایک مسئلہ حدیثِ باب کے تحت یہ بھی آتا ہے کہ بیت اللہ میں نماز ادا کرنا: فرض ہو یا نفل؛ جائز ہے

(۱) حدثنا إسحاق بن إبراهيم وعبد بن حميد جميعا عن ابن بكر قال عبد: أخبرنا محمد بن بكر أخبرنا ابن جريج قال: قلت لعطاء: أسمعت ابن عباس يقول: إنما أمرتم بالطواف، ولم تؤمروا بدخوله؟ قال: لم يكن ينهى عن دخوله، ولكني سمعته يقول: أخبرني أسامة بن زيد أن النبي صلى الله عليه وسلم لما دخل البيت، دعا في نواحيه كلها، ولم يصل فيه حتى خرج ....إلخ. (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره والصلاة فيها والدعاء في نواحيها كلها، رقم الحديث: ١٣٣٠)

(٢) حدثنا يونس بن محمد، حدثنا حماد بن سلمة، عن عمرو بن دينار عن ابن عباس عن الفضل بن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قام في الكعبة، فسبح، وكبر، ودعا الله عزوجل، واستغفر، ولم يركع، ولم يسجد. (مسند أحمد، رقم الحديث: ١٧٩٥، ٣/٣١٣)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث مسند احمد میں ہی ایک اور طریق (حدثنا أبو كامل، حدثنا حماد -يعني: ابن سلمة- عن عمرو بن دينار عن ابن عباس عن الفضل بن عباس: ......إلخ) سے بھی مروی ہے، ملاحظہ ہو: (مسند أحمد، رقم الحديث: ١٨٣٠، ٣/٣٣١)

(٣) حدثنا أبو قطن، حدثنا المسعودي، عن أبي جعفر عن أسامة: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى في الكعبة". (مسند أحمد، رقم الحديث: ٢١٧٩٧، ٣٦/١٣٠)

(٤) فتح الباري، كتاب الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ١٦٠١، ٣/٤٦٩

یا ناجائز؟

تو اس مسئلہ میں جمہور علماء کرام (۱) کے نزدیک کعبہ کے اندر نماز پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

جبکہ امام مالک کے نزدیک فرض نماز بیت اللہ کے اندر پڑھنا بہت زیادہ سخت مکروہ ہے اور وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے، نفل اگر غیر مؤکدہ ہوں تو بیت اللہ کے اندر پڑھنا مستحب ہیں اور اگر مؤکدہ ہوں تو مکروہ ہیں، مگر اعادہ کی ضرورت نہیں (۲)۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک کعبہ میں نفل پڑھنا تو جائز ہے، لیکن فرائض پڑھنا جائز نہیں ہے، صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بیت اللہ کے اندر کسی دیوار کے ساتھ اس طرح متصل ہو کر پڑھے کہ اس کے پیچھے کچھ حصہ نہ رہے (۳)۔

---

(۱) جمہور علماء سے مراد احناف اور شوافع ہیں، ملاحظہ ہو:

عند الأحناف: فتح القدير، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ١٦٠/١، دار الكتب العلمية.

التنوير مع الدر، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة، ص: ١٢٥، دار الكتب العلمية.

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ١٣٥/٢

البتہ: شوافع کے نزدیک اگر بیت اللہ کا دروازہ کھلا ہوا ہو تو اندر اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز درست نہ ہوگی۔

عند الشوافع: الحاوي في فقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة، فصل في الخشوع: ٢٠٦/٢

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة: ١٩٦/٣

الحاوي الكبير للماوردي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة وعدد سجود القرآن: ٢٠٦/٢.

(٢) مواهب الجليل لشرح مختصر خليل، كتاب الصلاة، فصل في استقبال القبلة: ٢٠٠/٢

الذخيرة للقرافي، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الشرط الخامس: استقبال القبلة: ١١٢/٢.

الاستذكار لابن عبد البر، كتاب الحج، باب: الصلاة في البيت وقصر الصلاة: ١٢٢/١٣-١٢٧

(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق کعبہ میں اور کعبہ کی چھت پر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ نفل نماز پڑھنا جائز ہے، ملاحظہ ہو:

المقنع، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسة، رقم المسئلة: ٣٤٣، ولا تصح الفريضة في الكعبة ولا على ظهرها: ٣١٣/٣. =

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والعمل عليه عند أكثر أهل العلم لا يرون بالصلاة بأسا، وقال مالك بن أنس: لا بأس بالصلاة النافلة في الكعبة، وكره أن يصلى المكتوبة في الكعبة". (۱)

صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ کا ایک سہو

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ سے اس مقام پر نقلِ مذاہب میں سہو ہو گیا ہے، انہوں نے کعبہ کے اندر نماز کے جائز نہ ہونے کو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، (۲) حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ کعبہ میں نماز کے جواز کے قائل ہیں، اس کی تصریح علامہ ابن ہمام، (۳) علامہ عینی (۴) وغیرہ (۵) رحمہم اللہ نے کی ہے۔

= الشرح الكبير، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسة، رقم المسئلة: ۳۴۳، ولا تصح الفريضة في الكعبة ولا على ظهرها: ۳/۳۱۳.

المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب: اجتناب النجاسات: ۳/۳۵۱

اور ایک قول میں امام احمد رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ کعبہ کے اندر فرض ہو یا نفل؛ دونوں طرح کی نماز جائز ہے، ملاحظہ ہو:

علامہ مرداوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وعنه: تصح، واختارها الآجري وصاحب الفائق".
(الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسة، رقم المسئلة: ۳۴۳، ولا تصح الفريضة في الكعبة ولا على ظهرها: ۳/۳۱۳)

(۱) سنن الترمذي، أبواب الحج، باب ما جاء في الصلاة في الكعبة، تحت رقم الحديث: ۸۷۴

(۲) "الصلاة في الكعبة جائزة فرضها ونفلها خلافا للشافعي فيهما". (الهداية، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ۱/۴۳۵، مكتبة البشرىٰ)

(۳) "خلافا للشافعي" سهو، فإن الشافعي رحمه الله يرى جواز الصلاة فيها". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ۱/۱۶۰، دارالكتب العلمية)

(۴) وقول المصنف: (خلافا للشافعي) ش: أي: في الفرض والنفل ليس كما ينبغي. قال: السغناقي: كأن هٰذا اللفظ وقع سهوا من الكاتب، فإن الشافعي يرى جواز الصلاة في الكعبة فرضها ونفلها، كذا أورده أصحابه في كتبهم عن "الوجيز" و"الخلاصة" و"الذخيرة" وغيرهما، ولم يرد أحد من علمائنا أيضا هٰذا الخلاف فيما عندي من الكتب "كالمبسوط" و"الأسرار" و"الإيضاح" و"المحيط" و"شروح الجامع =

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے جملہ "قُبُل الکعبة" میں ہے، کہ اس سے مراد مقامِ ابراہیم ہے، جو بیت اللہ کے دروازے کے قریب ہے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

٤ – باب : اَلتَّوَجُّهِ نَحْوَ اَلْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ نمازی جہاں کہیں بھی ہو، نماز میں اپنا رُخ قبلہ کی جانب کرے۔

"نحو القبلة" سے مراد جهة القبلة اور ناحية القبلة ہے۔ اور حيث كان میں كان تامہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے قول ﴿وحيث ما كنتم﴾ [البقرۃ:۱۴۴] میں كان تامہ ہے۔ اس کا فاعل "شخص" ہوگا، چنانچہ حيث كان کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی شخص جس جگہ بھی، سفر میں ہو یا حضر میں، اس پر نماز فرض میں قبلہ کی طرف رخ کرنا لازم ہے(۲)۔

= الصغير" وغيرها ماخلا أنه يشترط السترة المتصلة بالأرض اتصال قرار إذا كان المصلي في عرصة الكعبة كالحجر والشجر. (البناية، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ۲۸۱/۳، دارالكتب العلمية)

(۵) یہاں صاحب النہایہ نے صاحب ہدایہ کے اس نقلِ مذہب کی تاویل کرتے ہوئے ایک جواب ذکر کیا ہے، کہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کی مراد یہ ہوسکتی ہے، کہ جب کوئی شخص بیت اللہ کے اندر اس کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے اس طرح کھڑا ہوکر نماز پڑھے کہ اس کے سامنے کوئی سترہ وغیرہ نہ ہو تو شوافع کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ تاویل اس سے بہتر کہ صاحب ہدایہ کے کلام کو سہو پر محمول کیا جائے، اگرچہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کا ظاہرِ کلام اس تاویل کی نفی کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو: وقال صاحب النهاية: .... وأجيب بأن مراده ما إذا توجه إلى الباب وهو مفتوح، وليست العتبة مرتفعة قدر مؤخرة الرحل، وهو خير من الحمل على السهو إلا أن إطلاق الكلام ينافيه. (النهاية، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ۱۶۰/۱، دارالكتب العلمية)

....

(۱) عمدة القاري: ۱۹۹/٤، مصابيح الجامع: ۱۱۳/۲

(۲) اللامع الصبيح: ۱٤۲/۳۔ ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ۲۸۰/۵۔ التوشيح: ٤۸۸/۲

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں نمازِ فرض کے لیے جہتِ قبلہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت وفرضیت بتلائی ہے، خواہ نمازی سفر میں ہو یا حضر میں (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''شراح کی رائے "حیث کان" میں یہ ہے کہ سفر وحضر جہاں کہیں بھی ہو تو توجہ الی القبلہ کرے؛ اور چونکہ ﴿فاینما تولوا فثم وجه الله﴾ سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ سفر کے اندر استقبال قبلہ شرط نہیں، بلکہ جس طرح بھی بن پڑے پڑھ لے وہی قبلہ ہے، کیونکہ آیت سفر کے اندر ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کو دور فرما کر بتلا دیا کہ نہیں مسافر کو بھی توجہ کرنی ہوگی۔

اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ جہاں بھی قبلہ کی قبلیت متحقق ہو جائے پس متوجہ ہو جائے، خواہ ابتداء صلوٰۃ ہو یا وسط صلوٰۃ ہو یا آخر صلوٰۃ ہو، خواہ مسافر ہو یا مقیم؛ سب کو یہ حکم عام ہے، جیسا کہ مسئلۂ تحری میں ہے کہ جب بھی جس طرف بھی تحری ہو اس طرف کو رُخ کرلے (۲)۔

تعلیق

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (ٱسْتَقْبِلِ ٱلْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ) . [ر : ٥٨٩٧]

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٠

(۲) تقریر بخاری شریف: ۲/ ۱۴۴

نیز! تقریر بخاری شریف کے حاشیہ میں مذکور ہے: وفيه حيث توجهت به، یعنی: نوافل میں باتفاق علماء جس طرف ناقہ چل رہی ہو، اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے، لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لیے اپنی ناقہ کو قبلہ کی طرف کرلے اور پھر جب نماز شروع کردے تو جس طرف رُخ ہو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ جمہور کے خلاف ہے کیونکہ بعض مرتبہ جب اس کو اپنی طرف موڑے گا تکبیر تحریمہ کے بعد، تو ہوسکتا ہے کہ وہ بدک جائے اور پھر عمل کثیر کی ضرورت پیش آئے۔ (تقریر بخاری شریف: ۲/ ۱۴۵)

فرمایا: اپنا منہ قبلہ کی طرف کرو اور (نماز شروع کرنے کے لیے) تکبیر تحریمہ کہو۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلاۃ کو ارشاد فرمائی، امام بخاری رحمہ نے اس تعلیق کو مکمل مسنداً انہی الفاظ سے کتاب الاستیذان میں ذکر کیا ہے(۱)۔

ملاحظہ ہو:

حدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الله بن نمير، حدثنا عبيد الله، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رجلا دخل المسجد، ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلى، ثم جاء، فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "وعليك السلام، ارجع، فصل، فإنك لم يصل"، فرجع، فصلى، ثم جاء، فسلم، فقال: "وعليك السلام، فارجع، فصل، فإنك لم تصل"، فقال في الثانية، أو في التي بعدها: علمني يا رسول الله، فقال: "إذا قمت إلى الصلاة، فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة، فكبر، ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تستوي قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها"(۲).

تعلیق کا مقصد

تعلیق سے مقصود ترجمۃ الباب کا اثبات ہے کہ مذکورہ حدیث میں بھی حالت نماز میں استقبال قبلہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

(۱)فتح الباري: ۱/۶۵۰

(۲)صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب: من رد، فقال: عليك السلام، رقم الحديث: ٥١٦٢

ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں استقبال قبلہ مذکور ہے۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

۳۹۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ : حَدَّثنا إِسْرائِيلُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ ٱلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ[1] ، رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ ٱلْمَقْدِسِ ، سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ، وكَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى ٱلْكَعْبَةِ ، فَأَنْزَلَ ٱللهُ : «قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي ٱلسَّمَاءِ» . فَتَوَجَّهَ نَحْوَ ٱلْكَعْبَةِ . وَقَالَ ٱلسُّفَهَاءُ مِنَ ٱلنَّاسِ ، وَهُمُ ٱلْيَهُودُ : «مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ ٱلَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلهِ ٱلْمَشْرِقُ وَٱلْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ» . فَصَلَّى مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ ، ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَمَا صَلَّى ، فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ ٱلْأَنْصَارِ فِي صَلَاةِ ٱلْعَصْرِ ، نَحْوَ بَيْتِ ٱلْمَقْدِسِ ، فَقَالَ : هُوَ يَشْهَدُ : أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَأَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ ٱلْكَعْبَةِ ، فَتَحَرَّفَ ٱلْقَوْمُ ، حَتَّى تَوَجَّهُوا نَحْوَ ٱلْكَعْبَةِ . [ر : ٤٠]

ترجمہ حدیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دل سے یہ) چاہتے تھے کہ (نماز) کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا کی جائے، پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿قد نری تقلب...... الخ کہ اے پیغمبر! ہم تیرا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا دیکھ رہے ہیں﴾ نازل فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) قبلہ کی طرف منہ کر لیا، اس پر بے وقوف لوگوں نے ''جو یہود تھے'' طنز کیا کہ اب ان کو ان کے پہلے قبلہ سے کس نے پھیر دیا؟ (اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:) ان سے کہہ

---

(۱) مرّ تخريجه في كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان، رقم الحديث: ٤٠ (كشفالباري: ٣٦٦/٢، ٤٠٧)

دی جیے! مشرق ومغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہے صراطِ مستقیم
کی ہدایت مرحمت فرما دیتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص نے
نماز پڑھی اور پھر وہ انصار کے کسی قبیلے کے پاس سے گذرا جو عصر کی نماز بیت
المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے تو اس نے کہا کہ اللہ گواہ ہے کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کے آیا ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف نماز پڑھنے لگ گئے ہیں، اس پر وہ قبیلے
والے (بیت المقدس سے) گھوم گئے اور انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کے کل چار رجال ہیں:

۱۔عبداللہ بن رجاء

واضح رہے کہ ''عبداللہ بن رجاء'' دو ہیں: ایک ''عبداللہ بن رجاء بن عمر الغُدانی'' اور دوسرے: ''عبد اللہ بن رجاء المکی البصری''، اس حدیث میں اول الذکر ''عبداللہ بن رجاء'' مراد ہیں، جیسا کہ اس کی تصریح علامہ عینی رحمہ اللہ نے کی ہے(۱)۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: وجوب الصلاة في الثياب وقول الله تعالیٰ: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ ومن صلى ملتحفا في ثوب واحد، میں گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔اسرائیل

یہ ''اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق سبیعی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من ترك بعض الاختبار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه فيقعوا في أشد منه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱)عمدة القاری: ۲۲۰/٤

(۲) کشف الباری، کتاب الصلاة، باب: ص: ۲٤۱

(۳)کشف الباری: ٥٤٦/٤

۳۔ابواسحاق

ان کا نام ''ابواسحاق عمرو بن عبداللہ الکوفی'' رحمہ اللہ ہے۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الصلاة من الإيمان کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۴۔ براء بن عازب

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''براء بن عازب بن حارث بن عدی انصاری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الصلاة من الإيمان کے تحت گذر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى نحو بيت المقدس ستة عشر أو سبعة عشر شهرا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی۔

"بيت المقدس" یہ لفظ "المَقْدِسُ" بھی پڑھا جاتا ہے اور "المُقَدَّسُ" بھی (۳)۔

''ستة عشر أو سبعة عشر شهرا '' کلمہ أو کے ذریعہ جس شک کا اظہار ہو رہا ہے، بظاہر وہ راوی کی جانب سے ہے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز ادا فرمانا مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے بعد کے زمانہ میں تھا، اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں تو مکمل عرصہ بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز ادا کی جاتی تھی (۴)۔ اور صحیح مسلم میں سولہ مہینے کو جزماً ذکر کیا گیا ہے (۵)۔ اس تعارض اور دفع تعارض و تطبیق پر

(۱) كشف الباري: ۲/ ۳۷۰

(۲) كشف الباري: ۲/ ۳۷۵

(۳) شرح الكرماني: ٤/ ٦١، التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، ص: ۳۳

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٢، عمدة القاري: ٤/ ٢٠١

(٥) صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة، التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، ص: ۳۳

تفصیلی بحث کشف الباری، کتاب الایمان میں گذر چکی ہے(۱)۔

وکان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب أن يوجه إلى الكعبة، فأنزل الله: ﴿قد نرى تقلب وجهك في السماء﴾، فتوجه نحو الكعبة،

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دل سے یہ) چاہتے تھے کہ (نماز) کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا کی جائے، پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿قد نرى تقلب......إلخ　کہ اے پیغمبر! ہم تیرا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا دیکھ رہے ہیں﴾ نازل فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) قبلہ کی طرف منہ کر لیا(۲)۔

"يُوَجَّه" مضارع مجہول کا صیغہ ہے، مراد یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمانے کا حکم مل جائے(۳)۔

"فتوجه" چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) قبلہ کی طرف منہ کر لیا، کیوں کہ پوری آیت میں ﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ بھی ہے، آیت مبارکہ کے اس ٹکڑے میں "المسجد" سے مراد "کعبہ" ہے(۴)۔

وقال السفهاء من الناس، وهم اليهود: ﴿ما ولاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها، قل لله المشرق والمغرب، يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم﴾، فصلى مع النبي صلى الله عليه وسلم رجل، ثم خرج بعد ما صلى، فمر على قوم من الأنصار في صلاة العصر نحو بيت المقدس،

اس پر بے وقوف لوگوں نے "جو یہود تھے" طنز کیا کہ اب ان کو ان کے پہلے قبلہ سے کس نے پھیر دیا؟

---

(۱) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان: ۲/۳۷۸-۳۸۲

(۲)شرح الكرماني: ٦٢/٤

(۳)شرح الكرماني: ٦٢/٤- اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٤٤/٣- فتح الباري: ٦٥١/١- عمدة القاري: ٢٠١/٤

(٤)شرح الكرماني: ٦٢/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٤٤/٣

(اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:) ''ان سے کہہ دیجیے! مشرق ومغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت مرحمت فرمادیتا ہے''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص نے نماز پڑھی اور پھر وہ انصار کے کسی قبیلے کے پاس سے گذرا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھ رہے تھے۔

"رجل" بخاری کے بعض نسخوں میں مثلاً: مستملی اور حموی کے نسخوں میں رجل کی بجائے رجال جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس نسخے کے مطابق اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اگر "رجال" جمع کا صیغہ درست تسلیم کیا جائے تو پھر حدیث پاک کے اگلے جملے میں "خرج"، فعل کی ضمیر ''رجال''، جمع کی طرف کیسے لوٹے گی؟ تو اس کی جواب یہ ہوگا کہ ضمیر کا مرجع وہ ہوگا جس پر رجال دلالت کرتا ہے اور وہ مفرد ہے، یا پھر "خرج" کے معنی "خرج خارج" ہوگا، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ''خرج بعض أولائك الرجال" تقدیراً نکالا جائے گا (۱)۔

''رجل'' سے کون مراد ہے؟

اس ''رجل'' سے مراد کون شخص ہے؟ اس بارے میں دو افراد کے نام ملتے ہیں: ''عباد بن بشر'' ہے یا ''عباد بن نَہِیک'' (۲)۔ اور ابن الملقن رحمہ اللہ نے ایک اور نام کا ذکر کیا ہے: عباد بن وہب (۳)۔

"في صلاة العصر نحو بيت المقدس" یہ جملہ کشمیہنی کی روایت میں ''في صلاة العصر يصلون نحو بيت المقدس'' ہے، بظاہر اس جملہ میں زیادہ وضاحت اور فصاحت ہے (۴)۔

"صلاة العصر" اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص کا گذر قباء میں انصار کے قبیلے کے پاس سے فجر کی نماز میں ہوا تھا، تو ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، اس طرح کہ وہ شخص مدینہ منورہ میں

(۱) شرح الكرماني: ٦٢/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٤٤/٣، فتح الباري: ٦٥١/١، التوشيح لشرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٢٨٨/٢، عمدة القاري: ٢٠١/٤

(٢) التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، ص: ٣٣۔ فتح الباري: ٩٧/١۔ عمدة القاري: ٢٠١/٤

(٣) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ٤٨٧/٢

(٤) فتح الباري: ١/ ٦٥١۔ التوشيح لشرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٢٨٨/٢۔ عمدة القاري: ٢٠١/٤

ایک جماعت کے پاس سے گذرا تو عصر کا وقت تھا، پھر وہ سفر کرتا ہوا مدینہ سے باہر اہل قباء کے پاس پہنچا ہوگا تو وہاں فجر کا وقت تھا(۱)۔

اس تعارض اور دفع تعارض و تطبیق پر تفصیلی بحث کشف الباری، کتاب الایمان میں گذر چکی ہے(۲)۔

"فقال" اس فعل کی ضمیر اور "هو" ضمیر "رجل" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی: اس شخص نے "هو" ضمیر سے اپنے آپ کو مراد لیا۔ متکلم کا اپنے آپ کو غائب کے صیغے سے تعبیر کرنا جائز ہے، یہ بطور التفات کے ہوتا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ راوی حدیث نے اس رجل کے کلام کا معنی نقل کر دیا ہو، اس طور پر کہ اس کا اصل کلام "أنا أشهد" تھا(۳)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے "فتوجه نحو الكعبة" والے جملہ میں ہے۔ کہ باب میں بھی یہی مذکور ہے اور حدیث میں بھی (۴)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد فوائد و احکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ

۱۔ اس حدیث مبارکہ سے احکام کے نسخ کا جواز معلوم ہوتا ہے(۵)۔

۲۔ اس حدیث مبارکہ میں نسخ السنۃ بالقرآن کی دلیل ہے(٦)۔

---

(١) شرح الكرماني: ٤/٦٢

(٢) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان: ٢/٣٨٨-٣٩٠

(٣) شرح الكرماني: ٤/٦٢۔ اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/١٤٤۔ فتح الباري: ٦٥٢۔ التوشيح لشرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٢/٢٨٨، عمدة القاري: ٤/٢٠١

(٤) عمدة القاري: ٤/٢٠٠

(٥) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ٢/٤٩٧۔ عمدة القاري: ٤/٢٠٢

(٦) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ٢/٤٩٧۔ عمدة القاري: ٤/٢٠٢

۳۔اس حدیث مبارکہ میں خبر واحد کے قبول کیے جانے پر دلیل ہے(۱)۔

۴۔قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اجماع کا ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے(۲)۔

۵۔مکلّف آدمی کے حق میں احکام کا منسوخ ہونا اس وقت معتبر شمار ہوگا، جب اس نسخ کی اسے خبر پہنچے(۳)۔

۶۔اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے قبل بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی جانے والی نمازیں عنداللہ مقبول ہیں، ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا(۴)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب (دوسری حدیث)

۳۹۱ : حدّثنا مُسْلِمٌ قَالَ : حَدَّثنا هِشَامٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ :(۵) كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ ، فَإِذَا أَرَادَ ٱلْفَرِيضَةَ ، نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ ٱلْقِبْلَةَ . [۱۰٤۳ ، ۱۰٤۸ ، ۳۹۰۹]

---

(۱)أعلام الحديث للخطابي: ۱/۳۸۳۔ الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ۲/٤۹٦۔ عمدة القاري: ٤/۲۰۲

(۲)عمدة القاري: ٤/۲۰۲

(۳)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ۲/٤۹۷۔ عمدة القاري: ٤/۲۰۲

(٤)أعلام الحديث للخطابي: ۱/۳۸۳

(۵) أخرجه البخاري أيضاً في تقصير الصلاة، باب: صلاة التطوع على الدابة وحيثما توجهت، رقم الحديث: ۱۰۹٤، وباب: ينزل للمكتوبة، رقم الحديث: ۱۰۹۹، وفي المغازي، باب: غزوة أنمار، رقم الحديث: ٤۱٤۰.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاه، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل الرابع في استقبال القبلة، رقم الحديث: ۳۳۸۰، ۵/۲۹۸

ترجمہ حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر خواہ اس کا رخ کسی طرف ہو، (نفل) نماز پڑھ لیتے تھے، لیکن جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرماتے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ مسلم

یہ "مسلم بن ابراہیم القصاب ازدی بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: زيادة الإيمان ونقصانه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ ہشام

یہ "ابوبکر ہشام بن ابوعبداللہ بصری الدستوائی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: زيادة الإيمان ونقصانه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ یحیی بن ابی کثیر

یہ "یحیی بن ابی کثیر طائی یمامی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: كتابة العلم، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/٤٥٥

(۲) کشف الباری: ۲/٤٥٦

(۳) کشف الباری: ٤/٢٦٧

۴۔محمد بن عبدالرحمٰن

یہ ''محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث قرشی عامری مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: حفظ العلم، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔جابر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''جابر بن عبداللہ الانصاری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: "من لم یر الوضوء إلامن المخرجین من القبل والدبر" کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته حيث توجهت،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر خواہ اس کا رخ کسی طرف ہو، (نفل) نماز پڑھ لیتے تھے۔

"على راحلته" راحلہ سے مراد وہ اونٹنی جو سوار کو لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''راحلہ'' اونٹ کی سواری ہے، عام ہے کہ وہ اونٹ ہو یا اونٹنی (۳)۔

حدیث مبارکہ کے اس جملہ سے دلیل پکڑتے ہوئے احناف اور مالکیہ نے فرمایا ہے کہ پیدل چلنے والے کے لیے چلتے ہوئے نوافل ادا کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس حالت میں بھی نوافل کی ادائیگی جائز ہے (۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ٤٤٢/٤

(۲) كشف الباری، كتاب الوضو، باب: "من لم ير الوضوء إلامن المخرجين من القبل والدبر".

(۳) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٤٨٠/٢، عمدة القاري: ٢٠٣/٤

الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٤٨٢/٢

"حيث توجهت" كشميني کی روایت میں "توجهت" کے بعد اس کا صلہ "به" بھی مذکور ہے(۱)۔

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حالت سفر میں سواری پر بیٹھے بیٹھے نوافل پڑھنے کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ سفر کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے انقطاع نہ ہوجائے، یا مسافر نوافل سے محروم نہ رہ جائے(۲)۔

فإذا أراد الفريضة، نزل، فاستقبل القبلة.

لیکن جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرماتے۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے جملہ "فاستقبل القبلة" میں ہے(۳)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ

۱۔ حالت سفر میں جس طرف بھی رخ ہو، سوار ہونے کی حالت میں نوافل ادا کرنا جائز ہے(۴)۔

۲۔ فرائض میں ترک استقبال قبلہ درست نہیں، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض کے لیے سواری سے اتر کر ضرور استقبال کرتے تھے، البتہ شدتِ خوف کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے اور مجبوری ومعذوری کی حالت میں سواری پر بھی فرض نماز درست ہوجائے گی(۵)۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کے تحت دو مسئلہ زیر بحث آتے ہیں، ایک: سواری پر نماز (فرض ہو یا نفل) پڑھنے کا حکم، اور دوسرا: سوری پر نماز پڑھتے ہوئے استقبال قبلہ کا حکم، ذیل میں دونوں مسئلوں کو مفصلاً ذکر جاتا ہے۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٣

(٢)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٤٨١/٢،

(٣)عمدة القاري: ٢٠٢/٤

(٤)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٤٨٣/٢

(٥)عمدة القاري: ٢٠٣/٤

سواری پر نماز (فرض ہو یا نفل) پڑھنے کا حکم

فرض نماز کی صحت کے جو شرائط ہیں اگر سواری کی حالت میں بھی ان شرائط کا پورا کیا جانا ممکن ہو تو سواری پر فرض نماز کی ادائیگی درست ہوگی اور اگر تمام شرائط کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو اس فریضے کی ادائیگی سواری پر درست نہیں ہوگی۔

شہر کے اندر مقیم شخص کے لیے جانور پر سوار ہو کر نفل نماز ادا کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شہر میں بھی بلا کراہت جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

شہر سے باہر نکلنے کے بعد مسافر (شرعی) کے لیے تمام فقہائے کے نزدیک اور غیر مسافر کے لیے اکثر فقہاء کرام کے نزدیک (یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے کھیتوں وغیرہ کی طرف یا شہر کے گردونواح میں گیا ہوا ہو، اس کے لیے بھی) سواری پر سوار ہو کر نفل پڑھنا جائز ہے، شہر سے باہر نکلنے کی حد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مسافر کے لیے قصر کرنا جائز ہوتا ہے، اسی جگہ سے سواری پر نفل پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔

سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سب نفل کے حکم میں ہیں سوائے سنت فجر کے، کہ یہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک سواری پر بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان کی تاکید بہت زیادہ آئی ہے(۱)۔

قال الحصكفيؒ: (و) يتنفل المقيم (راكبا خارج المصر) محل القصر (مومئا) فلو سجد اعتبر إيماء لأنها إنما شرعت بالإيماء (إلى أي جهة توجهت دابته)

قال ابن عابدينؒ: قوله:(ويتنفل المقيم راكبا...... إلخ) أي: بلا عذر،أطلق النفل، فشمل السنن المؤكدة إلا سنة الفجر، كما مر، وأشار بذكر المقيم إلى أن المسافر كذٰلك بالأولىٰ؛ واحترز بالنفل عن الفرض والواجب بأنواعه كالوتر والمنذور وما لزم بالشروع والإفساد وصلاة الجنازة وسجدة تليت على الأرض، فلايجوز على الدابة بلا عذر لعدم الحرج كما في البحر، قوله: (راكبا) فلا تجوز صلاة الماشي بالإجماع، بحر عن المجتبى، قوله: (خارج المصر) هٰذا هوالمشهور، وعندهما يجوز في المصر، لكن بكراهة عند محمد لأنه يمنع من الخشوع، وتمامه في الحلية. قوله: (محل القصر) بالنصب بدل من خارج المصر، وفائدته شمول خارج القرية وخارج الأخبية ح:أي المحل الذي يجوز للمسافر قصر الصلاة فيه، وهو الصحيح، بحر. وقيل: إذا جاوز ميلا، وقيل: فرسخين، أو ثلاثة. قهستاني. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب: في الصلاة على الدابة: ٢/٤٨٦،٤٨٧)

یہی حکم ہر قسم کی سواری کا ہے، چاہے وہ قدیم زمانے کی ہو (جیسے: اونٹ، گھوڑا، خچر اور گدھا وغیرہ)، چاہے موجودہ زمانہ کی (جیسے: جہاز، ریل گاڑی، بس، کار وغیرہ)۔(۱)

ریل گاڑی پر سفر کرنے کی حالت میں نماز کا حکم

ریل گاڑی پر سفر کرتے ہوئے نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھنا فرض ہے، چونکہ ریل گاڑی میں قیام کرنا اور استقبال قبلہ ممکن ہوتا ہے اس لیے مکمل نماز میں قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ضروری ہے، حتی کہ دوران نماز اگر ٹرین قبلہ کی طرف سے پھر گئی تو نمازی کے لیے بھی اپنا رخ پھیرنا ضروری ہے(۲)۔

ٹرین میں سفر کرتے ہوئے اگر بہت زیادہ اژدہام ہو، کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو تو اپنے ہمسفر ساتھیوں سے نماز ادا کرنے کے لیے جگہ مانگ لینی چاہیے، اگر جگہ مل جائے تو فبہا، ورنہ اس وقت تو بیٹھ کر نماز ادا کر لی جائے، لیکن بعد اعادہ کرنا لازم ہوگا(۳)۔

سوری پر نماز پڑھتے ہوئے استقبال قبلہ کا حکم

سواری پر فرض نماز کی درستگی کے لیے قیام کی طرح استقبال قبلہ بھی ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ البتہ سواری پر نفل پڑھنے کی حالت میں (چاہے کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر) استقبالِ قبلہ فرض نہیں ہے، بہت ساری احادیثِ مبارکہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل نماز پڑھ لیتے تھے، چاہے سواری جس طرف بھی جا رہی ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفل نماز سر کے اشارہ سے پڑھتے ہوئے دیکھا، جس طرف کو بھی سواری ہوتی تھی، اُسی طرف کو رُخ کرتے ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرض

---

(۱)الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة: الصلاة، الصلاة على الراحلة: ۲۲۹/۲۷

(۲)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۶۳/۱

(۳)العذر إن كان من قبل الله لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد، وجبت الإعادة. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب: التيمم: ۱۴۲/۱)

نماز میں نہیں کیا کرتے تھے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (تیسری حدیث)

٣٩٢ : حدّثنا عُثْمانُ قَالَ : حَدَّثنا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ : قَالَ عَبْدُ ٱللهِ : صَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ[(۲)] – قَالَ إِبْراهِيمُ : لَا أَدْرِي – زَادَ أَوْ نَقَصَ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَحَدَثَ فِي ٱلصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ : (وَمَا ذَاكَ) . قَالُوا : صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا ، فَثَنَى رِجْلَيْهِ ، وَٱسْتَقْبَلَ ٱلْقِبْلَةَ ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ، ثُمَّ سَلَّمَ . فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ : (إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي ٱلصَّلَاةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ ، وَلٰكِنْ ، إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي ، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ ، فَلْيَتَحَرَّ ٱلصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ) . [٣٩٦ ، ١١٦٨ ، ٦٢٩٤ ، ٦٨٢٢]

---

(١)عن عامر بن ربيعة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على الراحلة يسبح، يومئ برأسه قِبَلَ أيّ وجهٍ توجه، ولم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع ذٰلك في الصلاة المكتوبة. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: ينزل للمكتوبة، رقم الحديث: ١٠٩٧)

وكذا عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته تطوعا حيثما توجهت به وهو جاء من مكة إلى المدينة، ثم قرأ ابن عمر هٰذه الآية: ﴿ولله المشرق والمغرب......إلخ﴾ فقال ابن عمر: هٰذا أنزلت هٰذه الآية. (سنن الترمذي، أبواب التفسير، من سورة البقرة، رقم الحديث: ٢٩٥٨)

(٢)أخرجه البخاري في الصلاة، باب: ما جاء في القبلة ومَن لا يرى الاعادة على من سها، فصلى إلى غير القبلة، رقم الحديث: ٤٠٤، وفي كتاب السهو، باب: إذا صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٢٦، وفي الأيمان، باب: إذا حنث ناسياً في الأيمان، رقم الحديث: ٦٦٧١، وفي كتاب أخبار الآحاد، باب: ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق في الأذان والصلوٰة والصوم والفرائض والأحكام، رقم الحديث: ٧٢٤٩.

ومسلم في صحيحه، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث: ٥٧٢ =

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، -ابراہیم نے کہا کہ مجھے (اب) معلوم نہیں ہے کہ نماز (کی رکعات) میں کمی ہوئی یا زیادتی- پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز (کی ادائیگی کے بارے) میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی اتنی رکعتیں ادا کی ہیں، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹے اور اور قبلہ کی طرف منہ کرلیا اور (سہو) کے دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف منہ کرلیا اور ارشاد فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں (نماز سے پہلے ہی) تم کو بتا چکا ہوتا، لیکن میں تو تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لیے جب (کبھی) میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔ اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جایا کرے تو درست بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرے اور اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرلے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کرلے۔

=وأبو داؤد في سننه، في كتاب الصلوٰة، باب: إذا صلى خمساً، رقم الحديث: ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲

والترمذي في جامعه، في الصلوٰة، باب: ما جاء في سجدتي السهو بعد السلام والكلام، رقم الحديث: ۳۹۲، ۳۹۳.

والنسائي في سننه، في السهو، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۶۰.

وابن ماجه في سننه، في كتاب إقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب: من صلى الظهر خمساً وهو ساهٍ، رقم الحديث: ۱۲۰۵، وفي باب: ما جاء فيمن شك في صلاته، فتحرى الصواب، رقم الحديث: ۱۲۱۱، ۱۲۱۲،

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلوٰة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلوٰة وأحكامها، الفصل السابع: في السجدات، الفرع الأول: في سجود السهو، القسم الثاني: في السجود بعد التسليم، رقم الحديث: ۳۷۶۶، ۵/۵۴۱

تراجم رجال

مذکورہ روایت کی سند میں کل چھ رجال ہیں:

۱۔عثمان

یہ ''عثمان بن محمد بن قاضی ابوشیبہ ابراہیم کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من جعل لأهل العلم أياما معلومة، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔جریر

یہ ''جریر بن عبدالحمید بن قرط رازی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من جعل لأهل العلم أياما معلومة، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔منصور

یہ ''منصور بن المعتمر السلمی الکوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من جعل لأهل العلم أياما معلومة، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ابراہیم

یہ ''ابوعمران ابراہیم بن یزید النخعی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲٦٦/۳

(۲) کشف الباری: ۲٦۸/۳

(۳) کشف الباری: ۲۷۰/۳

(٤) کشف الباری: ۲٥۳/۲

۵۔علقمہ

یہ ''علقمہ بن قیس بن عبداللہ نخعی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۶۔عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

قال عبد الله: صلى النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

یہ نماز کون سی تھی؟ ایک قول کے مطابق یہ نماز ظہر کی تھی اور دوسرے قول کے مطابق یہ نماز عصر کی تھی، طبرانیؒ نے اسی راوی ''ابراہیم'' کی حدیث نقل کی ہے، طلحہ بن مصرف کے طریق سے، اس میں عصر کی نماز کی تصریح ہے(۳) اور انہی کی روایت شعبہ عن حماد کے طریق سے نقل کی ہے اس میں ظہر کی نماز کا ذکر ہے(۴)۔

-قال إبراهيم: لا أدري- زاد أو نقص،

راوی ابراہیم نے کہا کہ مجھے (اب) معلوم نہیں ہے کہ نماز (کی رکعات) میں کمی ہوئی یا زیادتی۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲۵٦

(۲) کشف الباری: ۲/۲۵۷

(۳) عن طلحة بن مصرف عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم العصر، فنهض في الرابعة، ولم يجلس حتى صلى بنا الخامسة، فقيل: يا رسول الله! صليت بنا خمساً، فاستقبل القبلة، وكبر، وسجد سجدتين. (المعجم الكبير للطبراني، تابع عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۹۸۳٦، ۱۰/۳٤)

(٤) عن شعبة عن حماد عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمساً، فقيل: يا رسول الله! زيد في الصلوٰة؟ قال: "وما ذاك؟" قالوا: صليت خمساً، فسجد سجدتين. (المعجم الكبير للطبراني، تابع عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۹۸۳۹، ۱۰/۳۵)

''إبراهيم '' یہ''ابن يزيد النخعي ''ہیں،اورایک قول یہ بھی ہے کہ یہ''ابن سويد النخعي '' ہیں(۱)۔

''زاد أو نقص '' دونوں افعال کی ضمیریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں۔اور یہ دونوں افعال اس مقام پر متعدی ہیں (۲)۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے خیال نہیں رہا کہ نماز میں کوئی زیادتی ہوئی تھی یا کمی، لیکن کچھ آگے انہی راوی کی حدیث ایک دوسری سند سے آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں زیادتی ہوئی تھی، یعنی: چار کے بجائے پانچ رکعات پڑھادی گئیں تھی۔

ان کا شک سجدہ سہو کے سبب کی بنیاد پر واقع ہوا کہ سجدہ سہو رکعات میں کمی پیش آنے کی وجہ سے کیا گیا یا رکعات میں زیادتی پائے جانے کی وجہ سے کیا گیا تھا (۳)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ پورا جملہ راوی منصور کا ادراج ہے'' (۴)۔

فلما سلّم، قيل له: يا رسول الله! أحَدَث في الصلوة شيئ؟

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے سلام پھرا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز (کی ادائیگی کے بارے) میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟

''أ''ہمزہ استفہام کے لیے ہےاور''حدَث'' دال کی فتح کے ساتھ''وقع'' کے معنی میں ہے، مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ کیا وحی کے ذریعہ نماز کے بارے میں کوئی ایسا حکم نازل ہوگیا کہ اس نے نماز کے سابقہ طریقہ کو بدل دیا ہے، یعنی: چار کے بجائے پانچ رکعت کا حکم آگیا ہے؟ (۵)

---

(۱)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

(۲)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

اس مقام پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ''ابراہیم بن یزید نخعی''ہیں، جو کوئی اس ابراہیم سے مراد میں کسی اور کا ذکر کرتا ہے وہ خطا پر ہے۔(فتح الباری:۱/۶۵۲)

(۳)عمدة القاري: ٤/ ۲۰۵، الكوثر الجاري: ۲/۹۲

(٤)شرح الكرماني: ٤/٦٣، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

(٥)شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦، فتح البارى: ۱/٦٥۲، عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

قال: "وما ذاك"، قالوا: صليت كذا وكذا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی اتنی رکعتیں ادا کی ہیں،

"وما ذاك" کا استعمال ایسے شخص کی طرف سے ہوتا ہے، جسے کچھ خبر نہ ہو کہ اس سے کیسا فعل سرزد ہوا ہے، نہ یقینی طور پر اور نہ ہی غلبہ ظن کے ساتھ (۱)۔

بات چیت کر لینے کے بعد نماز کی بقاء کا حکم

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا تھا، اس کے بعد آپ نے "وما ذاك؟" کے ذریعے سوال کیا، تو اس بات چیت کرنے کے بعد آپ نے نماز کی بناء کیسے کر لی؟ تو احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات چیت والا واقعہ نماز میں کلام کی حرمت سے قبل کا ہے (۲)۔

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو تلقین من خارج الصلاۃ پائی جارہی ہے، یعنی: نماز پڑھنے والے کے لیے اپنے غیر کی بات پر عمل کرنا تو جائز نہیں ہوتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کسی دوسرے شخص کی بات پر عمل کرتے ہوئے اپنی نماز کو مکمل کر لیا؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "وما ذاك" کے ذریعے جو سوال کیا تھا وہ نماز میں اپنی غلطی جاننے کے لیے تھا، جب صحابہ کے بتلانے سے آپ نے جان لیا تو تو اپنے علم کی بنیاد پر آپ نے نماز مکمل کی، نہ یہ کہ محض اپنے غیر کی بات پر عمل کر لیا (۳)۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دراصل اس جملے میں مذہب شافعیہ پر اشکال لازم آتا ہے، وہ اس طرح کہ ان کے نزدیک نماز کے دوران نمازی کا اپنے غیر کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے، چاہے امام ہو یا مقتدی، بلکہ اپنے جی کی بات پر ہی عمل کرنا لازم ہے۔ اس لیے امام نووی رحمہ اللہ نے وہ جواب دیا جو اوپر شرح الکرمانی کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، اس جواب پر اشکال کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں یہ جواب دینا "کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "وما ذاك" کے ذریعے جو سوال کیا تھا وہ نماز میں اپنی غلطی جاننے کے لیے تھا" قابل تسلیم نہیں ہے، اس لیے ذوالیدین والے قصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ان کی

(۱) فتح الباري: ۱/۶۵۲، عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

(۲) شرح الكرماني: ٤/ ٦٥

(۳) شرح الكرماني: ٤/ ٦٥

طرف رجوع ہے، وہ بات چیت اور سوال وجواب کے لیے ہے نہ کہ محض اپنے نفس کے اطمینان کے لیے، فافہم(۱)۔

"کذا و کذا" سے کنایہ ہے ان تعداد رکعات کی طرف جو عہد ذہنی میں کم یا زیادہ ہوئیں(۲)۔

نماز کے دوران بات چیت کرنے کا حکم

جمہور فقہاء کے نزدیک عمداً ایسی بات چیت کرنے کے ساتھ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جو نماز کی اصلاح کی خاطر نہ ہو(۳)۔

مذہبِ احناف

احناف کے نزدیک نماز کے دوران تین شرطوں کے ساتھ(۴) بات چیت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چاہے؛ وہ کلام قلیل ہو یا کثیر، بھول کر ہو(یعنی: نماز پڑھنا یاد نہ ہو، اپنے آپ کو نماز سے خارج خیال کرتے ہوئے بات چیت کرلے) یا خطا سے(مثلا: ارادۃ تو زبان سے "یا أیھا الناس" نکالا، لیکن نکل گیا "یا زیــد")، جہالت کی وجہ سے ہو(یعنی: وہ نہیں جانتا کہ بات چیت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے)، یا کسی کے مجبور کر دینے پر ہو، یا عمداً ہو(یعنی: اپنے ارادہ اور خوشی سے کلام کیا)، نماز کی اصلاح کے لیے ہو(مثلا: امام قعدہ

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٠٩

(۲)شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦

(۳)يتكلم عامداً لا لمصلحة الصلاة فتبطل صلاته بالإجماع، نقل الإجماع فيه ابن المنذر وغيره لحديث معاوية بن الحكم السابق وحديث ابن مسعود وحديث جابر وحديث زيد بن أرقم وغيرها من الأحاديث التي سنذكرها إن شاء الله تعالى. (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، مسائل تتعلق بالكلام في الصلاة: ٤/٨٥)

(۴)۱۔ زبان سے نکلنے والا کلام کم از کم دو حروف پر مشتمل ہو، ایک حرف والے لفظ کے تکلم سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲۔ وہ کلام ایسا ہو، جو لوگوں کے درمیان آپس کی بات چیت میں چلتا ہے، یعنی نماز سے متعلق اذکار وغیرہ نہ ہوں، نماز سے متعلق اذکار وغیرہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۳۔ وہ کلام اتنی آواز سے ہو کہ خود سننا ممکن ہو سکے، اگر اس سے کم آواز میں وہ کلام ہوا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔(عمدۃ الفقہ :۲/۲۴۵)

کے موقع پر کھڑا ہوگیا اور مقتدی نے اس کو کہہ دیا کہ ''بیٹھ جا'' یا قیام کے موقع پر بیٹھ گیا تو مقتدی نے کہہ دیا ''کھڑا ہوجا'' حالاں کہ کہنا چاہیے تھا ''سبحان اللہ'' یا ''اللہ اکبر'') یا اصلاح کے لیے نہ ہو اور راجح قول کے مطابق نماز کے دوران سوتے ہوئے ہو یا بیداری میں ہو، ہر حال میں نماز فاسد ہوجائے گی۔(۱)

مذہبِ شافعیہ

شوافع کے نزدیک نماز کے اندر کلام کرنے والا اگر کوئی ایسا شخص ہو جو بھول کر کلام کرلے، یا وہ کلام کرنے پر مرتب ہونے والے حکم سے جاہل ہو اور قلیل کلام کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی (۲)۔

مذہبِ مالکیہ

مالکیہ کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک احناف کے مطابق اور دوسری یہ ہے کہ اگر کلام اصلاحِ نماز کے لیے ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس کے برعکس کلام سے نماز فاسد ہوجاتی ہے(۳)۔

مذہبِ حنابلہ

حنابلہ کی اس مسئلہ میں چار روایتیں ہیں: تین روایتیں تو ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نماز میں نہیں ہوں اور کلام کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی،

(۱)البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۳-۵
رد المحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۳۷۰، ۳۷۱
حشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ص: ۳۲۱، ۳۲۲
(۲)المجوع شرح المهذب، كتاب الصلاة، مسائل تتعلق بالكلام في الصلاة: ۸۵/٤
المهذب، كتاب الصلاة، فصل في الضحك والكلام في الصلاة: ۲۸۹/۲
نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۸/۲
(۳)بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الباب السابع في معرفة التروك المشترطة في الصلاة: ۱۱۹/۱
مواهب الجليل في شرح مختصر خليل، كتاب الصلاة، باب في السهو: ۲۳۲/۲
الشرح الكبير للدردير، كتاب الصلاة، فصل في سن سجود السهو: ۳۰۵/۱
طرح التثريب في شرح التقريب، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة، حديث سجود السهو، فائدة: تعمد الكلام في الصلاة لإصلاحها، الثالثة والعشرون: ۱٦/۳

اگر چہ وہ نماز میں ہو۔ اوراس کے برعکس کوئی شخص اس بات کو جانتے ہوئے کلام کرے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (۱)۔

احناف کے دلائل

پہلی دلیل

احناف کی دلیل سب سے پہلے قرآن پاک سے ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وقوموا لله قانتين﴾ اس آیت میں "قانتين" کے معنی سکوت، خاموشی کے ہیں، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ یہ آیت نماز میں کلام سے روکنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔(۲) پھر اس آیت میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ کس قسم کے کلام سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا ہر نوعیت کے کلام کی

(۱)طرح التثريب في شرح التقريب، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة، حديث سجود السهو، فائدة: تعمد الكلام في الصلاة لإصلاحها، الثالثة والعشرون: ١٦/٣

الشرح الكبير للمقدسي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل فإن تكلم في هٰذه الحال...... لغير مصلحة الصلاة...... بطلت صلاته: ٤/ ٢٩، ٣٠

"الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي" تحت "الشرح الكبير للمقدسي"، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل فإن تكلم في هٰذه الحال...... لغير مصلحة الصلاة...... بطلت صلاته: ٤/ ٢٩، ٣٠

(٢) عبد الرزاق عن الثوري عن منصور عن مجاهد قال: كانوا يتكلمون في الصلاة، ويعلم الرجل أخاه، حتى نزلت هٰذه الآية: ﴿وقوموا لله قانتين﴾، فقطعوا الكلام، قال: القنوت هو السكوت، والقنوت: الطاعة. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ٣٥٧٤، ٢/ ٣٣١)

أخبرنا فضيل عن عطية في قوله: ﴿وقوموا لله قانتين﴾ قال: كانوا يتكلمون في الصلاة بحوائجهم، حتى نزلت: ﴿وقوموا لله قانتين﴾، فتركوا الكلام في الصلاة. (تفسير الطبري، القول في تأويل قوله تعالىٰ: ﴿وقوموا لله قانتين﴾: ٣٧٨/٤

وكذا في تفسير الراغب الأصفهاني: ٤٩٢/١، وتفسير السمعاني: ٢٤٤/١، وتفسير ابن كثير: ٦٥٥/١، وتفسير الماتريدي: ٢١٢/٢، وتفسير السعدي: ١٠٦/١

ممنوعیت مراد ہوگی (۱)۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''ہم حالتِ نماز میں بات چیت کرلیا کرتے تھے، ایک شخص اپنے پہلو میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کے ساتھ (بوقتِ ضرورت) بات چیت کرلیتا تھا، پھر جب یہ آیت ﴿وقوموا لله قانتين﴾ نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات چیت کرنے سے منع کردیا گیا''۔ یہ حدیث کتب صحاح میں موجود ہے (۲)۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کرلیا کرتے تھے، آپ جواب دیا کرتے تھے، ہم لوگ جس وقت ملکِ حبشہ سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ مجھ کو اپنے قریبی اور دور والی فکریں لاحق ہوگئیں، (یعنی: قسما قسم کے پرانے اور نئے نئے خیالات آتے گئے) اور اس کا افسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے جواب نہیں دیا؟ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو ارشاد فرمایا: ''اللہ عزوجل جب چاہتے ہیں نیا فرمان جاری فرما سکتے ہیں، اب اللہ نے یہ حکم نازل

---

(۱) إن أحاديث ابن مسعود وزيد بن أرقم ومعاوية بن الحكم وغيرها صحيحة صريحة في تحريم الكلام من غير تخصيص أو استثناء، فهي نص في الباب بوصف مطرد معلوم منضبط معقول المعنى، بل وقع بعضها بياناً لنص القرآن القطعي الثبوت......إلخ. (معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر: ۵۴۱/۳)

(۲) عن زيد بن أرقم قال: كنا نتكم خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة، يكلم الرجل منا صاحبه إلى جنبه، حتى نزلت: ﴿وقوموا لله قانتين﴾ [البقرة: ۲۳۸]، فأمرنا بالسكوت، ونهينا عن الكلام. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، ما جاء في نسخ الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ۴۰۵)

کیا ہے کہ دورانِ نماز بات چیت نہ کی جائے"(۱)۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک جماعت میں شریک ایک شخص کو چھینک آ گئی، تو میں نے اس کو "یرحمك الله" کہہ دیا، اس پر لوگ مجھے گھورنے لگے، تو میں نے کہا: "وا ثکل أمیاه" (یہ عرب کا ایک محاورہ ہے، جو کہ مذکورہ نوعیت کے ماحول میں استعمال ہوتا ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری طرف ایسے دیکھ رہے رہے ہو، لوگوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیا، تو میں نے سمجھا کہ لوگ مجھے خاموش رہنے کو کہہ رہے ہیں، عثمان (ایک دوسرا راوی) کی روایت میں ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش رہنے کو کہہ رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تو آپ نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ ہی مجھے بُرا بھلا کہا، البتہ یہ فرمایا کہ یہ نماز ہے اور اس میں گفتگو کرنا جائز نہیں، سوائے تسبیح تکبیر یا تلاوت قرآن کے، یا کچھ ایسی بات ارشاد فرمائی (۲)۔

---

(۱) عن ابن مسعود قال كنا نسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فيرد علينا السلام حتى قدمنا من أرض الحبشة، فسلمت عليه، فلم يرد علي، فأخذني ما قرُب وما بعُد، فجلست حتى إذا قضى الصلاة قال: "إن الله عزوجل يحدث من أمره ما يشاء، وإنه قد أحدث من أمره أن لا يتكلم في الصلاة". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ١٢٢٤)

(۲) عن معاوية بن الحكم السلمي قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فعطس رجل من القوم، فقلت: يرحمك الله، فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: وا ثكل أمياه، ما شأنكم تنظرون إلي؟ فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فعرفت أنهم يصمتوني -فقال عثمان: فلما رأيتهم يسكنوني لكني سكت - قال: فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، بأبي وأمي ما ضربني، ولا كهرني، ولا سبني، ثم قال: إن هٰذه الصلاة لا يحل فيها شيئ من كلام الناس هٰذا، إنما هو التسبيح والتكبير وقرائة القرآن، أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تشميت العاطس في الصلاة، رقم الحديث: ٩٣٠)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیثِ ذی الیدین ہے، جو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سولہ طُرق کے ساتھ مروی ہے، پوری تفصیل شرح معانی الآثار میں مذکور ہے۔(۱) امام طحاوی رحمہ اللہ نے بہت شرح وبسط سے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، اسی کا خلاصہ حضرت بنوری رحمہ نے معارف السنن میں ذکر کیا ہے،(۲) جو کہ دیکھنے کے لائق ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک حدیث ذی الیدین اس طرح دلیل بنتی ہے کہ ذوالیدین کا کلام حکم نے ناواقفیت کی بنا پر تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نسیاناً تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے نزدیک یہ ساری بات چیت اصلاح نماز کی خاطر تھی، جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بات چیت کا ہونا تو اس وجہ سے تھا کہ آپ کے گمان میں نماز پوری ہو چکی تھی، جب کہ ذوالیدین کا کلام بھی اسی گمان پر تھا کیوں کہ یہاں یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کے اندر کمی رکعات کا حکم نازل ہوا ہو چناں چہ اسی احتمال کی بنا پر نماز مکمل ہو چکنے کے گمان بن گیا، پھر انہوں نے تصدیق کی خاطر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا پہلا جواب

جب کہ احناف کے نزدیک یہ واقعہ جس میں دورانِ نماز کلام پیش آیا ''نسخ الکلام فی الصلاۃ'' سے پہلے کا ہے۔

ہماری اس بات پر [کہ یہ واقعہ "نسخ الکلام فی الصلاۃ" سے پہلے کا ہے] پہلی دلیل وہ تمام روایات ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام سے غلطی ہو جانے کے وقت تصحیح نماز کے لیے مقتدیوں کو مرد ہونے کی صورت میں ''سبحان اللہ'' یا ''اللہ اکبر'' کہنے کی اور عورت ہونے کی صورت میں ''تصفیق''، یعنی: ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ دوران نماز بات چیت کرنا مشروط رہتا تو تسبیح وتصفیق کے تلقین کی کوئی ضرورت نہیں رہتی تھی، اس کے بجائے نمازی نماز میں ہی بول کر بتا دیتے کہ امام صاحب آپ نے غلطی کر

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۱/۵۶۹-۵۸۱

(۲) معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر: ۳/۵۰۴-۴۴

لی ہے، اس طرح نہیں، بلکہ ایسا کی جیے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا (۱)۔

دوسرا جواب

دوسری دلیل حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھول کر ایک رکعت رہ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت کا حکم دیا، اس کے بعد آپ نے ایک رکعت پڑھائی، حالاں کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز کے دوران اذان واقامت کہنا نماز کو باطل کر دیتا ہے، جب کہ اس حدیث کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، چناں چہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس وقت یا اس دور میں کیا تھا، جب نماز میں کلام کرنا مباح تھا، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی۔ لیکن بعد میں دورانِ نماز بات چیت کرنا بند ہو گیا، اسی وجہ سے تو اس مسئلہ پر [کہ نماز کے دوران اذان واقامت کہنا نماز کو باطل کر دیتا ہے،] سب کا اتفاق ہے، لہٰذا حدیث ذی الیدین کو بھی اُسی زمانے پر محمول کیا جائے گا (۲)۔

تیسرا جواب

تیسری دلیل یہ ہے حدیثِ ذی الیدین والے واقعہ میں شریک ایک جلیل القدر صحابی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک نماز کی امامت کے دوران غلطی ہو گئی، دو رکعت پر بھول کے سلام پھیر دیا، حالاں کہ نماز چار رکعت والی تھی، نماز کے بعد لوگوں نے یاد دلایا، تو خلیفہ المسلمین نے اس بات چیت ہو جانے کے بعد از سر نو چار رکعات ادا فرمائیں، نہ یہ کہ انہی دو رکعت پر بنا کر لیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس وقت نماز کے دوران بات چیت کرنا بند ہو چکا تھا، ورنہ تو وہ لوگوں کے تنبیہ کر دینے کے بعد صرف دو رکعتیں مزید پڑھ لیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ کلام فی الصلاۃ منسوخ ہو چکا ہے (۳)۔

چوتھا جواب

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اس وقت پوری امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ اگر امام سے غلطی ہو جائے تو اس کو تنبیہ

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۱/۵۷۳، ۵۷٤

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۱/۵۷٤

(۳) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۱/۵۷۵

کرنے کے لیے سبحان اللہ کہا جائے گا، بات چیت کر کے نہیں بتایا جائے گا۔ جب کہ دوسری طرف حدیثِ ذی الیدین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبحان اللہ کہنے کی بجائے بات چیت کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کلام فی الصلاۃ کے منسوخ ہونے سے قبل کا ہے(۱)۔

عقلی دلیل

پھر امام طحاوی رحمہ اللہ اپنے عقلی دلیل (جس کو نظرِ طحاوی سے تعبیر کیا جاتا ہے،) پیش فرماتے ہیں کہ کئی مختلف قسم کی عبادات ایسی ہیں کہ ان کو شروع کر دینے کے بعد دیگر بہت سارے کام ممنوع ہو جاتے ہیں، مثلاً: نماز شروع کر دینے کے بعد کلام اور دیگر منافی الصلاۃ امور ممنوع ہو جاتے ہیں، روزہ رکھ لینے کے بعد اکل، شرب و جماع ممنوع ہو جاتے ہیں، حالتِ اعتکاف میں ہم بستری، خروج من المسجد وغیرہ، اور حج وعمرہ کے احرام میں خوش بو، سلا ہوا لباس اور جماع وغیرہ ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد جاننے کہ باتفاق فریقین ان تمام عبادات میں ممنوع امور کے ارتکاب؛ چاہے قصداً ہو یا نسیاناً سے یہ عبادات فاسد ہو جاتی ہیں، تو اسی طرح نماز بھی ایک اہم ترین عبادت ہے، اس میں قصد اور نسیان کے قید کے بغیر کلام کے پائے جانے سے نماز فاسد ہونی چاہیے۔ جس طرح (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک) قصداً کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح نسیاناً کلام سے بھی نماز کا فساد ہونا چاہیے(۲)۔

فثنى رجليه،

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹے۔

"فثَنَى" یہ باب ضرب یضرب سے ماضی کا صیغہ ہے، جس کے معنی موڑنے کے ہیں، یعنی: آپ صلی

---

(۱) معارف السنن، کتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر: ۵۴۳/۳

نوٹ: ائمہ ثلاثہ کی طرف سے ان دلائل پر اعتراضات اور ان کے نہایت تفصیلی اور مدلل جوابات کے شائقین کے لیے معارف السنن کی طرف مراجعت بہت فرحت بخش رہے گی۔

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۵۷۹/۱، ۵۸۰

اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں موڑے اور ایسے بیٹھ گئے جیسے قعدہ میں تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھتے ہیں (۱)۔

"رجليه" یہ كشميهني اور أصيلي کی روایت کے مطابق ہے، وگرنہ دیگر نسخوں میں "رجله" واحد کا صیغہ ہے (۲)۔

سجدہ سہو کرنے سے متعلق حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

قولہ: "فثنى رجله وسجد سجدتين" پر حضرت کشمیری فرمایا: اگر کہا جائے کہ جب کلام اس وقت نماز کے اندر جائز ہی تھا تو سجدہ سہو کی کیا ضرورت تھی؟ میں کہتا ہوں کہ وہ نماز کے اندر غیر اجزاءِ صلوٰۃ کی دخل اندازی کے باعث تھا، اس باب کو اگرچہ علماء نے ذکر نہیں کیا، مگر غالباً اس وقت مسئلہ یہی رہا ہوگا کہ کلام وغیرہ سے عدمِ مفسد صلوٰۃ کے ساتھ اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو جاتی ہوگی (۳)۔

واستقبل القبلة، وسجد سجدتين، ثم سلَّم،

اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور (سہو) کے دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کے واسطے استقبالِ قبلہ کیا، اس سے میرا استدلال ہے اس پر کہ جہاں بھی ہو، آخر صلوٰۃ ہو یا اول صلوٰۃ، استقبال قبلہ کیا جائے گا'' (۴)۔

پانچ رکعت والی نماز، نمازِ ظہر کیسی بنی؟

اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چار رکعات کی بجائے اتنی اور اتنی رکعات پڑھا دی ہیں، اگلے باب کی حدیث میں بالتصریح ان پڑھائی جانے والی رکعات کا ذکر موجود ہے کہ وہ پانچ رکعات تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۲) فتح الباری: ١/٦٥٢، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۳) انوار الباری: ٢٠٣/١٢

(٤) تقرير بخاري شريف: ١٤٥/٢، فتح الباری: ٦٥٢/١

سجدہ سہو کیا، اب یہ ظہر کی چار رکعات کیسے بنی؟ اس بارے میں علامہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک چوتھی رکعت میں بیٹھنا ضروری ہے، ورنہ فرض نماز نفل بن جائے گی، لیکن شافعیہ کے مسلک پر اس (قعدہ) کی ضرورت نہیں، نماز بہرصورت فرض کے طور پر صحیح ہو جائے گی، ہمارا جواب یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے، کسی کے پاس دلیلِ شرعی نہیں ہے، البتہ ہمارے پاس تفقہ کے لحاظ سے قوی دلیل موجود ہے، وہ یہ کہ دینِ محمدی میں نماز تین قسم کی ہیں، دو رکعت والی، تین رکعت والی اور چار رکعت والی۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کے دو یا چار ہونے کا تحقق جو متواتراتِ دین سے ہے، صرف قعدہ سے ہوتا ہے، لہٰذا وہ بھی فرض اور ضروری ہوا، کیوں کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوگا، اسی لیے حنفیہ نے کہا کہ ایک رکعت سے کم کا رفض وترک جائز ہے، بخلاف اس کے پوری رکعت ہو جانے پر نماز کا اہتمام فرض ہوگا، کیوں کہ وہ متواترات دین سے ہے، یعنی: شریعت نے اس کو معتد بہ امر قرار دیا ہے، جس کو ترک نہیں کر سکتے کہ اس سے دین کے ایک متواتر ومسلم امر کی توڑ پھوڑ یا اس کو بے وقعت کرنا لازم آتا ہے'' (۱)۔

فلما أقبل علينا بوجهه، قال: "إنه لو حدث في الصلوٰة شيئ لنبّأتُكُم به،

پھر ہماری طرف منہ کرلیا اور ارشاد فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں (نماز سے پہلے ہی) تم کو بتا چکا ہوتا۔

"لنبّأتُكُم به" میں "لام" تاکید کے لیے ہے؛ اور بعض کے نزدیک یہ "لو" کے جواب میں آنے والا "لام" ہے۔

"نبّــــأ" ان افعال میں سے ہے جو تین مفعولوں کا تقاضا کرتے ہیں، چناں چہ! یہاں پہلا مفعول: مخاطب کی "كُم"، ضمیر ہے، دوسرا مفعول: جار مجرور یعنی: "بـه" ہے۔ اس کلمے میں "ہ" ضمیر اس حدوث کی طرف لوٹ رہی ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "لو حدث في الصلوٰة شيئ" سے مفہوم ہو رہا ہے؛ اور تیسرا مفعول محذوف ہے۔ یعنی: اگر نماز میں کسی تبدیلی کے بارے میں وحی آئی ہوتی تو نماز سے قبل ہی میں تم لوگوں کو اس تبدیلی کے بارے میں بتا دیتا کہ وہ یہ ہے (۲)۔

---

(۱) انوار الباري: ۱۲/۲۰۳

(۲) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

ولكن إنما أنا بشر مثلكم،

لیکن میں تو تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں،

"إنـمـا" کلمہ حصر ہے، جس کا مقتضاءِ لغوی یہ ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی بشریت عام انسانوں کے مماثل ہونے میں محصور ہے، لیکن واضح رہے کہ جس طرح جنس کے تحت انواع ہوتی ہیں، اسی طرح جنس بشریت کے تحت بھی بہت سارے درجات ہیں، جن میں سے سب سے اوپر والے درجے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں، چناں چہ! نفس بشریت میں تو مماثلت ہے لیکن وہ اس درجے کی ہے کہ کوئی اور انسان اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے کہ عام انسانوں کی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دو آنکھوں، دو کانوں، دو ہاتھوں اور دیگر تمام اعضاء رکھتے ہیں، لیکن اوصاف کے اعتبار سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال کی ان بلندیوں پر ہیں کہ عام انسان ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یعنی: یہاں حصر مطلق نہیں ہے، بلکہ حصر مخصوص ہے، جسے سیاق وسباق سے سمجھا جا سکتا ہے(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر؟

قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سلف صالحین، مفسرین کرام، محدثین عظام اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تعلیمات، تحقیقات اور تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور و بشر ہونے کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بیک وقت بشر بھی ہیں اور نور بھی، لیکن جنس اور ذات کے اعتبار سے بشر ہیں۔ اور صفات وہدایت کے اعتبار سے نور ہیں۔ اور دونوں اعتبارات (نور و بشر ہونے کے اعتبار) سے آنجناب ایسے مقام اور درجے پر فائز ہیں کہ نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کوئی بھی آپ جیسا نہیں گذرا۔

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے اور آپ کا جسم مبارک اور ظاہر خواص بشری تھا، آپ پر وہ سب کچھ جائز ہے، جو اور انسانوں پر طاری ہوسکتا ہے، مثلاً: تکالیف، مصائب، آلام، بیماریاں اور موت کا پیالہ پینا وغیرہ اور ان سب امور کی وجہ سے

(۱) ملخص من عمدة القاري: ٤/٢٠٥

آپ کی شان میں کوئی کمی اور نقص نہیں آتا"(۱)۔

البتہ اسی بات میں دورائے نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر تھے، خاص الخواص تھے، چناں چہ! علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بشر کی تین قسمیں ہیں، خواص: جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور درمیانے قسم کے: جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ اور عوام: جیسے دیگر لوگ"(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طور پر سراپا نور قرار دے دینا کہ اس سے بشریت، آدمیت اور انسانیت کا ہی انکار کر دیا جائے، یہ صریح قطعی نصوص کے خلاف ہے؛ اور اس کے ساتھ ساتھ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن؛ تو فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایسا شخص کافر ہے، مسلمان نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ آپ باعتبارِ جنس "بشر" اور باعتبارِ ایمان وہدایت "نور" تھے(۳)۔

---

(۱)وقد قدمنا أنه عليه الصلوٰة والسلام وسائر الأنبياء والرسل من البشر وأنه جسمه وظاهره خالص للبشر، يجوز عليه من الآفات والتغييرات والآلام والأسقام وتجرعُ كأسِ الحِمام ما يجوز على البشر، وهذا كله ليس بنقيصة فيه؛ لأن الشيئ إنما يسمى ناقصاً بالإضافة إلى ما هو أتم منه وأكمل من نوعه............ فقد مرض صلى الله عليه وسلم، واشتكى، وأصابه الحر والقر، وأدركه الجوع والعطش، ولحقه الغضب والضجر، وناله الإعياء والتعب، ومسه الضعف والكبر، وسقط فجحش شقه، وشجه الكفار، وكسروا رباعيته، وسُقِي السم، وسحر، وتداوى، واحتجم، وتنشر، وتعوذ، ثم قضى نحبه، فتوفي صلى الله عليه وسلم ولحق بالرفيق الأعلى، وتخلص من دار الامتحان والبلوى، وهٰذه سمات البشر التي لا محيص عنها. (الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ، القسم الثالث: فيما يجب النبي للنبيصلى الله عليه وسلم، الباب الثاني: فيما يخصهم في الأمور النيبوية وما يطرأ عليهم من العوارض البشرية: ۱۷۸/۲، دار الكتب العلمية)

(۲)"وحاصله أنه قسم البشر إلى ثلاثة أقسام: خواص؛ كالأنبياء، وأوساط؛ كالصالحين من الصحابة وغيرهم، وعوام؛ كباقي الناس". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب: في تفضيل البشر على الملائكة: ۲۴۳/۲، دار عالم الكتب)

(۳)"ومن قال: لا أدري أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إنسياً أو جنياً، يكفر، كذا في الفصول العمادية". (الفتاوى الهندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر: ۲/ ۲۶۳، رشيدية)

أنسى كما تنسون، فإذا نسيتُ

جس طرح تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لیے جب (کبھی) میں بھول جاؤں۔

"أنسى" ہمزہ مفتوحہ اور سین مخففہ کے ساتھ ہے۔ اور جنہوں نے سے ہمزہ مضموم اور سین مشدد کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ درست نہیں (۱)۔

نسیان کے معنی

نسیان کا لغوی مطلب، اور اصطلاحی مطلب: کسی چیز سے دل کے غافل ہو جانے کا نام ہے۔ نسیان کے ایک معنی: چھوڑ دینے کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿نسوا الله فنسيهم﴾ میں نسیان کے معنی "ترک" کے ہیں (۲)۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے بھول ممکن ہے یا نہیں؟

حدیثِ مبارکہ کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے افعال میں نسیان کا صدور ممکن ہے، لیکن اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نسیان پر مطلع کر دیا جاتا ہے، وہ اس نسیان پر برقرار نہیں رہتے۔ پھر بعض علماء اس بات کے قائل ہیں، انبیاء کرام کو ان کے نسیان پر فوراً مطلع کر دیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک فوراً مطلع کیا جانا ضروری نہیں، بلکہ تا حیات ان کو اطلاع کا ہو جانا درست ہے (۳)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بلاغیہ (یعنی: امور تبلیغیہ) میں سہو کا واقع ہونا باجماع امت ممکن نہیں ہے، یعنی: آپ علیہ السلام احکاماتِ الٰہیہ کی تبلیغ میں سہو یا نسیان میں مبتلا ہو جائیں اور امت تک غلط بات پہنچا دیں، یہ ممکن نہیں ہے، البتہ دنیاوی معاملات میں اور عبادات میں بسا اوقات آپ پر نسیان طاری ہو جاتا تھا، لیکن اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقت حال سے مطلع کر دیا جاتا تھا اور اس

---

(۱) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

(۲) عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

نسیان میں ابتلا بھی درحقیقت امت کی تربیت کے لیے فعلاً نمونہ بننا تھا(۱)۔

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث انبیاء علیہم السلام سے سہو کے صدور پر دلالت کرتی ہے، عامۃ العلماء کا اس بارے میں یہی مذہب ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: کہ میں بھی تمہارے بھول جانے کی طرح بھول جاتا ہوں۔ اور ایک غلو میں پڑ جانے والے گروہ کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ نبی پر سہو طاری نہیں ہوسکتا، بلکہ نبی تو قصداً نسیان والی صورت کو اختیار کرتے ہیں، تاکہ امت کو احکام کی فعلی تبلیغ کرسکیں۔

تو یہ نظریہ قطعی طور پر باطل ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو خود خبر دے رہے ہیں کہ میں بھول گیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ایسے شخص کی صورت اپنانا جو بھولنے والا ہو، یہ تو عمداً کسی فعل کو اختیار کرنے والے کے مشابہ ہوگیا، اور افعال عمدیہ نماز کو باطل کردیتے ہیں(۲)۔

خلاصہ ان اقوال کا یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک: افعال نبی اور دوسرا: اقوال نبی

افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محقق بات یہ ہے کہ ان افعال میں قصداً نسیان یا سہو کا پایا جانا تو ممتنع ہے، یعنی: نبی سے ممکن نہیں ہے۔ اور سہواً بھول کا پایا جانا ممکن ہے، لیکن ایسا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا تاکہ امت کو تعلیم ہوسکے، اور اس پر فوراً یا کچھ بعد آپ کو مطلع کردیا جاتا تھا۔

اور اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر دینی امور سے متعلق ہوتے تھے تو بھی ان میں سہو یا نسیان نہیں ہوتا تھا اور اگر اقوال نبی دنیوی امور سے متعلق ہوتے تھے تو ان میں نسیان مضر نہ ہونے کی وجہ سے ان کا وقوع محال نہیں ہے(۳)۔

فذكِّروني،

تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

---

(۱)المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الصلاة، مواضع الصلاة، صلاة المسافرين، رقم الحديث: ۵۷۲، ۵/۶۱، ۶۲

(۲)إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: سجود السهو، جواز السهو على الأنبياء، الحديث: ۱۰۵ : ۱/ ۲۷۴

(۳)عمدة القاري: ۴/۲۰۶

مراد یہ ہے کہ نماز میں تسبیح یا تکبیر کے ذریعے مجھے یاد دلا دیا کرو(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار سہو پیش آیا؟

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے علامہ تقی الدین ابن دقیق العید رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار مرتبہ نمازوں میں سہو ہوا ہے، ان میں سے دو کا ذکر تو صحیح البخاری میں ہی ہے، ایک: یہ واقعہ جو مذکورہ حدیث میں بیان ہوا، کہ آپ صلی اللہ نے چار رکعت کی بجائے پانچ رکعات پڑھا دیں، یہاں صراحت نہیں ہے، لیکن آگے صراحت بھی موجود ہے۔

دوسرا: واقعہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اس کا ذکر بھی موجود ہے۔

تیسرا: واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسیاناً قعدہ اولی ترک ہوگیا، اس صورت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

چوتھا: واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران کوئی آیت بھول گئے، تو نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم نماز میں نہیں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی میں موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر تم نے مجھے وہ آیت یاد کیوں نہ دلا دی؟۔ یہ چار واقعات وہ ہیں جو ابن دقیق العید نے ذکر کیے ہیں۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کا ایک پانچواں مقام بھی کتب میں ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں تین کی بجائے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا(۲)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۲) فيض الباري: ٢/٤٥. العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام، رقم الحديث: ٣٩١، ١/ ٣٧٠

پہلا واقعہ صحیح البخاری میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدثنا عثمان، قال: حدثنا جرير، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، قال: قال عبد الله صلى النبي صلى الله عليه وسلم، قال إبراهيم: لا أدري؛ زاد أو نقص، فلما سلم قيل له: يا رسول الله! أحدث في الصلاة شيئ؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، فثنى رجليه، واستقبل القبلة، وسجد سجدتين، =

= ثـم سلم، فلما أقبل علينا بوجهه، قال: إنه لو حدث في الصلاة شيئ لنبأتكم به، ولكن إنما أنا بشر مثلكم، أنسـى كـمـا تـنسـون، فـإذا نسيـت فـذكروني، وإذا شك أحدكم في صلاته، فليتحر الصواب فليتم عليه، ثم ليسـلـم، ثـم يسـجـد سـجـدتين. (صحيح البخاري،كتاب الصلاة، باب: التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١)

دوسرا واقعہ بھی صحیح البخاری میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حـدثـنا مسدد، قال: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن الحكم، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قـال: صـلـى الـنبـي صـلى الله عليه وسلم الظهر خمسا، فقالوا: أزيد في الصلاة؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت خـمسا، فثنى رجليه وسجد سجدتين. (صـحيح البخاري كتاب الصلاة، باب: ما جاء في القبلة ومن لا يرى الإعادةعلى من سها فصلى إلى غير القبلة، رقم الحديث: ٤٠٤)

تیسرا واقعہ سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حـدثـنـا الـقعنبي، عن مالك، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن الأعرج عن عبد الله ابن بحينة أنه قـال: صـلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم قام فلم يجلس، فقام الناس معه، فلما قضى صلاته وانتـظـرنـا التسـليـم كبـر، فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم، ثم سلم صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد،كتاب الصلاة، باب: من قام من ثنتين ولم يتشهد، رقم الحديث: ١٠٣٦)

چوتھا واقعہ شرح السنۃ للبغوی میں موجود ہے، لیکن اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال حضرت ابیؓ سے تھا، ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن عمر أن النبي صلى الله عليه والم صلى صلاة، فقرأ فيها، فلبِّس عليه، فلمّا انصرف، قـال: لأبـي: أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعك؟ ومعقول أن المردا منه: ما منعك أن تفتح علي. (شرح السنة للبغوي، كتاب الصلاة، باب: قعود بين السجدتين، رقم الحديث: ٦٦٥)

جب کہ سنن ابی داود کی روایت میں ان کے علاوہ کسی متعین صحابی کے بغیر یہ قصہ موجود ہے، ملاحظہ ہو:

عـن الـمسـور بـن يـزيـد الـمالكي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يحيى وربما قال شهدت رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصلاة، فترك شيئا لم يقرأه، فقال له رجل يا رسول الله!تركت آية كـذا وكـذا، فـقـال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هلا أذكرتنيها". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: الفتح على الإمام في الصلاة، رقم الحديث: ٩٠٧) =

امام بخاریؒ کے نزدیک نماز میں کلام الناس کا جواز کا حکم

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے سہو کی حدیث کئی مرتبہ ذکر کی ہے اور مختلف تراجم قائم کرکے ان سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے، لیکن ترجمہ وعنوان ''جواز کلام الناس'' کا کہیں قائم نہیں کیا، معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں انہوں نے احناف کی موافقت کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' (۱)۔

وإذا شك أحدكم في الصلوٰة،

اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہوجایا کرے۔

''شک'' کا معنی ومفہوم

''شک'' لغت میں خلافِ یقین کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ''شک'' سے مراد وہ کیفیت ہے کہ کوئی شخص جانئے اور نہ جاننے کی کیفیت کے درمیان ہو، کسی ایک جانب اس کا میلان نہ ہورہا ہو، اور جب کسی ایک جانب کی طرف میلان ہوجائے لیکن دوسرے کو ذہن سے جھٹکا نہ جائے تو اسے ''ظن'' کہتے ہیں اور جب اسے جھٹک دیا جائے تو اسے ''غلبہ ظن'' کہتے ہیں، جو کہ ''یقین'' کے قائم مقام ہوتا ہے (۲)۔

= اور پانچواں واقعہ المستدرك على الصحيحين للحاكم میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخبرنا أبو عمرو عثمان بن أحمد بن سماك، ببغداد، ثنا علي بن إبراهيم الواسطي، ثنا وهب عن جرير بن حازم، قال: سمعت يحيى بن أيوب، يحدث، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سويد بن قيس، عن معاوية بن حديج، قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم المغرب فسها، فسلم في ركعتين، ثم انصرف، فقال له رجل: يا رسول الله! إنك سهوت فسلمت في ركعتين، فأمر بلالا فأقام الصلاة، ثم أتم تلك الركعة، فسألت الناس عن الرجل الذي، قال: يا رسول الله! إنك سهوت، فقيل لي: تعرفه، قلت: لا، إلا أن أراه، فمر بي رجل، فقلت: هو هذا، فقالوا: هذا طلحة بن عبيد الله. اختصره الليث بن سعد، عن أبي حبيب. (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الصلاة، تحت باب التأمين، رقم الحديث: ٩٦٠)

(١)فيض الباري: ٢/٤٥. انوار الباری: ١٢/٢٠١

(٢)وقيل: الشك؛ ما استوى طرفاه، وهو الوقوف بين الشيئين لا يميل القلب إلى أحدهما، فإذا ترجح أحدهما ولم يطرح الآخر فهو ظن، فإذا طرحه فهو غالب الظن، وهو بمنزلة اليقين. (التعريفات للجرجاني، باب: الشين، رقم التعريف: ١٠٢٢، ص: ١١٠)

وكذا في المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، كتاب الشين: ١/٤٣٦

فليتحرّ الصواب،

تو درست بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

"تحری" کہتے ہیں کسی شئی کو طلب کرنے کی خوب کوشش کرنا۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فليتحر" کے معنی "فليجتهد" ہیں(۱)۔

صحیح بخاری کی کتاب الأیمان میں آنے والی روایت میں یہ الفاظ ہیں: فيتحرى الصواب.(۲)

سنن النسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں "فليتحر أقرب ذلك من الصواب" کے الفاظ ہیں۔(۳)

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦

(٢) حدثنا إسحاق بن إبراهيم، سمع عبد العزيز بن عبد الصمد، حدثنا منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن ابن مسعود رضي الله عنه أن نبي الله صلى الله عليه وسلم صلى بهم صلاة الظهر، فزاد أو نقص منها، قال منصور: لا أدري إبراهيم وهِم أم علقمة، قال: قيل: يا رسول الله! أقصرت الصلاة أم نسيت؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، قال: فسجد بهم سجدتين، ثم قال: هاتان السجدتان لمن لا يدري، زاد في صلاته أم نقص، فيتحرى الصواب، فيتم ما بقي، ثم يسجد سجدتين. (صحيح البخاري في الأيمان، باب: إذا حنث ناسياً في الأيمان، رقم الحديث: ٦٦٧١)

(٣) أخبرنا إسمعيل بن مسعود، قال: حدثنا خالد بن الحارث، عن شعبة، قال: كتب إلي منصور، وقرأته عليه وسمعته يحدث رجلا، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة الظهر، ثم أقبل عليهم بوجهه، فقالوا: أ حدث في الصلاة حدث؟ قال: وما ذاك؟ فأخبروه بصنيعه، فثنى رجله، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل عليهم بوجهه، فقال: إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني وقال: لو كان حدث في الصلاة حدث أنبأتكم به وقال: إذا أوهم أحدكم في صلاته فليتحر أقرب ذلك من الصواب ثم ليتم عليه، ثم يسجد سجدتين. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٤٣)

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن منصور، قال شعبة: كتب إلي وقرأته عليه، قال: أخبرني إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة لا ندري أزاد أو نقص، فسأل، فحدثناه، فثنى رجله، واستقبل القبلة، وسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه، فقال: لو حدث في الصلاة شيئ لأنبأتكموه، وإنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني، وأيكم ما شك في الصلاة فليتحر أقرب ذلك من الصواب، فيتم عليه ويسلم ويسجد سجدتين. (سنن ابن ماجه، كتاب: إقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب: ما جاء فيمن شك في صلاته فتحرى الصواب، رقم الحديث: ١٢١١)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں"فليتحر الذي هو الصواب" **کے الفاظ ملتے ہیں۔(۱)**

سنن النسائی کی ہی ایک روایت میں"فليتحر الذي يرى أنه الصواب" (۲)**،اور ایک اور روایت میں**"فلينظر أحرى ذلك إلى الصواب" **کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔(۳)**

مقصود سب سے ایک ہی ہے کہ دو امور میں سے کسی ایک کو طلب کرنا ''تحری'' کہلاتا ہے، اس حال میں کہ ان میں سے ایک درست ہوگا(۴)۔

علامہ کرمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"الصواب" **کے معنی:**''الأخذ باليقين'' **اور**''البناء على الأقل'' **ہے، جب کہ امام حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے معنی:** "البناء على غالب الظن" **ہے(۵)۔**

---

(۱) وحدثنا عثمان، وأبو بكر، ابنا أبي شيبة، وإسحاق بن إبراهيم، جميعا عن جرير، قال عثمان: حدثنا جرير، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، قال: قال عبد الله: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال إبراهيم: زاد أو نقص، فلما سلم قيل له: يا رسول الله! أحدث في الصلاة شيئ؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، قال: فثنى رجليه، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه فقال: إنه لو حدث في الصلاة شيئ أنبأتكم به، ولكن إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني، وإذا شك أحدكم في صلاته فليتحر الصواب، فليتم عليه، ثم ليسجد سجدتين. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث: ۵۷۲)

(۲)أخبرنا محمد بن رافع، قال: حدثنا يحيى بن آدم، قال: حدثنا مفضل وهو ابن مهلهل، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، يرفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا شك أحدكم في صلاته فليتحر الذي يرى أنه الصواب فيتمه، ثم يعني: يسجد سجدتين، ولم أفهم بعض حروفه كما أردت. (سنن النسائي في السهو، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ۱۲۴۰)

(۳)أخبرنا سويد بن نصر، قال: أنبأنا عبد الله، عن مسعر، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فزاد أو نقص، فلما سلم قلنا: يا رسول الله! هل حدث في الصلاة شيئ ؟ قال: لو حدث في الصلاة شيئ أنبأتكموه، ولكني إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فأيكم ما شك في صلاته فلينظر أحرى ذلك إلى الصواب، فليتم عليه، ثم ليسلم وليسجد سجدتين. (سنن النسائي في السهو، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ۱۲۴۲)

(۴) عمدة القاري: ۴/۲۰۶

(۵)شرح الكرماني: ۴/ ۶۴، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱۴۶

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ راوی کا تو بیان ہے کہ لا أدري- زاد أو نقص، یعنی: اسے شک تھا، تو جہاں شک ہو وہاں صواب تک (یعنی: درست بات تک) کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی تحری جو یقین کے ساتھ لاحق ہو جائے اختیار کرے(۱)۔

بوقتِ شک نماز کی تکمیل تحری کی بنیاد پر کرنے کا حکم

اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب کبھی تمہیں تعداد رکعات میں شک ہو جایا کرے تو پھر رکعات کی تعداد کو اچھی طرح سوچ و بچار کے ذریعے متعین کرلیا کرو۔

اس طرح کی روایات میں تتبع کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ شک کے مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کی روایات منقول ہیں:

پہلی قسم کی روایت کے مطابق رکعات میں شک پیش آنے کے وقت از سرِ نو نماز ادا کی جائے، یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے، نیز! اسحاق بن یحیی کے طریق سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت مجمع الزوائد میں موجود ہے(۲)۔

دوسری روایت یہ ہے جو صحیح البخاری کے اس باب میں موجود ہے(۳)، اس میں یہ بات مذکور ہوئی کہ تحری کرنے کے بعد غلبہ ظن پر عمل کرتے ہوئے نماز پوری کرے اور اس کے بعد سجدہ سہو کرے۔

---

(۱) شرح الکرماني: ٤/ ٦٥

(۲) عن ابن عمر [رضي الله عنهما] قال: "أما أنا فإذا لم أدر كم صليت، فإني أعيد". وأيضاً عن ابن عمر: في الذي لا يدري ثلاثاً صلى أو أربعاً، قال: يعيد حتى يحفظ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: إذا شك فلم يدر كم صلى أعاد، رقم الحديث: ٤٤٥٤، ٤٤٥٥، ٣/ ٤٣٥) نیز یہ قول "المصنف" میں ہی حضرت ایوب، سعید بن جبیر، شعبی، شریح، طاؤس، عطا اور میمون وغیرہ کبار تابعین رحمہم اللہ کا بھی منقول ہے، (دیکھیے: رقم الحدیث: ۴۴۵۶-۴۴۶۴)

عن عبادة بن الصامت: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن رجل سها في صلوته، فلم يدر كم صلى؟ قال: "ليُعِد صلاته، وليسجد سجدتين قاعداً". رواه الطبراني في الكبير هٰكذا، وإسحاق بن يحيى لم يسمع من عبادة، والله أعلم. (بُغية الرائد في تحقيق "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد"، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة، رقم الحديث: ٢٩٢٣، ٢/ ٣٥٤، ٣٥٥)

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١.

اور تیسری قسم کی روایت میں یہ ہے کہ بناء علی الاقل کرے، مثلاً: تین اور چار میں شک ہو تو چوں کہ تین کی ادائیگی یقینی ہے تو تین سمجھ کر نماز پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے، اس راویت کے راوی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں، یہ سنن الترمذی میں موجود ہے(۱)۔اس کے علاوہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی کے مطابق ہے جو سنن ابوداؤد میں موجود ہے(۲)۔

احناف نے شک پیش آجانے کی صورت میں ان تینوں روایتوں کو جمع کیا ہے، وہ اس طرح کہ نماز میں شک پیش آجانے کی بنا پر درجاتی اعتبار سے تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر ایسا شک پہلی بار ہوا ہے تو نماز از سر نو پڑھے۔پہلی بار شک ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس میں فقہاء کرام کے کئی اقوال موجود ہیں، جن میں سے صحیح یہ ہے کہ نماز میں بھول جانا اس کی عادت نہ ہو، یہ معنی نہیں ہیں کہ کبھی عمر بھر میں سہو نہ ہوا ہو۔یہ پہلی روایت پر عمل ہوا۔

(۲) اگر شک واقع ہونے کا معمول ہے، یعنی: اکثر شک پیش آتا ہی رہتا ہے تو اچھی طرح سوچ و بچار کر کے غلبہ ظن کے مطابق عمل کرے، اور بعض مشائخ کے نزدیک سجدہ سہو نہ کرے، جب کہ اکثر مشائخ کے نزدیک سجدہ سہو کرے۔یہ دوسری روایت کے مطابق عمل ہوا۔

(۳) اور اگر غلبہ ظن قائم نہ ہو رہا ہو تو یقینی امر یعنی: اقل تعداد کے مطابق نماز مکمل کرے اور آخر میں

---

(۱) عن عبد الرحمن ابن عوف قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا سها أحدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين، فليبن على واحدة، فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثاً فليبن على ثنتين، فإن لم يدر ثلاثاً صلى أو أربعاً فليبن على ثلاثٍ، وليسجد سجدتين قبل أن يسلم". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي فيشك في الزيادة والنقصان، رقم الحديث: ۳۹۸)

(۲) حدثنا محمد بن العلاء، حدثنا أبو خالد، عن ابن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار عن أبي سعيد الخدري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا شك أحدكم في صلاته فليلق الشك، وليبن على اليقين، فإذا استيقن التمام سجد سجدتين، فإن كانت صلاته تامة كانت الركعة نافلة والسجدتان، وإن كانت ناقصة كانت الركعة تماما لصلاته وكانت السجدتان مرغمتي الشيطان. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: إذا شك في الثنتين والثلاث، من قال: يلقي الشك، رقم الحديث: ۱۰۲۴)

سجدہ سہو کرے۔ یہ تیسری روایت کے مطابق عمل ہوا(۱)۔

جب کہ شوافع کے نزدیک صرف اور صرف بناء علی الاقل کرے، یعنی: اگر رکعت کے چھوٹنے کے بارے میں شک ہوجائے کہ اس نے ایک رکعت ادا کی ہے یا دو رکعت، یا تین رکعت، یا چار رکعت؛ تو اس پر لازم ہے کہ وہ کم والی صورت کو اختیار کرے، جیسے: دو رکعت ادا کی گئی ہیں یا تین؟ تو اس میں دو کا ادا ہوجانا تو یقینی ہے، تین کا شک ہے، لہٰذا دو رکعت شمار کرتا ہوا اپنی نماز پوری کرے، اسی طرح بقیہ صورتوں کا حکم ہے۔ الغرض ان حضرات کے نزدیک صرف ایک قسم کی روایات پر عمل پایا جاتا ہے(۲)۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احادیث سے تائید ہمارے ہی مذہب کی نکلتی ہے، کیوں کہ پھر سے نماز پڑھنے کی بھی روایت ہے، مثلاً: مصنف ابن ابی شیبہ میں اور تحری واخذ بالاقل کی بھی ہیں، جیسے: مسلم شریف میں اور یہ بخاری میں، لہٰذا ہم نے سب احادیث پر عمل کیا اور شافعیہ نے صرف اقل والی پر کیا اور باقی سب کی تاویل کی، اور تحری صواب کو بھی اقل پر ہی محمول کردیا، حالاں کہ لغت میں اس کے بالکل خلاف ہے اور اس کے اصل معنی کو لغو کردینا درست نہیں، خصوصاً جب کہ شریعت میں غلبہ ظن کا اعتبار بہت سے ابواب میں موجود بھی ہے، لہٰذا اس نوع کو یہاں غیر معتبر ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں، دوسرے ان کے مذہب پر ایک نوع کو اس کے حکم سے بالکلیہ خالی کردینا لازم آئے گا، جو درست نہیں ہے(۳)۔

(۱)البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب سجود السھو: ۱۹۲/۲

الجوهرة النيرة، كتاب الصلوٰة، باب سجود السهو: ۹۳/۱

رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب سجود السهو: ۵٦۰/۲، ۵٦۱

(۲)المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۳۹/٤

العزيز شرح الوجيز المعروف بـ الشرح الكبير، كتاب الصلاة، الباب السادس في السجدات، القول في سجود السهو: ۸۲/۲

الحاوي الكبير للماوردي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو وسجود الشكر: ۲۱۲/۲

(۳)انوار الباری: ۲۰۱/۱۲

فليتمّ عليه،

اوراسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرلے،

"تَمَّ" کا صلہ جب "علی" ہوتو یہ "اتمام" کے معنی میں ہوتا ہے۔تحری کرنے کے بعد غلبہ ظن کے مطابق اپنی نماز کو پورا کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور یقین پر بنیاد رکھنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے(۱)۔

ثم ليسلّم، ثم يسجد سجدتين.

پھرسلام پھیرکردوسجدے(سہوکے)کرلے۔

ایک روایت میں "ثم يسجد سجدتين" کی بجائے "ثم ليسجد سجدتين" کے الفاظ ہیں،مراد یہ ہے کہ سہو کی وجہ سے دوسجدے کرے(۲)۔

روایت مذکورہ پرایک اشکال اوراس کا جواب

مذکورہ حدیث میں ایک تعارض معلوم ہوتا ہے وہ اس طرح کہ حدیثِ باب کی ابتدا میں قبل السلام سجدے کرنے پردلالت تھی اورآخرحدیث میں بعدالسلام سجدہ سہوکرنے پردلالت ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیاہے،اس سے دونوں امرین کے جواز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے(۳)۔

سجدہ سہوسلام سے پہلے کیا جائے گا یا سلام کے بعد؟

حدیث پاک کے اس آخری جملے میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سہو کے دوسجدے کرلو۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ سہوکا وقت سلام کے بعد ہے نہ کہ پہلے۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٠٦

(۲)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٧، عمدة القاري: ٤/٢٠٦

علامہ انورشاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "ثم ليسلم، ثم يسجد سجدتين" پرخاموشی اختیار کی اوربغیر جواب دہی کے آگے چلے گئے،ایسے موقع پر کہ اپنے مذہب میں کمزوری ہو،سکوت ہو اور جہاں کچھ قوت ہوتو دوسروں پرنکیر میں حدِاعتدال سے بڑھ جانا اہلِ ادب وتحقیق کے لیے موزوں نہیں"۔(انوارالباری:۱۲/۱۹۹)

(۳)الكوثر الجاري: ٢/٩٢

مذہبِ احناف

اس بارے میں مختلف قسم کی احادیث ہونے کی وجہ سے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے درمیان بھی اختلاف ہوا، چناں چہ! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ سلام کے بعد دوسجدے کیے جائیں (۱)۔

سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرنے کا طریقہ

سلام کے بارے میں احناف کے نزدیک تین اقوال ہیں، ایک: نمازی اپنے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے، دائیں بائیں دیکھے بغیر سلام کہہ دے اوراس کے بعد دوسجدے کرے۔ یہ قول مفتی بہ نہیں ہے۔

دوسرا: دائیں بائیں دونوں طرف منہ پھیرتے ہوئے سلام پھیرے، صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس قول کوصحیح قرار دیا ہے۔ (۲) اوراس کو بدائع الصنائع میں عامۃ العلماء کا قول بتلایا گیا ہے۔ (۳)

تیسرا: صرف دائیں طرف سلام پھیر کر دوسجدے کرلیے جائیں، اس قول پرفتوی ہے (۴)۔

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ٥٤٠

الهداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/ ۳۳۱

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل في بيان محل سجود السهو: ۱/ ۷۱۱

(۲) "ويأتي بتسلمتين، هو الصحيح". (الهداية، كتاب الصلاة، باب: سجود السهو: ۱/ ۳۳۱، المكتبة البشرىٰ)

(۳) وعامتهم على أنه يسلم بتسليمتين عن يمينه وعن يساره؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لكل سهوٍ سجدتان بعد السلام"، ذكر السلام بالألف واللام؛ فينصرف إلى الجنس أو إلى المعهود، وهما تسليمتان. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل في قدر سلام السهو وصفته: ۱/ ۷۱٦)

(٤) هٰذا قول الجمهور، منهم شيخ الإسلام وفخر الإسلام. وقال في الكافي: إنه الصواب، وعليه الجمهور، وإليه أشار في الأصل اھ. (حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ٥٤٠)

أحدهما: "أنه يسلم عن يمينه فقط، وصححه في المجتبى". ثانيهما لو سلم التسليمتين سقط عنه سجود السهو لأنه بمنزله الكلام، حكاه الشارح عن خواهر زاده، فقد اختلف التصحيح فيها. والذي ينبغي الاعتماد عليه تصحيح المجتبى أنه يسلم عن يمينه فقط لأن السلام عن اليمين معهود وبه يحصل التحليل فلا حاجة إلى غيره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ١٦٥)

وقال ابن عابدين في حاشيته المسمى بـ منحة الخالق تحت قوله: "أحدهما أنه يسلم عن يمينه فقط" والحاصل أن ما صححه في المجتبى هو بعينه ما تقدم أنه قول الجمهور وأنه الأصوب والصواب. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ١٦٥)

مذہبِ شوافع

شوافع کے نزدیک سجدہ سہو کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اور اصح قول کے مطابق سلام پھیرنے سے قبل سجدہ سہو کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دو روایتیں اور ہیں، ایک روایت امام مالک رحمہ اللہ کے مطابق ہے، اس کے قائل امام مزنی رحمہ اللہ ہیں۔ اور دوسری روایت ان کا قول قدیم ہے کہ غلطی ہو جانے کی بنا پر نمازی کو اختیار ہے کہ سلام سے قبل سجدہ سہو کرلے یا سلام کے بعد۔(۱)

اصح قول کے مطابق سجدہ سہو کا طریقہ یہ بنے گا کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد، درود، دعا سب کچھ پڑھنے کے بعد دو سجدے کیے جائیں گے اور اس بعد سلام پھیرا جائے گا۔ شوافع کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے (۲) حضرت عبداللہ بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جس میں ہے: "كبر قبل التسليم، فسجد سجدتين وهو جالس، ثم سلم".

علامہ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "شوافع نے اپنے مذہب پر استدلال اس طرح کیا ہے کہ سجدہ سہو قبل السلام والی حدیث کے راوی متاخر الاسلام ہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی بعد کی ہی ہوگی، تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ تو بے بنیاد نسخ کا دعوی ہے، کیوں کہ راوی کا متاخر الاسلام ہونے سے حدیث کا مؤخر ہونا لازم نہیں آتا" (۳)۔

مذہبِ مالکیہ

مالکیہ کے نزدیک اگر نماز میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے کیے جائیں گے اور نماز میں

---

(۱) العزيز شرح الوجيز المعروف بـ الشرح الكبير للقزويني، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۹۷-۹۹

منهاج الطالبين وعمدة المفتين للنووي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۱۱۲

المغني المحتاج إلى معرفة معاني المنهاج، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/ ۳۲۳

(۲) حدثنا عبد الله بن يوسف، أخبرنا مالك بن أنس، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن الأعرج، عن عبد الله ابن بحينة رضي الله عنه، أنه قال: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين من بعض الصلوات، ثم قام، فلم يجلس، فقام الناس معه، فلما قضى صلاته ونظرنا تسليمه، كبر قبل التسليم، فسجد سجدتين وهو جالس، ثم سلم. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب ما جاء في السهو، رقم الحديث: ۱۲۲٤)

(۳)الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۳/۱، سعيد

کسی فعل کی زیادتی واقع ہوگئی ہوتو سلام کے بعد دوسجدے کیے جائیں گے(۱)۔

اور اگر کسی نماز کے کسی رکن میں کمی بھی ہوجائے اور زیادتی بھی، تو مالکیہ کے نزدیک سجدہ سہو قبل السلام ہوگا، کیوں کہ ان کے ہاں نقص کو زیادتی پر غلبہ دیا جاتا ہے(۲)۔

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مالکیہ نے احادیثِ نبویہ میں غور کرنے کے بعد یہ ثابت کیا تھا کہ کمی ہوجانے والی صورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو قبل السلام کیا تھا اور نماز میں زیادتی ہوجانے کی سورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو بعد السلام فرمایا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنن الترمذی کے باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً میں ایک روایت گذری ہے(۳) کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، اور دو رکعتوں پر تشہد پڑھے بغیر کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے ''سبحان اللہ'' کہا، تو جواب میں انہوں نے بھی ''سبحان اللہ'' کہہ دیا، پھر نماز کے آخر میں انہوں نے سلام پھیرنے کے بعد دوسجدے کیے اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرح فرمایا۔ اب غور فرمائیں کہ اس حدیث میں نماز میں کمی ہونے کے باوجود سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا گیا، لہٰذا یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہوگی''(۴)۔

اس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مالکیہ کا مذہب اُن

(۱) بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الجملة الرابعة في قضاء الصلاة وجبر ما يقع فيها من خلل، الباب الثالث من الجملة الرابعة في سجود السهو، الفصل الثاني في معرفة مواضع سجود السهو: ۱۹۲/۱

متن الأخضري في العبادات على مذهب الإمام مالك، كتاب الصلاة، باب في السهو، ص: ۱٦

بُلغة السالك لأقرب المسالك المعروف بـ حاشية الصاوي على شرح الصغير، كتاب الصلاة، فصل في بيان سجود السهو، السجود القبلي والبعدي للسهو: ۳٥٦/۱

(۲) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۲/۱، سعيد

(۳) عن شعبي قال: صلى بنا المغيرة بن شعبة، فنهض في الركعتين، فسبح به القوم، وسبح بهم، فلما قضى صلاته سلم، ثم سجد سجدتي السهو، وهو جالس، ثم حدثهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل به مثل الذي فعل". (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً، رقم الحديث: ۳٦٤)

(٤) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۳/۱، سعيد

احادیث کے بھی خلاف ہے، جن میں یہ حکم ہے کہ نماز میں شک پڑنے کی صورت میں نمازی یقین پر بناء کرے گا اور دو سجدے قبل السلام کرے گا۔ اب غور کیجیے! کہ ان احادیث میں نمازی کو یہ شک ہے کہ وہ نماز پوری کر چکا ہے، یا اس نماز میں کوئی زیادتی کر چکا ہے اور ایسی صورت میں تو مالکیہ کے ہاں سجدہ سہو بعد السلام کیا جانا چاہیے، جب کہ ان احادیث میں قبل السلام سجدہ سہو کرنے کا حکم ہے، شاید اسی وجہ سے علامہ باجی رحمہ اللہ وغیرہ نے ایسی روایات میں تاویل سے کام لیا ہے'' (۱)۔

مذہبِ حنابلہ

حنابلہ کے نزدیک اگر نمازی سے ایسی غلطی ہو جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے ان میں سجدہ سہو اسی طرح کیا جائے گا، جس طرح حدیث میں وارد ہوا ہے اور اگر نمازی سے ایسی غلطی اور سہو ہوا جو غلطی اور سہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب شوافع کے مطابق ہے، یعنی: سجدہ سہو سلام سے قبل ہوگا (۲)۔

بادی النظر میں حنابلہ کا مذہب بہت زیادہ پرکشش ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کما حقہ اس مذہب پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قعدہ اولی بھول گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد سجدہ سہو کیا (۳)۔

---

(۱) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱/۱۷۳، سعيد

(۲) المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب سجدتي السهو، مسئلة: وما عدا من السهو فسجوده قبل السلام: ۲/۴۱۵

الشرح الكبير للمقدسي مطبوع تحت "المقنع"، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۴/۱۹

الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي مطبوع مع المقنع والشرح الكبير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۴/۱۹-۲۱

(۳) عن شعبي قال: صلى بنا المغيرة بن شعبة، فنهض في الركعتين، فسبح به القوم، وسبح بهم، فلما قضى صلاته سلم، ثم سجد سجدتي السهو، وهو جالس، ثم حدثهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل به مثل الذي فعل". (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً، رقم الحديث: ۳۶۴)

اور حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں قعدہ اولی بھول کر کھڑے ہوگئے تو آپ نے قبل السلام سجدہ کیا (۱)۔

یہ دونوں احادیث صحیح ہیں، لیکن اب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے سوچا جائے کہ دو صحیح احادیث میں ایک ہی قسم کی غلطی پر دو طرح کا عمل موجود ہے، اب ان پر عمل کی کیا صورت ممکن ہے؟۔

دلائل احناف

اس مسئلہ میں احناف کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمساً، فقيل له: أزيد في الصلاة؟ فقال: وما ذاك؟ قال: صليت خمساً، فسجد سجدتين بعد ما سلم(۲).

دوسری دلیل بھی صحیح بخاری کی ہی حدیث ہے جو کہ مذکورہ باب میں گذری ہے، جس میں صاف وضاحت کے ساتھ ہے:

"فليتحر الصواب، فليتم عليه، ثم ليسلم، ثم يسجد سجدتين"(۳).

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

عن عبد الله بن جعفر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من شك في صلاته، فليسجد سجدتين بعد ما يسلم"(٤).

---

(۱) عن عبد الله بن بحينة الأسدي، حليف بني عبد المطلب: أن النبي صلى الله عليه وسلم قام في صلاة الظهر وعليه جلوس، فلما أتم صلاته سجد سجدتين، يكبر في كل سجدة وهو جالس، قبل أن يسلم وسجدهما الناس معه مكان ما نسي من الجلوس. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام، رقم الحديث: ٤٠٠)

(۲)صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٢٦

(۳)صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١

(٤)سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من قال بعد التسليم، رقم الحديث: ١٠٣٣

چوتھی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، جس کے آخر میں ہے:

"فصلى الركعة التي كان ترك، ثم سلم، ثم سجد سجدتي السهو، ثم سلم"(۱).

پانچویں دلیل: وہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو سجدہ سہو قبل السلام پر دلالت کرتے ہیں، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمار، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو: شرح معانی الآثار اور مصنف لابن ابی شیبہ(۲)۔

چھٹی دلیل عقلی ہے، کہ بعد السلام سجدہ کرنے میں عبادت اور مشقت زیادہ ہے، کیونکہ اس صورت میں تشہد دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، پس اس صورت کا افضل قرار دینا بہتر ہے(۳)۔

ساتویں دلیل نظرِ طحاوی ہے کہ سجدہ سہو دیگر سجود واجبہ فی الصلاۃ کی طرح نہیں ہوتا کہ واجب ہوتے ہی فی الفور ادا کرنا ضروری ہو، بلکہ اس کا وجوب علی سبیل التاخیر ہوتا ہے، اب یہ تاخیر کتنی ہونی چاہیے، تو اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف واقع ہوا، بعض کا رجحان اس طرف ہوا کہ سلام کے علاوہ بقیہ تمام افعالِ صلاۃ سے مؤخر ہونا چاہیے اور بعض کا رجحان یہ بنا کہ سلام سے بھی مؤخر ہونا چاہیے، لیکن غور کرنے سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بالاتفاق سلام کے علاوہ بقیہ تمام افعال سے اس کو مؤخر کیا جاتا ہے اور بقیہ افعال کو اس سجدہ پر مقدم کیا جاتا

---

(۱)وحدثنا إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا عبد الوهاب الثقفي، حدثنا خالد وهو الحذاء ، عن أبي قلابة، عن أبي المهلب، عن عمران بن الحصين، قال: سلم رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثلاث ركعات، من العصر، ثم قام فدخل الحجرة، فقام رجل بسيط اليدين، فقال: أ قصرت الصلاة يا رسول الله؟ فخرج مغضبا، فصلى الركعة التي كان ترك، ثم سلم، ثم سجد سجدتي السهو، ثم سلم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث: ٥٧٤)

(٢) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو في الصلاة؛ هل هو قبل التسليم أو بعده: ١/ ٥٦٣-٥٦٩

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة،في السلام في سجدتي السهو: قبل السلام أو بعد، رقم الحديث: ٤٤٧٠-٤٤٨١، و من كان يقول: اسجدهما قبل أن تسلم، رقم الحديث: ٤٤٨٢، ٤٤٨٣

(٣)معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام، رقم الحديث: ٤٠٠، ٣/ ٤٨٩

ہے تو قیاس ونظر کا تقاضا یہ بنتا ہے کہ دیگر افعال کی طرح سلام بھی ان سجود سے مقدم ہو اور یہ سجود سلام سے مؤخر ہوں (۱)۔

مذہبِ احناف کی وجہ ترجیح

''مذہبِ احناف کو اس طور پر ترجیح حاصل ہے کہ اس باب میں احادیثِ فعلیہ اور قولیہ دونوں طرح کی ہیں، جن میں غور سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل دونوں طرح کا ملتا ہے، قبل السلام کا بھی اور بعد السلام کا بھی، چناں چہ احناف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو ترجیح دی، جس کے مطابق آپ کا قول بھی تھا، اس طرح سے احناف کے ہاں قول اور فعل دونوں پر عمل ہو گیا۔

اس پر شوافع کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح احناف کے پاس فعلی کے ساتھ ساتھ قولی حدیث بھی ہے، اسی طرح شوافع کے پاس بھی دونوں احادیث موجود ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیثِ قولیہ میں جب تعارض ہو جائے تو قیاس کے ذریعے ترجیح دی جاتی ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام کے ذریعے سجدہ سہو میں فصل ہونا چاہیے، کیوں کہ سجدہ سہو نماز کی کمی کو پوری کرنے والی شئی ہے اور کسی شئی کی کمی کو پورا کرنے والی شئی اس چیز کا غیر ہوا کرتی ہے، جیسا کہ فرض نماز کے اندر سنتوں کی کوتاہی کو نماز کے بعد کی سنتیں اوراذ کار اس کمی کو پورا کر دیتی ہیں۔لہذا یہاں پر بھی سجدۂ سہو کو سلام کے بعد آنا چاہیے تا کہ کمی کو پورا کرنے والی شئی کے ساتھ جدائی ہو جائے اور یہ اصل شئی کا غیر ثابت ہو، لیکن چوں کہ دونوں طریقے سجدۂ سہو قبل السلام اور بعد السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور فعلاً ثابت ہیں، لہذا ہم کسی سے نہیں روک سکتے'' (۲)۔

مسئلہ مذکورہ میں اختلافِ مذاہب کی حیثیت

سلام سے قبل یا بعد میں سجدہ سہو کرنے میں ائمہ کا اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ افضل اور غیر افضل کا ہے، یعنی: جائز دونوں طرح ہے (۳)۔

---

(۱)شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو في الصلاة؛هل هو قبل التسليم أو بعده؟: ۱/۵۶۸، ۵۶۹

(۲)الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱/۱۷۲، ۱۷۳، سعيد

(۳)الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵۴۱

الهداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/ ۳۳۱

اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱۴۸

حضرت گنگوہیؒ کا ایک سہو اور درست بات

اس مقام پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ سے سہو ہو گیا، نقلِ مذاہب کے وقت انہوں نے لکھ دیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ سہو بعد السلام ہوگا، لیکن قبل السلام سجدہ کرنا جائز ہی نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک ان کی مستدل حدیث کے علاوہ باقی سب منسوخ ہیں، اس لیے منسوخ حدیث پر عمل کیسے جائز ہوگا؟(۱)۔

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمہ اللہ کے آنے والے قول کہ "سجدة السهو قبل التسليم" والی حدیثیں دوسری احادیث کے لیے ناسخ ہیں، اس سے استدلال کیا ہے کہ شوافع کے نزدیک سجدہ سہو جائز ہی نہیں، کیوں کہ منسوخ حدیث پر عمل صحیح نہیں ہوتا، لیکن شوافع کے مذہب کے اکثر ناقلین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ دونوں طرح جائز ہے، چناں چہ حافظ رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں ماوردیؒ سے نقل کیا ہے کہ دونوں طرح سجدہ سہو کرنے کے جواز پر اجماع ہے، اختلاف تو افضلیت کا ہے، اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے اجماع کا قول نقل کیا ہے، انتہیٰ کذا فی الاوجز''(۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے جملے "فثنى رجليه واستقبل القبلة" سے ہے(۳)۔

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ احکام وفوائد

اس حدیث مبارکہ سے بہت سارے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے چند ذیل میں لکھتے جاتے ہیں:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سوال "أ حدث في الصلاة شيئ؟" سے نسخ کا جواز معلوم ہوتا ہے(۴)۔

---

(۱) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ١٧٢/١، سعيد

(٢) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ١٧٢/١، سعيد

(٣) فتح البارى: ٦٥٢/١، عمدة القاري: ٢٠٥/٤، كوثر المعاني الدراري في كشف الخبايا صحيح البخاري: ٤٦/٧، الكنز المتواري: ٩١/٤

(٤) عمدة القاري: ٢٠٦/٤

۲۔انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو ونسیان کے وقوع کا بھی علم ہوتا ہے(۱)۔
۳۔اس حدیث سے وہ فقہاء کرام دلیل پکڑتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۲)۔
۴۔اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ سہو کے دو سجدے ہوتے ہیں (۳)۔
۵۔اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ سہو کے دو سجدے سلام کے بعد ہیں، نہ کہ پہلے (۴)۔
۶۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (اس) نماز کے بعد (جس میں فرائض کے بعد سنتیں نہ ہوں تو) امام مقتدی کی طرف پھر کر بیٹھ جائے (۵)۔
۷۔تابع کو متبوع کی طرف سے اس بات کا حکم دینا کہ جب مجھے بھول ہو جائے تو مجھے یاد دلا دینا، بھی معلوم ہوتا ہے(۶)۔
۸۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات کی وضاحت کو اس کے وقتِ حاجت سے مؤخر نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا: ”لو حدث في الصلاة شيئ لنبأتكم به“(۷).
۹۔اس حدیث مبارکہ میں احناف کی دلیل ہے کہ جب نماز میں کسی کو رکعات کی تعداد میں شک واقع ہو جائے تو وہ تحری کر کے اپنی نماز پوری کرے(۸)۔
۱۰۔اس بات پر بھی دلیل ہے کہ سجدہ سہو متعدد اسباب کی وجہ سے متعدد نہیں ہوتا، بلکہ جتنی بھی غلطیاں ہوں ان کے تدارک میں صرف دو ہی سجدے ہیں، جیسا کہ اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات میں بھی سہو ہوا اور اس کے بعد آپ سے کلام کا صدور بھی ہوا(۹)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦
(٢)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦
(٣)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦
(٤)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦، كوثر المعاني الدراري في كشف الخبايا صحيح البخاري: ٥٣/٧
(٥)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦
(٦)المنهاج للنووي، كتاب الصلاة، مواضع الصلاة، صلاة المسافرين، رقم الحديث: ٥٧٢، ٥/٦١، ٦٢
(٧)فتح الباری: ٦٥٣/١،عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦
(٨)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦
(٩)عمدة القاري: ٤/ ٢١٠

٥ - باب : مَا جَاءَ فِي ٱلْقِبْلَةِ ، وَمَنْ لَا يَرَى ٱلْإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا ، فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ ٱلْقِبْلَةِ .

یہ باب ان روایات کے بارے میں ہے جو قبلہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اوران حضرات کے بارے میں ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ بھول کر غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھ لینے والے پر نماز کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

"ومن لا یریٰ الإعادة"، بعض نسخوں میں "ومن لم یر الإعادة" ہے، یعنی: "لا یریٰ" کی جگہ "لم یر" ہے، مقصود دونوں سے ایک ہی ہے۔ "ومن لا یریٰ الإعادة" کا عطف "القبلة" پر ہے، اس صورت میں پوری عبارت: "باب ما جاء في من لا یریٰ الإعادة علی من سھا، فصلی إلی غیر القبلة" ہو جائے گی(۱)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کلمۃ "فصلی" میں "ف" تفسیر یہ ہے، اور "فصلی" کا لفظ تفسیر ہے کلمۂ "سھا" کی(۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: "اس تشریح میں بُعد ہے، بہتر توجیہ یہ ہے کہ "ف" کو سببیہ بنایا جائے نہ کہ تفسیریہ، جیسا کہ اللہ تعالی کے قول: ﴿الم تر ان الله انزل من السماء ماء، فتصبح الارض مخضرة﴾ میں "ف" سببیہ ہے نہ کہ تفسیریہ۔ اور اگر "فصلی" کی بجائے "وصلی" ہوتا تو یہ زیادہ بہتر تھا"(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ باب ماقبل والے باب سے جدا ہے، وہاں قبلہ کی جانب منہ کرنے کا بیان تھا، یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے قبلہ کے علاوہ کسی اور جانب منہ کر کے نماز ادا کر لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی نماز کا اعادہ نہیں کرے گا(۴)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

(۲)شرح الكرماني: ٤/٦٦

(۳)عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

(٤)عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عند الشراح: ''ومن لم یر الإعادة علی من سھیٰ''تفسیر ہے ''ما جاء في القبلة''کی۔ اور عندی: ''ما جاء في القبلة''الگ ہے اور''ومن لم یر الإعادة علی من سھیٰ''الگ ہے، کیوں کہ قبلہ کا باب اب ختم ہو رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر ایک مصنف باب کے ختم پر ایک باب مسائل شتیٰ کا لکھا کرتا ہے، اس اعتبار سے یہاں بھی مسائل شتی امام بخاری رحمہ اللہ لکھ رہے ہیں (۱)۔

قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں نماز کا حکم

اس مسئلہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے:

احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور کوئی شخص قبلہ بتلانے والا نہ ہو اور نمازی تحری واجتہاد کر کے کوئی ایک جانب قبلہ کے لیے متعین کر کے نماز پڑھ لے، بعد میں معلوم ہو کہ قبلہ تو کسی اور جانب تھا، تو ایسے شخص کے ذمے اس نماز کا اعادہ کرنا لازم نہیں ہے (۲)۔

حنابلہ کے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہے (۳)۔

مالکیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک تو وہی جو احناف کے نزدیک ہے اور دوسرا یہ کہ وقت کے اندر اندر معلوم ہو جانے کی صورت میں اعادہ کرے گا (۴)۔

---

(۱)الکنز المتواري: ٤/٩٣، ٩٤، سراج القاري: ٢/٤٤٢

(٢) البحر الرائق، كتاب الصلاة، شروط الصلاة: ١/٤٩٨-٥٠٢

الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ١/١٧٩، ١٨٠، مكتبة البشرى

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث: في شروط الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ١/٦٤

(٣) المقنع مع الشرح الكبير والإنصاف، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، مسئلة: ومن صلى بالاجتهاد إلى جهة، ثم علم أنه أخطأ القبلة: ٣/٣٥٤

الكافي لابن قدامة المقدسي، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة: ١/٢٦٠

المحرر في فقه المذهب للإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة: ١/٥٢

(٤)بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الجملة الثانية في الشرط، الباب الثالث من جملة الثانية في القبلة: ١/١١١

المدونة الكبرى، كتاب الصلاة الأول، فيمن صلى إلى غير القبلة: ١/١٨٤

الشرح الكبير للدردير وحاشية الدسوقي، كتاب الصلاة، فصل شروط صحة الصلاة، الشرط الرابع وهو استقبال القبلة: ١/٢٢٥

شوافع کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ظاہر ہوا کہ اس نے تو نماز غیرِ قبلہ کی جانب ادا کر لی ہے تو یہ از سر نو نماز ادا کرے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کو اپنا خطا پر ہونا بغیر کوشش کے معلوم ہو گیا ہو۔ اور اگر باقاعدہ غور وفکر کر کے اس کو اپنی غلطی کا علم ہو تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے(۱)۔

تعلیق

وَقَدْ سَلَّمَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِي رَكْعَتَيِ ٱلظُّهْرِ ، وَأَقْبَلَ عَلَى ٱلنَّاسِ بِوَجْهِهِ ، ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ . [ر : ٤٦٨]

تعلیق کا ترجمہ

اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتوں میں سلام پھیر کر لوگوں کی طرف اپنا منہ کر لیا، اس کے بعد جو باقی رہ گیا تھا، اسے پورا کیا تھا۔

تعلیق کی تخریج

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس معاملے میں ابن بطال رحمہ اللہ کو وہم ہو گیا ہے اس لیے کہ حدیث ابن مسعود میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کا ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ یہ تعلیق تو حدیث ابو ہریرہ جس میں قصہ ذوالیدین مذکور ہے(۳)، کا ٹکڑا ہے(۴)۔

---

(۱) الأم كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، فيمن استبان الخطأ بعد الاجتهاد: ٢/٢١٣

تحفة الحبيب على شرح الخطيب المعروف بـ حاشية البجيرمي على الخطيب، كتاب الصلاة، فصل في شروط الصلاة، القول في مراتب القبلة وتعلم أدلتها: ٢/ ١٣٢

الحاوي في فقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة وأن لا فرض إلا الخمس: ٢/ ٨٦

(٢)وقد أشار البخاري في ترجمته إلى هذا الاستدلال من حديث ابن مسعود فقال: وقد سلم النبي عليه السلام في ركعتي الظهر وأقبل على الناس بوجهه ......إلخ. (شرح ابن بطال: ٢/٧٨)

(٣) حدثنا إسحاق، قال: حدثنا النضر بن شميل، أخبرنا ابن عون، عن ابن سيرين، عن أبي هريرة، قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدى صلاتي العشاء، قال ابن سيرين: سماها أبو هريرة =

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ جس طرح ترجمۃ الباب سے یہ ظاہر ہے کہ جوشخص بھولے سے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لے تو اس پر نماز کو لوٹانا واجب نہیں ہے اور یہی چیز مذکورہ تعلیق سے ظاہر ہورہی ہے، وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی سے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، اس کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے، پھر جب غلطی پر تنبہ ہوا تو دوبارہ قبلہ رخ ہو کر نماز مکمل کی، اب جتنی دیر تک آپ لوگوں کی متوجہ رہے اتنی دیر تک قبلہ سے پھرے رہے حالاں کہ آپ اس وقت بھی آپ کا شمار نماز میں ہی تھا۔ اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کا اعادہ بھی نہیں کیا(۱)۔

= ولكن نسيت أنا، قال: فصلى بنا ركعتين، ثم سلم، فقام إلى خشبة معروضة في المسجد، فاتكأ عليها كأنه غضبان، ووضع يده اليمنى على اليسرى، وشبك بين أصابعه، ووضع خده الأيمن على ظهر كفه اليسرى، وخرجت السرعان من أبواب المسجد، فقالوا: قصرت الصلاة؟ وفي القوم أبو بكر وعمر، فهابا أن يكلماه، وفي القوم رجل في يديه طول، يقال له: ذو اليدين، قال: يا رسول الله! أ نسيت أم قصرت الصلاة؟ قال: لم أنس ولم تقصر، فقال: أكما يقول ذو اليدين؟ فقالوا: نعم، فتقدم فصلى ما ترك، ثم سلم، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، فربما سألوه :ثم سلم؟ فيقول: نبئت أن عمران بن حصين، قال: ثم سلم. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، رقم الحديث: ٤٨٢)

(٤) فتح الباري: ١/٦٥٤، عمدة القاري: ٤/٢١٣

حاشية صفحة هذا......(١)فتح الباري: ١/٦٥٤، عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس تعلیق سے استدلال اس طرح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر سلام پھیر دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے، قبلہ کی طرف سے رُخ موڑ لیا، پھر صحابہ کے خبر دینے پر رُو بہ قبلہ ہو کر بقیہ نماز پوری کی اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا، یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ اگر وہ پہلی نماز صحیح نہیں تھی تو بنا کیسے ہو گئی، اور اتمام کیونکر صحیح ہوا؟ اور سجدہ کیسے فرمایا؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک نماز میں ہی تھے تو بنا صحیح ہوئی، لہٰذا صلاة إلى غير القبلة ساهياً لازم آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بنا کی، معلوم ہو کہ صلاة إلى غير القبلة سهواً سے نماز فاسد نہیں ہوتی''۔ (تقریر بخاری شریف: ۲/۳۱۳)

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

۳۹۴/۳۹۳ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ : حَدَّثنا هُشَيْمٌ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ[1] قَالَ : قَالَ عُمَرُ : وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ : فَقُلْتُ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، لَوِ ٱتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ، فَنَزَلَتْ : «وَٱتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى» . وَآيَةُ ٱلْحِجَابِ ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، لَوْ أَمَرْتَ نِسَاءَكَ أَنْ يَحْتَجِبْنَ ، فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ ٱلْبَرُّ وَٱلْفَاجِرُ ، فَنَزَلَتْ آيَةُ ٱلْحِجَابِ ، وَٱجْتَمَعَ نِسَاءُ ٱلنَّبِيِّ ﷺ فِي ٱلْغَيْرَةِ عَلَيْهِ ، فَقُلْتُ لَهُنَّ : عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ ، أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ ٱلْآيَةُ .

ترجمہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین معاملات (کے بارے) میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے میرے پروردگار کے موافق رہی، ایک یہ کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہم مقامِ ابراہیم کو مصلی (جائے نماز) بنالیں تو بہتر ہوگا، چناں چہ آیت مبارکہ ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ نازل ہوئی۔ دوسرا موقع حجاب کی آیت کا ہے، میں

(۱) أخرجه البخاري أيضاً في تفسير سورة البقرة، باب قوله تعالىٰ: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾، رقم الحديث: ۴۴۸۳ـ وفي تفسير سورة الأحزاب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم﴾، رقم الحديث: ۴۷۹۰ـ وفي سورة التحريم، باب قوله تعالىٰ: ﴿عسى ربه ان طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن﴾، رقم الحديث: ۴۹۱۶.

وأخرجه مسلم في صحيحه، في فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر ، من حديث ابن عمر، رقم الحديث: ۲۳۹۹.

وأخرجه الترمذي في جامعه ، في التفسير، باب ومن سورة البقرة، رقم الحديث: ۲۹۶۰

وأخرجه ابن ماجه في سننه، في الصلاة، باب القبلة، رقم الحديث: ۱۰۰۹

وفي جامع الأصول، حرف التاء، الكتاب الأول في تفسير القرآن، سورة البقرة، رقم الحديث: ۴۷۴، ۲/۹

نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ ازواج مطہرات کو باپردہ رہنے کا حکم فرما دیں تو بہتر ہوگا، کیوں کہ ان سے بات چیت کرنے والوں میں اچھے اور بُرے سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ چناں چہ آیت حجاب [واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب] نازل ہوگئی۔ تیسرا موقع یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی خدمت میں رشک وغیرت کے جذبات کی بنا پر جمع ہوئیں تو میں نے زجراً ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوکر تم سب کو طلاق دے دیں تو کچھ عجب نہیں کہ آپ کا پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے، چناں چہ! اسی مضمون کی آیت نازل ہوگئی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ عمرو بن عون

یہ أبو عثمان عمرو بن عون بن أوس بن الجعد السُّلمي الواسطي الزاز رحمہ اللہ ہیں۔ ابو العجفاء السلمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بصری کے رہنے والے تھے۔

ان کے مشہور اساتذہ میں ہُشیم بن بشیر، اسحاق بن یونس الازرق، حماد بن زید، خالد بن عبداللہ الواسطی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور ان کے مشہور تلامذہ میں امام بخاری، امام ابوداؤد، امام دارمی، احمد بن سلیمان الرہاوی، احمد بن محمد وزیر الواسطی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

یحیی بن معین، العجلی، یزید بن ہارون، ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہ رحمہم اللہ سب نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابن حبان، امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام حاتم رحمہم اللہ کے اقوال کے مطابق ان کی وفات ۲۲۵

ہجری میں ہوئی (۱)۔

۲۔ ہُشیم

یہ ''ابومعاویہ ہُشیم بن بشیر بن قاسم الواسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، باب قول اللہ تعالی: ﴿فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه﴾ کی حدیث دوم، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۳۔ حمید

یہ ''ابوعبیدہ حُمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۴۔ انس

یہ ''انس بن مالک'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

۵۔ عمر

یہ امیر المؤمنین حضرت ''عمر بن خطاب'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بدء الوحی کی پہلی حدیث، اور تفصیلی احوال

(۱) تهذيب الكمال: ۲۲/۱۷۷-۱۸۰، الطبقات لابن سعد: ۷/۳۱٦، تاريخ الكبير للبخاري: ٦/ رقم الترجمة: ۲٦۳۸، الثقات لابن حبان: ۸/٤٥۸، سير أعلام النبلاء: ۱۰/٤٥۰، تهذيب التهذيب: ۸/۸٦،۸۷

(۲) کشف الباری، کتاب التیمم: ص: ۸٤

(۳) کشف الباری: ۲/۷۱

(٤) کشف الباری: ۲/٤

کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدوم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرحِ حدیث

قال عمر: وافقت ربي في ثلاث:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین معاملات (کے بارے) میں فرمایا کہ میری رائے میرے پروردگار کے موافق رہی۔

"وافقتُ ربي" اکثر شراح حدیث کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے اس طرح فرمایا، ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بات کہی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی بات کے مطابق وحی اتار دی، گویا موافقت مِن جانبِ اللہ ہوئی ہے، لیکن بابِ مفاعلہ میں فعل چونکہ مِن الجانبَین ہوتا ہے، اس لیے ادب کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ میں نے اپنے رب کی موافقت کی اور اس عنوان کو بے ادبی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری موافقت کی، اس لیے "وافقني ربي" نہیں کہا۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ کا فرمانا ہے کہ اس تشریح کی ضرورت نہیں ہے، یہاں موافقت کے اصطلاحی معنی یعنی: امتثال اوامر رب عز وجل مراد نہیں ہے، بلکہ موافقت کا لفظ اپنے اطلاق پر استعمال ہو رہا ہے، یعنی: جو بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، قرآن پاک کی آیت مبارکہ بھی اسی کے موافق نازل ہوگئی(۲)۔

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو ذکر کرتے ہوئے مزید یہ فرمایا ہے کہ اگر ادب کی رعایت سے "وافقتُ ربي" کہنے کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں ہی اسی آیت کے نزول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "وافقني ربي" کہنا منقول ہے، اس کا کیا جواب ہوگا؟(۳)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ثلاث کی تمیز "أمـورا" ذکر کی ہے اور اس پر ایک اشکال ذکر کرکے اس کا جواب دیا ہے کہ "أمورا"، جمع ہے "أمر" کی، جو کہ مذکر ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ لفظِ "ثلاث" مؤنث ہوتا، تو اس کا جواب یہ دیا کہ تمیز مذکور نہ ہو (جیسا کہ یہاں ہے) تو عدد کے مذکر یا مؤنث لانے میں اختیار ہوتا

(۱) کشف الباری: ۱/ ۲۳۹، ۲/ ۲۷٤

(۲) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٥۰

(۳) الكوثر الجاري للكوراني: ۲/ ۹٥

ہے(۱)۔جبکہ علامہ برماوی رحمہ نے "في ثلاث" سے مراد "قضایا" لیا ہے(۲)اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "في ثلاثٍ" سے مراد "ثلاثة وقائع" ہے(۳)۔

موافقاتِ عمر

یہاں تین مقامات کا ذکر ہے کہ ان تین مقامات میں وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق آئی ہے، یہ(تین مقامات)غالباً مقام اور مصلحت کی رعایت سے بیان کیے گئے ہیں کہ اس مقام اور وہاں کی مصلحت کا تقاضا ان تین کے ذکر کا تھا،اس لیے تین کا ذکر کردیا(۴)۔

یا یہ کہا جائے گا کہ عددِ اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا(۵)۔

ایک توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس قول کے وقت صرف تین امور میں ہی موافقت سامنے آئی ہو اور بقیہ مواقع اس قول کے بعد حاصل ہوئے ہوں گے(۶)۔

مذکورہ توجیہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ہے،علامہ عینی رحمہ اللہ مذکورہ توجیہ ذکر کرنے کے بعد اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس توجیہ میں نظر ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان موافقات کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دی تھی،لہٰذا مذکورہ احتمال درست نہیں ہوسکتا(۷)۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تعداد کا اہتمام غالباً وحی قرآن مجید کی موافقت کے پیش نظر آرہا ہے،ورنہ حسبِ ارشاد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مطلق وحی نبوت کے موافقت بہ تعدادِ کثیر پائی گئی ہے اور ان سب کے بھی شمار کی طرف توجہ کی جاتی

---

(۱)شرح الكرماني: ٦٦/٤

(٢) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥٠/٣

(٣) فتح الباري: ٦٥٤/١

(٤) التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ٥/ ٤١١، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥٠/٣، فتح الباري: ٦٥٤/١

(٥)شرح الكرماني: ٦٦/٤، فتح الباري: ٦٥٤/١

(٦)شرح الكرماني: ٦٦/٤، التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ٥/ ٤١١

(٧)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

توعدد بہت بڑھ جاتا(۱)۔

موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ کی تعداد

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت متعدد مقامات میں ثابت ہے، چناں چہ! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پندرہ مقامات شمار کروائے ہیں(۲) اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان کو بیس اور اکیس تک پہنچایا ہے(۳)۔ بلکہ ان (امام سیوطی رحمہ اللہ) کا تو اس بارے میں مستقل ایک منظوم کلام بھی ہے(۴)۔

(۱)انوارالباری:۱۲/۲۰۴

(۲)فتح الباري: ۱/ ٦٥٤

(۳) تاريخ الخلفاء للسيوطيؒ، فصل في موافقات عمر رضي اله عنه قد وصلها بعضهم إلى أكثر من عشرين، ص: ۸۳-۸۵

(۴) اس منظوم کلام کا نام "قطف الثمر في موافقات عمر" ہے، جوکہ امام سیوطی رحمہ اللہ کے مجموعہ رسائل "الحاوي للفتاوي: ۱/ ۳۷۷" کا جزء بن کر شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو:

الحمد لله وصلى الله — على نبيه الذي اجتباه
يا سائلي والحادثات تكثر — عن الذي وافق فيه عمر
وما يرى أنزل الكتاب — موافقاً لرأيه الصواب
خذ ما سألت عنه في أبيات — منظومة تأمن من شتات
ففي المقام وأسارى بدر — وآيتي تظاهر وستر
وذكر جبريل لأهل الغدر — وآيتين أنزلا في الخمر
وآية الصيام في حل الرفث — وقوله نساؤكم حرث يبث
وقوله لا يؤمنون حتى — يحكموك إذ بقتل أفتى
وآية فيها لبدر أو به — ولا تصل آية في التوبة
وآية في النور هذا بهتان — وآية فيها بها الاستئذان
وفي ختام آية في المؤمنين — تبارك الله بحفظ المتقين
وثلة من في صفات السابقين — وفي سواء آية المنافقين
وعددوا من ذاك نسخ الرسم — لآية قد أنزلت في الرجم =

= وقال قولا هو في التوراة قد نبهه كعب عليه فسجد
وفي الأذان الذكر للرسول رأيته في خبر موصول
وفي القرآن جاء بالتحقيق ما هو من موافق الصديق
كقوله هو الذي يصلي عليكم أعظم به من فضل
وقوله في آخر المجادله لا تجد الآية في المخالله
نظمت ما رأيته منقولا والحمد لله على ما أولى

فائدے کی خاطر وہ سولہ آیات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں، بوقتِ ضرورت ان سے متعلقہ تفصیلی مباحث اور ان کا شانِ نزول تفاسیر میں دیکھا جاسکتا ہے:

پہلی آیت: ﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوّاً لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّهِ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ. (٩٧). مَن كَانَ عَدُوّاً لِّلّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ. (البقرة:٩٨)﴾

دوسری آیت: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. (البقرة:١٢٥)﴾

تیسری آیت: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا. (البقرة:٢١٩)﴾

چوتھی آیت: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ لَكُمْ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ. (البقرة:١٨٧)﴾

پانچویں آیت: ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً. (النساء: ٦٥)﴾

چھٹی آیت: ﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ. (الأنفال: ٥)﴾

ساتویں آیت: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيدُ =

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ کی روایت ذکر کی ہے کہ جب کوئی بات پیش آتی تھی اور اس میں اختلافِ رائے ہوجاتا، لوگ ایک بات کہتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسری بات

= الاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (الأنفال: ٦٨)﴾

آٹھویں آیت: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ. (التوبة: ٨٤)﴾

نویں آیت: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ. (المؤمنون: ١٤)﴾

دسویں آیت: ﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ. (النور: ١٦)﴾

گیارہویں آیت: ﴿يٰٓا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (النور: ٥٨)﴾

بارہویں آیت: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوْتَ النَّبِيِّ إِلَّآ أَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ إِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ إِنٰهُ وَلٰكِنْ إِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ، إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوْٓا أَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ أَبَداً إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْماً. (الأحزاب: ٥٣)﴾

تیرہویں آیت: ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ. (٣٩) وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ. (الواقعة: ٤٠)﴾

چودھویں آیت: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (المنافقون: ٦)﴾

پندرہویں آیت: ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُّبْدِلَهٗٓ أَزْوَاجاً خَيْراً مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ أَبْكَاراً. (التحريم: ٥)﴾

سولہویں آیت: ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ. (التحريم: ٤)﴾

کہتے تو قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوتا (۱)۔

رب کے ساتھ موافقت کی وجہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند مقامات میں نہیں بلکہ متعدد مقامات میں کثرت کا ساتھ ایسا ہوتا رہا کہ وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رائے کی موافقت میں نازل ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''محدَّث'' ہیں (۲)۔ ''محدَّث'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے درست بات ڈال دی جاتی ہو۔ یا اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زبان سے بغیر ارادے کے درست بات جاری ہو جاتی ہو (۳)۔

خطاء سے محفوظ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکورہ اور دیگر بہت ساری بشارتوں کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ خطاء اور غلطی سے محفوظ تھے، اس لیے کہ من جانب اللہ خطاء سے حفاظت صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، جب کہ اس کے برخلاف اصحاب رسول علیہم الرضوان

---

(۱) عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه"، وقال ابن عمر: ما نزل بالناس أمر قط، فقالوا فيه، وقال فيه عمر، أو قال ابن الخطاب فيه -شك خارجة- إلا نزل فيه القرآن على نحو ما قال عمر. (سنن الترمذي، المناقب، باب في مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٦٨٢)

(٢) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد كان فيما قبلكم من الأمم محدثون، فإن يك في أمتي أحد، فإنه عمر". زاد زكريا بن أبي زائدة عن سعد عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لقد كان فيمن كان قبلكم من بني إسرائيل رجال، يكلمون من غير أن يكونوا أنبياء، فإن يكن من أمتي منهم أحد فعمر" قال ابن عباس رضي الله عنهما: "من نبي ولا محدث". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٦٨٩)

(٣) الكاشف عن حقائق السنن، كتاب المناقب، مناقب عمر، رقم الحديث: ٦٠٥٣، ١٢/٣٨٥٤

إرشاد الساري للقسطلاني، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٦٨٩: ٦/١٠٣

سے خطاؤں کا صدور ہوا، اور اس باب میں بھی امت مرحومہ کے لیے اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آیا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس پاکباز جماعت قدسیہ کی من جانب اللہ دنیا میں ہی براءت، گناہوں سے صفائی اور رضائے عزوجل کا اعلان ہوگیا، رضي الله عنهم ورضوا عنه۔

چناں چہ! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے محدَّث اور مُلہَم ہونے اور اس کے سبب متعدد موافقات قرآنی ہونے کے باوجود ان سے متعدد بار بار خطاء کا ظہور بھی ہوا، اور بعد ان سے رجوع بھی ہوا، مثلاً:

۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عمرہ کیے بنا صلح ہو جانے کی بنا پر واپس جانے کا حکم ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس پر شرح صدر نہ تھا، جس کی بنا پر وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بارے میں طویل سوال وجواب کیے، اور اس کے بعد وہی سوال وجواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی کیے، اللہ کی شان کہ ان کے جوابات بھی بالکل وہی تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی ملتا ہے کہ وہ اپنے ان جذبات پر ندامت کیا کرتے تھے(۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری میں صلح حدیبیہ کی تفصیلات پر بہت طویل حدیث موجود ہے، افادۂ عام کی خاطر متعلقہ واقعہ کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

''عمرہ کیے بغیر جب واپسی کا حکم ہوا تو عام مسلمانوں پر ان کی واپسی شاق گذری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا ہم حق پر؛ اور وہ باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں، اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین ومددگار ہے''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے؟''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی پوچھا کہ اے ابوبکر! کیا یہ حقیقت نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ انہوں نے بھی فرمایا: کیوں نہیں؟!۔ میں نے پوچھا: کیا ہم حق پر نہیں؟ اور کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟! میں نے پوچھا: پھر ہم دین کے معاملے میں کیوں دَبیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جناب (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بلا شک وشبہ =

۲۔دوسرا موقع وہ ہے کہ جب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ویسا ہی سکتہ ہو گیا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارا پہلے کی طرح کر دیں گے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہنے والوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے۔اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کروا کے منبر پر چڑھ گئے اور قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:﴿انك ميت وانهم ميتون﴾[الزمر:۳۰].﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، افئـن مـات او قتل انقلبتم على اعقٰبكم﴾[آل عمران:۱۴۴] یہ آیات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں یہ آیات سن کر سکتے میں آ گیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا پائیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا(۱)۔

= اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ اپنے رب کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتے اور ان کا رب ہی ان کا مددگار ہے، پس ان کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو، خدا گواہ ہے کہ وہ حق پر ہیں، میں نے کہا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا: یہ بھی صحیح ہے، لیکن کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ اسی سال آپ بیت اللہ پہنچ جائیں گے؟ میں نے کہا: نہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ آپ بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے''۔

(صـحيـح البـخاری، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، رقم الحديث: ۲۷۳۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعد میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیے''۔(سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، صلح حدیبیہ، شرائطِ صلح:۲/۳۴۶، ۳۴۷)

(۱) صحیح البخاری میں اس واقعہ کی تفصیل پر بہت سے مقامات میں موجود ہے، افادۂ عام کی خاطر متعلقہ واقعہ کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے کچھ کہہ رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! بیٹھ جائیے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے =

۳۔ایک تیسرا موقع بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ قتال کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، لیکن وہ اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہے، اس پر بعد میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کے دور رس اثرات سامنے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اُن کے سینے کو کھول دیا تھا اور مین نے پہچان لیا کہ وہ حق پر تھے(۱)۔

= بیٹھنے سے انکار کردیا، اتنے میں لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، افئن مات او قتل انقلبتم على اعقٰبكم﴾ فرمایا: اما بعد! تم میں سے جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی وفات ہو چکی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو (اس کا معبود) اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ''محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں ...... الخ'' ....زہری کا بیان ہے کہ مجھے سعید بن مسیّبؒ نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا گواہ ہے، مجھے اس وقت ہوش آیا جب میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا، جب وقت میں نے انہیں تلاوت کرتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے، تو میں سکتے میں آ گیا اور ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا پائیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا۔

(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث: ٤٤٥٤)

(۱) صحیح البخاری میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے، افادۂ عام کی خاطر متعلقہ واقعہ کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، ادھر عرب کے بہت سے قبائل نے (خلافت کا اور زکوٰۃ وغیرہ کا) انکار شروع کر دیا تو (ان کے اس انکار پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان منکرین سے قتال کا قصد کیا اس پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دے دیں، اور جو شخص اس کی شہادت دے گا تو میری طرف سے اس کا مال و جان محفوظ ہو جائے گا، سوا اُس کے حق کے، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا'' کی موجودگی میں کیسے ان سے جنگ کر سکتے ہیں؟ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا جو زکوٰۃ اور نماز میں تفریق کریگا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم! اگر انہوں نے (زکوٰۃ میں) چار مہینے کے بچے کے دینے سے بھی انکار کیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو بھی میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بعد میں) فرمایا: بخدا! یہ بات اس کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا فرمایا تھا؛ اور بعد میں، میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے۔

(صحيح البخاري، كتاب الزكوٰة، باب وجود الزكوٰة، رقم الحديث: ١٣٩٩)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ کیا وجہ تھی کہ وہ شریعتِ محمدی علی صاحبہا الف الف تحیات پر اکتفاء نہیں کرتے تھے حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ایک بار منع بھی کیا گیا جب وہ توریت کے کچھ اوراق لے کر آئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "أمطها عنا یا عمر".

پھر ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب نقل کیا ہے۔ تتبع کتب سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ جواب درحقیقت علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے(۱)۔

جس کی تسہیل ابن جوزی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پاک کی دو روایات تھیں، ایک: ﴿إني جاعلك للناس إماما [البقرة: ١٢٤]﴾ اور دوسری: ﴿أن اتبع ملة إبراهيم [النحل: ١٢٣]﴾ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوری انسانیت کے لیے امام قرار دیا گیا اور دوسری آیت میں ملت ابراہیمی کی اقتداء کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے اس بات سے جان لیا کہ دیگر انبیاء کرام سے ہٹ کر ان کو امام بنانا اور ان کی اقتدا کرنا مشروع ہے، پھر یہ بات بھی ان کے سامنے تھی کہ بیت اللہ کی نسبت بھی انہی کی طرف ہے کہ انہوں نے اس پاکیزہ گھر کی تعمیر کی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس گھر کی طرف لوگوں کو بلایا، نیز! یہ بات بھی ان کے سامنے تھی کہ مقامِ ابراہیم، جو کہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمِ مبارک کا نشان بھی باقی ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص کوئی عمارت بنائے اور یادگار کے طور پر اپنا نام اس پر کنندہ کروالیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا نام باقی رہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات آئی کہ اس مقام پر دو رکعت نماز ادا کی جائے یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی تعمیر شدہ گھر کے پاس آنے والے شخص وہاں کنندہ اس بانی عمارت کا نام پڑھتا ہے۔ چنانچہ ان کی اس رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوگی، لیکن ایسا اتباع یا اتباع کی رائے حضرت

---

(۱) أعلام الحديث للخطابي: ١/٣٨٥

ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نبی کے بارے کے بارے میں نہیں ہوئی (۱)۔

فقلت یا رسول الله، لو اتخذنا من مقام إبراهيم مصلى، فنزلت: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾،

(ایک یہ کہ) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم مقامِ ابراہیم کو مصلی (جائے نماز) بنالیں تو بہتر ہوگا، چناں چہ آیت مبارکہ ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ نازل ہوئی۔

قولہ: "لو اتخذنا" میں کلمہ "لو" کا جواب محذوف ہوگا، یعنی: "لكان خيراً"۔ یا پھر یہ کلمہ "لو" تمنی کے لیے ہے۔ اس صورت میں جواب لو کی ضرورت نہیں (۲)۔

قوله: ﴿واتَّخِذُوا﴾ میں دو قراءتیں ہیں، ایک: ﴿واتَّخِذُوا﴾ [بكسر الخاء] یہ قراءت ابن کثیر، عاصم، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ سے منقول ہے اور دوسری قراءت: ﴿واتَّخَذُوا﴾ [بفتح الخاء] نافع اور

(۱) كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي، مسند عمر بن الخطاب، الحديث الرابع عشر: ۸۲/۱

ملاحظہ: اس اشکال و جواب کو علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے اپنی شرح البخاری "التوضيح لشرح الجامع الصحيح: (۴۱۱/۵، ۴۱۲)" میں علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی نسبت سے ان الفاظ "فإن قلت: ما السر في أن عمر لم يقنع بما في شريعتنا حتى طلب الاستكان بملة إبراهيم، وقد نهاه الشارع عن مثل هذا حين أتى بأشياء من التوراة، فقال له: أمثلها منك يا عمر" میں ذکر کیا ہے، لیکن اس میں بظاہر کاتب کی غلطی سے دو مقامات میں سہو ہو گیا ہے؛ ایک: لفظِ "استكان" اور دوسرا شارع علیہ السلام کا قول "أمثلها منك يا عمر".

کیوں کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب "كشف المشكل من حديث الصحيحين" میں اس اشکال و جواب کی جو عبارت ہے اس میں ایسا نہیں ہے، اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں: "فإن قيل: فما السر في أن عمر لم يقنع بما في شريعتنا حتى طلب الاستنان بملة إبراهيم، وقد نهاه رسول الله عن مثل هذا حين أتى بأشياء من التوراة، فقال: أمطها عنا يا عمر" .(كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي، مسند عمر بن الخطاب، الحديث الرابع عشر: ۸۲/۱)

(۲) شرح الكرماني: ۶۶/۴، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳

ابن عامر رحمہما اللہ سے منقول ہے(۱)۔

وآية الحجاب، قلت: يا رسول الله! لو أمرت نسائك أن يحتجبن، فإنه يكلمهن البر والفاجر، فنزلت آية الحجاب،

دوسرا موقع حجاب کی آیت کا ہے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ ازواج مطہرات کو باپردہ رہنے کا حکم فرمادیں تو بہتر ہوگا، کیوں کہ ان سے بات چیت کرنے والوں میں اچھے اور بُرے سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ چناں چہ آیتِ حجاب نازل ہوگئی۔

قولہ:"وآية الحجاب" **کا عطف ماقبل میں مقدر عبارت**"اتخاذ المصلى في مقام إبراهيم" پر ہوگا جو کہ سیاقِ عبارت سے سمجھ آرہی ہے۔ لفظِ "آية" پر کسرہ پڑھنا زیادہ ظاہر ہے، اس صورت میں یہ لفظ عبارت کے لفظِ "ثلاث" سے بدل بن جائے گا(۲)۔

اس کے علاوہ اس لفظ کو مبتدا قرار دیتے ہوئے مرفوع پڑھنا بھی درست ہے(۳)۔ اس صورت میں خبر محذوف "كذٰلك" ہوگی(۴)۔

آیتِ حجاب کے مصداق میں اختلاف

علامہ کرمانی اور علامہ برماوی رحمہما اللہ کی تصریح کے مطابق آیتِ حجاب: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ ہے(۵)۔

(۱)جامع البيان عن تأويل آي القرآن المعروف بـ تفسير الطبري، سورة البقرة، رقم الآية: ۱۲۵، ۵۲۲/۲
وقال الإمام الطبري رحمه الله: والصواب من القول والقراءة في ذٰلك عندنا: ﴿واتَّخِذُوا﴾ بكسر الخاء على تأويل الأمر باتخاذ مقام إبراهيم مصلى. (أيضاً: ۵۲۴/۲)
الجامع لأحكام القرآن المعروف بـ تفسير القرطبي، سورة البقرة، رقم الآية: ۱۲۵، ۳۷۳/۲
(۲)شرح الكرماني: ۶۶/۴، ۶۷
(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳ ، تحفة الباري: ۱۰۸/۲
(۴) ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ۲۹۵/۵
(۵)شرح الكرماني: ۶۷/۴، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳

جب کہ علامہ کورانی رحمہ اللہ نے ان دوحضرات کی اس تعیین آیت کو بعض کا قول کہتے ہوئے سہو قرار دیا ہے اور آیتِ حجاب سے مراد سورہ احزاب کی ہی آیت نمبر:۵۳﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ، إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيماً.﴾ قرار دیا ہے(۱)۔

واجتمع نساء النبي صلى الله عليه وسلم في الغيرة عليه، فقلت لهن: عسى ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجاً خيراً منكن، فنزلت هذه الآية.

تیسرا موقع یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی خدمت میں رشک وغیرت کے جذبات کی بنا پر جمع ہوئیں تو میں نے زجراً ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوکر تم سب کو طلاق دے دیں تو کچھ عجب نہیں کہ آپ کا پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے، چناں چہ! اسی مضمون کی آیت نازل ہوگئی۔

اس آیت کے نزول کا پسِ منظر تفصیلاً کتاب التفسیر کی سورۃ التحریم میں آئے گا (۲)۔

"فنزلت آية الحجاب" حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ روایت گذر چکی ہے باب: خروج النساء إلى البراز کے اندر کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نکلیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے پہچان لیا کہ "سودہ" ہیں۔ اس وقت آیتِ حجاب نازل ہوئی (۳)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غیرت کس بات پر آئی؟

"واجتمع نساء النبي صلى الله عليه وسلم في الغيرة عليه" غیرت یا تو اس بات کی تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے وطی فرمائی یا اس واسطے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں عسل پیا، یہ پورا واقعہ

(۱)الكوثر الجاري للكوراني: ۹۶/۲

(۲)شرح الكرماني: ۶۷/۴، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳

(۳)تقرير بخاري شريف: ۱۴۸/۲

اپنی جگہ پر آئے گا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ فرمایا، اس پر ان کی بیوی نے ان کو ٹوک دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو کون ہوتی ہے بولنے والی؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کی عورتیں تو ہمیشہ اپنے شوہروں کے ساتھ بلا تکلف دو بدو گفتگو کرتی تھیں اور نساءِ قریش بالکل چپ، بہت زیادہ اپنے خاوندوں کے سامنے پست رہتی تھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے جب مدینہ آئے تو انصار کی عورتوں سے قریش کی عورتوں نے ان کی عادات واطوار سیکھ لیے، خربوزہ خربوزہ سے رنگ پکڑتا ہی ہے، بیوی نے عرض کیا، اپنی بیٹی کو نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جواب دیتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا آئندہ ہرگز ایسا مت کرنا اور اپنی سوکن کی ریس مت کرنا، وہ اپنے حسن کی وجہ سے لاڈلی ہے، اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عمر! [تم] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں ہر بات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔ غرض! واقعۂ عسل یا واقعہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشربہ میں قیام فرمایا(۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ کرمانی اور علامہ برماوی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ترجمۃ الباب کے جزء اول پر دلالت کرتی ہے اور آگے والی حدیث ترجمۃ الباب کے جزء اخیر پر دلالت کرتی ہے، دلالت اس طور پر ہوگی کہ مقام ابراہیمی کے مصداق کے بارے میں علماء مختلف ہیں، تو جو علماء مقام ابراہیمی سے مراد کعبہ لیتے ہیں، ان کے نزدیک تو مطابقت ودلالت واضح ہے اور جو علماء مقامِ ابراہیمی سے مراد ''پورا حرم'' لیتے ہیں ان کے نزدیک ''مِن مقام إبراهيم مصلى'' کا کلمہ ''مِن'' ''تبعیضیہ ہوگا۔ (گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہت ظاہر کی کہ یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ مقامِ ابراہیم یعنی: پورے حرم کا کچھ حصہ قبلہ بن جائے۔)

اور ''مصلی'' سے مراد قبلہ یا اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی جگہ ہوگا۔ یا پھر ترجمۃ الباب سے مراد ''ما جاء في القبلة وما يتعلق بها'' لے لیا جائے اور یہ ہی زیادہ ظاہر ہے، اس لیے کہ متبادر الی الفہم

(۱) تقرير بخاري شريف: ۱۴۸/۲، ۱۴۹

''مقام'' سے وہ پتھر ہوتا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے اوراس کے نصب ہونے کی جگہ مشہورومعروف ہے(۱)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ اگر اس پتھر کو نمازی قبلہ اوراپنے درمیان کرلے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر تعمیر کی اور نماز ادا کرے تو کیسا ہے؟ تو اس دریافت کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیتِ مبارکہ نازل ہوگئی تھی (۲)۔

ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ کی تفسیر بیت اللہ یعنی: کعبہ (جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا) کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنے سے کی ہے (۳)۔

بعض شراح کا کہنا ہے کہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو ماقبل کے باب میں ذکر کرتے، تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ ایسا کہنا درست نہیں ہے اس لیے کہ وہاں حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں مقام ابراہیم کو مصلی بنالینے کی تصریح تھی، جبکہ یہاں حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ میں اس کی تصریح نہیں ہے (۴)۔

تعلیق

(۳۹٤) : حدّثنا ٱبْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ : حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا بِهٰذَا . [٤٢١٣ ، ٤٥١٢ ، ٤٦٣٢]

''أبو عبداللہ'' سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ خود ہیں، انہوں نے اس تعلیق کو اس مقام پر اور کتاب التفسیر

---

(۱)شرح الكرماني: ٦٧/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥١/٣ ، تحفة الباري: ١٠٩/٢

(۲)أعلام الحديث للخطابي: ٣٨٥/١

(۳)فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ٩٨/٣، ٩٩

(٤)فتح الباري لابن حجر: ٦٥٤/١، ٦٥٥، ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ٢٩٥/٥

میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، اس تعلیق سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس تعلیق میں حمید راوی کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح ہے، جس سے تدلیس سے امن حاصل ہو جاتا ہے۔ جب کہ ماقبل روایت میں عنعنہ تھا، یعنی: ”عن حمید عن أنس “ سے روایت مذکور تھی اور یہاں ”حدثني حمید قال: سمعت أنساً “ ہے(۱)۔

”بھٰذا“ سے مراد ”بالحدیث المذکور سنداً ومتناً“ ہے۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیثِ باب: دوسری حدیث

۳۹۵ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ (۲) : بَيْنَا ٱلنَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ ٱلصُّبْحِ ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ ٱللَّيْلَةَ قُرْآنٌ ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ ٱلْكَعْبَةَ ، فَاسْتَقْبِلُوهَا ، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى ٱلشَّامِ ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى ٱلْكَعْبَةِ .

[٤٢١٨ ، ٤٢٢٠ ، ٤٢٢١ ، ٤٢٢٣ ، ٤٢٢٤ ، ٦٨٢٤]

---

(۱)فتح الباري، ۱/۵۲۰، عمدة القاري: ٤/ ۲۰۵

(۲) أخرجه البخاري أيضاً في التفسير، سورة البقرة، باب قول الله تعالىٰ ﴿وما جعلنا القبلة التي كنت عليها إلا لنعلم من يتبع الرسول﴾، رقم الحديث: ٤٤٨٨. وباب: ﴿ولئن أتيتَ الذين أوتوا الكتاب بكل آية ما تبعوا قبلتك﴾، رقم الحديث: ٤٤٩٠. وباب: ﴿الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابناء هم﴾، رقم الحديث: ٤٤٩١. وباب: ﴿ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾، رقم الحديث: ٤٤٩٣. وباب: ﴿ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام، وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره﴾، رقم الحديث: ٤٤٩٤. وفي اخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق، رقم الحديث: ٧٢٥١.

ورواه مسلم في صحيحه، في المساجد، باب: تحويل القبلة، رقم الحديث: ٥٢٦.

ورواه الترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في ابتداء القبلة، رقم الحديث: ٣٤١.

ورواه النسائي في سننه، في القبلة، باب: استبانة الخطأ بعد الاجتهاد، رقم الحديث: ٤٩٤.

وفي جامع الأصول، حرف التاء، الكتاب الأول: في تفسير القرآن وأسباب نزوله، سورة البقرة، =

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا، اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گذشتہ رات قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں اور انہیں کعبہ کی جانب (نماز میں رُخ) کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم بھی قبلہ رُو ہو جاؤ۔ اس وقت وہ (ملک) شام کی جانب رُخ کیے ہوئے تھے، اس لیے وہ کعبہ کی جانب مڑ گئے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار رجال ہیں:

ا۔ عبداللہ بن یوسف

یہ ''عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثاني، اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم،

= رقم الحدیث: ۴۷۹، ۱۴/۲

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ نے التوضیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث صحیح البخاری کی ''کتاب الصلاۃ'' میں ہی دو اور جگہ بھی آئے گی اور ''کتاب التفسیر'' میں چار بار آئے گی''، ملاحظہ ہو:

والکلام علیه من أوجه: أحدها: هذا الحدیث سیأتي إن شاء الله في الصلاة في موضعین، وفي التفسیر في أربعة مواضع، وفي خبر الواحد، وقد سلف في الإیمان من حدیث البراء. (التوضیح لابن الملقن: ۴۱۳/۵، ۴۱۴)

جب کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ سے اس بارے میں سہو ہو گیا ہے، کیونکہ یہ حدیث ''کتاب الصلاۃ'' میں صرف ایک ہی مقام پر اور ''کتاب التفسیر'' میں پانچ مقام میں آئی ہے۔

باب: ليبلغ العلم الشاهد الغائب، کےتحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲۔مالک بن انس

یہ ”مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر المدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر ذکر کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحديث الثاني، اور تفصیلی تذکرہ کتاب الایمان، باب: من الدين؛ الفرار من الفتن، کےتحت گذر چکا ہے(۲)۔

۳۔ عبداللہ بن دینار

یہ ”ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن دینار ورشی عدوی مدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا، کےتحت گذر چکا ہے(۳)۔

۴۔عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت ”عمر فاروق“ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ”عبداللہ بن عمر“ رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس، کےتحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

قال: بينا الناس بقباء في صلاة الصبح،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

”بينا“ یہ کلمہ بعض دیگر نسخوں میں میم کے ساتھ یعنی: ”بينما“ ہے، مطلب اس کا ”بين أوقات كذا“

---

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹، ٤/١١٣.

(۲) کشف الباری: ۱/۲۹۰، ۲/۸۰.

(۳) کشف الباری: ۱/٦٥٨، ٣/١٢٥.

(٤) کشف الباری: ۱/٦٣٧.

ہے،یعنی: ان اوقات کے درمیان کہ لوگ قباء میں...... الخ(۱)۔

کلمہ "بینا" صیغۂ ظرف ہے، مفاجأۃ کے معنی میں، اس کا استعمال جملے کی طرف اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ اپنی معنوی تمامیت کے لیے جواب کا بھی محتاج ہوتا ہے، چنانچہ اس مقام پر اس کلمے کی اضافت مبتدا وخبر(الناس بقباء في صلاة الصبح) کی طرف ہے، لہٰذا مضاف اور مضاف الیہ ملنے کے بعد اس کا جواب آنے والا جملہ(إذ جاء هم آتٍ)ہوگا(۲)۔

''النــاس'' میں الف لام عہدی ذہنی کا ہے، مراد اہل قباء اور وہ افراد ہیں جو اس وقت وہاں حاضر تھے(۳)۔

"قبـــاء" صحیح مشہور قول کے مطابق یہ کلمہ مدّ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، جب کہ مدّ کے علاوہ قصر کے ساتھ، مذکر بھی، مؤنث بھی، منصرف بھی اور غیر منصرف بھی مستعمل ہے۔ یہ مدینہ کے قریب، مدینہ کے عوالی میں ایک جگہ کا نام ہے(۴)۔اور مراد اس سے ''مسجدِ قباء'' ہے(۵)۔

قبلہ کی تبدیلی کا حکم کس نماز میں ہوا؟

"صلاة الصبح" اس حدیث میں صبح کے وقت کا ذکر ہے جبکہ ماقبل میں باب: "التوجه نحو القبله" میں عصر کے وقت کا ذکر ہے تو ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، تطبیق ممکن ہے، وہ اس طرح کہ جو شخص مدینہ میں رہنے والا تھا اس تک خبر عصر کے وقت ہی پہنچ گئی تھی اور جو مدینہ سے باہر (مثلاً: قباء وغیرہ میں) رہنے والے تھے اس تک خبر اگلے دن صبح فجر کی نماز میں پہنچی ہوگی (۶)۔

إذ جـاء هـم آتٍ، فـقـال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أنزل عليه الليلة قرآن،

---

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤

(۲)عمدة القاري: ٤/٢١٩

(۳)فتح الباري: ١/٦٥٥، عمدة القاري: ٤/٢١٩

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨، التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤ ، عمدة القاري: ٤/٢١٩

(٥) فتح الباري: ١/٦٥٥

(٦)شرح الكرماني: ٤/ ٦٨، اس موضوع پر تفصیلی کلام کشف الباری:۲/۳۹۲-۳۹۴، میں گذر چکا ہے۔

کہ اتنے میں ایک شخص آیا، اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گذشتہ رات قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

آنے والا کون تھا؟

"إذ جاء هم آتٍ" یہ آنے والا کون تھا؟ اس بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کا نام ''عبّاد بن ابی بشر'' تھا(۱)۔

جب کہ علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے تین نام ذکر کیے ہیں کہ ان تین میں سے کوئی ایک تھا: عباد بن نھیک، عباد بن ابن بسر اور عباد بن ابن وھب (۲)۔

"أنزل عليه الليلة" اس میں لفظ "الليلة" مطلق ہے، جس سے مراد گذرا ہوا دن اور اس کے ساتھ متصل رات ہے(۳)۔

"قرآنٌ" سے مراد مکمل قرآن کا نزول نہیں ہے، بلکہ بعض قرآن کا نزول مراد ہے، کیونکہ اس پر تنوین تبعیض کی ہے، یعنی قرآن کی کچھ آیات نازل ہوئی ہیں (۴)۔ اور ان آیات سے مراد: ﴿قد نرى تقلب وجهك في السماء .... إلخ﴾ والی آیات ہیں(۵)۔

وقد أمر أن يستقبل الكعبة، فاستقبلوها،

اور انہیں کعبہ کی جانب (نماز میں رُخ) کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم بھی قبلہ رُو ہو جاؤ۔

''وقد أُمِر '' جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا(٦)۔ اسی کے اندر یہ امر موجود ہے کہ آپ

(١) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨ ، عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٢) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤ ، الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ٤٨٩/٢

(٣) فتح الباري: ٦٥٥/١، عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨ ، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥٢/٣، فتح الباري: ٦٥٥/١

(٥) عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٦) عمدة القاري: ٢١٩/٤

صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ کی امت کو بھی یہ حکم دیا گیا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا بھی اُسی طرح ضروری ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی پیروی کرنا، تاوقتیکہ کہ اس فعلِ نبوی کے بارے میں کوئی قرینہ قائم ہو جائے کہ یہ فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص ہے(۱)۔

"فاستقبِلوها" اس کلمے میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ امر کا صیغہ ہو (ترجمہ حدیث میں اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہو، اس صورت میں یہ جملہ خبر کے لیے ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز میں اپنا رُخ قبلہ کی جانب کرلیا ہے(۲)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے امر کا صیغہ پڑھنا ماضی کا صیغہ پڑھنے سے زیادہ بہتر اور مشہور ہے، ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے بخاری کے اکثر رواۃ اسی پر ہیں(۳)۔

وكانت وجوههم إلى الشام، فاستداروا إلى الكعبة.

اس وقت وہ (ملک) شام کی جانب رُخ کیے ہوئے تھے، اس لیے وہ کعبہ کی جانب مڑ گئے۔

مذکورہ دونوں جملے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہیں نہ کہ اس خبر دینے والے آدمی کے(۴)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے پہلے جزء کے ساتھ مطابقت تو "فاستقبِلوها" امر کے صیغے میں ہے اور دوسرے جزء پر دلالت اس جہت سے ہے کہ نماز کی ابتداء ان لوگوں نے

(۱) فتح الباري: ۱/۶٥٥

(۲) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨

(۳) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤، جب کہ علامہ دمامینی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس ذکر کیا ہے کہ جمہور رواۃ کے مطابق یہ ماضی کا صیغہ ہے اور أصيلي کی روایت میں "امر" کا صیغہ ہے، ملاحظہ ہو: المصابيح الجامع للدماميني: ۲/۱۱٥، واللہ اعلم بالصواب

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/۱٥۳، عمدة القاري: ٤/۲۱۹

ایسے قبلے کی طرف رُخ کر کے کی تھی جو منسوخ ہو چکا تھا، جس کا علم ان کو نہیں تھا، چنانچہ وہ بھولنے والے کی مثل ہوئے، پھر اعلان کرنے والے کا اعلان سن کر انہیں درست قبلہ کا علم ہوا، اس کے بعد نماز میں ہی انہوں نے اپنا رُخ موڑا، تو جو نماز ان کی غیرِ قبلہ کی جانب ہوئی اس نماز کے اعادہ کا انہیں حکم نہیں کیا گیا۔ اور یہی بات ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء میں مذکور ہے(۱)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ نے محض اتنی بات فرمائی ہے کہ اس حدیث کے مطابق انحراف قبلہ کی صورت میں بھی نماز کے اعادے کا حکم نہ دیا جانا ایسے ہی ہے جیسے "مجتهد في القبلة" کہ اس پر بھی اعادۂ صلاۃ لازم نہیں ہے(۲)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد و احکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سارے احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ کی امت کو بھی یہ حکم دیا گیا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا بھی اُسی طرح ضروری ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی پیروی کرنا، تاوقتیکہ کہ اس فعل نبوی کے بارے میں کوئی قرینہ قائم ہو جائے کہ یہ فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص ہے(۳)۔

۲۔ افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں اس عمل کے وجوب پر دلیل قائم ہو تو اس فعل کی اتباع واجب ہوگی، بصورت دیگر دلیل کے قیام پر پیروی کا حکم متعین ہوگا(۴)۔

۳۔ اس حدیث سے خبرِ واحد کے مقبول ہونے کا علم ہوتا ہے(۵)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨

(۲) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤، المصابيح الجامع للدماميني: ٢/ ١١٥، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٥١، فتح الباري: ١/ ٦٥٥، عمدة القاري: ٤/ ٢١٨

(۳) فتح الباري: ١/ ٦٥٥، عمدة القاري: ٤/ ٢٢٠

(٤) عمدة القاري: ٢٢٠

(٥) عمدة القاري: ٢٢٠، الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ٢/ ٤٩٨

۴۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی شخص اگر غیر نمازی کا کلام سن لے تو یہ اس کے لیے مضر نہیں ہے(۱)۔

۵۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن افراد تک کوئی حکمِ دین نہ پہنچا ہو تو ان سے اس حکم کی باز پرس نہیں ہوگی، جب تک وہ حکمِ دین ان تک نہ پہنچ جائے(۲)۔

۶۔ اس حدیث سے احکام کے نسخ کے جواز کا بھی علم ہوتا ہے(۳)۔

۷۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "الـلیـلـة" کا اطلاق گذشتہ رات پر تو ٹھیک ہے، لیکن آنے والے رات پر ٹھیک نہیں(۴)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیثِ باب: تیسری حدیث

۳۹۶ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنِ ٱلْحَكَمِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : (۵) صَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلظُّهْرَ خَمْسًا ، فَقَالُوا : أَزِيدَ فِي ٱلصَّلَاةِ ؟ قَالَ : (وَمَا ذَاكَ) . قَالُوا : صَلَّيْتَ خَمْسًا ، فَثَنَى رِجْلَيْهِ ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ . [ر : ۳۹۲]

ترجمہ حدیث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور پانچ رکعتیں پڑھیں، تو لوگوں نے عرض کیا: کیا نماز میں کسی زیادتی کا حکم کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا

---

(۱) عمدة القاري: ۲۲۰

(۲) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ۴۹۹/۲، عمدة القاري: ۲۲۰، واضح رہے کہ یہ امر دار السلام میں آزاد عاقل بالغ کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے تو از خود بلوغت سے قبل ہی، یا بلوغت کے بعد متصل ہی احکامات دینیہ کا سیکھنا ضروری ہے، ان کا ایسا عذر کہ ہم تک تو ایسا حکم پہنچا ہی نہیں، عند اللہ مسموع نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

(۳) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ۴۹۷/۲

(۴) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ۵۰۱/۲

(۵) مرّ تخريجه رقم الحديث: ۳۹۲

مطلب؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور دو سجدے ادا کیے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل سات رجال ہیں:

۱۔ مسدد

یہ "مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ان کا نام "عبدالملک بن عبدالعزیز" ہے۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أب يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ یحیی

یہ "یحی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی" رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت "ابوسعید" ہے۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ شعبہ

یہ امیر المؤمنین "شعبہ بن الحجاج واسطی بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲، ٤/٥٨٨

(۲) کشف الباری: ۲/۲

(۳) کشف الباری: ۱/٦٧٨

۴۔حکم

یہ ''حکم بن عتیبہ الکندی الکوفی''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: السمر في العلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔ابراہیم

یہ ''ابوعمران ابراہیم بن یزید النخعی ''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۶۔علقمہ

یہ ''علقمہ بن قیس بن عبداللہ النخعی''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۷۔عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ''ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث کی مکمل شرح ماقبل میں باب: "التوجه نحو القبلة حيث كان" میں حدیث نمبر:۴۰۱ کے تحت گذر چکی ہے۔اس باب میں اسی سابقہ حدیث کے کچھ ٹکڑے کو ذکر کرنے سے مقصود محض یہ بتانا یا واضح کرنا ہے کہ غلطی سے سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف سے مڑ کے لوگوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے، سہو پر تنبہ ہو جانے کے بعد واپس قبلہ کی جانب مڑے اور سجدہ سہو کر لیا، اگر قبلہ سے مڑنے کی وجہ

(۱) كشف الباري: ٤/٤١٤

(۲) كشف الباري: ٢/٢٥٣

(۳) كشف الباري: ٢/٢٥٦

(٤) كشف الباري: ٢/٢٥٧

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے نکل چکے ہوتے تو محض سجدہ سہو پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ نماز کا اعادہ کرتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ خطأ قبلہ سے پھر جانا اعادہ نماز کو واجب نہیں کرتا(۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض سجدہ سہو کرلیا، نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ اور یہی چیز ترجمۃ الباب میں مذکور ہے(۲)۔

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٢٠

(۲)عمدة القاري: ٤/٢٢٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۱ - أبوابُ المَساجد

ماقبل سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احکام قبلہ کے بعد اب ابواب مساجد کے درمیان مناسبت واضح ہے، اس باب سے لے کر باب سترۃ الامام تک سب ابواب کا تعلق مساجد سے ہی ہے(۱)۔

۱ - باب : حَكٍّ ٱلْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں پڑے ہوئے تھوک یا بلغم کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ قبلہ کا ذکر ہو رہا تھا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے پچپن ابواب مساجد کے متعلق [از باب: حك البزاق باليد من السجد تا باب: المساجد على طرق المدينة] منعقد فرمائے ہیں اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مساجد کے بارے میں تشدیدات ووعیدات کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص مسجد میں انشادِ ضالہ کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا ردها الله عليك" اور کنز العمال میں مساجد کے آداب میں ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں، جن کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں کسی قسم کا کلام نہ کرے، صرف تلاوت، قرآن، ذکر اللہ اور نماز پڑھے، چنانچہ! ایک روایت میں ہے کہ مسجد میں ضحک قبر کے اندر ظلمت کا سبب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی میں دو آدمیوں کو زور سے بات کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم یہاں کے باشندے ہوتے تو تمہاری پٹائی کرتا۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابواب المساجد منعقد فرمائے ہیں، اور

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٠

اس کے اندر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں: ایک تو وہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک آداب میں ہیں، ان کو ثابت فرمادیا، جیسے: حك بزاق ۔اور دوسرے ان چیزوں کا استثناء فرمادیا، جن کا مسجد میں کرلینا جائز ہے، گویا ان کے عموم کو مقید فرمادیا، جیسے: من دعی إلی الطعام في المسجد۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں "ید" کی قید لگائی ہے، "ید" کا ذکر صرف ایک روایت میں ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کے اندر تعمیم ہے، بالید اور بغیرہ، "ید" قیدِ احترازی نہیں ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "بالید" کی قید سے "تولی بنفسه" کی طرف اشارہ فرمادیا کہ خود کرنا چاہیے، اب چاہے ہاتھ سے دور کرے یا کسی اور چیز سے۔

اور حضرت شاہ [ولی اللہ] صاحب رحمہ اللہ کی رائے مبارک اپنے تراجم میں یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بسا اوقات ابواب نہیں ہوتے، بلکہ روایات ہوتی ہیں۔ چنانچہ! یہاں پر بھی غرضِ ابواب نہیں ہیں، بلکہ روایات ہیں اور باب الفاظِ روایات کا لحاظ کرتے ہوئے تفنن کے طور پر باندھ دیا، ورنہ دونوں باب (باب البزاق اور باب المخاط) کی غرض ایک ہی ہے اور وہ ہے ازالہ۔

اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب باندھ کر بزاق ومخاط کے اندر تفریق فرما دی کہ بزاق میں تو "ید" کافی ہوجائے گا کیونکہ اس کے اندر لزوجت نہیں ہوتی اور مخاط میں "ید" کافی نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے حصی وغیرہ کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اس میں لزوجت ہوتی ہے(١)۔

---

(١) تقریر بخاري شریف: ٢/ ١٤٩، ١٥٠، الکنز المتواري: ٤/ ٩٧

"سراج القاری" میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی ایک اور تقریر منقول ہے، "حك البزاق بالید" کی تشریح میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس باب کے تحت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تین روایات نقل فرمائی ہیں؛ لیکن "ید" کا ذکر صرف پہلی روایت میں ہے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: "أي سواء کان؛ بآلة أم لا" مطلب یہ ہے کہ "ید" کی قید؛ قید احترازی نہیں ہے؛ بلکہ ترجمہ کے اندر تعمیم ہے، خواہ ہاتھ سے ہو یا کسی آلہ سے، مقصد اس گندگی کو خانہ خدا سے دور کرنا ہے۔

صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مسجد میں تشریف لائے اور آپ کے دستِ مبارک میں "عرجون" (کھجور کے گچھے کی جڑ؛ جو ٹیڑھی ہوتی ہے اور گچھے کو کاٹنے پر درخت پر خشک ہوکر باقی رہتی ہے) ابن طاب تھا، اتنے میں آپ کی نظر مسجد میں قبلہ کی جانب پڑے ہوئے بلغم کے اوپر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم =

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حك البزاق باليد" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ "باليد"، "بالعصا ونحوه" کے مقابلہ میں ہے، یعنی: لکڑی وغیرہ سے نہیں، بلکہ بلا واسطہ ہاتھ سے اس کا ازالہ کرے۔

۲۔ بعضوں نے کہا کہ "باليد"، "بالغير" کے مقابلہ میں ہے، یعنی: خود ہی اپنے ہاتھ سے اس کو زائل کرے، دوسرے کو حکم نہ کرے(۱)۔

علامہ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تبویب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور بغیر حائل کے اپنے دستِ مبارک سے اس بلغم کو صاف کیا، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس باب کے بعد والا باب "حك المخاط بالحصى من المسجد" کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے، یعنی: آنے والے باب میں "بالحصى" کی قید اور اس باب میں 'باليد" کی قید احترازی ہے نہ کہ واقعی''(۲)۔

حدیثِ باب: پہلی حدیث

۳۹۷ : حدّثنا قُتَيْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ(۳): أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي ٱلْقِبْلَةِ ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ ، حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ ، فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ ، فَقَالَ :

= نے اسے عرجون کے ذریعہ صاف کیا، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "أيكم يحب أن يعرض الله عنه بوجهه، ثم قال: إن أحدكم إذا قام يصلي؛ فإن الله قبل وجهه، فلا يبصقن قبل وجهه، ولا عن يمين، وليبزق عن يساره تحت رجله اليسرى، فإن عجلت به بادرة، فليقل بثوبه هكذا، ووضعه على فيه ثم دلكه، الحديث۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں جو لکڑی تھی اس کی مدد سے آپ نے اس بلغم کو صاف کیا''۔(سراج القاری:۲/ ۴۴۸، ۴۴۹)

(۱)فضل الباري: ۳/ ۱۱۶

(۲)فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۳/ ۱۰۸

(۳) مرّ تخريجه في كتاب الوضوء، باب: البصاق والمخاط ونحوه في الثوب، رقم الحديث: ۲۴۱

(إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ ، أَوْ ، إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ٱلْقِبْلَةِ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ) . ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ ، فَبَصَقَ فِيهِ ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ ، فَقَالَ : (أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا) .

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت ناگوار گذری یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اس کا اثر نمایاں ہونے لگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دستِ مبارک سے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اور فرمایا: گویا کہ بے شک اس کا رب؛ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے کوئی شخص اپنے قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے، ہاں اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا اور اس میں تھوک کر مَل دیا اور فرمایا: یا اس طرح کرے۔

تراجمِ رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کے تمام رجال کا ذکر ماقبل میں گذر چکا ہے: (۱)

شرحِ حدیث

أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى نخامةً في القبلة، فشق ذٰلك عليه،

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت ناگوار گذری۔

(۱) مذکورہ حدیث مبارکہ کی مکمل سند کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن أن يحبط عمله میں گذر چکی ہے، رجال کے احوال کے لیے ملاحظہ ہو، کشف الباری: ۲/۵۷۱

"نُخامةً": ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نخامہ وہ بلغم ہوتا ہے جو حلق کی انتہاء اور خاءِ معجمہ کے مخرج سے نکلتا ہو(۱)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے(۲)۔

لیکن کچھ یاد پڑتا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے(۳)۔

اور "مُغرِب" میں لکھا ہے: وہ بلغم جو ناک سینکتے وقت بانسہ ناک سے نکلے(۴)۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نخامہ" کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے مراد وہ بلغم ہے جو سینے سے نکلے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ لفظ عین کے ساتھ ہو، یعنی: "نخاعة" تو اس سے مراد سینے سے نکلنے والی بلغم ہے اور اگر یہ لفظ "میم" کے ساتھ ہو، یعنی: "نخامة" تو اس سے مراد سر کی جانب سے آنے والی بلغم ہے(۵)۔

"في القبلة" سے مراد وہ دیوار ہے جو قبلہ کی جانب تھی(٦)۔

"فشقّ ذٰلك" ذٰلك كامشارٌ إليه وہ منظر بنے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیوارِ قبلہ کا آیا تھا، یعنی: یہ منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گراں گذرا، یا مشقت کا باعث بنا۔

(١) النهاية في غريب الحديث والأثر، المادة: ن خ م: ٧٢٣/٢

(٢) الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢٥٩/٢

(۳) ملا علی القاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی بات درست نہیں ہے، اس لیے کہ خاءِ معجمہ کا مخرج أقصی الحلق نہیں بلکہ أدق الحلق ہے"۔ (یعنی: ابن اثیر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق "نُخامہ" وہ تھوک یا بلغم ہے جو اقصی حلق اور مخرج خاء سے نکلتا ہے، جب کہ مخرج خاء اقصی حلق نہیں بلکہ ادقِ حلق ہے، چنانچہ تھوک بیک وقت ان دونوں مقامات نہیں نکل سکتا۔) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢٠/٢

(٤) المُغرِب في ترتيب المعجم، المادة: ن خ م، ٢٩٤/٢

(٥) فتح الباري: ٦٥٨/١

(٦) شرح الكرماني: ٤/ ٧٠، مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢٠/٢

حتى رئي في وجهه، فقام، فحكه بيده،

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اس کا اثر نمایاں ہونے لگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دستِ مبارک سے کھرچ ڈالا۔

''رُئِي'' فعل مجہول ہے، اس کی ضمیر جو نائب فاعل بنے گی، اس کا مرجع ''فشق ذلك علیه'' کا معنی بنے گا، یعنی: کراہیت، ناپسندیدگی، ناگواری وغیرہ (۱)۔

روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس منظر کی وجہ سے ناگواری کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں دیکھے گئے (۲)۔

اور سنن النسائی کی روایت میں ہے: غصے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہوگیا (۳)۔ نیز! صحیح البخاری میں ''العمل في الصلاة'' اور ''الأدب'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کی وجہ سے مسجد والوں پر غصے بھی ہوئے (۴)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/ ٧٠، مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢٠/٢

(۲)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٥٥، عمدة القاري: ٢٢١/٤

(۳) أخبرنا إسحاق بن إبراهيم قال: حدثنا عائذ بن حبيب قال: حدثنا حميد الطويل، عن أنس بن مالك قال: رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم نخامة في قبلة المسجد، فغضب حتى احمر وجهه، فقامت امرأة من الأنصار فحكتها وجعلت مكانها خلوقا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحسن هذا. (سنن النسائي، كتاب المساجد، تخليق المساجد، رقم الحديث: ٧٢٨).

(۲) حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى نخامة في قبلة المسجد، فتغيظ على أهل المسجد، وقال: إن الله قبل أحدكم، فإذا كان في صلاته فلا يبزقن أو قال: لا يتنخمن، ثم نزل فحتها بيده وقال ابن عمر رضي الله عنهما: إذا بزق أحدكم فليبزق على يساره. (صحيح الخاري، أبواب العمل في الصلاة، باب: ما يجوز من البصاق والنفخ في الصلاة، رقم الحديث: ١٢١٣)

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا جويرية، عن نافع، عن عبد الله رضي الله عنهما، قال: بينا النبي صلى الله عليه وسلم يصلي، رأى في قبلة المسجد نخامة، فحكها بيده، فتغيظ، ثم قال: إن أحدكم إذا كان في الصلاة، فإن الله حيال وجهه، فلا يتنخمن حيال وجهه في الصلاة. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب: ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله، رقم الحديث: ٦١١١)

"فقام، فحكه بيده" اس جملے میں اشارہ ہے کہ قوم کا سردار اُن کا خادم ہوتا ہے، اسی لیے از خود کھڑے ہوئے اور اپنے مبارک ہاتھ سے صاف کیا اور یہ صاف کرنا اللہ رب العزت کے لیے تواضع وعاجزی اختیار کرنا تھا۔ اور اللہ کے گھر مسجد سے محبت کی وجہ سے تھا۔ اور امتِ ضعیفہ کی طرف سے بطورِ عوض تھا(۱)۔

فقال: إن أحدكم إذا قام في صلاته، فإنه يناجي ربه،

پھر فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے،

"إذا قام في الصلاة" اس جملے کے اندر تعمیم ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے والا ہو یا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں نماز ادا کرنے والا ہو(۲)۔

"فإنه يناجي ربه" یعنی: جب نمازی نماز میں قراءت، ذکر اور دعا کرتا ہے تو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے، اور جب رکوع وسجود وقعود وغیرہ میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اپنے انتقال کے احوال سے اللہ رب العزت سے ہم کلام ہوتا ہے(۳)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کلمہ "فإنه" کأنه کے معنیٰ میں ہے۔ جس کے معنی یہ بنیں گے کہ گویا کہ وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہے(۴)۔

أو إن ربه بينه وبين القبلة، فلا يبزقن أحدكم قِبَل قبلته،

اور فرمایا: گویا کہ بے شک اس کا رب؛ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے کوئی شخص اپنے قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے۔

مستملی اور حموی کے نسخے میں "أو إن ربه" کی بجائے "وإن ربه" ہے(۵)۔

"أو إن ربه بينه وبين القبلة" علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس جملہ کے ظاہری معنی تو مراد لینا

(۱)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢٠/٢

(۲)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢٠/٢

(۳)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢٠/٢

(٤)شرح الكرماني: ٤/ ٧٠

(٥)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٥٥، فتح الباري: ٦٥٨/١

ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی مکان وغیرہ میں اترنے وغیرہ سے بے نیاز ہے، تو یہاں محض تشبیہ مراد ہے کہ اس وقت گویا کہ اللہ تعالیٰ اس نمازی اور دیوارِ قبلہ کے درمیان موجود ہیں (۱)۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں اس جملہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ظاہراً تو نمازی قبلہ رُو ہو کر کھڑا ہوتا ہے، لیکن اس کھڑا ہونے میں وہ اللہ تعالیٰ کا قصد کرتا ہے، تو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی کھڑا ہے، یعنی: اس نمازی اور دیوارِ قبلہ کے درمیان اللہ تعالیٰ موجود ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہت کا خیال رکھنے اور تھوکنے وغیرہ سے اس کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے (۲)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ نمازی کے قبلہ رُو ہونے کا مقصد قبلہ نہیں ہے بلکہ اس کا رب ہے، تو گویا کہ نمازی کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے، اسی وجہ سے حکم دیا گیا کہ اس جہت کی حفاظت کی جائے، اس طرف نہ تھوکا جائے اور نہ ہی پیشاب کیا جائے (۳)۔

"فلا یبزقن أحدکم قِبَل قبلته" جہتِ قبلہ کے اشرف الجہات ہونے کے سبب اس کی جانب تھوکنے سے تاکیداً منع کیا گیا ہے (۴)۔

ابن بطال رحمہ اللہ نے امام مہلب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حکم میں قبلہ کا اعزاز واکرام اور اسے گندگی وغیرہ سے پاک وصاف رکھنا ہے، اس لیے کہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قبلہ کا اکرام اسی طرح کرے، جیسے مخلوقات کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ان کی طرف منہ کر کے بات چیت کرتا ہے، یعنی: جس طرح ان مخلوقات کا اکرام کیا جاتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کا بھی اکرام کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مخلوقات کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ اکرام کے لائق ہیں۔

---

(۱) شرح الکرماني: ٤/ ٧٠

(۲) شرح السنة للبغوي، کتاب الصلاة، باب: کراهية البزاق في المسجف ونحو القبلة، رقم الحديث: ٤٩٢، ٢/٣١٢۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہی بات علامہ بغوی رحمہ اللہ کی طرف نسبت کیے بغیر ذکر کی ہے، ملاحظہ ہو: الکاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/٢٥٩

(۳) أعلام الحديث للخطابي: ١/٣٨٦

(٤) مرقاة المفاتيح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢٠

طاؤس تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ کے قبلہ کا اکرام کرو اس طرح کہ اس کی طرف منہ کر کے نہ تھوکو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح کر دی کہ قبلہ کی جانب تھوکنے سے ممانعت کی وجہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا ہے جو نمازی اپنی نماز میں قبلہ کی جانب رُخ کر کے اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ کتنا بڑا ظلم اور بے ادبی ہے کہ کوئی شخص رب الارباب اور شہنشاہ کے سامنے کھڑا ہو اور اس کی طرف منہ کر کے تھوک دے(۱)۔

ولكن عن يساره أو تحت قدميه،

ہاں اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکنے کی گنجائش ہے۔

"عن يساره" فعل محذوف "ليبصُق" سے متعلق ہوگا(۲)۔

"تحت قدميه" میں قدم سے مراد بھی "بایاں قدم" ہے(۳)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بائیں طرف تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس میں دائیں جانب کا بھی تحفظ تھا، کیونکہ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ دائیں جانب نہ تھوکے، کیونکہ دائیں جانب فرشتہ ہوتا ہے۔ اور بائیں جانب بھی تھوکنے کا حکم اس وقت ہے جب بائیں جانب کوئی اور نمازی نہ ہو، یعنی: اگر بائیں جانب بھی کوئی نمازی ہو تو پھر دائیں، بائیں کسی جانب بھی نہ تھوکے، بلکہ قدموں کے نیچے یا اپنے کپڑے میں تھوکے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا(۴)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بوقت ضرورت ان دونوں جہات میں تھوکنے کا حکم اس وقت ہے جب نماز خارجِ مسجد ادا کی جا رہی ہو اور جب نماز مسجد میں ادا کی جا رہی ہو تو پھر تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو صرف اپنے کپڑے میں ہی تھوکے، دائیں، بائیں یا قدموں کے نیچے نہیں(۵)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ کی اس بات پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف سے ایک

(۱)شرح ابن البطال: ۶۸/۲

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۷٤٦، ٤۲۱/۲

(۳) كما في حديث أبي هريرة في الباب الذي بعده.

(٤)أعلام الحديث للخطابي: ۳۸٦/۱، ۳۸۷

(۵)شرح النووي، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة، رقم الحديث: ۵۵۰، ٤۱/۵

اشکال نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [علامہ نوویؒ کی] اس توجیہ میں نظر ہے، اس لیے کہ جب نمازی مسجد میں کسی کپڑے یا جائے نماز وغیرہ کو بچھا کر نماز پڑھے تو بوقت ضرورت اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک دے، کیونکہ مقصود یہ تھا کہ تھوک، رینٹ یا بلغم میں سے کچھ بھی مسجد میں نہ گرے، جیسا کہ یہاں اس نمازی کے اپنے کپڑے پر گر رہا ہے نہ کہ مسجد کے فرش پر۔

اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ نووی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تفصیل میں کسی قسم کا کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ حدیث مبارکہ کے جملہ ”إلا في ثوبه“ کے مطلق ہونے سے جو مفہوم ہو رہا ہے وہ صحیح اور صریح ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی نظر نہیں ہے، عملی صورت اس جملے کی یہی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے کونے کو پکڑا اور اس میں تھوک دیا۔ اس لیے کہ لوگ عام طور پر نماز کے دوران الگ سے اپنے نیچے کوئی کپڑا نہیں بچھاتے (۱)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ نے بھی علامہ نووی رحمہ اللہ کی ہی تائید کی ہے (۲)۔

ثم أخذ طرف ردائه، فبصق فيه، ثم رد بعضه على بعض، فقال: أو يفعل هٰكذا.

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا اور اس میں تھوک کر مَل دیا اور ارشاد فرمایا: یا اس طرح کرے۔

”ثم أخذ رداءه“ سے لے کر آخر تک میں بوقتِ ضرورت بلغم پھینکنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور یہ بیان بالفعل کی قبیل سے ہے کیوں کہ یہ طریقہ سامع کے لیے اوقع فی النفس ہوتا ہے (۳)۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢١/٢

(۲) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٩

(۳) فتح الباري: ٦٥٩/١

"أو یفعل" کا عطف لٰکن حرف استدراک کے بعد فعلِ محذوف پر ہوگا، تقدیری عبارت اس طرح ہوجائے گی: ولکن یبزق عن یسارہ أو یفعل ھٰکذا(۱).

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلمہ "أو" شک کے لیے نہیں ہے بلکہ تنویع کے لیے ہے، جس کے معنی یہ ہوں کہ اس کو دونوں عملوں میں سے اختیار ہے، جس کو بھی کرلے(۲)۔

حدیثِ مبارکہ کے اس جملے سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ تھوکنے والے کو ان دونوں کاموں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کا اختیار ہے، لیکن چار ابواب بعد مذکور ایک باب میں آنے والی روایت کی وجہ سے مصنف نے اس آخری عمل کو بہتر قرار دیا ہے(۳)۔

بلغم کی پاکی یا ناپاکی کا حکم

حدیثِ مبارکہ کے آخر میں ذکر کردہ طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "بلغم" طاہر ہوتا ہے، نجس نہیں۔ اور یہ حکم اجماعی ہے، اس کے خلاف جن ائمہ کے کچھ اقوال ہیں، وہ شاذ کے حکم میں ہیں، جیسے: قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تھوکنا اس شخص کے حق میں گناہ ہے جو اسے دفن نہ کرے اور اگر کوئی شخص تھوکنے کے بعد اسے مٹی میں یا ریت میں دفن کردے یا ایسا ممکن نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز سے اسے کھرچ دے تو اس کے حق میں گناہ نہیں ہے(۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ترجمۃ الباب میں تو حک بالید کا ذکر ہے، لیکن حدیثِ باب میں "حک" کی تصریح تو ہے اور "بالید" کی تصریح نہیں ہے۔ لیکن متبادر الی الفہم یہ بات موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار سے وہ تھوک یا رینٹ اپنے ہاتھ سے ہی صاف کیا ہوگا(۵)۔

---

(۱)اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۳/ ۱٥٦

(۲)عمدة القاري: ٤/۲۲۲

(۳)فتح الباري: ۱/٦٥۹

(٤)التوضیح لابن الملقن: ٥/ ٤۱۹

(٥)شرح الکرماني: ٤/ ۷۱، اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۳/ ۱٥٦، عمدة القاري: ٤/۲۲۱

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بہت سے امور وآداب کا استنباط ہوتا ہے، جن میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔اس حدیث سے دائیں جانب کا بائیں جانب سے افضل ہونا معلوم ہوتا ہے(۱)۔

۲۔بدن کے فضلات کو مسجد سے دور رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے(۲)۔

۳۔جہتِ قبلہ کی تعظیم بھی معلوم ہوتی ہے(۳)۔

۴۔مسجد کی صفائی کا مستحسن ہونا معلوم ہوتا ہے(۴)۔

۵۔تھوک وبلغم وغیرہ کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ نمازی کو بحالتِ نماز اپنے کپڑے میں تھوکنے کا حکم اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پاک ہو، وگرنہ تو نمازی کے کپڑے کا نجس ہونا اور اس نجس کپڑے کی وجہ سے نماز نہ ہونا لازم آئے گا، جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے(۵)۔

---

(۱)التوضیح لابن الملقن: ٥/ ٤١٩، عمدة القاري: ٢٢٢/٤

(٢)عمدة القاري: ٢٢٢/٤

(٣)عمدة القاري: ٢٢٢/٤

(٤)عمدة القاري: ٢٢٢/٤

(٥)عمدة القاري: ٢٢٢/٤

حدیثِ باب: دوسری حدیث

٣٩٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ[1] : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ ٱلْقِبْلَةِ ، فَحَكَّهُ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ٱلنَّاسِ فَقَالَ : (إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي ، فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ ، فَإِنَّ ٱللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى) .
[٧٢٠ ، ١١٥٥ ، ٥٧٦٠]

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر بلغم لگا ہوا دیکھا تو اسے کھرچ ڈالا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے ہوتے ہیں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل چار راوی ہیں:

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ ”عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی“ رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١) رواه البخاري أيضاً في صفة الصلاة، باب: هل يلتفت لأمر ينزل به، رقم الحديث: ٧٥٣، وفي العمل في الصلاة، باب: مايجوز من البصاق والنفخ في الصلاة، رقم الحديث: ١٢١٣، وفي الأدب، باب: ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله تعالى، رقم الحديث: ٦١١١.

ورواه مسلم في صحيحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٥٤٧

رواه أبو داود في سننه في الصلاة، باب: في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٩.

ورواه النسائي في سننه في المساجد، باب: النهي عن أن يتنخم الرجل في قبلة المسجد، رقم الحديث: ٧٢٥.

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس في المساجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في أحكام تتعلق بالمسجد، الفرع الأول في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٢٩، ١٩١/١١

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثاني ، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ مالک بن انس

یہ ''مالک بن انس المدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثاني، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدین؛ الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ نافع

یہ مولیٰ ''عبداللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذکر العلم والفتیا في المسجد ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت ''عمر فاروق'' رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ''عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإیمان وقول النبي صلی الله علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرحِ حدیث

"في جدار القبلة" میں القبلة کا الف لام عہد ذہنی کے لیے ہے، یعنی: في جدار قبلة المسجد، مستملي کی روایت میں "في جدار المسجد" کے الفاظ ہیں(۵)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹، ٤/۱۱۳.

(۲) کشف الباری: ۱/۲۹۰، ۲/ ۸۰.

(۳) کشف الباری: ۱/٦٤٨

(٤) کشف الباری: ۱/٦۳۷.

(٥) عمدة القاري: ٤/۲۲۳

صحیح البخاری میں ہی کتاب الصلاۃ کے آخر میں "ایوب عن نافع" کے طریق سے ایک روایت موجود ہے، اس میں "في قبلة المسجد" کے الفاظ ہیں۔ اور اس روایت میں "ثم نزل، فحتها بيده" کے الفاظ کی زیادتی بھی ہے۔ اس زیادتی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، جب آپ نے دیوار پر بلغم دیکھا(۱)۔

"فإن الله قبل" یعنی: اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی جہت میں ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں بھی یہ جملہ تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے، یعنی: گویا کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے چہرے کے سامنے ہے، لہٰذا اس طرف مت تھوکو کہ اس عمل میں اُس پاک ذات کی تخفیف لازم آتی ہے(۲)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس حیثیت سے قائم ہوگی کہ اس حدیث میں "حك" کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، تو سمجھ میں آنے والی بات یہی ہے کہ اس بلغم کو کھرچنا ہاتھ کے ذریعہ ہی ہوا ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ حدیث میں "جدار القبلة" سے مراد "جدار قبلة مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم" ہے، اس تقدیر سے وہ اعتراض بھی ختم ہو جائے گا، جو بعض افراد کی طرف سے کیا گیا کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے کل سے نہیں، بلکہ جزء سے مطابقت ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب میں "جدار المسجد" کا ذکر ہے اور حدیث میں "جدار القبلة" کا(۳)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)صحیح البخاري، العمل في الصلاة، باب: مايجوز من البصاق والنفخ في الصلاة، رقم الحديث: ۱۲۱۳

(۲)عمدة القاري: ۲۲۳/٤

(۳)عمدة القاري: ۲۲۳/٤

حدیثِ باب: تیسری حدیث

۳۹۹ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ هِشَام بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ ٱلْمُؤْمِنِينَ (۱) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَأَى فِي جِدَارِ ٱلْقِبْلَةِ مُخَاطًا ، أَوْ بُصَاقًا ، أَوْ نُخَامَةً ، فَحَكَّهُ .

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثاني اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب:ليبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔مالک

یہ "مالک بن انس المدنی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثاني، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدين؛ الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳۔ہشام بن عروہ

یہ "ہشام بن عروہ بن زبیر" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثاني ،اور تفصیلی احوال کتاب

(۱)أخرجه مسلم في صحيحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٥٤٩

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس في المساجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في أحكام تتعلق بالمسجد، الفرع الأول في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٣٣، ١١/١٩٥

(۲)كشف الباري: ١/٢٨٩، ٤/١١٣

(۳)كشف الباري: ١/٢٩٠، ٢/ ٨٠

الایمان، باب: أحب الدین إلی اللہ أدوم، کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

۴۔ عروہ

یہ "عروہ بن زبیر بن عوام" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثانی، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدین إلی اللہ أدوم، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۵۔ عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت "عائشہ صدیقہ" رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثانی کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

ترجمہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر رینٹ، یا تھوک یا بلغم لگا ہوا دیکھا تو اسے کھرچ ڈالا۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث کی تشریح ماقبل کی دونوں احادیث میں گذر چکی ہے۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ متبادر الی الفہم یہی ہے کہ اس بلغم کو اپنے دستِ مبارک سے ہی کھرچا ہوگا (۴)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) کشف الباری: ۱/ ۲۹۱، ۲/ ٤٣٢

(۲) کشف الباری: ۱/ ۲۹۱، ۲/ ٤٣٢

(۳) کشف الباری: ۱/۲۹۱

(٤) عمدة القاري: ٤/٢٢٢

۲ - باب : حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ .

یہ باب ہے مسجد سے کنکری کے ذریعہ بلغم کھرچنے کے بارے میں

مذکورہ باب کی ماقبل سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں کہ سابقہ باب میں ہاتھ سے تھوک یا بلغم دور کرنے کا بیان تھا اور یہاں کنکری، پتھر وغیرہ سے دور کرنے کا بیان ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ "مخاط" میں رطوبت یا لزوجت بنسبت بلغم یا تھوک کے زیادہ ہوتی ہے، لہذا اس کو مسجد سے مکمل طور پر دور کرنے کے محض ہاتھ کافی نہیں ہوتا بلکہ کسی آلہ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کنکری سے صاف کرنے کا بیان اس حدیثِ مبارکہ میں مذکور ہوا۔

اس مقام پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں تو "مخاط" کا ذکر ہے، جبکہ حدیث مبارکہ میں "نخامہ" کا ذکر ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں انسانی جسم کے پاک فضلات ہیں، ان دونوں میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا ذکر کردہ ہے، میرے نزدیک زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہے کہ "مخاط" ناک سے نکلنے والی بلغم ہوتی ہے اور "نخامہ" سینے سے نکلنے والی بلغم، لیکن ترجمۃ الباب میں "مخاط" کا ذکر اور حدیث مبارکہ میں "نخامہ" کا ذکر اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جیسے دونوں اپنے اندر کی چکناہٹ اور گاڑھاپن کے اعتبار سے برابر ہیں ایسے ہی دونوں حکم میں بھی برابر ہیں (۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس ترجمہ کو قائم کرنے کا مقصد ان بعض حضرات کا رد کرنا ہے جنہوں نے ناک کی رطوبت کو نجس قرار دیا ہے اور دلیل اس حدیث مبارکہ سے پکڑی ہے، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کی ہے، اور اس کی بنیاد یہ قرار دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بذاتِ خود اس رطوبت کو صاف کرنا محض مسجد کی صفائی و نظافت کی خاطر نہیں تھا بلکہ مسجد کو اس نجاست سے پاک کرنا بھی تھا، تو عین ممکن ہے کہ امام بخاری

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٤

رحمہ اللہ نے ایسے افراد کی تردید کے لیے یہ ترجمہ قائم کیا ہو، بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر بھی اسی لیے قائم کیا ہو کہ اس اثر سے ان بعض حضرات کی تردید ہو رہی تھی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک عمدہ توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس اگر ایک حدیث مختلف طُرق سے ہو تو ان کی عادت یہ ہے کہ ان تمام طرق کو ایک عنوان کے تحت جمع نہیں کرتے بلکہ ہر روایت کو مستقل عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں، الفاظ حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمۃ الباب اور عنوان میں تنوع پیدا کرتے ہیں، جب کہ اصل مقصد طرق حدیث کا بیان ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہوا ہے(۱)۔

صحیح البخاری کے بعض نسخوں کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر اس ترجمۃ الباب کا جزء بنا کر تعلیقاً نقل کیا ہے، وہ بھی ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

تعلیق (۲)

قال ابن عباس رضي الله عنهما: إن وطعت على قذر رطب، فاغسله، وإن كان يابسا فلا.

تعلیق کی تخریج

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی ''مصنف'' میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا حفص بن غياث، عن الأعمش، عن يحيى بن وثاب قال: سئل ابن عباس عن رجل خرج إلى الصلاة فوطئ على عذرة؟ قال إن كانت رطبة غسل ما أصاب، وإن كانت يابسة لم تضره(۳).

---

(۱)الأبواب والتراجم للدهلوي في بداية صحيح البخاري، باب: حك المخاط بالحصى، ص: ۳۰

(۲) مذکورہ تعلیق ''الدکتور مصطفیٰ دیب البغا'' والے نسخے، جس کو کشف الباری کے لیے بنیاد بنایا گیا ہے، میں نہیں ہے، لیکن چونکہ شراح حدیث نے اس پر کلام کیا ہے اس لیے کشف الباری میں بھی اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔

(۳)المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، باب في الرجل يتوضأ فيطأ على العذرة، رقم الحديث: ٦١٣، ١/ ٤٢٦

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تمہارا پیر کسی تر گندگی پر پڑ جائے تو اس کو دھوڈالو اور اگر خشک گندگی پر پڑے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس نہی میں بڑی اور اہم علت احترامِ قبلہ ہے، محض رطوبت کا قابلِ نفرت ہونا نہیں، اگر چہ اس کا قابلِ نفرت ہونا بھی ایک سبب ہے، لیکن بمقابلہ احترامِ قبلہ کم درجے کا سبب ہے، یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ مسجد کے معاملے میں رطوبت کے صاف کرنے میں اس کے تر یا خشک ہونے کا فرق نہیں کیا گیا، (بخلاف اس کے کہ اگر نہی کی علت محض ان کا قابلِ نفرت ہونا ہوتو وہاں دونوں میں فرق ہونا چاہیے کہ جہاں خشک رطوبت پر پاؤں آجائے تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن جہاں تر رطوبت پر پاؤں آجائے تو اس وقت وقت اس رطوبت کو دھو لینا چاہیے، چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر میں رطوبت پر پاؤں آجانے والا واقعہ مسجد کا نہیں ہوگا بلکہ خارجِ مسجد کا ہوگا، اس لیے مسجد کے معاملہ میں رطوبت کے تر ہونے یا خشک ہونے کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ اسے صاف کر دیا جائے گا)۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے رد میں فرماتے ہیں: ایسا درست نہیں ہے، اس میں بہت بُعد ہے، بلکہ علت ممانعت ''احترام قبلہ'' کے ساتھ ساتھ اذیت کا پایا جانا بھی ہے، کیونکہ کچھ ہی بعد حضرت ابو سہلہ رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إنك اذيت الله ورسوله''، اس ارشاد سے واضح طور پر حصول اذیت کا علت ممانعت ہونا معلوم ہو رہا ہے۔

ترجمۃ الباب سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کی مناسبت اس طور پر بھی ممکن ہے کہ ترجمہ میں حك المخاط بالحصى ہے، اور روایت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ ناک کی وہ رطوبت خشک تھی، تبھی تو کنکری سے صاف کرنا ممکن ہوسکتا ہے، وگرنہ تو کنکری سے بجائے صاف ہونے کے اور زیادہ پھیل

---

(۱) فتح الباري: ٦٦٠

جاتی۔ چنانچہ اثرِ مذکور خشک اور تر نجاست میں فرق کے لیے لایا گیا ہے۔ اگرچہ ظاہر حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے، چنانچہ اثر اور ترجمہ میں اس حیثیت سے مناسبت ہے اور اتنی مقدار مناسبت کی کافی ہے(۱)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ اثر یا تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اوپر کے دونوں اقوال میں واضح ہوچکی ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب: پہلی حدیث

٤٠٠ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ شِهَابٍ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ(۲) حَدَّثَاهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي جِدَارِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا ، فَقَالَ : (إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ ، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى) . [٤٠١ ، ٤٠٤ ، ٤٠٦]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چھ راوی ہیں:

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٢٤، ٢٢٥

(۲)أخرجه البخاري أيضاً في المساجد، باب: لا يبصق عن يمينه في الصلاة، رقم الحديث: ٤١٠، ٤١١، ٤١٤، ٤١٦

ومسلم في صحيحه في المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٥٤٨

وأبو داؤد في سننه في الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٨٠

والنسائي في سننه في المساجد، باب ذكر نهي النبي صلى الله عليه وسلم عن يبصق الرجل بين يديه أو عن يمينه وهو في صلاته، رقم الحديث: ٧٢٦

وابن ماجة في سننه في المساجد، باب كراهية النخامة في المسجد، رقم الحديث: ٧٦١

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس، في المساجد وما يتعلق به أولا وآخرا، الفصل الثاني: في أحكام تتعلق بالمساجد، الفرع الأول: في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٣٠، ١١/١٩٣

ا۔موسی بن اسماعیل

یہ ”ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی البصری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الرابع، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ابراہیم بن سعد

یہ ”ابواسحاق ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: ما ذكر في ذهاب موسى عليه السلام في البحر إلى الخضر......، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابن شہاب

یہ ”ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔حمید بن عبدالرحمٰن

یہ ”حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تطوع قيام رمضان من الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

۵۔ابوہریرۃ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ٤٣٢/١، ٤٧٧/٣

(۲) كشف الباري: ١٢٠/٢، ٣٣٣/٣

(۳) كشف الباري: ٣٢٦/١

(٤) كشف الباري: ٣١٦/٢

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۶۔ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوسعید خدری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا تو ایک کنکری لے کر اسے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی بلغم تھوکے، تو نہ اپنے سامنے کی جانب تھوکے اور نہ ہی اپنی داہنی جانب، بلکہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں تلے تھوکے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تشریح ماقبل کے باب میں گذر چکی ہے، مزید کوئی چیز قابلِ تشریح نہیں ہے، الا یہ کہ اس روایت میں "فحکها" کا لفظ ہے، جب کہ کشميهني کی روایت میں یہی لفظ "فحتها" ہے، بات دونوں میں ایک ہی ہے(۳)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی اور اس پر ایک اشکال وجواب بھی ابتداء باب میں گذر چکا ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) کشف الباری: ۱/ ۶۵۹

(۲) کشف الباری: ۲/۸۲

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٦

۳ – باب : لَا يَبْصُقْ عَنْ يَمِينِهِ فِي ٱلصَّلَاةِ .

اس باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ نمازی دورانِ نماز اپنی دائیں جانب نہ تھوکے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''شراح نے ان ابواب سے کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات مذکورہ سے مختلف احکام ثابت ہوتے تھے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر ایک پر مستقل باب باندھ دیا، مگر میرے نزدیک ہر ایک باب سے ایک الگ غرض ہے، چنانچہ اس باب کی غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بصاق عن اليمين کی نہی صلوٰۃ کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے، صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ سب کو، کیونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے تخصیص بالصلوٰۃ منقول ہے اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عام ہے۔ اور وجہ اس اختلاف کی اختلاف في التعليل ہے، جو لوگ عام مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ نہی بصاق الى اليمين کو معلل کیا گیا ہے، فرشتے کے دائیں جانب ہونے کے ساتھ۔ اور وہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے، لہٰذا نہی عام ہوگی، کیونکہ یہ اس کے احترام کے خلاف ہے، مگر اس پر اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ بائیں جانب بھی تو فرشتہ کاتبِ سیئات ہوتا ہے، ویراعی للأمير ما لا يراعى للمأمور، علاوہ ازیں کاتبِ حسنات کاتب سیئات کو کتابت سیئات سے روکتا ہے، لہٰذا اس کا ہم پر احسان ہے، اس لیے ہم کو بھی اس کا احترام کرنا چاہیے۔

اور حضرت امام بخاری نے ''في الصلاة'' بڑھا کر امام مالکؒ کی تائید کی ہے۔ اور میری رائے بھی یہ ہی ہے کہ نہی صلاۃ کے ساتھ خاص ہے اور جو علت شراح نے بیان کی ہے اور ''ملك'' سے ''كاتبين حسنات'' کو مراد لیا ہے، یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، گو بڑوں سے منقول ہے۔ اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کاتبِ سیئات گو کاتبِ سیئات ہے، مگر فرشتہ بھی تو ہے اور فرشتے سارے کے سارے مکرم ہیں، ''هم عباد مكرمون'' نیز! وہ کتابت سیئات از خود نہیں کرتا، بلکہ وہ مامور ہے، لہٰذا اس کا بھی احترام ہونا چاہیے، نیز! تھوک نیچے کو گرتا ہے اور فرشتہ اوپر ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ درست نہیں کہ ''ملک'' سے مراد کاتبِ حسنات ہو، بلکہ اس سے مراد اس کے علاوہ دوسرا فرشتہ ہے، جو خاص طور سے نماز کے اندر آتا ہے اور دائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے قلب

کی حفاظت کرتا ہے۔اورایک شیطان آتا ہے، جو بائیں طرف کھڑا ہوجاتا ہےاورقلب میں وساوس ڈالتا ہے۔تو اس فرشتہ سے مراد یہ فرشتہ ہےاور چونکہ یہ نیچے کھڑا ہوتا ہے، اس لیے اگر تھوکے گا تو وہ تھوک اس پر پڑے گا"(۱)۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی رائے

ترجمۃ الباب میں "فی الصلاۃ" سے اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے یہ ممانعت صرف دوران نماز کی ہے، خارج نماز کی نہیں ہے، گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات کا رد کررہے ہیں جو داخل صلاۃ اور خارج صلاۃ ہر حالت میں تھوکنے سے منع کرتے ہیں، اگرچہ اقرب الی الادب یہی ہے کہ ہر حال میں جانب قبلہ تھوکنا ممنوع ہو، جیسا کہ حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم وغیرہ خارج نماز بھی قبلہ رو تھوکنے کو مکروہ قرار دیتے تھے(۲)۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

٤٠١ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا ٱللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ، وَأَبَا سَعِيدٍ (۳) أَخْبَرَاهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي حَائِطِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَتَنَاوَلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ حَصَاةً فَحَتَّهَا ، ثُمَّ قَالَ : (إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ ، فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى) . [ر : ٤٠٠]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل سات راوی ہیں:

۱۔یحی بن بکیر

یہ"ابوزکریا یحی بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

(۱) تقریر بخاری شریف: ۲/ ۳٦۲

(۲) تحفة القاري للكاندهلوى: ۲/ ٤٧١

(۳) مرّ تخريجه تحت رقم الحديث: ٤٠٠

(٤) كشف الباري: ۳۲۳/۱

۲۔ اللیث

یہ ’’اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی‘‘ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ عقیل

یہ ’’عُقیل بن خالد بن عَقیل‘‘ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الثالث، اور تفصیلی احوال اور کتاب العلم، باب: فضل العلم، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۴۔ ابن شھاب

یہ ’’ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری‘‘ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۵۔ حمید بن عبدالرحمٰن

یہ ’’حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف‘‘ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تطوع قیام رمضان من الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

۶۔ ابو ہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ’’ابو ہریرۃ‘‘ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں (۵)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/ ۳۲٤

(۲) کشف الباری: ۱/ ۳۲٥، ۳/ ٤٥٥

(۳) کشف الباری: ۱/ ۳۲٦

(٤) کشف الباری: ۲/ ۳۱٦

(٥) کشف الباری: ۱/ ٦٥٩

۷۔ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوسعید خدری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا تو ایک کنکری لے کر اسے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی بلغم تھوکے، تو نہ اپنے سامنے کی جانب تھوکے اور نہ ہی اپنی داہنی جانب، بلکہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں تلے تھوکے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی مکمل شرح ماقبل میں گذر چکی ہے، کوئی نئی بات اس میں نہیں ہے، ماقبل والی اور موجودہ حدیثِ مبارکہ میں محض کچھ لفظی فرق ہے، جس سے معنی ومباحث پر کچھ فرق نہیں پڑتا، مثلاً: وہاں "جدار المسجد" تھا اور یہاں "حائط المسجد" ہے، وہاں "فحكها" تھا اور یہاں "فحتها" ہے، وہاں "فلا يتنخمن" تھا اور یہاں "فلا يتنخم" ہے، وہاں "تحت قدمه" تھا اور یہاں "تحت قدمه اليسرىٰ" ہے۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس جملے "فلا يتنخم قبل وجهه ولا عن يمينه" میں ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ترجمۃ الباب میں تو ہے: "لا يبصق عن يمينه". جب کہ حدیث مبارکہ میں "لا يتنخم" کے الفاظ ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کے اعتبار سے "نخامه" اور "بصاق" کو ایک ہی قرار دیا گیا ہے، دیگر احادیث سے اس تساوی کا اشارہ ملتا ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) كشف الباري: ۲/۸۲

(۲) عمدة القاري: ٤/٢٢٦۔ مثلاً: کچھ ہی بعد آنے والی حدیثِ مبارکہ میں ہے: "لا يبزقن في قبلته ولكن عن يساره" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ قبلہ کی دیوار میں "نخامه" دیکھنے کے بعد ارشاد فرمایا تھا، یہ دلالت ہے کہ نخامہ اور بزاق حکم کے اعتبار سے برابر ہیں۔ (عمدة القاري: ۴/۲۲۶)

حدیثِ باب (دوسری حدیث)

۴۰۲ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ(۱) قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (لَا يَتْفِلَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ) . [ر : ۳۹۷]

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔حفص بن عمر

یہ ''حفص بن عمر، ابن الحرث الحوضی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً، الحديث الرابع ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔شعبہ

یہ امیر المؤمنین ''شعبہ بن الحجاج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳۔قتادة

یہ ''قتادہ بن دعامہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

(۱) مرّ تخريجه تحت رقم الحديث: ۲٤۱، في كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب.

(۲) كشف البارى، كتاب الوضو، باب: إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً، الحديث الرابع.

(۳) كشف البارى: ۱/٦۷۸

(٤) كشف البارى: ۲/۳

۴۔ انس

یہ ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے نہ سامنے تھوکے اور نہ اپنی دائیں جانب، لیکن (تھوکنے کی ضرورت پیش آ جائے تو) اپنی بائیں جانب اور پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح ووضاحت بھی ماقبل میں گذر چکی ہے۔

"لا يتفُلَنَّ" یہ صیغہ "نصر" اور "ضرب" دونوں سے مستعمل ہے، یعنی: "ف" کی ''کسرہ'' اور ''ضمہ'' دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، اس کے معنی: ''تھوکنے'' کے ہیں۔

"لا يتفُلَنَّ" اور "لا يبزقن" یا "لا يبصق" ایک ہی معنی رکھتے ہیں(۲)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کہ دونوں میں ایک ہی بات مذکور ہے(۳)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) کشف الباری: ٢/٤

(۲) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٧

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٧

٤ – باب : لِيَبْزُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى .

یہ باب ہے اس بارے میں کہ (نمازی کو) چاہیے کہ (بوقتِ ضرورت)

اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

عنوان باب میں بعض نسخوں میں "لیبزق" کی جگہ "لیبصق" ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ کردیا، وہ یہ کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بصاق فی المسجد جائز ہے اور اس کا دفن نہ کرنا گناہ ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بصاق فی المسجد گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کردینا ہے۔

میں نے بیان کیا تھا کہ یہ دونوں قدیم شارحین میں سے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ مقدّم ہیں اور مالکی ہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ مؤخر ہیں اور شافعی ہیں۔ تو بسا اوقات معانی حدیث کے بیان کرنے میں دونوں اختلاف کر جاتے ہیں اور پھر ان کے بعد آنے والے دو فریق ہو گئے۔ ایک امام عیاض رحمہ اللہ کی موافقت کرتا ہے اور دوسرا امام نووی رحمہ اللہ کی تائید کرتا ہے، اسی میں سے یہ اختلاف بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ مختار قاضی عیاض رحمہ اللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مختار قاضی عیاضؒ کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاریؒ نے مختار عیاضؒ سمجھ کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، بلکہ چونکہ شہرت امام عیاضؒ ہی کے ساتھ ہوئی تھی، اسی لیے ان کی طرف منسوب کردیا گیا" (۲)۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

٤٠٣ : حدَّثنا آدَمُ قَالَ : حدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : حدَّثنا قَتَادَةُ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ (۳) قَالَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ ٱلْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي ٱلصَّلَاةِ ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ) . [ر : ٣٩٧]

---

(١)فتح الباري: ٦٦٢/١، عمدة القاري: ٤/ ٢٢٧

(٢)تقرير بخاری شريف: ١٥١/٢

(٣)مر تخريجه رقم الحديث: ٣٩٧

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔آدم

یہ "آدم بن ابی ایاس العسقلانی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه وبيده، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ "شعبہ بن الحجاج" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔قتادۃ

یہ "قتادہ بن دعامہ" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول "انس بن مالک" رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(١) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٢) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٣) كشف الباري: ٣/٢

(٤) كشف الباري: ٤/٢

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے، چنانچہ (تھوکنے کی حاجت آجانے کے وقت) اپنے سامنے یا اپنی داہنی جانب نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں کی جانب تھوکے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے۔

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "ولکن عن یسارہ أو تحت قدمہ" میں ہے۔ معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ چاہیے کہ اپنی بائیں جانب نہ تھوکے۔

واضح رہے کہ ماقبل ترجمۃ الباب میں "فی الصلاۃ" کی قید تھی جبکہ روایت میں یہ قید نہیں تھی۔ اور یہاں ترجمۃ الباب میں یہ قید نہیں ہے جبکہ حدیثِ مبارکہ میں قید موجود ہے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (دوسری حدیث)

٤٠٤ : حدّثنا عَلِيٌّ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيانُ : حَدَّثنا ٱلزُّهْرِيُّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبي سَعِيدٍ(۲) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ أَبْصَرَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ ، ثُمَّ نَهَى أَنْ يَبْزُقَ ٱلرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، أَوْ عَنْ يَمِينِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى .

وَعَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، سَمِعَ حُمَيْدًا ، عَنْ أَبي سَعِيدٍ : نَحْوَهُ . [ر : ٤٠٠]

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٢٧

(۲)مرّ تخريجه تحت رقم الحديث: ٤٠٠

تراجم الرجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

ا۔علی

یہ ''علی بن عبداللہ المدینی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:الفهم في العلم، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔سفیان

یہ ''سفیان بن عیینہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی،الحديث الأول، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔الزہری

یہ ''ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی،الحديث الثالث، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ حمید بن عبدالرحمٰن

یہ ''حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:تطوع قيام رمضان من الإيمان ، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۵۔ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوسعید خدری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۹۷/۳

(۲) كشف الباري: ۲۳۸/۱، ۱۰۲/۳

(۳) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(٤) كشف الباري: ۳۱٦/۲

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ (والی دیوار) میں بلغم دیکھا، تو آپ نے ایک کنکری سے اُسے کھرچ ڈالا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ کوئی بھی آدمی اپنے سامنے کی جانب یا اپنی دائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ (بوقت ضرورت) اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

شرح حدیث

یہ روایت بھی واضح ہے، اس کی تشریح بھی ماقبل ابواب میں بیان ہو چکی ہے۔

حدیث مذکورہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "ولكن عن يساره أو تحت قدمه" میں ہے۔ معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ چاہیے کہ اپنی بائیں جانب نہ تھوکے(۲)۔

وعن الزهري سمع حميدا عن أبي سعيد نحوه

اس ٹکڑے کے ذریعے امام بخاری رحمہ اللہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کو ماقبل سند میں ''زہری'' نے ''حمید بن عبدالرحمٰن'' سے عنعنہ کے ساتھ روایت کی تھی، جب کہ ''زہری'' کا ''حمید بن عبدالرحمٰن'' سے سماع بھی ثابت ہے، چنانچہ یہ سند اسی سماع پر دلالت کرتی ہے(۳)۔

اس ٹکڑے کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تعلیق ہے(۴)، جب کہ حافظ ابن حجر

(۱) كشف الباري: ۲/ ۸۲

(۲) عمدة القاري: ٤/ ۲۲۷

(۳) شرح الكرماني: ٤/ ۷۳، عمدة القاري: ٤/ ۲۲۸

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ۷۳

رحمہ اللہ ان کا نام لیے بغیر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے تعلیق قرار دینا شراح کا وہم ہے، بلکہ یہ موصول ہے، جیسا کہ اس قبل بھی ایسا ہوتا رہا ہے(۱)۔ اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی طرف داری کرتے ہوئے اس کا تعلیق ہونا راجح قرار دیتے ہیں (۲)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

٥ – باب : كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ مسجد میں بلغم پھینکنے کا کفارہ کیا ہے؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کے مختار (مذہب) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (جبکہ سابقہ ابواب سے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید ہوتی تھی)۔ (۳)

مسجد میں تھوکنے یا نہ تھوکنے کے احکامات کا خلاصہ

خلاصہ ماقبل ابواب کے مقاصد کا یہ نکلے گا کہ مسجد میں نماز کے دوران یا خارج نماز اگر تھوکنے کی مجبوری پیش آجائے تو احادیث کے مطابق مسجد میں اپنی بائیں جانب یا بائیں پاؤں کے نیچے جو تھوکنے کی تصریح مذکور ہے، وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ مسجد کچی ہو، جس کی بنیاد پر وہاں تھوک کر اس تھوک کو مٹی وغیرہ سے چھپا دینا ممکن ہو تو ایسا کیا جائے، لیکن اگر مسجد پکی ہے تو پھر مسجد کے فرش پر تھوکنے کی اجازت نہیں ہے، اس صورت میں اپنے کپڑے وغیرہ میں تھوک کر اسے مَل دینا چاہیے۔ ہماری اس بات کی تائید ابوداود شریف کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے (۴)۔

---

(١) فتح الباري: ١/ ٦٦٢

(٢) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٨

(٣)تقریر بخاری شریف: ٢/ ١٥٢

(٤)عن عبد الرحمن بن أبي حدرد الأسلمي قال سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دخل هٰذا المسجد، فبزق فيه، أوتنخم، فليحفر، فليدفنه، فإن لم يفعل، فليبزق في ثوبه ثم ليخرج به". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٧)

حدیثِ باب

٤٠٥ : حدّثنا آدمُ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا قَتَادَةُ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ قَالَ[1] : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (ٱلْبُزَاقُ فِي ٱلْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ ، وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا) .

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چار راوی ہیں:

۱۔آدم

یہ ”آدم بن ابی ایاس العسقلانی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه وبیده، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔شعبہ

یہ ”شعبہ بن الحجاج“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳۔قتادۃ

یہ ”قتادہ بن دعامہ“ رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱)أخرجه مسلم في صحيحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ۱۲٦۰.

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٤، ٤٧٥، ٤٧٦.

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في كراهية في المسجد، رقم الحديث: ٥٧٢.

والنسائي في سننه في المساجد، باب: البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٨٠٤

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس: في المساجد، الفصل الثاني: في أحكام تتعلق بالمساجد، الفرع الأول: في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٣٢، ١١/١٩٤.

(۲)کشف الباری: ۱/٦٧٨

(۳)کشف الباری: ۱/٦٧٨

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ دفن کرنا ہے۔

شرح حدیث

قال النبي صلی الله علیه وسلم: البُزاق في المسجد خطیئة،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔

''البُزاق في المسجد'' صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ تو یہ ہیں، لیکن صحیح مسلم کی روایت میں ''البزاق'' کی جگہ ''التفل'' کا لفظ ہے، یعنی: ''التفل في المسجد''، معنیٰ دونوں کے ایک ہی ہیں(۳)۔

''في المسجد'' یہ ظرف ہے وقوعِ فعل کے لیے، یعنی: یہ بات ضروری نہیں ہے کہ فاعل بھی ظرف کے اندر ہی ہو، بلکہ فاعل ظرف سے باہر ہو اور اس کا فعل ظرف کے اندر واقع ہو تو بھی ممانعت متوجہ ہوگی، چنانچہ! تھوکنے والا چاہے مسجد کے اندر ہو چاہے باہر، دونوں صورتوں میں تھوک کا مسجد میں گرنا گناہ ہے(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۳/۲

(۲) کشف الباری: ۴/۲

(۳) أخرجه مسلم في صحیحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحدیث: ۱۲۶۰.

(۴) عمدة القاري: ۲۲۹/۴

وكفارتها دفنها.

اوراس کا کفارہ دفن کرنا ہے۔

مسجد میں اگر مٹی، ریت یا چھوٹی کنکریاں وغیرہ ہوں تو دفن کرنے سے مراد یہ ہے کہ مسجد کی مٹی وغیرہ میں وہ تھوک دبا دے، اور اگر مذکورہ اشیاء نہ ہوں تو مثلاً: پکا فرش ہو یا قالین وغیرہ بچھے ہوئے ہوں تو دفن کرنے سے مراد یہ ہوگا کہ تھوک یا بلغم کو مسجد سے نکال دے، یعنی: کھرچ دے یا کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کردے(۱)۔

سنن ابوداود کی حدیث میں اسی امر کی طرف اشارہ موجود ہے، ملاحظہ ہو:

عن عبد الرحمن بن أبي حدرد الأسلمي قال سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دخل هذا المسجد، فبزق فيه، أو تنخم، فليحفر، فليدفنه، فإن لم يفعل، فليبزق في ثوبه ثم ليخرج به"(۲).

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حکم خارج مسجد کا ہے نہ کہ داخل مسجد کا، داخل مسجد کا حکم تو یہ ہے کہ وہاں تھوکے ہی نہیں اور اگر تھوکنے کی نوبت آ ہی جائے تو اپنے کپڑے میں تھوکے(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس بات کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (علامہ نووی رحمہ اللہ کی) اس بات پر بہت ساری احادیث دال ہیں کہ یہ سارے احکام مسجد کے اندر ہی تھوکنے اور اسے صاف کرنے سے متعلق ہیں (۴)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تھوک پر گناہ کا اطلاق اس وقت ہوگا جب اسے بغیر دفن کیے چھوڑ دیا جائے، محض تھوکنے کی وجہ سے گناہ کا حکم لاگو نہیں ہوگا (۵)۔

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٢٩

(۲)سنن أبي داود، كتاب الصلاة، كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٧

(۳)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، كتاب المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة وغيرها، ٥/٣٩

(٤)عمدة القاري: ٤/٢٢٩

(٥)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي، كتاب الصلاة، باب النهي عن الاختصار، وما يجوز من المس فيها، وما جاء في البصاق في المسجد، رقم الحديث: ١٤٩، ٢/١٥٥

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن منصور رحمہ اللہ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کو ایک بار رات کو بصورتِ مجبوری تھوکنا پڑ گیا، پھر وہ اسے صاف کرنا بھول گئے اور اپنے گھر چلے گئے، گھر پہنچ کر یاد آیا تو آگ کا شعلہ روشنی کی خاطر لے کر مسجد کی طرف واپس پلٹے، مسجد پہنچ کر تھوک کو تلاش کیا اور اسے دفن کیا، یعنی: صاف کیا، پھر فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں کہ اس نے میرے نامہ اعمال میں رات کی اس خطا کو نہیں لکھا(۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کہ دونوں میں ایک بات مذکور ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

٦ – باب : دَفْنِ ٱلنُّخَامَةِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں بلغم دفن کرنے کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

نخامہ مسجد میں دفن کرنا جائز ہے۔ علامہ رویانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہے، لہٰذا اگر مسجد کے اندر دفن کیا گیا تو مسجد میں ہی رہے گا اور حتّ مسجد کے احترام کی وجہ سے ہوتا ہے تو اب بھی احترام کے خلاف ہوا۔ لہٰذا دفن سے مراد اس کا اخراج ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ دفن کا جواز ثابت فرماتے ہیں، اس لیے کہ اب وہ (بلغم) مٹی کے نیچے چلا گیا ہے اور اس کے نیچے نہ جانے کتنی چیزیں ہوتی ہیں، مردے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اس کے خلاف ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ ''دفن'' مسجد کے ساتھ خاص ہے، مسجد کے باہر نہیں (۲)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٩

(۲) تقریر بخاری شریف: ۲/ ۱۵۲، سراج القاری: ۲/ ۴۵۸، الكنز المتواري: ٤/ ١٠٦

تقریر بخاری شریف کے حواشی میں مولوی سلمان صاب کی طرف منسوب تقریر میں ایک اور بات مذکور ہے کہ بعض علماء سے دفنِ نخامہ کی ممانعت نقل کی گئی ہے، خلافِ احترام ہونے کی بناپر، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احترام کی مخالفت جب ہے کہ وہ خود ناپاک ہو، بزاق خود ناپاک نہیں ہے بلکہ استقذار کی وجہ سے اس کو دفن کیا جاتا ہے اور اس حیثیت سے خلافِ احترام نہیں۔ (حاشیہ تقریر بخاری شریف: ۲/ ۱۵۲)

حدیث باب

٤٠٦ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلرَّزَّاقِ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ هَمَّامٍ : سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ[1] ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى ٱلصَّلَاةِ ، فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي ٱللّٰهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، فَإِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ، فَيَدْفِنُهَا) . [ر : ٤٠٠]

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے، کیوں کہ جب تک وہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ اور اپنی دائیں جانب بھی نہ تھوکے، کیوں کہ اس کی داہنی جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے، البتہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکے پھر اسے دفن کردے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

ا۔اسحاق بن نصر

یہ ''اسحاق بن ابراہیم بن نصر'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب:من اغتسل عريانا وحده في خلوة، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۲۔عبدالرزاق

یہ ''ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱) تقدم تخريجه تحت رقم الحديث: ٤٠٠

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب:من اغتسل عريانا وحده في خلوة.

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ معمر

یہ ''ابوعروہ معمر بن راشد الازدی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی چوتھی حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: کتابة العلم کی تیسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ ہمام

یہ ''ہمام بن منبہ بن کامل یمانی صنعانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: کتابة العلم کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ ابوہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت ابوہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

إذا قام أحدكم إلى الصلاة، فلا يبصق أمامه،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے۔

''فلا یبصق'' یہ نہی غائب کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۴۲۱

(۲) کشف الباری: ۱/۴٦٥، ٤/۳۲۱

(۳) کشف الباری: ۲/۴۲۸، ٤/۳۱۷

(٤) کشف الباری: ۱/٦٥۹

فإنما يناجي الله ما دام في مصلاه،

کیوں کہ جب تک وہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔

کشمیهني کی روایت میں "فإنه يناجي" کے الفاظ ہیں(۱)۔

"ما دام في مصلاه" جتنی دیر تک، جب تک نماز میں مشغول رہے تب تک۔

مسجد میں تھوکنے کی ممانعت صرف دورانِ نماز کی ہے یا خارجِ نماز کی بھی؟

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت کے مطابق تو تھوکنے کی ممانعت صرف نماز کی حالت میں ہے، جب کہ دوسری روایت۔ جس میں اس کی وجہ سے مسلمان کو اذیت پہنچنا بتلایا گیا تھا۔ کا تقاضا تو یہ ہے ممانعت نماز کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ مطلق ہو۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس ممانعت کے مختلف درجات ہیں، یہ فعل نماز کے دوران بہت سخت گناہ کا باعث ہے اور پھر مسجد کے دیگر حصوں کی نسبت دیوارِ قبلہ میں ہونا اور بھی زیادہ سخت ہے۔ وغیرہ وغیرہ (۲)

ولا عن يمينه، فإن عن يمينه ملكاً،

اور اپنی دائیں جانب بھی نہ تھوکے، کیوں کہ اس کی داہنی جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے۔

"ملكاً" ایک روایت میں یہ لفظ "ملك" استعمال ہوا ہے، اس صورت میں یہ لفظ "إنّ" کی خبر ہوگا اور "إنّ" کا اسم "ضمیر الشان" بنے گی (۳)۔

بائیں جانب تھوکنے میں کیا فرشتے کی بے اکرامی نہیں؟

اس عبارت پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ دائیں جانب فرشتہ ہونے کی وجہ سے اس کے اکرام میں دائیں جانب تھوکنا منع ہے، جب کہ فرشتہ تو بائیں جانب بھی ہوتا ہے، لہٰذا بائیں جانب تھوکنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟!

تو اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

ایک جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے دیا ہے: ''نماز جو کہ ام الحسنات ہے اس کی ادائیگی کے وقت

---

(۱)فتح الباري: ۱/ ٦٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٣٠

(۲)فتح الباري: ۱/ ٦٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٣٠

(۳)شرح الكرماني: ٤/٧٤۔ اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٢/٣

برائیاں لکھنے والے فرشتے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، لہٰذا حالتِ نماز میں وہ فرشتہ ساتھ نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ کراما کاتبین کے علاوہ کوئی اور فرشتہ ساتھ ہوتا ہو، لہٰذا کوئی اشکال نہیں'' (۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان جوابات کو رد کرتے ہوئے ایک اپنا جواب نقل کیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک قرین (شیطان) ہوتا ہے، فرشتے کی جگہ دائیں جانب اور قرین کی جگہ بائیں جانب ہوتی ہے، تو شاید بائیں جانب تھوکا جانے والے بلغم شیطان پر گرتا ہے، فرشتے پر نہیں (۲)۔ اسی کی طرف طبرانیؒ کی ایک روایت میں اشارہ بھی ملتا ہے (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ فرشتہ کاتبِ حسنات نہیں ہے، بلکہ یہ وہ فرشتہ ہے جو مصلی کے پاس آکر داہنی طرف کھڑا رہتا ہے اور املامِ حسنات کرتا ہے'' (۴)۔

وليبصق عن يساره، أو تحت قدمه، فيدفنها.

البتہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکے پھر اسے دفن کردے۔

''وليبصُق'' یہ لفظ ایک دوسری روایت کے مطابق ''وليبزق'' ہے (۵)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٧٤/٤۔ اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٢/٣

(٢) عمدة القاري: ٢٣٠/٤

(٣) عن أبي أمامة قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، فاستفتح الصلاة، فرأى نخاعة في القبلة، فخلع نعليه، ثم مشى إليها فحتها، ففعل ذلك ثلاث مرات، فلما قضى صلاته، أقبل على الناس بوجهه، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "أيها الناس! إن أحدكم إذا قام في الصلاة، فإنه في مقام عظيم، يسأل أمرا عظيما الفوز بالجنة، والنجاة من النار، وإن أحدكم إذا قام في الصلاة، فإنه يقوم بين يدي الله مستقبل ربه، وملكه عن يمينه، وقرينه عن يساره، فلا يتفِلنّ أحدكم بين يديه، ولا عن يمينه، ولكن عن يساره تحت قدمه اليسرىٰ ....". (المعجم الكبير للطبراني، صدي بن العجلان أبو أمامة الباهلي، رقم الحديث: ٧٨٠٨، ١٩٩/٨)

(٤) الكنز المتواري: ١٠٢/٤، سراج القاري: ٤٥٩/٢۔ اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٢/٣

(٥) مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح للإمام البخاري: ١١٨/٢

"فیدفنھا" اس فعل پرتین اعراب (نصب، رفع اور جزم) پڑھنا جائز ہیں، نصب پڑھنے کی صورت میں یہ صیغہ جوابِ امر واقع ہوگا، رفع پڑھنے کی صورت میں مبتداء محذوف "ھو" کی خبر ہوگا اور جزم پڑھنے کی صورت میں اس کا عطف امر "لیبصق" پر ہوگا(۱)۔

"فیدفنھا" کی "ھا" ضمیر کا مرجع "البَصْقة" بنایا جائے گا، جس پر حدیث مبارکہ کا قول "ولیبصُق" دلالت کررہا ہے(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ایک اشکال ذکر کرکے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ ترجمۃ الباب تو "دفنِ نخامۃ" کے ذکر پر ہے، جب کہ حدیثِ مبارکہ "دفنِ بزاق" پر دلالت کرتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کے اعتبار سے دونوں: نخامہ اور بزاق برابر ہیں (۳)۔

تھوک مسجد میں دفن کرنے کی صورت

"فیدفنھا" کی ایک صورت تو یہ ہے کہ نماز مکمل کرچکنے کے بعد اس پر تھوڑی بہت مٹی ڈال کر اسے چھپا دیا جائے تو یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں، اس لیے کہ اس صورت میں یہ خطرہ باقی رہے گا کہ وہاں کسی شخص کا پیر پڑ جائے یا وہ اس جگہ پر بیٹھ جائے تو اِس سے اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی، بلکہ اِس کے دفن کا طریقہ یہ مراد ہوگا کہ باقاعدہ تھوڑا سا زمین کھود کے اُس کی مٹی میں اُس بلغم کو چھپا دیا جائے، اب ظاہر ہے کہ یہ اُسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب مسجد کا فرش کچا ہو، لیکن اگر فرش پکا ہو تو پھر یہ بات ماقبل میں گذر چکی کہ اس صورت میں مسجد کے فرش پر نہ تھوکا جائے بلکہ اپنے کپڑے کے ایک کونے میں تھوک کہ مَل دیا جائے۔ اور اگر اُس فرش پر ہی تھوکنا پڑ گیا ہو تو اس صورت میں نماز کے بعد کپڑے سے یا پانی سے اس تھوک کو صاف کرنا مراد ہوگا (۴)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت روایت کے لفظ "فیدفنھا" میں ہے، اس طور پر بزاق اور نخامہ ایک ہی حکم میں ہیں (۵)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)شرح الكرماني: ٤/٧٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٢/٣، عمدة القاري: ٤/٢٣٠

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٣٠

(٣)شرح الكرماني: ٤/٧٤

(٤)فتح الباري: ١/ ٦٦٤

(٥)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٢/٣، فتح الباري: ١/ ٦٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٢٩

۷ – باب : إِذَا بَدَرَهُ ٱلْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب نمازی پر تھوک کا غلبہ ہو جائے
تو وہ اُس تھوک کو اپنے کپڑے کے کنارے میں لے لے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ نمازی اگر تھوکنے وغیرہ کے لیے مجبور ہو جائے تو اس کا کپڑے میں تھوک لینا بھی جائز ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں "بصاق في اليسار" اور "تحت القدم" اور "في الثوب" کے اندر تسویہ فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ثوب کے اندر لے کر مَل دے، بلکہ یہ اس وقت ہے جب کہ بصاق اس پر غالب آجائے اور کوئی چارہ نہ ہو تو ایسا کرے، گو ترجمہ شارحہ ہے اور میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول میں سے ہے کہ وہ کبھی ترجمۂ شارحہ باندھتے ہیں، جس میں ابہام کی توضیح اور خاص کی

---

(۱) انوار الباری: ۳۲۳/۱۳

مولانا بجنوری رحمہ اللہ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام بخاری رحمہ اللہ نے "بدرہ" عربیت کے خلاف لکھا ہے، صحیح "بدر إليه" تھا، جیسا کہ جوہری وغیرہ اہلِ لغت وتصریف نے لکھا ہے۔ محقق عینی رحمہ اللہ نے لکھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو اس موقع پر امام بخاری رحمہ اللہ کی بے جا حمایت کی ہے وہ خود ان کی علمِ تصرف سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ (عمدہ: ۳۲۴/۳)

یہاں حیرت اس امر پر نہ ہونی چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علمِ تصرف میں کمزور تھے، کیونکہ لکل فن رجال، یہ ضروری کب ہے امام بخاری اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ علمِ حدیث ورجال کے امام ہوں تو لغت وتصریف کے بھی امام ہوں۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے درسِ بخاری شریف میں کئی جگہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عربیت پر نقد کیا اور فرمایا تھا کہ ان کو تو جرح وتعدیلِ رواۃ ہی میں رہنا چاہیے کہ یہاں تو زمخشری کا ہی اتباع کیا جائے گا کیونکہ وہ عربیت کا مالک ہے۔ ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عربیت کامل ہوتی تو وہ "مجاز القرآن" سے نقل پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ خود بھی کچھ لکھتے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام نحو سیبویہ کی غلطیاں بتلائی ہیں، حالانکہ بقول حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ وہ کتابِ سیبویہ کو پوری طرح سمجھ بھی نہ سکے ہوں گے۔ (انوار الباری: ۳۲۳/۱۳)، وكذا في عمدة القاري: ٤/ ٢٣٠۔

تعمیم اور عام کی تخصیص ہوتی ہے(۱)۔

حدیثِ باب

٤٠٧ : حدّثنا مالكُ بْنُ إسماعيلَ قَالَ : حدّثنا زُهيْرٌ قالَ : حدّثنا حُمَيْدٌ ، عَنْ أَنَسٍ(۲) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي ٱلْقِبْلَةِ ، فَحَكَّهَا بِيَدِهِ ، وَرُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ ، أَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذٰلِكَ ، وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ ، وَقَالَ : (إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ ، أَوْ رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ) . ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ ، فَبَزَقَ فِيهِ ، وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ ، قَالَ : (أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا) . [ر : ٣٩٧]

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا اس حال میں کہ ناپسندیدگی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر دیکھے گئے۔ یا (روای نے فرمایا کہ) اس دیوارِ مسجد پر بلغم گرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ناراضگی کے آثار آپ کے چہرۂ مبارک پر دیکھے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ یا (یوں ارشاد فرمایا کہ) اس کا رب گویا اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا

---

(۱) تقرير بخاری شريف: ۱۵۲/۲

اس مقام پر "تقریر بخاری شریف" کے حاشیے میں ایک اور توجیہ مذکور ہے:

میرے نزدیک امام بخاری کی غرض ایک لطیف طریقہ سے تنبیہ کرنا ہے، وہ یہ کہ کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ "لكن عن يساره أو تحت قدمه، أو يفعل هكذا"۔ تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے "إذا بدره البزاق" بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ کپڑے سے بزاق کو رگڑنا نیچے تھوکنے کے مساوی نہیں جیسا کہ لفظ "أو" سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ مقید ہے "إذا بدره" کے ساتھ اور اس کا درجہ نیچے تھوکنے سے کم ہے اور نیچے تھوکنا اس فعل ثوب سے بڑھا ہوا ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

(۲) مر تخريجه تحت كتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب، رقم الحديث: ۲٤۱

ہے، لہٰذا وہ قبلہ کی جانب نہ تھوکا کرے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوک لیا کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑ کر اس میں تھوکا اور اسے مَل دیا اور فرمایا کہ یا پھر اس طرح کرلیا کرے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

ا۔ مالک بن اسماعیل

یہ ''مالک بن اسماعیل ابوغسان النہدی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم الحدیث: ۱۷۰، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ زہیر

یہ ''زہیر بن معاویہ بن حُدیج جعفی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الصلاة من الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ حمید

یہ ''حمید بن ابی حمید الطّویل ابوعبیدہ بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ انس

یہ مشہور صحابی ''حضرت انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم الحديث: ۱۷۰

(۲) کشف الباری: ۳٦۷/۲

(۳) کشف الباری: ۵۷۱/۲

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرحِ حدیث

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى نخامة في القبلة، فحكها بيده ورئي منه كراهية،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا اس حال میں کہ ناپسندیدگی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر دیکھے گئے۔

ورئي منه كراهية، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حسین ہوتا ہے تو رنج وغم، خوشی ومسرت اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون حسین وجمیل ہوسکتا ہے؟! نہ آپ جیسا کوئی حسین پیدا ہوا اور نہ ہوگا، چنانچہ! آپ کے غایتِ حسن کی بنا پر چہرۂ انور سے جو بات ہوتی تھی، ظاہر ہو جایا کرتی تھی (۲)۔

أو رئي كراهيته لذلك، وشدته عليه،

یا (روای نے فرمایا کہ) اس دیوارِ مسجد پر بلغم گرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ناراضگی کے آثار آپ کے چہرۂ مبارک پر دیکھے گئے۔

"أو" سے راوی کے شک کا بیان ہے اور شک اس امر میں ہے کہ لفظِ "كراهية" کی "هو" ضمیر کی طرف اضافت ہے یا نہیں۔

بعض نسخوں میں یہ لفظ "یا" کے بغیر اور اضافت کے ساتھ ہے، یعنی: "كراهته"(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۴/۲

(۲) تقریر بخاری شریف: ۱۵۲/۲

(۳) شرح الكرماني: ۷۵/٤

"شـــدتـــه" کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مرفوع کی صورت میں اس کا عطف "کراھیته" پر ہوگا، اور مجرور پڑھنے کی صورت میں اس کا عطف "ذلك" پر ہوگا (۱)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب میں دو اجزاء ہیں، پہلا: "إذا بدره البزاق" اور دوسرا: "فليأخذ بطرف ثوبه"۔ جبکہ روایت کے اندر پہلے جز کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ دوسرے جز کا ذکر موجود ہے اور وہ یہ ہے: "ثم أخذ طرف ردائه فبزق فيه، ورد بعضه على بعض"، لیکن "إذا بدره البزاق" کا جو جز تھا، اس کا ذکر روایت میں نہیں ہے۔ "إذا بدره البزاق" کے معنی ہیں کہ اس طرح تھوک آ گیا کہ اس کو پھینکنا ضروری ہے، نگل نہیں سکتا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے: "وإن عجلت به بادرة، فيأخذها بطرف ثوبه"، (۲) امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور یہاں باب میں انہوں نے ترجمہ کے اس جز سے متعلق کوئی حدیث نقل نہیں کی۔ اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی، تو تب امام بخاری رحمہ اللہ اسے اپنے ترجمۃ الباب کا جز بنا لیتے ہیں یا اس کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں۔

علامہ سندی رحمہ اللہ نے فرمایا: "امام بخاری رحمہ اس ترجمہ کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ باب میں جو مطلق حدیث ہے وہ ان روایت کی وجہ سے "إذا بـــدره" کے ساتھ مقید ہوگی جو امام صاحب نے ذکر نہیں کیں اور امام مسلم رحمہ اللہ نے انہیں ذکر کیا ہے" (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ ایسی روایات صحیح مسلم، سنن ابو داؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں (۴)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٧٥/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(۲) تفصیل آگے حاشیہ نمبر:۴، میں آرہی ہے۔

(٣) حاشية السندي على الجامع الصحيح: ١٢٢/١، الطاف سنز

(٤) فتح الباري: ٦٦٥/١

صحیح مسلم میں مذکور حدیث مبارکہ کا متعلقہ حصہ:

ثم مضينا حتى أتينا جابر بن عبد الله في مسجده ......أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم في =

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام ومسائل

اس حدیث مبارکہ سے بہت سارے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، جن میں کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ معلوم ہوا کہ تھوک ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ پاک ہوتا ہے(۱)۔

۲۔ تھوکنا نماز کو باطل نہیں کرتا(۲)۔

۳۔ جانبِ قبلہ کا محترم ومکرم ہونا اور اُسے صاف رکھنا بھی معلوم ہوتا ہے(۳)۔

= مسجدنا هٰذا .... قال [رسول الله صلى الله عليه وسلم]: "فإن أحدكم إذا قام يصلي، فإن الله تبارك وتعالى قبل وجهه، فلا يبصقن قبل وجهه، ولا عن يمينه، وليبصق عن يساره، تحت رجله اليسرىٰ، فإن عجِلَتْ به بادرةٌ، فليقُل بثوبه هٰكذا" ثم طوىٰ ثوبه بعضه على بعض .... (صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب: حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، رقم الحديث: ۳۰۰۸)

"سنن ابی داؤد" میں مذکور حدیثِ مبارکہ:

عن أبي سعيد الخدري: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحب العراجين ولا يزال في يده منها، فدخل المسجد فرأى نخامة في قبلة المسجد فحكها، ثم أقبل على الناس مغضبا فقال: أيسُرُّ أحدكم أن يبصق في وجهه، إن أحدكم إذا استقبل القبلة فإنما يستقبل ربه عزوجل والملك عن يمينه، فلا يتفُل عن يمينه ولا في قبلته، وليبصق عن يساره أو تحت قدمه، فإن عجِلَ به أمر فليقُل هٰكذا" - ووصف لنا ابن عجلان ذٰلك - أن يتفُلَ في ثوبه ثم يرد بعضه على بعض. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ۴۸۰، ۴۸۵)

"مصنف ابن ابی شیبہ" میں مذکور حدیثِ مبارکہ:

عن أبي سعيد قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبيده عُرجون - وكان يحب العرجون -، فرأى نخامة في القبلة، فحكها، ثم أقبل على الناس فقال: "أيها الناس، إن أحدكم إذا قام يصلي استقبله الله، وعن يمينه ملك، أفيحب أحدكم أن يستقبله الرجل فيبزق في وجهه؟ فلا يبزق أحدكم في القبلة ولا عن يمينه، وليبزق تحت رجله اليسرىٰ أو عن يساره، فإن عجِلَت به بادرة فليقل هكذا". يعني: في ثوبه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كره أن يبزق تجاه المسجد، رقم الحديث: ۷۵۲۷، ۱۴۴/۵)

(۱)شرح الكرماني: ۴/ ۷۵، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱۶۳/۳، عمدة القاري: ۲۳۱/۴

(۲)شرح الكرماني: ۴/ ۷۵، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱۶۳/۳، عمدة القاري: ۲۳۱/۴

(۳)شرح الكرماني: ۴/ ۷۵، التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ۴۲۲/۵، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱۶۳/۳

۴۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں نمازی اپنے رب سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے(۱)۔

۵۔اس امر کا بہت بڑی خطا ہونا بھی معلوم ہوا کہ نمازی کی توجہ بواسطہ جانبِ قبلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے،اس لیےاس جانب تھوکنا خلافِ ادب ہونے کی بنا پر ممنوع ہے(۲)۔

۶۔دائیں اور بائیں جانبوں میں سے دائیں جانب کا فضل والا ہونا بھی معلوم ہوا(۳)۔

۷۔مسجد کو ناپسندیدہ چیزوں سے پاک صاف رکھنا بھی معلوم ہوا(۴)۔

۸۔امام مسجد کے لیے احوالِ مسجد کی جانچ پڑتال میں رہنا بھی مستحسن ومستحب ہے(۵)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

٨ – باب : عِظَةِ ٱلْإِمَامِ ٱلنَّاسَ فِي إِتْمَامِ ٱلصَّلَاةِ ، وَذِكْرِ ٱلْقِبْلَةِ .

یہ باب امام کا لوگوں کو اتمامِ نماز اور ذکرِ قبلہ کی نصیحت کرنے کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی ماقبل سے مناسبت اور مقصد

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب کا یہاں کے ابواب سے کچھ تعلق نہیں تھا،اس لیے خود ہی امام بخاری رحمہ اللہ نے ”وذکر القبلة“ کا لفظ بڑھا دیا،تاکہ (یہ باب) اُن ابواب کے مناسب ہو جائے(۶)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک ”ابواب المساجد“ شروع ہوگئے،لیکن اس باب کا مسجد سے تعلق معلوم نہیں ہوتا، نیز!

---

(١)شرح الكرماني: ٤/ ٧٥، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣،

(٢)شرح الكرماني: ٤/ ٧٥، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣،

(٣)شرح الكرماني: ٤/ ٧٦، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(٤)التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ٤٢٢/٥، فتح الباري: ٦٦٥/١، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(٥)فتح الباري: ٦٦٥/١، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(٦)فضل الباری:۱۲۲/۳

آگے جو دوسرا جز باب کا ہے، یعنی: "وذکر القبلة" اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس کا تعلق باب: استقبال القبلة سے ہوگیا، ابواب المساجد سے نہ ہوا۔ میری رائے یہ ہے کہ قبلہ کا ذکر تنبیہا واستطرادا آگیا اور مقصود اول جز ہے اور عام طور سے لوگ جماعت کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھتے ہیں، اس اعتبار سے یہ ابواب مساجد کے ساتھ متعلق ہوگیا(۱)۔

مسجد کے مصالح بہت ہیں، من جملہ ایک یہ کہ جُہلاء مسجد میں آکر علما کی عبادت دیکھ کر اپنی عبادات کو درست کریں گے، وغیرہ وغیرہ، ان میں سے ایک یہ بھی ہے امام قوم کی نگرانی کرتا رہے اور ان کو ان کی غلطیوں پر ٹوکتا رہے اور انہیں سمجھاتا رہے، مگر بھائی! یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے حالات کو پہلے درست کرلے(۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ ایک سلسلہ چل رہا ہوتا ہے، درمیان میں کوئی خاص فائدہ سلسلے کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ تھوڑی دیر کے لیے اس سلسلے کو منقطع کردیتے ہیں اور اس فائدہ جلیلہ پر تنبیہ کردیا کرتے ہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا نام "انجاز" رکھا ہے، یہاں چونکہ استقبال قبلہ کا سلسلہ چل رہا تھا، اس میں ایک خاص بات درمیان میں آئی، اس پر متنبہ کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ قائم فرمایا"(۳)۔

پہلے باب میں ادب سکھایا تھا کہ حالتِ نماز میں تھوک بلغم کا غلبہ ہو تو اس کو دفع کرنے کے وقت سمتِ قبلہ کی عظمت وادب کو ملحوظ رکھے، اس باب میں ارکان نماز کو پوری طرح ادا کرنے کا حکم بتلایا اور اس میں بھی سمت قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا ذکر ضمناً آگیا ہے، لہٰذا بابِ سابق سے مناسبت ظاہر ہے اور اسی توجیہ کو کلی طور سے محقق عینی رحمہ اللہ نے اور جزوی طور پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، ان دونوں اکابر کی توجیہ ومناسبت ابواب کو بعید وابعد قرار دے کے لامع الدراری کی اس توجیہ کو ہم اوجہ ماننے میں متردد ہیں کہ دونوں ابواب میں مسجد اور جماعت کے احکام پر متنبہ کیا گیا ہے، کیونکہ نہ بابِ سابق "إذا بدره البزاق فليأخذ بطرف ثوبه"

---

(۱)حاشیه تقریرِ بخاری: ۱۵۳/۳

(۲)الکنز المتواري: ٤/ ١٠٨، سراج القاري: ٤٦١/٢

(۳)فیض الباري: ٥١/٢

میں مسجد و جماعت کا ذکر تھا اور نہ ہی اس باب "عظة الامام" میں اتمام صلوٰۃ کا حکم مسجد و جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، اتمام صلوٰۃ تو ہر نماز میں ضروری ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا جماعت کے ساتھ، مسجد میں ہو یا غیرِ مسجد میں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جو مصالح ''حجۃ اللہ'' میں ذکر کئے ہیں، وہ بھی مساجد کے ساتھ خاص نہیں، مطلق جماعت کے لیے ہیں اور خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں ''ابواب المساجد'' کا عنوان کہاں قائم کیا ہے؟ کتاب الصلوٰۃ کے تحت مساجد، غیر مساجد سب ہی کے احکام مختلف عنوانات قائم کر کے بیان کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری میں باب عظة الامام اور اس سے قبل کے بھی متعدد ابواب کا ذکر نہیں ہے(۱)۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

٤٠٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي ٱلزِّنَادِ ، عَنِ ٱلْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا ، فَوَٱللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ ، إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي) . [٧٠٨](٢)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہی ہے؟! میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھپا ہوا ہے اور نہ ہی رکوع، بے شک میں تو تمہیں اپنی

(١)انوار الباري: ١٤/٥

(٢)أخرجه البخاري في صفة الصلاة، باب: الخشوع في الصلاة، رقم الحديث: ٧٤١،

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة واتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٥.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الرابع في أحكام المأموم، الفرع الثالث: في آداب المأموم، رقم الحديث: ٣٩١٢، ٦٤٣/٥

پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ ''عبداللہ بن یوسف تنیسی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ امام ''مالک بن انس''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابی الزناد

یہ ''ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان مدنی قرشی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔الاعرج

یہ ''ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز مدنی قریشی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من

---

(۱) کشف الباری:۱/۲۸۹، ۴/۱۱۳

(۲) کشف الباری:۱/۲۹۰، ۲/۸۰

(۳) کشف الباری: ۲/۱۰

الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔ابی ھریرۃ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

عن أبي هرير ة أن رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم قال: "هل ترون قبلتي هٰهنا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہی ہے؟!

"هـل ترون" یہ استفہام انکاری ہے، اور "ترون" سے مراد رویت حقیقی نہیں ہے بلکہ یہ "تـظنون" کے معنی میں ہے، یعنی: کیا تم یہ گمان کرتے ہوں......۔

"قبـلتي"، اس سے مراد قبلہ اصطلاحی نہیں ہے، نمازی کے سامنے کی جہت ہے جس طرف میں نے منہ کیا ہوا ہے(۳)۔

''هٰهـنـا'' اس لیے کہ عام قاعدہ تو یہی ہے کہ جب ایک جانب منہ کرلیا جائے تو اس کے بالمقابل جہت کی طرف پشت ہو جاتی ہے(۴)۔

اب اس جملے کی مکمل مراد یہ ہو جائے گی کہ اے میرے صحابہ تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ نماز کے دوران چونکہ میرا رخ قبلے کی طرف ہوتا ہے اور تمہاری جانب پشت ہوتی ہے اس لیے مجھے تمھارے افعال کی کوئی خبر نہیں ہوتی

(۱) کشف الباری: ۱۱/۲

(۲) کشف الباری: ۶۵۹/۱

(۳) عمدة القاري: ۲۳۲/٤ ـ شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

(٤) أيضاً

تو تمہارا یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ میں جس طرح آگے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں(۱)۔

فواللہ ما یخفیٰ عليّ خشوعکم ولا رکوعکم،

میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مجھے سے نہ تمہارا خشوع چھپا ہوا ہے اور نہ ہی رکوع،

ایک اور روایت میں "رکوعکم ولا خشوعکم" کے الفاظ آئے ہیں(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مراد یہاں تمام ارکان ہیں، نہ کہ صرف رکوع، سجود۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ رکوع کے ذکر سے سجود مراد لیا گیا ہو، کیونکہ حالت سجدہ میں تو غایت درجے کا خشوع ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں رکوع کے ساتھ سجود کا ذکر بالتصریح موجود ہے"(۳)۔

اس صورت میں سجود سے مراد تمام ارکان لیے جائیں تو پھر رکوع کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کی قبیل سے ہو گا، یا اس بنا پر کہ رکوع دیگر ارکان کی بنسبت ایک بڑا رکن ہے اس جہت سے کہ امام کو رکوع میں پا لینے والے کو رکعت کا پا لینے والا قرار دیا گیا ہے۔ اور رکوع سے رہ جانے والے کو رکعت فوت کر دینے والا قرار دیا گیا ہے(۴)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعض علماء نے رکوع کا لفظ دیکھ کر خشوع کی تفسیر سجود سے کی ہے، مگر میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ خشوع کو اپنے عموم پر رکھا جائے تا کہ سارے افعالِ صلوات کو شامل ہو جائے۔ ورنہ صورتِ اولیٰ میں صرف سجدہ ورکوع کا ذکر ہو گا باقی کا نہیں۔ اور جب سارے افعالِ صلوات خشوع کے اندر آ گئے اور پھر خاص طور سے رکوع کو اس واسطے ذکر کیا کہ زیادہ گڑبڑ رکوع کے اندر ہی ہوتی ہے، اسی کا اتمام نہیں ہوتا، سجدہ تو تھوڑا بہت ہو بھی جاتا ہے، کیونکہ سجدہ میں سر زمین پر رکھا جاتا ہے، اس لیے وہاں تھوڑی دیر رُک جاتا ہے، بخلاف رکوع کے اور بہت

(۱)اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۱۶۵/۳، فتح الباري: ۶۶۶/۱ ، عمدة القاري: ۲۳۲/٤

(۲)شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

(۳)فتح الباري: ۶۶۶/۱

(٤)عمدة القاري: ۲۳۲/٤ ، شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی جلد بازی کی وجہ سے ان کا رکوع ہی نہیں ہوتا‘‘(۱)۔

اصل میں مشہور تو یہ ہے کہ ’’خشوع‘‘ کا تعلق قلب سے ہے اور ’’خضوع‘‘ کا تعلق جوارح سے ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ’’خشوع‘‘ کو قلب کے ساتھ محدود کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ ’’خشوع‘‘ کا تعلق جس طرح قلب سے ہے، جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت: ﴿الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله ﴾ میں مذکور ہے، اسی طرح ’’خشوع‘‘ کا تعلق اصوات سے بھی ہے، جیسے: ﴿وخشعت الاصوات للرحمن ﴾ اور اسی طرح ’’خشوع‘‘ کا تعلق آنکھوں سے بھی ہے، جیسے قرآن میں آیا ہے: ﴿خاشعة ابصارهم﴾۔

”إني لأراكم من وراء ظهري“.

بے شک میں تو تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

یہ جملہ ماقبل جملے میں موجود جواب قسم ’’ما يخفىٰ عليّ خشوعكم ولا ركوعكم ‘‘ کا بدل یا بیان بنے گا (۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ پیچھے دیکھنے کا مطلب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ پیچھے سے دیکھنا حقیقی دیکھنا تھا، ادراکی یعنی: عقلی نہیں تھا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی حق ہے کہ دیکھنے کے لیے کسی عضو مخصوص کا ہونا یا سامنے ہونا شرط نہیں ہے (۳)۔امام

(۱)تقرير بخاري شريف: ۱۵۳/۲

(۲)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱٦٥/۳، عمدة القاري: ۲۳۲/٤ ، شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه نالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ٥/۲٦٤

(۳) قاضی ابوالولید الباجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ”إني لأراكم من وراء ظهري“ کے معنی ”لأعلم بأفعالكم“ ہیں، کیونکہ ’’رؤیت‘‘ علم کے معنی میں بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمان ہے: ﴿الم تر كيف فعل ربك باصحاب الفيل﴾ [الفیل:۱] اس آیت میں میں ” الم تر“ کے معنی ”الم تعلم“ ہیں۔

اور جمہور اس بات کہ قائل ہیں کہ اس جگہ رؤیت حقیقی مراد ہے۔

نیز! قاضی ابوالولید فرماتے ہیں: میرے نزدیک صحیح یہی ہے [جو اوپر جمہور کا مسلک بیان ہوا] اس لیے کہ اگر =

بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔ ہماری اس بات کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے: "إني لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي"(۱)۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الخصائص الکبری'' میں جمہور کا مذہب یہی نقل کیا ہے(۲)۔

ابن عبدالبرّ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کچھ لوگوں نے تاویلاً یہاں "أریٰ" کو "أعلم" کے معنی میں لیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قول: ﴿إني أراكم بخير﴾ نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا، اس کا مطلب ''دیکھنا'' نہیں تھا بلکہ ''جاننا'' تھا، کہ انہوں نے فرمایا: ''میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم مالدار ہو''۔ چنانچہ اس صورت میں حدیث مبارکہ کے مذکورہ جملے کا مطلب یہ بنے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں تمہارے خشوع کو اور تمہارے رکوع کی تمامیت کو جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کی معرفت کو میرے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

=اس سے ''رؤیتِ علمی'' مراد لی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول: "من وراء ظهري" کے کوئی معنی باقی نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ جب اس سے مراد علم لیا جائے گا تو پیچھے دیکھنے یا آگے دیکھنے میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خبر دی کہ جیسے میں تمہیں اپنے آگے ہونے کی حالت میں دیکھتا ہوں تو ایسے جب تم پیچھے ہوتے ہو تو بھی دیکھ لیتا ہوں۔

(المنتقیٰ شرح مؤطأ مالك، كتاب الصلوٰة، باب: في العمل في جامع الصلوٰة، رقم الحديث: ۳۹٦، ۳۱۸/۲)، عمدة القاري: ۲۳۲/٤

(۱) حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء الهمداني، حدثنا أبو أسامة، عن الوليد يعني ابن كثير، حدثني سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما ثم انصرف فقال: يا فلان! ألا تحسن صلاتك؟ ألا ينظر المصلي إذا صلى كيف يصلي؟ فإنما يصلي لنفسه، إني والله لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي. (صحيح مسلم ، كتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٣)

(۲) الخصائص الكبرى، باب: المعجزه والخصائص في عينيه الشريفتين: ۱۰٦/۱۔ فتح الباري: ٦٦٦/۱ ، عمدة القاري: ۲۳۲/٤

ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اس دعوی میں ظاہر کی مخالفت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کو محدود کر دینا ہے۔ حالانکہ جس طرح دیگر خرقِ عادت امور ہیں اور معجزات نبویہ ہیں، اسی طرح اس بیانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خرق عادت اور معجزہ تصور کرلیا جائے اور اس کے ظاہری معنی ہی مراد لیے جائیں۔ البتہ اس دیکھنے کی کیفیت کیا ہوتی تھی تو یہ نبوت کے اعلام ومعجزات میں سے ایک ہونے کی وجہ سے پہچاننا ممکن نہیں ہے۔

ابوبکر الاثرم کا کہنا ہے کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول: ﴿إني لأراكم من وراء ظهري﴾ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اپنے سامنے کی طرف دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے کی جانب بھی دیکھتے تھے، میں نے کہا کہ کسی انسان سے یہ بات کس طرح ممکن ہے، وہ تو سامنے کی جانب یا اپنے دائیں، بائیں جانب والوں کو دیکھ سکتا ہے، تو اس پر انہوں نے بہت مضبوط طریقے سے رد کیا(۱)۔

اس پیٹھ پیچھے دیکھنے کی تشریح میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وحی اور الہام کے ذریعے سے آپ کو ان کی حالت کا علم ہو جاتا ہے، اگر چہ وہ پیچھے ہوتے ہیں، لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے اس لیے کہ وحی اور الہام کے ذریعے سے ان کی حالت کا علم ہونا، یہ تو پھر نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نماز کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے(۲)۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم دائیں یا بائیں جانب ہوتے ہو یا پیچھے ہوتے ہو تو میں گوشۂ چشم سے تمہیں دیکھتا رہتا ہوں، اور تمہاری کیفیت مجھ پر مخفی نہیں ہوتی۔ یہ توجیہ بھی ضعیف ہے(۳)۔

---

(۱)الاستذكار لابن عبد البرّ، كتاب الصلاة، باب: حديث أبي هريره: "أترون قبلتي هاهنا؟": ٢٧٣/٦، ٢٧٤

(٢)فتح الباري: ٦٦٦/١ ـ عمدة القاري: ٢٣٢/٤ ـ شرح الزرقاني على المؤطأ، كتاب الصلوٰة، العمل في جامع الصلوٰة: ٣٠٢/١

(٣)المنتقىٰ شرح مؤطأ مالك، كتاب الصلوٰة، باب: في العمل في جامع الصلوٰة، رقم الحديث: ٣٩٦، ٣١٨/٢

إكمال إكمال المعلم، كتاب الصلوٰة، خروج النبي صلى الله عليه وسلم لبني عمرو بن عوف ليصلح بينهم: ١٧٨/٢، ١٧٩ـ فتح الباري: ٦٦٦/١ ـ عمدة القاري: ٢٣٢/٤

لہٰذا یہاں یہ کہا جائے گا کہ یہاں جس رؤیت کا آپ ذکر کر رہے ہیں، یہ رؤیت کشفیہ نہیں ہے، یا یہ رؤیت گوشہ چشم سے نہیں ہے، بلکہ یہ رویئت ویسی ہی ہے جیسے کہ سامنے کوئی چیز ہوتی ہے اور اس کی رؤیت انسان کو ہوا کرتی ہے، آپ فرماتے ہیں تم جب پیچھے ہوتے ہو تو مجھے تمہاری اس وقت بھی اسی طرح رؤیت ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ نے فرمایا: اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں ہے، آدمی کا کان سامنے کی آواز کو بھی سنتا ہے، دائیں اور بائیں جانب کی آواز کو بھی سنتا ہے، پیچھے کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اسی طرح انسان کی قوت شامہ ہے، سامنے سے یا پیچھے سے خوشبو یا بدبو آتی ہو، اس کا بھی وہ احساس کرتی ہے، دائیں یا بائیں جانب سے جو خوشبو یا بدبو آتی ہے اس کا بھی وہ احساس کرتی ہے، جس طرح قوت سامعہ اور قوت شامہ کے لیے مقابل اور سامنے کی جانب میں ہونا ضروری نہیں ہے، تو اسی طرح کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کی وہی استعداد عطا فرمادی ہو جو عام انسانوں کی قوت سامعہ اور قوت شامہ کو حاصل ہوتی ہے(۱)۔

دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کے نمازیوں کی کیفیت منکشف ہوجایا کرتی تھی، اس لیے ان کا عکس جدار قبلہ میں منعکس ہوجاتا تھا(۲)۔

بعض حضرات نے یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں سم الخیاط کے برابر، بعض نے کہا کہ ایک، اور بعض نے کہا کہ دو آنکھیں تھیں۔ اور ثوب کا درمیان میں حائل ہونا ابصار اور رؤیت کے لیے مانع نہیں تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور خرق عادت کے اور بطور معجزہ کے ان آنکھوں سے جو آپ کی پشت میں تھیں پیچھے کی جانب کے نمازیوں کو دیکھا کرتے تھے(۳)۔

لیکن یہ بات دلائل کے اعتبار سے قوی نہیں ہے، حتیٰ کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے یہ بات "المواہب

---

(۱)شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٦/٥

(۲)فتح الباري: ٦٦٦/۱ ، عمدة القاري: ۲۳۲/٤ ـ شرح الزرقاني على المؤطأ، كتاب الصلوٰة، العمل في جامع الصلوٰة: ۳۰۲/۱

(۳)فتح الباري: ٦٦٦/۱ ـ عمدة القاري: ۲۳۲/٤ ـ شرح الزرقاني على المؤطأ، كتاب الصلوٰة، العمل في جامع الصلوٰة: ۳۰۲/۱

الخصائص الكبرى، باب: المعجزه والخصائص في عينيه الشريفتين: ۱۰۷/۱

اللدنیہ'' میں نقل کر کے کہا ہے کہ اگر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریقے سے ثابت ہو جائے تو پھر اسے قبول کیا جائے گا اور اسے خرق عادت کی قبیل میں سے قرار دیا جائے گا، بصورت دیگر اس کا ظاہر حدیث کے مخالف ہونے کی بنا پر قبول کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

شارح المواہب'' علامہ زرقانی'' رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے(۱)۔

منکرین کے اشکالات اور ان کے دلائل

عقل سے خالی لوگوں کی ایک جماعت نے اس حدیث مبارکہ کو ردّ کر دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے حالانکہ اس کے برعکس احادیث موجود ہیں، مثلا: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے کہ انہوں نے امام کو رکوع میں دیکھ کر صف سے پیچھے ہی نیت باندھ کر رکوع کر لیا تھا، اور اس کے بعد قدم قدم چلتے ہوئے صف تک پہنچے، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کون شخص ہے جس نے صف سے پیچھے ہی کھڑے ہو کر رکوع کر لیا، پھر چلتے ہوئے صف میں شامل ہوا؟ تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری حرص میں اور زیادہ بڑھوتری فرمائے، لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (بلکہ صف میں شامل ہو کر نماز شروع کرنا)، (۲)۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص تیز تیز چلتا ہوا آ کر صف میں داخل ہوا تو اس کا سانس تیز چل رہا تھا، پھر جب وہ صف میں داخل ہوگیا تو اس نے کہا: "الحمد لله حمداً كثيرًا طيبا مباركا فيه". پھر نماز سے فراغت پر نبی صلی اللہ

---

(۱)شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ٢٦٧/٥

(۲)عن الحسن أن أبا بكرة جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم راكع فركع دون الصف، ثم مشى إلى الصف، فلما قضىٰ النبي صلى الله عليه وسلم صلاته قال: "أيكم الذي ركع دون الصف ثم مشى إلى الصف"؟ فقال أبو بكرة: أنا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "زادك الله حرصا ولا تعدُ". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: الرجل يصلي وحده خلف الصف، رقم الحديث: ٦٨٤)

علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ شخص کون ہے جس نے یہ کلمات کہے.........(۱).

چنانچہ اس گروہ نے اس طرح کی احادیث نقل کرنے کے بعد کہا کہ کیا نہیں دیکھتے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہ ہوسکا کہ صف سے پیچھے ہی رکوع کر کے صف میں شامل ہونے والا کون ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اور دوسری حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کلمات کہنے والے کا بھی علم نہیں ہوسکا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کلمات کس نے کہے۔ تو پھر یہ صحیح ہونا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتے ہوں، اگر ایسا ہوتا تو مذکورہ دونوں حدیثوں کی طرح کا واقعہ پیش نہ آتا۔

اشکالات کا جواب

اس کے جواب میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اوپر والے گروہ کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہر آنے والے لمحے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بمقابلہ سابقہ لمحے کے بڑھتے رہتے تھے، یعنی: ان میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، اور ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ کر لینے تک ہوتا رہا، جیسا کہ یہ بات سب کے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبوت ملنے سے پہلے ایک بندہ تھا، اور رسول بنائے جانے سے پہلے میں ایک نبی تھا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (میرے بارے میں) یہ نہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا خیر البریة" کہہ کر مخاطب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خیر البریة" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

---

(۱) عن أنس أن رجلا جاء فدخل الصف وقد حفزه النفس، فقال: "الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه"، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال: "أيكم المتكلم فالكلمات؟" فأرمَّ القوم. فقال: "أيكم المتكلم بها؟ فإنه لم يقل بأساً"، فقال رجل: جئت وقد حفزني النفس فقلتها. فقال: "لقد رأيت اثني عشر ملكاً يبتدرونها أيهم يرفعها".

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، رقم الحديث: ۱۳۵۷)

اسی طرح ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا سید ابن السادۃ" یا"یا شریف ابن الشرفاء" کہہ کرمخاطب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: وہ تو حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم' علیہ السلام ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی آپ پر سورۃ الفتح نازل ہونے سے قبل کا ہے، پھر جب سورۃ الفتح نازل ہوئی اوراس میں یہ آیت ﴿لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تآخر﴾ نازل ہوئی، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی کے بھی سابقہ گناہ معاف نہیں ہوئے تھے، الغرض جب ایسا ہوا تو اس وقت آپ نے ارشادفرمایا: "أنا سید ولد آدم ولا فخر"۔

اوراسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

الغرض! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل دن بدن بڑھتے تھے، کم نہیں ہوتے تھے۔(اور جب ایسا ہے تو کہا جائے گا، معترضین کی پیش کردہ نظائر ابتدائی دور کی ہوں گی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ارشاد گرامی سامنے آیا کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں)،(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تشریح

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس روایت کے اندر شراح کے پانچ قول ہیں، جن کو مختلف شراح نے الگ الگ ذکر کیا ہے، مجھ کو کہیں ایک جگہ نہیں ملے:

۱۔اول یہ کہ التفات کے ساتھ دیکھتے تھے۔مگراس پر اشکال یہ ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے؟ آپ کے علاوہ دوسرا بھی تو التفات سے دیکھ سکتا ہے۔

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ وحی کے ذریعے علم ہوتا تھا۔یہ اول سے زیادہ صحیح ہے۔مگراس صورت میں "إني لأراکم" کہنے سے زیادہ مناسب "إني لأوحی" تھا۔

---

(۱)الاستذکار لابن عبد البرّ، کتاب الصلاۃ، باب: حدیث أبي هریرہ: "أترون قبلتي هاهنا؟": ۲۷۲/۶، ۲۷۳

۳۔تیسرا قول یہ ہے کہ جدارِ قبلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مثلِ آئینہ کے ہوجاتی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم جو کچھ کرتے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آجایا کرتا تھا۔ عامہ مشائخ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

۴۔چوتھا قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قفا میں دو آنکھیں تھیں، جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کرتے تھے، مگر اس کو محققین نے رد کردیا۔ اس لیے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو آپ کے احوال میں ضرور اس کا تذکرہ ہوتا۔

۵۔اور پانچواں قول سننے سے پہلے ایک تمہید سنو وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں ممکن نہیں اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ چیز جنت میں ہوگی۔ لیکن معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ اس لیے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کے لیے جہت ہو مرئی رائی کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رویت کے واسطے جہت کا ہونا اس عالم کے ساتھ خاص ہے، عالم آخرت میں جہت ضروری نہ ہوگی۔ تو جیسے آخرت میں سارے آدمی اللہ تعالیٰ کو بلا جہت دیکھیں گے، اسی طرح کیا عجب ہے کہ دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے نماز میں یہ خصوصیت ہو کہ آپ مقتدیوں کو بلا جہت دیکھتے ہوں۔ یہی میرے نزدیک راجح ہے(۱)۔

خلاصہ کلام

پوری بحث سے کچھ اہم نتیجہ خیز باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو مختصراً ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

۱۔علامہ سہیلی الشامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قاضی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صفت کا حصول شب معراج سے واپسی پر ہوا تھا، جیسے: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے تو اس کے بعد آپ کی بصیرت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا تھا، حتی کہ آپ اندھیری رات میں دس فرسخ کی مسافت سے بھی سیاہ چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے“(۲)۔

۲۔یہ ”رؤية“ رؤیۃ ادراک تھی، اور ”رؤية“ اہل حق کے نزدیک کسی عضو، روشنی یا کسی چیز کے سامنے آنے سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ شان حق تعالیٰ شانہ کی ہے، کہ وہ دیکھنے کے لیے نہ کسی عضو، مثلاً: آنکھ وغیرہ کا

---

(۱)تقرير بخاری شريف: ۱۵۳/۲

(۲)سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الخامس: في صفة عينيه وحاجبيه صلى الله عليه وسلم، تنبيهات: ۳۶/۲

محتاج ہے، اور نہ اس کے دیکھنے کے لیے کسی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی اس کے سامنے آئے گا تب اس کی طرف سے دیکھنے کا فعل صادر ہوگا، جیسے: انسان، کہ اس وقت تک وہ دیکھنے والا نہیں کہلائے گا جب تک اس کے سامنے مذکورہ تینوں امور میں سے کوئی ایک امر وجود میں نہ آجائے۔

یہ تو تفصیل تھی خالق کے دیکھنے کی، رہ گئی مخلوق، تو اس کا دیکھنا تو ان تینوں چیزوں پر موقوف ہوگا۔ چنانچہ کسی کی آنکھ تو ہے لیکن اندھیرا ہے اور اس کی آنکھ کے سامنے کوئی نہیں تو یہ نہیں دیکھ سکتا، خالق کی نسبت سے چونکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مخلوق ہیں، لہٰذا آپ کے دیکھنے کی صفت بھی انہی امور پر موقوف ہوگی، البتہ وہ ذات اقدس جو آنکھ میں بصارت کے پیدا کرنے پر قادر ہیں وہی اس بات پر بھی قادر ہیں کہ آنکھ کے علاوہ کسی اور عضو میں بصارت کی صفت پیدا فرمادیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ پیچھے دیکھنا بھی خرق عادت کے طور پر اسی قبیل سے ہوگا(۱)۔

۳۔قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے، اس لیے کہ اس امر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور بزرگی کا اعلیٰ درجے میں اظہار ہے(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ثبوت پر ایک غلط استدلال

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مـن وراء ظهـري"۔بعض لوگوں نے اس سے علم غیب مراد لیا ہے، لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود مصلیوں کے حالات دیکھتا رہتا ہوں اور اس طرح مجھے علم ہوجاتا ہے، نیز! یہ حالت کلی بھی نہیں، خود حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ مسجد میں آئے، وہاں جماعت ہو رہی تھی، انہوں نے دور ہی سے رکوع کرلیا، نماز کے بعد یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دریافت کرنے پر معلوم ہوئی۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ہانپتا ہوا آیا اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ذرا بلند آواز سے

(۱)سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الخامس: في صفة عينيه وحاجبيه صلى الله عليه وسلم، تنبيهات: ۲/۳٦، ۳۷

(۲)سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الخامس: في صفة عينيه وحاجبيه صلى الله عليه وسلم، تنبيهات: ۲/۳٦، ۳۷

"حمدا طیبا کثیرا مبارکا" پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد دریافت کیا تب معلوم ہوا کہ فلاں شخص تھا۔ لہٰذا قاعدہ کلیہ نہ ہوا اور بعض ظاہر یہ اپنے ظاہر بین کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی مراد ہیں، یعنی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گدی میں دو مزید آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ضرور کسی نہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ ملتا، جیسے: مہرِ نبوت، کہ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر ہے" (۱)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ تنبیہ ان لوگوں کو تھی جواب تک (ایمان ویقین میں) پختہ نہ ہوئے تھے، کچھ قاصر رہ گئے تھے، وگرنہ صحابہ کاملین رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا (اِس کے لیے) کافی تھا (کہ نمازیں مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرمائیں، کیونکہ) کاملین کو تو مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے، ہاں! قاصرین جواب تک مرتبۂ احسان کو نہیں پہنچے، ان کے حق میں اپنے مرشد مثلاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا زیادہ مؤثر ہے، کیونکہ آپ کا دیکھنا بالکل مشاہد وظاہر وباہر ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیثِ مبارکہ کی مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طرح بنے گی کہ اس حدیث میں نمازیوں کو نصیحت کی گئی، ان پر یہ کہہ کر تنبیہ کی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازیوں کا رکوع، سجدہ اور ان کا خشوع وخضوع مخفی نہیں رہتا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ میں اسی طرح اپنی پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں جیسے آگے کی جانب (۳)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیثِ باب میں بے شک لفظِ "قبلہ" آگیا، مگر محض لفظ کے آجانے پر ترجمۃ الباب تھوڑا ہی قائم ہوتا ہے؟ ترجمۃ الباب (کے ماتحت ذکر کردہ حدیث) میں تو مذکورہ عنوان سے متعلق کوئی مسئلہ مذکور ہونا چاہیے۔

---

(۱) حاشیه تقریر بخاری: ۱۵۳/۳

(۲) فضل الباری: ۱۲۲/۳

(۳) عمدة القاري: ۲۳۲/٤

جواب یہ ہے کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نہایت لطیف وغریب طرز سے ایک مسئلہ کا استنباط کررہے ہیں، جو قبلہ ہی سے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ انحراف عن القبلہ جو بعض اوقات مفسدِ صلاۃ ہوتا ہے، اس انحراف میں کس عضو کا اعتبار ہے؟ (یعنی: کس عضو کے منحرف عن القبلہ ہونے سے نماز فاسد ہوگی۔) سو معلوم ہونا چاہیے کہ انحراف کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ صدر سے انحراف ہو، یعنی: مصلی کا سینہ قبلہ سے پھر جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ محض ''وجہ'' سے انحراف ہو (یعنی: چہرہ قبلہ سے پھر جائے)۔

(۳) تیسری یہ کہ صرف نظر اور نگاہ اُدھر (یعنی: قبلہ) سے ہٹ جائے۔

ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ صورتِ اولیٰ مفسد صلاۃ ہے، ثانیہ مکروہ ہے، ثالثہ بوقت ضرورت بلا کراہت جائز ہے، بلا ضرورت یہ بھی مکروہ ہے، مگر اس کی کراہت ثانیہ (کی کراہت) سے اخف ہے۔

غالبا اس مسئلہ کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ کو قدرے اشارہ کرنا ہے کہ دیکھو: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، یعنی: نماز کے اندر۔ تو معلوم ہوا کہ انحراف عن القبلہ کے مسئلہ میں نظر وبصر کا اعتبار نہیں (اس کے منحرف ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوگی)، ورنہ پیچھے کے دیکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز معاذ اللہ فاسد یا مکروہ ٹھہرے گی، پس انحراف میں اعتبار صرف صدر یا چہرہ کا ہوگا۔ (الغرض! حدیث میں قبلہ سے متعلق ایک مسئلہ کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ لہٰذا اب شبہ نہ رہا)،(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ امور واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ، اور تمام ارکان کو کامل طریقے سے ادا کرنا چاہیے (۲)۔

۲۔ کسی بات کو موکد کرنے کے لیے قسم کے ساتھ بیان کرنے کی گنجائش معلوم ہوئی (۳)۔

(۱) فضل الباری: ۱۲۲/۳

(۲) شرح النووي، كتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة، رقم الحديث: ، ٤٢٣، ١٥٠/٤

(۳) شرح النووي، كتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة، رقم الحديث: ، ٤٢٣، ١٥٠/٤

۳۔امام کو چاہیے کہ مقتدیوں میں سے جب کسی میں امورِ دینیہ سے متعلق کوئی کمی کوتاہی دیکھے تو ان کو تنبیہ کرے، ان کو کمال کی طرف لے جانے کی کوشش کرے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب (دوسری حدیث)

٤٠٩ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ : حَدَّثنا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمانَ ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَنسِ بْنِ مالِكٍ قَالَ : صَلَّى بِنَا ٱلنَّبِيُّ ﷺ صَلاةً ، ثُمَّ رَقِيَ ٱلْمِنْبَرَ ، فَقَالَ فِي ٱلصَّلَاةِ وَفِي ٱلرُّكُوعِ : (إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ) .(۲) [٧٠٩ ، ٧١٦ ، ٦١٠٣ ، ٦٢٦٨]

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا: میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح کہ (سامنے سے) دیکھتا ہوں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

---

(١)عمدة القاري: ٢٣٣/٤

(٢) رواه البخاري أيضاً في الصلاة، باب: الخشوع في الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٢ـ وفي كتاب الأيمان والنذور، باب: كيف كانت يمين النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٦٦٤٤ـ

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، الأمر بتحسين الصلاة واتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٥.

والنسائي في سننه، في الصلاة، في الافتتاح، باب: الأمر باتمام الركوع، رقم الحديث: ١٠٥٥

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الفصل الخامس: في كيفية الصلاة، الفرع الرابع: في الركوع والسجود، النوع الأول: في الركوع والسجود، الاعتدال، رقم الحديث: ٣٤٩٠، ٣٦٣/٥

۱۔ یحیی بن صالح

یہ ''ابوزکریا یحییٰ بن صالح الوحاظی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: إذا كا ن الثوب ضيقاً، الحديث الأول، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ فلیح بن سلیمان

یہ ''ابویحییٰ فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ الخزاعی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من سئل علما وهو مشتغل في حديثه، فأتم الحديث، ثم أجاب السائل، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ ہلال بن علی

یہ ''ہلال بن علی بن اسامہ قرشی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من سئل علما وهو مشتغل في حديثه، فأتم الحديث، ثم أجاب السائل، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''انس بن مالک''، رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: إذا كا ن الثوب ضيقاً، الحديث الأول، ص: ۳۰۶،

(۲) کشف الباری:۳/۵۵

(۳) کشف الباری:۳/٦۲

(٤) کشف الباری: ۲/٤

شرح حدیث

عن أنس بن مالك قال: صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم صلاة، ثم رقي المنبر،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔

"صلى بنا" اس روایت میں "صلی" کا صلہ "ب" ہے، جب کہ ابوذر، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں اس کا صلہ "لام" استعمال ہوا ہے، یعنی: "صلى لنا"، اس صورت میں معنی ہوگا "صلى لاجلنا" کہ ہماری خاطر آپ نے نماز ادا فرمائی (۱)۔

فقال في الصلاة وفي الركوع: إني لأراكم من ورائي كما أراكم.

اور نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا: میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح کہ (سامنے سے) دیکھتا ہوں۔

"فقال في الصلاة وفي الركوع": اس جملہ میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: "فقال في شأن الصلاة وفي أمرها" یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور رکوع کے باب میں فرمایا کہ میں تمہیں پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں، جس طرح کہ سامنے سے دیکھتا ہوں (۲)۔

رکوع کا ذکر خاص طور پر اس بنا پر کیا گیا ہوگا کہ رکوع دیگر ارکان کی بنسبت ایک بڑا رکن ہے اس جہت سے کہ امام کو رکوع میں پالینے والے کو رکعت کا پالینے والا قرار دیا گیا ہے۔ اور رکوع سے رہ جانے والے کو رکعت فوت کر دینے والا قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس پر تنبیہ کے لیے الگ سے اسی رکن کو ذکر کیا (۳)۔

---

(۱) ارشاد الساري: ٧٦/٢

(٢) شرح الكرماني: ٧٧/٤۔ عمدة القاري: ٢٣٤/٤۔ التوشيح للسيوطي: ٤٩٩/٢

(٣) شرح الكرماني: ٧٧/٤۔ عمدة القاري: ٢٣٢/٤، شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ٢٦٤/٥

"إني لأراكم من ورائي كما أراكم" اس حدیث میں جو مطلقاً یہ فرمایا گیا ہے کہ میں تم کو پیچھے سے دیکھتا ہوں، اس اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ (پیچھے سے دیکھنا) حالتِ نماز اور غیر نماز دونوں کو عام ہو؛ لیکن سیاق حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کیفیت حالتِ نماز ہی میں ہی ہو(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ظاہر حدیث تو یہ دلالت کررہی ہے کہ یہ کیفیت نماز کے ساتھ ہی خاص ہو، لیکن یہ احتمال موجود ہے کہ یہ کیفیت تمام احوال میں ہو، جیسا کہ بقی بن مخلد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی ویسے ہی دیکھتے تھے جیسے روشنی میں (۲)۔

"من ورائي" بعض روایات میں یہ کلمہ "ي" کے بغیر ہے، یعنی: "من وراء" (۳).

"كما أراكم"، اس روایت میں اس فعل کا مفعول بہ مذکور نہیں ہے، جب کہ دوسری روایات میں بالتصریح مذکور ہے، اوراس کے ساتھ عبارت "كما أراكم من أمامي" ہوگی (۴)۔

نیز! مسلم کی روایت میں تو بالتصریح یہ بات ہے: "إني لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي" کہ میں اپنے پیچھے کی جانب سے ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے کی جانب سے (۵)۔

"كما أراكم" میں "کاف" تشبیہ کے لیے ہے، مشبہ "لأراكم من ورائي" ہے اور مشبہ بہ مابعد والا کلام، یعنی: "أراكم من أمامي" (٦)۔

مزید تمام ابحاث ماقبل والی حدیث مبارکہ کے تحت گذر چکی ہیں۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٣٤

(۲) فتح الباری: ١/٦٦٧

(۳) شرح الكرماني: ٤/٧٧۔ عمدة القاري: ٤/٢٣٤

(٤) التوشيح للسيوطي: ٢/٤٩٩

(٥) حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء الهمداني، حدثنا أبو أسامة، عن الوليد يعني ابن كثير، حدثني سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما ثم انصرف فقال: يا فلان! ألا تحسن صلاتك؟ ألا ينظر المصلي إذا صلى كيف يصلي؟ فإنما يصلي لنفسه، إني والله لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٣)

(٦) عمدة القاري: ٤/٢٣٤

۹ – باب : هَلْ يُقَالُ : مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ کیا (کسی مسجد کے بارے میں) کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد فلاں لوگوں کی ہے؟

ترجمۃ الباب کی ما قابل ابواب سے مناسبت

سابقہ ابواب میں مساجد سے متعلق احکام مذکور تھے اور اس باب میں بھی احکام مسجد میں سے ایک حکم (یعنی: مسجد کی نسبت کسی شخص کی طرف کرنا) مذکور ہے، لہٰذا اتنی مناسبت کا پایا جانا کافی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں: ﴿وان المساجد لله﴾ آیا ہے، اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ مسجدیں چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، لہٰذا کسی شخص یا کسی قبیلے کی طرف اس کی اضافت صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ سلف میں بعض حضرات جیسے: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس کو مکروہ بھی کہا ہے۔(۲) لیکن حدیثِ باب اس نظریئے کو رد کرتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں ''مسجد بنی فلاں'' یا ''مسجد فلاں'' کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی: مسجد کی نسبت کسی قبیلے یا کسی فرد کی طرف کرنا جائز ہے، رہ گئی وہ بات جو قرآن پاک میں مذکور ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقۃً تو مساجد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں، لیکن جو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ مسجد فلاں قبیلے والوں کی ہے، یا یہ مسجد فلاں شخص کی ہے تو اس طرح کہنا محض تعارف کے لیے ہوتا ہے، امتیاز کے لیے ہوتا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسناد یا اضافت حقیقی فلاں قبیلے یا فلاں فرد کی طرف ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس مقولے کا جواز بتلانا ہے؛ کیونکہ نسبت تعریف کی ہے نہ کہ تخصیص کی،

---

(۱)عمدة القاري: ٢٣٤/٤

(٢) حدثنا هشيم عن مغيرة عن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول: "مسجد بني فلان"، ولا يرى بأسا أن يقول: "مصلى بني فلان". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في المسجد ينسب إلى قوم، يقال: مسجد بني فلان، رقم الحديث: ٨١٥٤، ٣٤١/٥)

(٣)عمدة القاري: ٢٣٤/٤

آگے روایت کتاب الجہاد کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنگ آمنے سامنے ہوتی تھی اور اس کے لیے گھوڑوں کی تضمیر کی جاتی تھی، خیر! محل ترجمہ صرف یہ ہے کہ روایت میں "مسجد بنی زریق" آتا ہے، اس سے ثابت ہوگیا کہ "مسجد بنی فلاں" کہنا جائز ہے؛ لیکن پھر اشکال ہوتا ہے کہ جب یہ ثابت ہے اور اس لیے روایت بھی پیش کر رہے ہیں کہ "مسجدِ بنی فلاں" کہنا جائز ہے تو پھر ترجمہ میں "ہل" کیوں لگایا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ "ہل" کا مقصد طالب علموں کو متنبہ کرنا ہے کہ بات تو اسی طرح ہے، لیکن اس میں کچھ اور بھی ہے، وہ یہ کہ روایت میں "مسجد بنی زریق" کا جو لفظ آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ نام تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں ہوا؟ اس میں ذرا غور کر لینا(۱)۔

حدیث باب

۴۱۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ (۲) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ ٱلْخَيْلِ ٱلَّتِي أُضْمِرَتْ : مِنَ ٱلْحَفْيَاءِ ، وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ ٱلْوَدَاعِ ، وَسَابَقَ بَيْنَ ٱلْخَيْلِ ٱلَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ ٱلثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ ، وَأَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيمَنْ سَابَقَ بِهَا . [۲۷۱۳–۲۷۱۵ ، ٦٩٠٥]

(۱)الأبواب والتراجم: ۲/۲۱۰، سراج القاری: ۲/٤٦٣.

(۲)رواه البخاري أيضاً في الجهاد، باب: السبق بين الخيل، رقم الحديث: ۲۸٦۸، وباب: إضمار الخيل للسبق، رقم الحديث: ۲۸٦۹، وباب: غاية السبق للخيل المضمرة، رقم الحديث: ۲۸۷۰، وفي الاعتصام، باب: ما ذكَر النبيُّ صلى الله عليه وسلم وحضَّ على اتفاق أهل العلم، رقم الحديث: ۷۳۳٦.

ومسلم في صحيحه، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ۱۸۷۰.

وأبو داؤد في سننه، في الجهاد، باب: في السبق، رقم الحديث: ۲٥۷٥.

والترمذي في جامعه، في الجهاد، باب: ما جاء في الرِّهان والسبَق، رقم الحديث: ۱٦۹۹.

والنسائي في سننه، في الخيل، باب: إضمار الخيل للسبق، رقم الحديث: ۳٦۱٤.

وابن ماجة، في الجهاد، باب: السبق والرهان، رقم الحديث: ۲۸۷۷.

وفي جامع الأصول، حرف السين، الكتاب الثالث: في السبق والرمي، الفصل الأول: في أحكامها، رقم الحديث: ۳۰۳٥، ٥/۳۸

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کو جو (جہاد کے لیے) تیار کرائے گئے تھے، مقامِ حفیاء سے لے مقامِ ثنیۃ الوداع تک دوڑ کروائی۔ اور جو گھوڑے تیار نہیں کروائے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنی زریق تک کروائی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس دوڑ میں حصہ لیا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں چار رجال ہیں:

۱۔ عبداللہ بن یوسف

یہ "عبداللہ بن یوسف تنیسی"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاھد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ مالک

یہ "امام مالک بن انس"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ نافع

یہ "نافع مولی عبداللہ بن عمر القرشی"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذکر العلم والفتیا في المسجد، کے تحت گذر

(۱) کشف الباری: ۲۸۹/۱، ۱۱۳/٤

(۲) کشف الباری: ۲۹۰/۱، ۸۰/۲

چکے ہیں(۱)۔

۴۔عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:استثناء في الايمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

عن عبد الله بن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سابَق بين الخيل التي أُضمِرَت: من الحَفْيَاءِ، وأمَدُها ثنِيَّةُ الوَداع،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کو جو (جہاد کے لیے) تیار کرائے گئے تھے، مقامِ حفیاء سے لے مقامِ ثنیۃ الوداع تک دوڑ کا مقابلہ کروایا۔

مسابقہ سے مراد

''سابَق'': یہ باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف ہے، باب مفاعلہ کا خاصہ ہے کہ اس میں اشتراک کے معنی پائے جاتے ہیں، اور مصدری معنی ہیں: دوڑ لگانا، چنانچہ وہ دوڑ جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد شریک ہوں اسے مسابقہ کہا جائے گا۔ اور یہ دوڑ کا مقابلہ گھوڑوں کے درمیان کروایا گیا، اس دوڑ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا بھی شریک ہوا تھا، اس کا نام ''السکب'' تھا۔ بنوفزارہ سے آپ نے اسے خریدا تھا، ان کے یہاں اس کا نام ''ضرس'' تھا، عجیب بات یہ ہے کہ یہ پہلا گھوڑا تھا جو آپ نے خریدا تھا اور یہی وہ پہلا گھوڑا ہے جس پر بیٹھ کر آپ نے جہاد میں شرکت فرمائی۔ اور پھر یہ بھی کہ یہ گھوڑا اس مقابلے میں شریک ہوا اور جیت بھی گیا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کو یہ فضیلت اور برتری حاصل ہوئی تو اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی خوشی ہوئی (۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ٦٥١/٤

(۲) کشف الباری: ٦٣٧/١

(۳) عمدة القاري: ٢٣٥/٤

علامہ ابّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سابق" کے معنی "أذن في المسابقة" ہیں۔ اور بعض نے "أمر للمسابقة" ذکر کیا ہے(۱)۔

اور بعض نے "أمر بالسباق" یا "أباحه" کے معنی ذکر کیے ہیں(۲)۔

تضمیر کے دو معنی کا بیان

"أضمرت" اضمار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھوڑے کو زین پہنا دیتے ہیں اور پھر اس کے اوپر جھول ڈال دیتے ہیں اور مسلسل اسی طرح وہ زین میں کسا ہوا اور جھول کے اندر ڈھکا ہوا رہتا ہے، خوب پسینے آتے ہیں، تو اس کے بدن کا استرخاء ختم ہو جاتا ہے اور اس کا بدن لوہے کی طرح سخت ہو جاتا ہے(۳)۔

اضمار کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے کہ گھوڑے کو خوب کھلاتے ہیں اور خوب اچھی طرح سے اس کی خدمت کرتے ہیں، جب وہ خوب فربہ اور موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو ایک کمرے میں بند کر دیتے ہیں، جہاں بہت گرمی ہوتی ہے، اور اس زمانے میں خشک گھاس اس کو کھلاتے ہیں، اس سے اس کے بدن کو خوب پسینہ آتا ہے، جس سے اس کے بدن میں جتنی چربی ہوتی ہے اور فالتو گوشت ہوتا ہے وہ گھل جاتا ہے اور پگھل جاتا ہے اور قوت وطاقت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ گھوڑے "مضمر" کہلاتے ہیں اور یہ عمل "اضمار" و "تضمیر" کہلاتا ہے(۴)۔

حفیاء سے مراد

"الحَفيَاء": حا کے فتحہ اور فا کے سکون کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے، وہاں سے مقام ثنیۃ الوداع کا فاصلہ بقول حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ پانچ یا چھ میل ہے اور بقول حضرت موسی بن عقبہ چھ یا سات میل ہے۔

---

(۱)إكمال إكمال المعلم للأبي، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۲۱۷/۵

(۲)ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳۶۱۰، ۲۳/۳۰

(۳)عمدة القاري: ۲۳۵/٤

(٤)معالم السنن للخطابي، كتاب الجهاد، باب: السبق، ۲٤٥/۲۔ عمدة القاري: ۲۳۵/٤۔

الكوكب الوهاج والروض البهاج، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۱۵۵/۲۰

اس لفظ کا استعمال ممدود یعنی: "حفیآء" اور مقصورہ یعنی: "حفیاء" دونوں طرح درست ہے(۱)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحب مطالع نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ اسے "حا" کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں، وہ خطا پر ہیں، نیز! اس لفظ کو "یاء" کی تقدیم کے ساتھ "حیفاء" بھی پڑھا گیا ہے، لیکن کتب حدیث میں "یا" کو مؤخر کر کے "حفیاء" پڑھنا ہی مشہور ہے(۲)۔

"أمَـدُهـا": ہمزہ اور میم مفتوحہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی: غایت اور حد کے ہیں۔ اور معنی یہ ہیں کہ دوڑ کی ابتداء مقام حفیاء سے ہوئی اور اختتام ثنیۃ الوداع پر ہوا(۳)۔

ثنیۃ الوداع کی وجہ تسمیہ اور مطلب

"ثَنِيَّةُ الوَدَاع": یہ ثا کی فتحہ، نون کی کسرہ اور یا کی تشدید کے ساتھ مستعمل ہے، "ثنية" کے معنی گھاٹی کی طرف جانے کا راستہ اور "وداع" سے مراد کسی کو رخصت کرنے کے ہیں، چنانچہ اس تناظر میں "ثنية الوداع" کے معنی یہ بنیں گے کہ یہ مدینہ منورہ کے پاس ایک گھاٹی کا نام ہے، جہاں تک اہلِ مدینہ کسی کو رخصت کرنے کے لیے جایا کرتے تھے، اسی لیے اس گھاٹی کا نام ثنیۃ الوداع مشہور ہو گیا(۴)۔

اسی کی طرف ان اشعار میں اشارہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال میں مدینہ سے باہر آ کر مدینہ کی بچیوں نے پڑھے تھے:

---

(۱) إكمال المعلم بفوائد مسلم، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ١٨٧٠، ٢٨٥/٦۔ الديباج على صحيح مسلم للسيوطي، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ٤٦٨/٤

(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ١٤/١٣۔ عمدة القاري: ٢٣٥/٤

(۳) الكوكب الوهاج والروض البهاج، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ١٥٥/٢٠۔

(٤) إكمال المعلم بفوائد مسلم، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ١٨٧٠، ٢٨٥/٦۔ الديباج على صحيح مسلم للسيوطي، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ٤٦٨/٤

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع(١)

اس کے علاوہ اس لفظ کی وجہ تسمیہ میں اور اقوال بھی ہیں، مثلاً:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے لگے تو اس وقت اس مقام سے اپنے ساتھ آنے والے والوں کو واپس رخصت کیا، اس لیے اس جگہ کا نام ثنیۃ الوداع مشہور ہوا۔

بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے بعض لشکروں کو جہاد کے لیے رخصت کیا۔

اور صحیح وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اہلِ مدینہ کسی کو رخصت کرنے کے لیے اس مقام تک جایا کرتے تھے(۲)۔

وسابق بين الخيل التي لم تُضْمَر من الثنية إلى مسجِد بني زُرَيْقٍ،

اور جو گھوڑے تیار نہیں کروائے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنی زریق تک کروائی۔

بنی زریق کا مصداق

"بني زُرَيْق": یہ تصغیر کا صیغہ ہے، فُعَيْلٌ کے وزن پر ہے، انصار مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ''بنو زریق بن عامر'' مراد ہے۔

ان غیر مضمر گھوڑوں کے دوڑ مقابلہ کی انتہاء مسجد بنی زریق پر ہوئی تھی، علامہ ابی مالکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ثنیۃ الوداع اور مسجد بنی زریق کا درمیانی فاصلہ ایک میل تھا(۳)۔

وأن عبد الله بن عمر كان فيمن سابق بها.

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس دوڑ میں حصہ لیا۔

"سابق بها" میں "ها" ضمیر کا مرجع "الخيل" بھی ہوسکتا ہے اور "المسابقة" بھی۔ یعنی: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے اس گھڑ دوڑ میں حصہ لیا۔

---

(١)ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ٣٦١٠، ٢٣/٣٠

(٢)بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب في السبق، ٧٥/١٢

(٣)إكمال المعلم بفوائد مسلم، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ١٨٧٠، ٢٨٥/٦۔

حدیث مبارکہ کے مذکورہ ٹکڑے کے بارے میں امکان ہے کہ یہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہی قول ہو جو انہوں نے اپنی طرف سے ہی بطریق حکایت نقل کیا ہو(۱)۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ یہ ان کے شاگرد نافع رحمہ اللہ کا قول ہو(۲)۔

گھوڑ دوڑ کروانے کا حکم

مذکورہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں تمام ائمہ کرام کے نزدیک جہاد کی نیت سے گھوڑوں کو تیار کرنا اوران کے درمیان مسابقت کروانا جائز ہے، البتہ اگر مسابقت میں شرط لگائی جائے تو اس میں کچھ تفصیل ہے، جوان شاء اللہ کتاب الجہاد میں بیان کی جائے گی(۳)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٣٥۔ بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب في السبق، ١٢/٧٥

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٣٥

(٣)ملاحظه هو: كشف البارى، كتاب الجهاد، باب: السبق بين الخيل، رقم الحديث: ٢٨٦٨، وباب: إضمار الخيل للسبق، رقم الحديث: ٢٨٦٩، وباب: غاية السبق للخيل المضمرة، رقم الحديث: ٢٨٧٠۔

ذیل میں اختصاراً گھوڑ دوڑ جائز صورتوں کا حکم نقل کیا جاتا ہے:

گھوڑ دوڑ کی جائز صورتیں

گھوڑ دوڑ کی تمام جائز صورتوں میں دو شرطیں لازمی ہیں:

[۱]اس کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہو، بلکہ قوت جہاد یا جسمانی ورزش ہو۔

[۲]جو انعام مقرر کیا جائے وہ معلوم ومتعین ہو، مجہول یا غیر متعین نہ ہو۔

پہلی صورت

مشروط رقم پر گھوڑ دوڑ کی جائز صورت ایک یہ ہے کہ فریقین جو اپنے گھوڑے دوڑا کر بازی لگا رہے ہیں، آپس میں کسی کو کسی سے لینا دینا نہ ہو، بلکہ حکومت یا کسی تیسرے شخص یا جماعت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم آگے بڑھنے والے کے لیے مقرر ہو۔

دوسری صورت

آگے بڑھنے والے کے لیے رقم یا انعام فریقین ہی میں سے ہو، مگر صرف ایک طرف سے ہو، دوطرفہ شرط نہ ہو۔ مثلا: زید اور عمر گھوڑوں کی دوڑ میں بازی لگا رہے ہیں۔ زید یہ کہے کہ اگر عمر آگے بڑھ گیا تو میں اس کو ایک ہزار انعام دوں گا۔ دوسری طرف سے یعنی: عمر کی طرف سے یہ شرط نہ ہو کہ اگر زید آگے بڑھ گیا تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے گا۔ دوطرفہ شرط کی صورت قمار ہے جو کہ حرام ہے۔

تیسری صورت

دوطرفہ شرط بھی ایک خاص صورت میں جائز ہے وہ یہ کہ فریقین ایک تیسرے گھوڑ سوار کو مثلا: خالد کو اپنے ساتھ =

گھوڑ دوڑ کے شرکاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام تقسیم کرنا

ابن الملقن رحمہ اللہ نے التوضیح میں ''ابن التین'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی دوڑ کرائی، اس موقعہ پر آپ کے پاس یمن سے حلّے آئے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

= شریک کرلیں، جس کی دو صورتیں ہیں:

(۱)......شرط کی صورت یہ ٹھہرے کہ زید آگے بڑھے تو عمر ایک ہزار روپیہ اس کو دے اور عمر آگے بڑھے تو زید اتنی ہی رقم اس کو ادا کرے اور خالد آگے بڑھ جائے تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہیں۔

(۲)......شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے تو زید و عمر دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپیہ دیں اور زید و عمر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھے تو خالد کے ذمہ کچھ نہیں، لیکن زید و عمر میں باہم جو آگے بڑھے دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم آئے۔

ان دونوں صورتوں میں جو تیسرا آدمی شریک کیا گیا ہے اس کو حدیث میں محلل کہا گیا ہے، کسی بھی صورت میں اس کو کچھ دینا نہیں پڑتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی وجہ سے یہ بھی ضروری ہے کہ تیسرا گھوڑا زید اور عمر کے گھوڑوں کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہو، جس کی وجہ سے اس کے آگے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہ جانا عادۃً یقینی ہو، یا زیادہ قوی اور چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو۔

گھوڑ دوڑ کی ناجائز صورتیں

[۱] گھوڑ دور وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشہ یا روپیہ کی طمع کے لیے ہو اور قوت جہاد کی نیت نہ ہو۔

[۲] معاوضہ یا انعام کی شرط فریقین میں دو طرفہ ہو اور کسی تیسرے فریق (محلل) کو مذکورہ بالا طریقے پر ساتھ نہ ملایا گیا ہو۔

[۳] ریس کی مروجہ شکل کہ گھوڑوں کی دوڑ کسی کمپنی اور کلب کی طرف سے ہوتی ہے۔ گھوڑے کمپنی کی ملک اور سوار بھی کمپنی کے ملازم ہوتے ہیں اور دوسرے دوسرے لوگ گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگاتے ہیں، جس کی فیس ان کو داخل کرنی ہوتی ہے۔ جس نمبر کا گھوڑا آگے بڑھ جائے، اس پر داؤ لگانے والے کو انعامی رقم مل جاتی ہے، باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے۔

یہ صورت مطلقاً قمار اور جوا ہے اور حرام ہے، پھر اس میں جہاد یا جسمانی ورزش سے کوئی واسطہ نہیں، کیونکہ بازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں اور نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ تعلق ہے۔

تنبیہ: جو احکام اور جائز و ناجائز کی تفصیل گھوڑوں کی دوڑ میں لکھی گئی ہے، یہی حکم اونٹوں کی دوڑ اور پیادہ دوڑ اور نشانہ بازی لگانے کا ہے۔

(ماخوذ از مسائل بہشتی زیور، مفتی عبدالواحد زید مجدہ، باب: قمار اور جوئے کا بیان: ۲/۲۶۰، ۲۶۱، مجلس نشریات اسلام، کراچی)

نے پہلے نمبر پر آنے والے کو تین حلّے عطا فرمائے، دوسرے نمبر پر آنے والے کو دو حلے عطا فرمائے، تیسرے نمبر پر آنے والے کو ایک حلّہ عطا فرمایا، چوتھے نمبر پر آنے والے کو ایک دینار عطا فرمایا، پانچویں نمبر پر آنے والے کو ایک درہم عطا فرمایا اور چھٹے نمبر پر آنے والے کو چاندی کا تھوڑا سا حصہ عطا فرمایا اور تمام کو برکت کی دعا دی (۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت راوی کی قول "إلى مسجد بني زريق" میں ہے (۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

مذکورہ حدیث سے بہت سارے فوائد واحکامات مستنبط ہوتے ہیں، جن میں کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے گھوڑوں کے درمیان دوڑ کروانے کے جواز کا علم ہوتا ہے اور ان کی تضمیر کے جواز کا بھی علم ہوتا ہے۔ یہ دونوں امور سب کے نزدیک اتفاقی ہیں، اس لیے کہ قتال کے لیے تیز رو، تندرست اور چاک و چوبند گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا گھوڑوں کی تضمیر میں اور ان کی دوڑ کے مقابلے کروانے میں گھوڑوں کے اندر مطلوبہ صفات پیدا کی جاتی ہیں (۳)۔

۲۔ اس میں دلیل ہے کہ معرفت کے لیے مسجد کو اس کے بانی یا کسی شخص یا قبیلے وغیرہ کی طرف منسوب کر کے بولنا جائز ہے (۴)۔

۳۔ گھوڑوں کی تضمیر کا جواز بھی معلوم ہوا (۵)۔

---

(۱) التوضيح لابن الملقن: ٥/٤٢٨

(۲) التوضيح لابن الملقن: ٥/٤٢٦ـ عمدة القاري: ٤/٢٣٥

(۳) المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ١٣/١٤

(٤) فتح الباري: ١/٦٦٧ـ عمدة القاري: ٤/٢٣٦ـ المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ١٣/١٥

(٥) عمدة القاري: ٤/٢٣٦ـ تحفة الأحوزي، كتاب الجهاد، باب: ما جاء في الرِّهان والسبَق، رقم الحديث: ١٦٩٩، ٥/٣٥٠ـ ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ٣٦١٠، ٣٠/٢٥

۴۔کسی کام کا حکم دینے والے کی طرف ہی اس کام کی نسبت کر دینا بھی درست ہے، جیسا کہ اس حدیث مبارکہ کی پہلے جملے ''سابق'' سے معلوم ہوا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس مسابقت کی اجازت دی تھی، یا مباح قرار دیا تھا، یا حکم فرمایا تھا۔لیکن اندازتعبیر یہ اختیار کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسابقت میں حصہ لیا(۱)۔

۵۔گھڑ دوڑ کے مقامات ابتداء وانتہاء کو مقرر کرنے کی مشروعیت کا بھی علم ہوتا ہے(۲)۔

۶۔جانوروں کے ساتھ بلاضرورت جو معاملات ناجائز ہیں (مثلا: بھوکا رکھنا اور انہیں ضرورت سے زیادہ تیز دوڑانا وغیرہ) وہی معاملات بوقت ضرورت (مثلا: جہاد کی تیاری کے لیے) جائز ہو جاتے ہیں(۳)۔

۷۔جانوروں کے ساتھ ان کی طاقت وقوت کے اعتبار سے معاملہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔جیسا کہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں سامنے آیا کہ مضمر گھوڑوں کی دوڑ پانچ یا چھ میل تک کرائی گئی (کیوں کہ ان گھوڑوں کو خوب دوڑنے کی مشق کروائی جا چکی ہوتی ہے) اور غیر مضمر گھوڑوں کی دوڑ صرف ایک میل تک کرائی گئی (بوجہ اس کے کہ ان گھوڑوں کو بہت زیادہ دوڑنے کی نہ عادت ہوتی ہے اور نہ ہی مشق)،(۴)۔

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۶۷۔ عمدة القاري: ٤/۲۳٦۔ ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

(۲)عمدة القاري: ٤/۲۳٦۔ تحفة الأحوزي، كتاب الجهاد، باب: ما جاء في الرِّهان والسبَق، رقم الحديث: ۱٦۹۹، ٥/۳٥۰۔ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

(۳)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤۲۷۔ عمدة القاري: ٤/۲۳٦۔ ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

(٤)ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

۱۰ – باب : اَلْقِسْمَةِ ، وَتَعْلِيقِ اَلْقِنْوِ فِي اَلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں (کسی چیز کی) تقسیم اور کھجور کا خوشہ لٹکانے کے جواز کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

لامع الدراری میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چوں کہ احادیث مبارکہ میں مسجد میں عبادات کے علاوہ دیگر امور کی ممانعت موجود ہے، مثلاً: حدیث کا مفہوم ہے کہ ان مساجد میں لوگوں کے (دنیا سے متعلق) کاموں میں سے کچھ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کا ظاہر تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ عبادت کے علاوہ کوئی کام بھی مسجد میں جائز نہ ہو، لیکن (مذکورہ حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ حدیث میں مذکور) امور سے مراد ان امور کے علاوہ ہیں جن کی طرف مسجد میں ہی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ ''لامع الدراری'' میں اس حدیث پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اس کلام پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ (جو حدیث حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے) اس حدیث کے معنی مختلف الفاظ کے ساتھ احادیث میں مذکور ہیں، مثلاً:

جمع الفوائد میں صحیح مسلم کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجود ہے کہ جو شخص کسی شخص کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سُنے تو اسے کہے کہ اللہ! تجھے تمہاری گمشدہ چیز نہ لوٹائے، کیونکہ یہ مساجد ان کاموں کے لیے نہیں بنائی گئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں اپنے گمشدہ اونٹ کے بارے میں اعلان کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ (اللہ کرے کہ) تیرا اونٹ نہ ملے، یہ مساجد اس (قسم کے اعلانوں کے) لیے نہیں بنائی گئیں۔

ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدنے، بیچنے، گمشدہ اشیاء کے اعلان کرنے اور اشعار وغیرہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ طائف کے دو شخص مسجد میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے تو حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس شہر کے ہوتے تو تمہیں دردناک سزا دیتا۔

اس کے علاوہ ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ مسجد میں ہنسنا قبر کی اندھیری ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سوائے قرآن، اللہ کے ذکر اور خیر کے سوال و جواب کے ہر قسم کی بات چیز مسجد کے اندر لغو ہے۔

چنانچہ اس قسم کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے آنے والے ابواب میں تفصیل سے ان روایات کو ذکر کیا ہے جن میں ان امور کا ذکر ہے جن کا کیا جانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں کسی چیز کی تقسیم جائز ہے، نیز تعلیق قنو کا جواز بھی ثابت کرنا ہے اور دوسرے مسئلہ کی خاص طور سے ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ ایک شخص نے مسجد میں حشف، یعنی: ردی کھجور کا خوشہ لٹکا رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عصا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشہ کو عصا سے مارتے ہوئے فرمایا کہ اگر صدقہ دینے والا چاہتا تو اس سے بہتر کا بھی صدقہ کر سکتا تھا۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ جس کے پاس اتنی کھجور (دس وسق) ہوں تو وہ زکاۃ بھی ادا کرے اور ایک خوشہ لاکر اصحاب صفہ کے لیے مسجد میں لٹکا دے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ روایت کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ فرما دیتے ہیں۔

نیز! حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت لگانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ خوامخواہ ہر قسم کے لوگ پھل لینے آئیں گے۔ تو ان کے اس قول کی تردید کرنی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تو ترجمہ میں وہ روایت ذکر کی جس میں بحرین کے مال کی آمد کا ذکر ہے تو اس

(۱)لامع الدراري مع حواشيه: ۱/۱۶۰

سے قسمت تو ثابت ہوگئی؛ لیکن تعلیقِ قنو ثابت نہیں ہوا، تو اس سے دلالۃ النص یا اشارۃ النص کے ذریعہ ثابت فرمایا(۱)۔

حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی رائے

صاحب انوار الباری علامہ بجنوری رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: (۲) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سے ان افعال کا ذکر شروع کیا جو جنس نماز واذکار سے خارج ہیں اور پھر بھی مسجد میں کیے گئے اور اس سے وہ اپنے وسیع مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس باب میں تقسیم مال ثابت کی، جب کہ ہمارے فقہاء مسجد کے اندر کلام وطعام وغیرہ کو مکروہ فرماتے ہیں اور تقسیم اموال وغیرہ کو بھی، کیونکہ مساجد ان کاموں کے لیے موزوں نہیں ہوتیں، امام بخاری رحمہ اللہ دور تک ایسی احادیث ذکر

---

(۱) سراج القاری: ٢/٤٦٦

تقریر بخاری شریف میں ہے:

قسمت انہی استثناءات میں سے ہے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے اور تعلیق القنو ابن بطال کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کو غفلت ہوگئی اور اس کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی۔ بعض لوگوں نے امام بخاری کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ ان کا ارادہ لکھنے کا تھا مگر لکھ نہ سکے، بیاض چھوڑ دی گئی، جسے کاتبوں نے ملا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ شرط کے موافق کوئی روایت نہیں ملی، یا بھول گئے وغیرہ وغیرہ، مگر میرے نزدیک یہ لفظ صحیح ہے اور حضرت امام بخاری نے اس ابوداؤد شریف کی ایک روایت کی طرف جو کتاب الزکاۃ میں ہے اشارہ کر دیا۔ اس روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک آدمی نے حشف یعنی ردی کھجوروں کا ایک خوشہ مسجد میں لٹکا رکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں لاٹھی تھی۔ آپ نے اس خوشے میں مار کر فرمایا کہ اگر اس خوشے والا چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ کر سکتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہر باغ میں سے ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لیے لٹکایا جائے۔ اور حضرت امام بخاری کا قاعدہ یہ ہے کہ روایات کی طرف ترجمۃ الباب سے اشارہ کیا کرتے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ قیاس سے ثابت فرما دیا۔ اس لیے کہ روایت میں قسمت الدنانیر کا ذکر ہے اور دنانیر وکھجوریں تقریباً رنگ ومقدار کے اعتبار سے برابر ہوتی ہیں۔ یہ قیاس بھی صحیح ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تسبیح کے ہونے پر گٹھلی وغیرہ والی روایات سے استدلال ہو سکتا ہے تو یہاں بھی شرکت فی التقسیم وغیرہ سے استدلال ہو سکتا ہے اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ قسمت وتعلیق قنو چونکہ نفع عامہ کی چیزیں ہیں اس لیے جس طرح قسمت جائز ہے، تعلیق قنو بھی جائز ہوگی۔ (تقریر بخاری شریف: ٢/١٥٥)

(٢) انوار الباري: ١٤/١٨

کریں گے، حالانکہ وہ سب خاص واقعات تھے، جن کا انکار فقہاء کو بھی نہیں ہے اور وہ ان امور کو صرف بطور عادت اختیار کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اگر ایک دو بار ایسا ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ اگر ان جزوی واقعات سے مسجد کے احکام میں توسع پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو دوسرے افعال احیاناً ثابت ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ مساجد ان کے لیے نہیں بنائی گئیں، پھر جب کہ نفل نمازوں کے لیے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ گھروں میں پڑھی جائیں اور مساجد میں صرف فرائض ادا ہوں تو دوسرے اعمال وافعال کے لیے مستقل طور سے گنجائش نکالنے کی سعی کا کیا موقع ہے؟! قضا حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بھی جائز ہے، کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں ہے، شافعیہ کے یہاں ممنوع ہے، تدریس میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ اس کو مسجد میں بلا اجرت جائز اور اجرت کے ساتھ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں نہ رہی۔)

(۲) حضرت رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: مجھے اس امر میں بھی تردد ہے کہ تقسیم اموال بحرین وغیرہ معاملات مسجد کے اندر پیش آئے تھے، کیونکہ علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کا قبلہ پہلے بیت المقدس کی طرف تھا پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو دوسری مقابل جانب میں ہوگیا اور وہ حصہ مسقّف ہوگیا جب کہ پہلا حصہ صفہ کہلایا جانے لگا، کتب فقہ میں یہ بھی ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو بوقت ضرورت اس سے خارج بھی کر سکتے ہیں (۱)، لہٰذا یہ سب توسّعات جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں، پہلے حصہ میں ہوئی ہوں گی، جو بعد کو مسجد کے حکم میں داخل نہ رہا، راویوں نے بھی توسع کر کے اس کو مسجد ہی کہا اور عرفاً اس کی گنجائش بھی تھی، علامہ

(۱) مسجد کے کسی حصے کو بالکلیہ مسجدیت سے خارج کر دینا، نکال دینا شرعاً جائز نہیں ہے، جو جگہ ایک بار مسجد شرعی بن جائے وہ جگہ مسجد ہونے سے کسی کے نکالنے سے نکل بھی نہیں سکتی۔

البتہ بعض اوقات ایسا ممکن ہے کہ عوام الناس کو راستے کی تنگی وغیرہ کی وجہ سے مسجد سے بار بار گذرنے کی ضرورت پیش آتی ہو، اور مسجد کا وہ حصہ فی الوقت نماز وغیرہ کی ضرورت سے زائد بھی ہو، یعنی: مسجد کا بقیہ حصہ نماز کے لیے کافی بھی ہو تو ایسی صورت میں عوام الناس کو ان کی ضرورت کی وجہ سے مسجد کا وہ متعلقہ حصۃ راستہ کے طور پر استعمال کرنے کی اس وقت تک اجازت دی جاتی ہے جب تک متبادل راستہ کا بندوبست نہ ہو جائے، لیکن اس اجازت سے مسجد کا وہ حصہ مسجدیت سے نہیں نکلتا بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی باقی رہتا ہے۔

ملاحظہ ہو: رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ٤/٣٧٨، دار الفكر. وفي البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٢٧٦، دار الكتاب الإسلامي.

ذہبی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ صفہ اجزاء مسجد میں سے تھا پھر اس سے خارج کر دیا گیا تھا(۱)، اس تحقیق پر بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور اس کے لیے یہ اجمالی جواب ہر جگہ جاری ہوگا۔

(۳) اس کے سوا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بحرین کا مال (جو تقریباً ایک لاکھ درہم تھا) مسجد میں اس لیے بھی جمع کرنا پڑا تھا کہ اس وقت بیت المال نہیں بنا تھا اور اس کو کسی صحابی کے یہاں رکھنا بھی بدگمانیوں کا سبب بن سکتا تھا اور خود حضور علیہ السلام بھی اس متاع دنیوی کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

ان سب قرائن وشواہد کے موجود ہوتے ہوئے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب مال مسجدِ نبوی میں ڈھیر کرا کر فوراً ہی تقسیم بھی کرا دیا تو کیا یہ بات موزوں ومناسب قرار دی جا سکتی ہے کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنا لیا جائے؟ نہیں بلکہ اس کو بطور ایک واقعہ جزئیہ خاصہ سمجھنا زیادہ بہتر ہے اور ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا۔

فائدہ مہمہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ وضع تراجم ابواب کے بارے میں سباق غایات ہیں، یعنی: ان کی یہ فضیلت ومزیت بے مثال ہے، مگر اس میں جہاں امت محمدیہ کے لیے غیر معمولی منافع وفوائد ہیں، وہاں ایک بڑی مضرت ونقصان بھی ہے، کیونکہ ایک حدیث کسی خاص حادثہ کے موقع پر وارد ہوئی ہے اور قرائن بتلاتے ہیں کہ اس وقت آپ نے کیا حکم اور کس وجہ سے دیا تھا، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے

---

(۱) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے علامہ سمہودی رحمہ اللہ کی جو بات ذکر کی گئی ہے، وہ بات ان کی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں نہیں مل سکی، ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان کی یہ بات محض بحث کے طور پر ذکر کر دی ہے، جیسا کہ فیض الباری میں ان کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد كذا ذكره السمهودي کہہ کے پوری بات کا حوالہ ان کے اوپر ڈال دیا ہے، نہ صرف یہ کہ، بلکہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اپنا نتیجہ ذکر کرتے ہیں جس کا حاصل یہ بنتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں مالِ غنیمت تقسیم کرنا اس وقت کی ہنگامی حالت کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی صُفہ مسجدِ نبوی کا ہی حصہ ہے، اس سے خارج نہیں ہوا۔

اگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے علامہ سمہودیؒ کی بات بطورِ جواب ذکر کی ہوتی اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک صفہ کا مسجدِ شرعی نہ ہونا راجح ہوتا تو آخر میں ایسا جواب نہ دیتے جس کا مدار صفہ کو مسجد کا حصہ مان لینے پر مبنی ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی رائے یہ تھی کہ صفہ مسجد سے خارج کر دیا گیا تھا تو بظاہر اس سے مراد یہ ہوگا کہ مسجدیت تو باقی تھی لیکن ضرورت کی وجہ سے صفہ کے حصہ میں ان کاموں کی اجازت دے دی گئی تھی، جو کام عام طور پر مسجد میں ممنوع ہیں، اور اس اعتبار سے یہ کہنا بھی درست ہو جائے گا کہ اس تقسیم کے وقت صفہ عینِ مسجد کا حصہ نہیں تھا، نیز! اس کی گنجائش کتبِ فقہ میں ملتی بھی ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے، واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب اور توسع کی وجہ سے دوسرا شخص مغالطہ میں پڑ جاتا ہے اور اس حکم نبوی کو حکم مطرد وعام سمجھنے لگتا ہے (۱)۔

تعلیق اور ایک وضاحت

قال أبو عبد الله: القنو العذق، والإثنان قنوان، والجماعة أيضا قنوانٌ، مثل: صنو وصنوانٍ

ابوعبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: "قنو" عذق یعنی: کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں، اس کی تثنیہ اور جمع "قنوان" کے وزن پر آتی ہے، جیسے کہ صنو اور صنوان۔

یہ تعلیق مصطفیٰ دیب البغا والے نسخہ میں نہیں ہے جس کو کشف الباری میں بطور متن لگایا جا رہا ہے، البتہ ہمارے ہندی نسخوں میں اور شروحات میں اس تعلق کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ لکھتے ہیں کہ یہ تعلیق ابی ذر، ابن عساکر اور ابی الوقت کے نسخوں میں تو ملتی ہے لیکن ان کے علاوہ کے دیگر نسخوں میں یہ روایت نہیں ملتی (۲)۔

تعلیق کا مقصد وتشریح

"أبو عبد الله" سے مراد خود امام بخاری رحمہ اللہ ہیں، وہ ترجمۃ الباب میں موجود ایک لفظ "قنو" کی لغوی تشریح کر رہے ہیں، سب سے پہلے تو "قِــنــو" [قاف کی کسرہ کے ساتھ] کے معنی بتائے کہ اس کے معنی "الــعِــذق" [عین کی کسرہ کے ساتھ] یعنی: کھجور کے خوشے کے ہیں، اور مزید بتایا کہ اس لفظ کی تثنیہ اور جمع دونوں کا ایک ہی وزن ہے، یعنی: قنوان، لہٰذا جب اس کا استعمال تثنیہ کے لیے مقصود ہوگا تو یہ ہی لفظ ہوگا لیکن نون کی کسرہ کے ساتھ اور جب اس کا استعمال جمع کے لیے مقصود ہوگا تو اس کے اعراب حسب ضرورت ہوں گے۔ جیسا کہ صنو کہ اس کی تثنیہ اور جمع بھی اسی وزن پر آتی ہے اور فرق نون کی کسرہ کے ساتھ اور کسرہ کے بغیر سے کیا جاتا ہے (۳)۔

---

(۱) انوار الباری: ۱۴/۱۹، ۲۰

(۲) إرشاد الساري: ۲/۷۸۔ الكنز المتواري: ۴/۱۱۴

(۳) إرشاد الساري: ۲/۷۸۔

حدیث باب

٤١١ : وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ [(١)]، عَنْ عَبْدِ ٱلْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ [(٢)]، عَنْ أَنَسٍ [(٣)] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أُتِيَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ ٱلْبَحْرَيْنِ ، فَقَالَ : (ٱنْثُرُوهُ فِي ٱلْمَسْجِدِ) . وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ ، فَخَرَجَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ إِلَى ٱلصَّلَاةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ ، فَلَمَّا قَضَى ٱلصَّلَاةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ ، فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ ، إِذْ جَاءَهُ ٱلْعَبَّاسُ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، أَعْطِنِي ، فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلاً ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (خُذْ) . فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . قَالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . قَالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ، ثُمَّ ٱحْتَمَلَهُ ، فَأَلْقَاهُ عَلَى كَاهِلِهِ ، ثُمَّ ٱنْطَلَقَ ، فَمَا زَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا ، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ ، فَمَا قَامَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ . [٢٨٨٤ ، ٢٩٩٤]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل تین راوی ہیں:

---

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس جو نسخے ہیں ان میں اس راوی ''ابراہیم'' کے ساتھ ان کے والد کا نام یعنی: ''ابن طھمان'' بھی مذکور ہے، اور یہی درست ہے، جب کہ اس نسخے کے علاوہ میں یہ لفظ ''ابراہیم'' اپنے والد کی نسبت کے بغیر مذکور ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ٦٦٨)

(۲) اس راوی کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہمارے نسخوں میں یہ لفظ ''عبدالعزیز بن صہیب'' ہے جب کہ اس کے علاوہ کے نسخوں میں باپ کی طرف نسبت کے بغیر صرف ''عبدالعزیز'' ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ٦٦٨)

(٣) أخرجه البخاري أيضاً في الجهاد، باب: فداء المشركين، رقم الحديث: ٣٠٤٩. وباب: ما أقطع النبي صلى الله عليه وسلم من البحرين وما وعد من مال البحرين والجزية ولمن يقسم الفيئ والجزية، رقم الحديث: ٣١٥٦

وفي جامع الأصول، حرف الجيم، الكتاب الأول: في الجهاد، الباب الثاني: في فروع الجهاد، الفصل الثالث: في الغنائم والفيئ، الفرع الرابع: في الفيئ، رقم الحديث: ١٢٠٧، ٧١١/٢

۱۔ابراہیم

یہ ''ابراہیم بن طھمان'' رحمہ اللہ ہیں،

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، ومن تستر فالستر أفضل ، رقم الحديث: ۲۷۹ ، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔عبدالعزیز بن صہیب

یہ ''عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔انس

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بحرین سے مال لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مسجد میں ڈال دو، یہ مال ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جو اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز

---

(۱) كشف البـاری، كتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، ومن تستر فالستر أفضل ، رقم الحديث: ۲۷۹

(۲) كشف الباری: ۱۲/۲

(۳) كشف الباری: ۴/۲

کے لیے نکلے تو اس مال کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی، پھر جب نماز ادا کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کو بھی دیکھتے تو اسے مال دیتے رہے، اتنے میں آپ کے پاس (آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے (بھی) دی جیے، کیوں کہ میں نے اپنا اور عقیل (دونوں) کا بھی فدیہ ادا کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جتنا چاہے) لے لو، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں مال (خوب اچھی طرح) بھر لیا، پھر اس گٹھری کو اٹھانے لگے تو (بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے) نہ اٹھا سکے، تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔ اس پر انہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال کم کیا، پھر (اٹھانے لگے لیکن بوجھ کی وجہ سے اٹھائی نہیں گئی، اس پر انہوں نے پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔ اس پر انہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال اور نکالا، پھر اپنے کندھوں پر ڈالا اور چل پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مال پر حرص دیکھ کر انہیں (جاتا ہوا) مسلسل دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے، پھر جب تک ایک بھی درہم باقی رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وہاں ہی ٹھہرے رہے۔

شرح حدیث

عن أنس رضي الله عنه قال أتي النبي صلى الله عليه وسلم بمال من البحرين، فقال: انثروه في المسجد، وكان أكثر مال أتي به رسول الله صلى الله عليه وسلم،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بحرین سے مال لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مسجد میں ڈال دو، یہ مال ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جو اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے۔

بحرین سے کیسا اور کتنا مال بھیجا گی؟

"بمال من البحرين" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے ایک روایت کی تخریج کی ہے(۱) کہ یہ مال ایک

(۱) حدثنا أبو أسامة، عن سليمان بن المغيرة، عن حميد بن هلال، قال: بعث العلاء بن الحضرمي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بثمان مائة ألف من خراج البحرين، وكان أول خراج قدم به على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأمر به فنثر على حصير في المسجد، وأذن المؤذن فخرج إلى الصلاة فصلى، ثم جاء إلى المال فمثل عليه قائما فلم يعط ساكتا ولم يمنع سائلا، فجعل الرجل يجيئ فيقول: أعطني، فيقول: خذ قبضة، ثم يجيئ الرجل فيقول: أعطني، فيقول: خذ قبضتين، ويجيئ الرجل فيقول: أعطني، فيقول: خذ ثلاث قبضات، فجاء العباس، فقال: يا رسول الله! أعطني من هذا المال، فإني أعطيت فداي وفداء عقيل يوم بدر، ولم يكن لعقيل مال، قال: فأخذ يبسط خميصة كانت عليه، وجعل يحثى من المال ، فحثا فيها، ثم قام به فلم يطق حمله، فقال: يا رسول الله! احمل علي، فنظر إليه النبي صلى الله عليه وسلم فتبسم حتى بدا ضاحكه، وقال: أنقص من المال وقم بقدر ما تطيق، فلما ولى العباس قال: أما إحدى اللتين وعدنا الله فقد أنجز لنا إحداهما، ونحن ننتظر الأخرى، قوله تعالى: ﴿يا أيها النبي قل لمن فى أيديكم من الأسرى إن يعلم الله فى قلوبكم خيرا﴾ (الأنفال: ۷۰) إلى آخر الآية، فقد أنجزها الله لنا ونحن ننتظر الأخرى. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الأوائل، باب: أول ما فعل ومن فعله، رقم الحديث: ۳٦۹۵۵، ۱۹/۵۳۲، ۵۳۳)

لاکھ تھا(۱)۔ اور یہ مال خراج یا مال جزیہ تھا جو بحرین سے وصول کیا گیا تھا، کہا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلا خراج تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اور بھیجنے والے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجزیہ میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے(۲) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کی اور ان پر حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور ان کی طرف حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہاں سے جزیہ لے کر آئیں، پس جب انصار کو ان کے آنے کی خبر پہنچی تو انہوں نے فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو مسکرا دیئے اور ارشاد فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم لوگ ابوعبیدہ کی بحرین سے

---

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بحوالہ ''المصنف لابن ابی شیبۃ'' لکھا ہے کہ اس جزیے کی مقدار ایک لاکھ تھی، (دراہم تھے یا دنانیر؟ اس کی تصریح نہیں ہے۔) جب کہ المصنف میں جو روایت ہے، اس میں ''آٹھ لاکھ'' کا ذکر ہے، نہ کہ ''ایک لاکھ'' کا۔ اور ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور امام حاکم رحمہم اللہ کی روایت کے مطابق اسی ہزار تھے۔ شیخ عوامہ رحمہ اللہ نے حاشیۂ المصنف میں یہ تفصیل ذکر کی ہے۔(قوله "بثمان مائة ألف": كذا في النسخ، وفي فتح الباري: ۵۱۷/۱، أول الصفحة عن المصنف: "أنه كان مئة ألف"، والذي عند ابن سعد، ويعقوب بن سفيان والحاكم: بثمانين ألف. [حاشية المصنف للشيخ عوامة، كتاب الأوائل، باب: أول ما فعل ومن فعله، رقم الحديث: ۳۶۹۵۵، ۵۳۲/۱۹، ۵۳۳.])

(۲) حدثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب عن الزهري قال حدثني عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة أنه أخبره أن عمرو بن العوف الأنصاري وهو حليف لبني عامر بن لؤي، وكان شهد بدرا، أخبره، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة بن الجراح إلى البحرين يأتي بجزيتها، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو صالح أهل البحرين وأمّر عليهم العلاء الحضرمي، فقدم أبو عبيدة بمال من البحرين، فسمعت الأنصار بقدوم أبي عبيدة، فوافقت صلاة الصبح مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما صلى بهم انصرف، فتعرضوا له، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رآهم، وقال: "أظنكم قد سمعتم أن أبا عبيدة قد جآء بشيئ"، قالو: أجل يا رسول الله، قال: "فأبشروا وأمّلوا ما يسركم، فوالله لا الفقر أخشىٰ عليكم، ولكن أخشىٰ عليكم أن تبسط عليكم الدنيا، كما بسطت على من كان قبلكم، فتنافسوها كما تنافسوها، وتهلككم كما أهلكهم".(صحيح البخاري، كتاب الجزية، باب: الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، رقم الحديث: ۲۹۸۸)

واپس آنے کی اطلاع سن چکے ہو کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں..................الحدیث۔

"انثروه في المسجد" اس کے معنی "صبوه" ہیں، یعنی: مسجد میں ڈال دو(۱)۔

مسجد میں مال ڈھیر کرنے کی وجہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک باقاعدہ اور مستقل کوئی بیت المال کا بندوبست نہیں ہوا تھا اور آپ علیہ السلام اپنے گھر میں مال ودولت رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، پھر دوسرے کسی اور کے گھر میں رکھنے سے منازعت ومنافست کا اندیشہ تھا، اس لیے (یہ مال) مسجد میں ڈال دیا گیا(۲)۔

فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الصلاة، ولم يلتفت إليه، فلما قضى الصلاة جاء فجلس إليه، فما كان يرى أحدا إلا أعطاه،

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نکلے تو اس مال کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی، پھر جب نماز ادا کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کو بھی دیکھتے تو اسے مال دیتے رہے،

إذ جاء العباس فقال: يا رسول الله! أعطني، فإني فاديت نفسي وفاديت عقيلا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذ، فحثا في ثوبه، ثم ذهب يقله فلم يستطع، فقال: يا رسول الله! مُر بعضهم يرفعه إليّ، قال: لا

اتنے میں آپ کے پاس (آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے (بھی) دیجیے، کیوں کہ میں نے اپنا اور عقیل (دونوں) کا بھی فدیہ ادا کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جتنا چاہے) لے لو، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں مال (خوب اچھی طرح) بھر لیا، پھر اس گٹھری کو اٹھانے لگے تو (بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے) نہ اٹھا سکے، تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٣٨

(۲) فضل الباری: ۳/۱۲٦

علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے کی وجہ

"أعطني"، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ سوال کرنا غربت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کی وجہ آگے آ رہی ہے کہ انہوں نے فدیہ ادا کیا ہوا تھا(۱)۔

فدیہ دینے کا مطلب

"فاديت عقيلا"، یہ ابوطالب کے بیٹے تھے، یعنی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی، غزوہ بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اوران کو قیدی بنالیا گیا تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا اوران کا فدیہ ادا کر کے قید سے رہائی حاصل کی تھی (۲)۔

"فحثا في ثوبه"، میں "حثاء" کی ضمیر اور "ثوبه" کی ضمیر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ میں غریب ہو گیا ہوں، مگر یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر یہ معنی ہوں تو اس صورت میں اس روایت کے معنی درست نہ ہوں گے جس میں یہ مضمون ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال کی زکاۃ حضرت عباس رضی اللہ سے پیشگی لے لی تھی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے اخراجات زیادہ ہو گئے ہیں۔ (لامع الدراری: ۱/۱۶۱، الابواب والتراجم: ۲/۲۱۰، ۲۱۱)

(۲) فتح الباري: ۱/۶۶۹، عمدة القاري: ٤/۲۳۸

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا تھا کہ مجھے بھی دیجیے کیوں کہ میں نے اپنا اور عقیل بن ابی طالب کا زرِ فدیہ ادا کیا تھا اور دوگنا ادا کیا تھا، اصل میں جنگ بدر میں یہ دونوں حضرات کفارِ قریش کی طرف سے آئے تھے، کافروں کو جب شکست ہوئی تو ان کے ستر (۷۰) آدمیوں کو مسلمانوں نے قید کر لیا تھا، جن کو بعد میں فدیہ کے بدلے چھوڑ دیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ مال دار شخص تھے، اوران کے بھتیجے "عقیل" غریب ونادار تھے، اس لیے دونوں کا فدیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تھا، اب اس واقعہ کے وقت دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کی وجہ سے اموال غنیمت کے خمس اور فئی میں ان لوگوں کا بھی حق تھا؛ اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ لے لو، انہوں نے کپڑے میں اتنا بھر لیا کہ ان سے اٹھانا مشکل ہو گیا۔ (سراج القاری: ۲/۵۰۵)

رہی ہے، کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے(۱)۔

قال: فارفعه أنت عليّ، قال: لا، فنثر منه، ثم ذهب يقله، فقال: يا رسول الله! مُر بعضهم يرفعه عليّ، قال: لا، قال: فارفعه أنت عليّ، قال: لا، فنثر منه، ثم احتمله، فألقاه على كاهِلِه، ثم انطلق، فما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يُتبعُه بصره حتى خفي علينا، عجبا من حرصه،

تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔اس پرانہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال کم کیا، پھر (اٹھانے لگے لیکن بوجھ کی وجہ سے اٹھائی نہیں گئی، اس پرانہوں نے پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔اس پرانہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال اور نکالا، پھر اپنے کندھوں پر ڈالا اور چل پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مال پر حرص دیکھ کر انہیں (جاتا ہوا) مسلسل دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہوگئے،

"يقله"، یہ باب افعال سے فعل مضارع ہے، اس کے معنی اٹھانے کے ہیں(۲)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مدد کیوں نہ کی؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کسی کو کہہ دیں کہ یہ گٹھری اٹھوا دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایسا کہنے سے انکار کیوں کر دیا؟ نیز! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اچھا آپ کسی کو نہیں کہہ رہے تو پھر آپ خود اٹھوا دیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار فرما دیا۔اس کی کیا وجہ؟

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۶۹، عمدة القاري: ٤/۲۳۸

(۲) قال ابن أثير: "يقال: أقلَّ الشيءَ يُقِلُّه، واستقلَّه يَستقِلُّه، إذا رفَعَه وحَمَله". (النهاية في غريب الحديث والأثر لابن أثير: ۲/٤۸۷)

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ مال کی کثرت کوئی پسندیدہ نہیں ہے۔

یا پھر انکار کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس طریقے سے نصیحت کرنا مقصود تھا کہ اپنی ضرورت کے بقدر لینے پر اکتفا کرو۔

یا پھر اس عمل کے ذریعے آخرت کے معاملے کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ کل کوئی بھی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا(۱)۔

"کاهله"، کا مطلب "بین کتفیه" ہے، کہ اپنی کمر پر کندھوں کے درمیان ڈال لیا(۲)۔

"یتبعه بصره"، آپ علیہ السلام کا ان کی طرف دور تک دیکھتے رہنا ان کی مال پر حرص دیکھ کر تھا

فما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثَمَّ منها درهمٌ۔

پھر جب تک ایک بھی درہم باقی رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وہاں ہی ٹھہرے رہے۔

"ثَمّ"، بمعنی "هناك" ہے(۳)۔

یہ آخری جملہ حال ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں قیام آخری درہم ختم ہونے تک باقی رہا(۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب میں اور اس کے تحت آنے والی حدیث سے متعلق کوئی اعتراض کرے کہ ترجمۃ الباب تو دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک: مسجد میں کسی چیز کی تقسیم کرنا، اور دوسرا: مسجد میں کوئی چیز لٹکانا، جب کہ حدیث باب صرف پہلی بات سے متعلق ہے، اور حدیث میں دوسری بات سے متعلق کچھ بھی نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ترجمۃ الباب میں تو کوئی امر ذکر کرتے ہیں لیکن ان کی شرائط کے

---

(۱)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(۲)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(۳)فتح الباري: ٦٦٩/١

(٤)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

مطابق حدیث نہ ہونے کی وجہ سے حدیث ذکر نہیں کرتے، چنانچہ ایک حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے باغ والوں کو حکم فرمایا تھا کہ خوشے مسجد میں لٹکا دیا کریں تا کہ جن کے پاس کوئی چیز نہ ہو وہ اسے کھالیا کریں۔

دوسرا جواب یہ ہے مسجد میں مال بکھیرنے کی ہی مثل خوشے وغیرہ لٹکانا بھی ہے، چنانچہ جیسے مسجد میں مال ڈال کے اسے تقسیم کرنا حدیث کی رو سے جائز قرار پایا اسی طرح خوشے لٹکا کر ان سے کھانا بھی درست ہوا(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سارے فوائد معلوم ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کریم ہونا، اور مال کی طرف التفات نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، چاہے مال قلیل ہو یا کثیر (۲)۔

۲۔ امام وقت کے لیے مناسب یہ ہے کہ مال کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے میں تاخیر نہ کرے (۳)۔

۳۔ امام وقت کے لیے اپنی صوابدید پر مال کا تقسیم کرنا بھی معلوم ہوتا ہے (۴)۔

۴۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب امام کو لوگوں کی حاجت کا علم ہو تو مال کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھنا چاہیے بلکہ لوگوں کی حاجات میں صرف کر دینا چاہیے (۵)۔

۵۔ مسجد میں ایسی اشیاء رکھنے کا جواز معلوم ہوا جس کے استعمال میں لوگ مشترک ہوں (۶)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

(۱) عمدة القاري: ٢٣٧/٤

(۲) فتح الباري: ٦٦٩/١ ، عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(۳) فتح الباري: ٦٦٩/١

(٤) عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(٥) عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(٦) عمدة القاري: ٢٣٩/٤

١١ – باب : مَنْ دَعَا لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ فِيهِ .

یہ باب اس شخص کے بارے میں جو مسجد میں کسی شخص کو کھانا کھانے کے لیے بلائے
اور اس شخص کے بارے میں ہے جو مسجد میں اس دعوت کو قبول کرے۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

اس ترجمۃ الباب میں "في المسجد" کا لفظ "دعا" کے ساتھ متعلق ہوگا، مطلب یہ بنے گا کہ کوئی مسجد میں جا کر وہاں موجود شخص کو کھانے کی دعوت دے۔

"من أجاب فيه"، صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں "من أجاب منه" کے الفاظ ہیں، کشميهني کی روایت میں "من أجاب إليه" کے الفاظ ہیں(۱)۔

دونوں روایتوں کے مطابق کوئی بڑی تبدیلی نہیں آتی، پہلی صورت میں جب کہ "منه" ہوتو "ہ" ضمیر مسجد کی طرف لوٹے گی اور اگر "إليه" ہوتو ضمیر طعام کی طرف لوٹے گی، بہرصورت معنی ٹھیک ہیں(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس باب کا مقصد مسجد میں مباح بات چیت کے جائز ہونے کا بتانا ہے؛ کیوں کہ مساجد عبادات کے لیے بنائی جاتی ہیں اور حدیث میں دنیوی کلام سے ممانعت بھی موجود ہے، لہٰذا اس باب سے اس وہم کو دور کیا گیا ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ دعوت وغیرہ اُمورِ دنیویہ میں سے ہے اور حدیث میں "إن هذه المساجد لا تصلح لشيئ من هذا البول ولا القذر إنما هي لذكر الله عزوجل والصلاة وقراءة القرآن" وغیرہ وارد ہوا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ اس کا جواز ثابت کررہے ہیں، اس لیے کہ روایت میں اس کا ثبوت ہے(۴)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/٦٧٠، إرشاد الساري: ۷۹/۲

(۲)عمدة القاري: ٤/ ٢٤٠، إرشاد الساري: ۸۰/۲

(۳)شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ۲۱

(٤)تقرير بخارى شريف: ۳۱۹/۲

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب سے مقصد اس بات کی جانب اشارہ کرنا ہے کہ یہ امور مسجد کے اندر مباح ہیں، ان کا شمار "امور لغویہ ممنوعہ فی المسجد" میں نہیں ہے(۱)۔

حدیث باب

٤١٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ : سَمِعَ أَنَسًا (۲) قَالَ : وَجَدْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ فِي ٱلْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ ، فَقُمْتُ ، فَقَالَ لِي : (أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، فَقَالَ : (لِطَعَامٍ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، فَقَالَ لِمَنْ مَعَهُ : (قُومُوا) . فَانْطَلَقَ وَٱنْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ . [٣٣٨٥ ، ٥٠٦٦ ، ٥١٣٥ ، ٦٣١٠]

ترجمہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کچھ لوگوں کے ساتھ پایا، میں کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے، تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کھانے کے لیے (بلایا ہے)؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(۲) أخرجه البخاري أيضا في الأنبياء، باب: علامات النبوة في الإسلام، رقم الحديث: ٣٥٧٨، وفي الأطعمة، باب: من أكل حتى يشبع، رقم الحديث: ٥٢٨١، وباب: من أدخل الضيفان عشرة عشرة، رقم الحديث: ٥٤٥٠، وفي الأيمان والنذور، باب: إذا حلف أن لا يأتدم فأكل تمرا بخبز وما يكون منه الأدم، رقم الحديث: ٦٦٨٨.

ومسلم في صحيحه، في الأشربة، باب: جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه، رقم الحديث: ٢٠٤٠.

والترمذي في جامعه، في المناقب، باب: ١١، رقم الحديث: ٣٦٣٤.

وفي جامع الأصول، حرف النون، الكتاب الأول: في النبوة، الباب الخامس: في معجزاته ودلائل النبوة، الفصل الثالث: في زيادة الطعام والشراب، رقم الحديث: ٨٩١٠، ١١/٣٥٦.

قریب موجود لوگوں سے فرمایا: اٹھو (اور میرے ساتھ چلو)، پھر آپ چل پڑے، تو میں ان تمام کے آگے چلتا رہا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چار رجال ہیں:

۱۔عبداللہ بن یوسف

یہ "عبداللہ بن یوسف تنیسی"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ الشاهد الغائب، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ "امام مالک بن انس"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔اسحٰق بن عبداللہ

یہ "اسحاق بن ابراہیم بن مخلد، ابن راہویہ" رحمہ اللہ ہیں

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:فضل مَن علِم وعلَّم، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس

یہ مشہور صحابی رسول "حضرت انس بن مالک"، رضی اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹، ٤/۱۱۳

(۲) كشف الباري: ۱/۲۹۰، ۲/ ۸۰

(۳) كشف الباري: ۳/٤۲۸

يحب لنفسه، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح تقریبا واضح ہے، کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے، البتہ حدیث میں مذکور واقعہ اس مقام پر بہت اجمال کے ساتھ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق محض ترجمۃ الباب سے متعلق ٹکڑا نقل کیا ہے، پوری تفصیل کتاب علامات النبوہ میں آئے گی (۲)۔

---

(۱) كشف الباري : ۲/٤

(۲) اس واقعے پر مشتمل باب: علامات النبوۃ میں موجود حدیث کا خلاصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام سلیم [جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں] سے کہا کہ مجھے آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں ضعف محسوس ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت ام سلیم نے چھوٹی موٹی چند روٹیاں نکالیں اور اپنے دوپٹہ کے ایک پلہ میں لپیٹیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بغل میں اس کو دبا کر بقیہ اوڑھنی اچھی طرح حضرت انس کے ہاتھ پر لپیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر [۷۰] یا اسی [۸۰] لوگوں کے ساتھ تشریف فرما پایا، یہ حالت دیکھ کر میں کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوطلحہ نے تمہیں بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پوچھا: کھانے کی دعوت کے لیے؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں سے کہا جو آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اٹھو چلو، وہ سب چلنے لگے، تو میں ان کے آگے آگے تیزی سے چلتا ہوا گھر پہنچا اور حضرت ابوطلحہ کو ساری بات بتائی، انہوں نے میری والدہ ام سلیم سے کہا کہ اب کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک مجمع کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، ان کو کھلانے کے لیے تو ہمارے پاس کھانا نہیں ہے، ام سلیم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہم سے زیادہ جانتے ہیں، ابوطلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کے لیے گھر سے نکلے اور راستے میں ساری بات حضور کو بتا دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطلحہ آگے آگے اور بقیہ لوگ پیچھے پیچھے ہمارے گھر پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ، ام سلیم نے وہی روٹیاں پیش کر دیں، ان روٹیوں کو توڑ کر چورا بنایا گیا پھر ام سلیم کے اپنے تیل کے کُپّے کو اس پر نچوڑا اور اس کا سالن بنا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ دعائیں پڑھیں اور ابوطلحہ سے فرمایا: دس دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو، دس آدمی آتے، شکم سیر ہو کر کھاتے اور چلے جاتے، یہاں تک کہ سب نے کھانا کھا لیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب: علامات النبوة في الإسلام، رقم الحديث: ۳۵۷۸)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے، ترجمۃ الباب کے دو جزو ہیں، پہلا: "من دعا لطعام في المسجد"، اور دوسرا: "من أجاب منه"، پہلے جزو کے ساتھ مناسبت اس صورت میں ہوگی جب "في المسجد" کا تعلق "دعا" کے ساتھ ہو، کیونکہ اس صورت میں معنی ہوں کہ جو شخص مسجد میں بلائے۔ اور اگر "في المسجد" کا تعلق "طعام" کے ساتھ کیا گیا تو بھی ترجمۃ الباب سے مناسبت قائم نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ جو شخص مسجد میں کھانا کھانے کی دعوت دے، یعنی: کھانا مسجد میں ہوگا۔

اور دوسرے جزو کی مناسبت اس طرح قائم ہوگی کہ حدیث مبارکہ میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھنے والے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو، کھانے کے لیے چلو، تو آپ کا یہ کلام قبول دعوت کو مستلزم ہے۔ اس تقریر سے ان لوگوں کا اشکال دور ہو گیا جو اس بات کے قائل ہیں کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت صرف جزو ثانی سے بنتی ہے نہ کہ جزو اول سے (۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے احکام وآداب مستنبط ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے کھانے کی دعوت دینے کے جواز کا علم ہوا، اگر چہ وہ کھانا ولیمے کا نہ ہو (۲)۔

۲۔ کھانا چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، زیادہ افراد کو بلانے میں کوئی حرج نہیں (۳)۔

۳۔ مدعو کو جب معلوم ہو کہ میرے بن بلائے کسی کو ساتھ لے جانے پر بلانے والے کو کسی قسم کی ناگواری نہیں ہوگی تو اپنے ساتھ کسی اور بھی لے جانا جائز ہے (۴)۔

۴۔ کسی چھوٹے کا اپنے بڑے کے آگے آگے چلنا بغرض رہبری جائز ہے (۵)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(۲) فتح الباري: ١/٦٧٠۔ عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(۳) فتح الباري: ١/٦٧٠۔ عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(٤) فتح الباري: ١/٦٧٠۔ عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(٥) عمدة القاري: ٤/٢٤٠

١٢ – باب : اَلْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ ، بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ .

یہ باب مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان قضاء اور لعان کرنے کے جواز کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی تشریح، قضاء کی لغوی و اصطلاحی تعریف

"القضاء"، لغت میں "قضاء" کے معنی: فیصلہ کرنے، مضبوط کرنے، کسی چیز کو اس کی انتہاء پر پہنچا دینے وغیرہ کے ہیں(۱)۔

فقہاء کرام کی اصطلاح میں لازم کرنے کے طور پر کسی حکم شرعی کی اطلاع دینا قضاء کہلاتا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مخصوص طریقے پر جھگڑوں کو ختم کرنا اور ان کا فیصلہ کرنا قضاء ہے(۲)۔

---

(١)النهاية في غريب الحديث والأثر: ٤٦٧/٢.

وفيه أيضاً: وقال الزهري: القضاء في اللغة على وجوه، مرجعها إلى انقطاع الشيئ وتمامه، وكل ما أحكم عمله، أو أتم، أو ختم، أو أدي، أو أوجب، أو أعلم، أو أنفذ، أمضي، فقد قضي، وقد جاء ت هٰذه الوجوه كلها في الحديث. (المصدر السابق)

(٢)"قوله: (وشرعا فصل الخصومات إلخ) عزاه في البحر إلى المحيط، ولا بد أن يزاد فيه عله وجه خاص، وإلا دخل فيه نحو الصلح بين الخصمين". (حاشية ابن عابدين، كتاب القضاء: ١٩/٨، ٢٠، دار عالم الكتب)

"ابواب فقہ میں قضاء کے موضوع پر جس تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلے کے ایک ایک جزئیہ کو واضح کیا گیا ہے، شاید ہی کسی اور موضوع پر ایسی توجہ دی گئی ہو، جن میں قاضی ابوالحسن ماوردی کی "ادب القاضی"، ابوبکر خصاف حنفی کی "ادب القضاء" اور اس پر صدر الشہید کی شرح، اور نیز اسی نام سے ابن الدم حموی کی کتاب، علامہ قرافی کی "الحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام"، ابن فرحون کی "تبصرة الحكام"، ابن شحنہ حنفی کی "لسان الحكام"، قاضی علاء الدین طرابلسی کی "معين الأحكام" اور علامہ ابوالقاسم سمنانی کی "روضة القضاة وطريق النجاة" نہایت اہم کتابیں ہیں، قاضی عماد الدین اشنور قانی حنفی کی "صنوان القضاء وعنوان الافتاء" (جو حال ہی میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے) اور عام کتب فقہیہ میں کتاب القضاء کے تحت جو بحثیں آئی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں، اردو زبان کا دامن باوجود اپنی وسعت کے اس موضوع سے محروم تھا، اور گو بعض مختصر رسائل، قضاء کی تاریخ، اور قضاء سے متعلق بعض مخصوص مسائل پر موجود تھے، مگر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں تھی جو وضاحت اور احکام کے استیعاب کے ساتھ اسلام کے قانون معدلت کو پیش کرے، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی القضاۃ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی کتاب "اسلامی عدالت" (مطبوعہ: ۱۹۸۸ء) نے بحمد اللہ اس کمی کو پورا کیا ہے، تاہم ابھی قضاء سے متعلق دوسرے مباحث، دعویٰ شہادت، اقرار، صلح وغیرہ کے موضوعات پر اردو زبان میں کام کی ضرورت ہے، امید ہے کہ کتاب مذکور کے حصہ دوم کے ذریعہ اس ضرورت کی تکمیل ہو گی"۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔ (قاموس الفقہ: ۵۲۲/۴، ۵۲۳)

مسجد میں قضاء کا حکم

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک قاضی وقت مسجد میں بیٹھ کر خصومات کے فیصلے کرسکتا ہے، بلکہ اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر ہی فیصلے کرنا بہتر ہے، تاکہ صاحب حق وحاجت بسہولت مسجد میں پہنچ کر قاضی کے سامنے اپنا مدعا بیان کر سکے، نیز! مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مسجد کے تقدس کے پیش نظر لوگ جھوٹ بولنے پر جراءت نہیں کریں گے(۱)۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قضاء کا انعقاد مسجد میں مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس میں خصمین کی بات چیت اور شور وشغب سے مسجد کے تقدس کا پامال ہونا لازم آئے گا، اس کے علاوہ مسجد میں فیصلہ کروانے کی غرض سے مشرک بھی داخل ہوگا حالاں کہ وہ نجس ہے اور نجس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ چنانچہ اس بات کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قاضی تمیم بن عبدالرحمٰن کو مسجد میں قضاء کے انعقاد سے روک دیا تھا(۲)۔

لعان کی لغوی واصطلاحی تعریف

''لعان'' باب مفاعلہ کا مصدر ہے، لعنت سے مشتق ہے، لعنت کے معنی: دوری اور محرومی کے ہیں، تو اس اعتبار سے لعان کے لغوی معنی ہوئے، دو یا زیادہ افراد کا آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔

اور اصطلاح میں لعان کی تعریف اس طرح ہے کہ ایسی چار شہادتیں جو قسم سے مؤکد ہوں، شوہر نے اپنی شہادت کے ساتھ اپنے اوپر لعنت بھیجی ہو اور عورت نے اپنے اوپر غضب الٰہی کی دعا کی ہو، مرد کے حق میں یہ

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب القضاء، فصل : وأما آداب القضاء، ۱۳/۷

حاشية ابن عابدين، كتاب القضاء: ۴۷/۸، ۴۸، دار عالم الكتب

المدونة الكبرى، كتاب القضاء: ۱۴۴/۱۲

الذخيره، كتاب القضاء، الباب الرابع في آداب القضاة: ۵۸/۱۰

المقنع، مع الشرح الكبير، مع الإنصاف، كتاب القضاء، باب: أدب القاضي، مسألة: ويستعين بالله ويتوكل عليه، ......، فصل: لا يكته القضاء في الجامع والمساجد......، ۳۳۷/۲۸

(۲) الحاوي في فقه الشافعي، كتاب القاضي، القول في حكم القضاء، القضاء في غير المسجد وكراهة القضاء فيه: ۳۰/۱۶

جواهر العقود، كتاب القضاء، أدب القاضي: ۳۵۷/۲

گواہیاں حدقذف ہیں اور عورت کے حق میں حدزنا(۱)۔

ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنے عورت پر زنا کی تہمت لگائے، یا پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا انکار کرے اور عورت اس تہمت کا انکار کرے تو اولاً مرد پر لعان واجب ہے اور جب مرد لعان کر چکے تو پھر عورت پر بھی لعان واجب ہے(۲)۔

(۱)هو لغة: مصدر لاعن كقاتل، من اللعن: وهو الطرد والإبعاد، سمي به لا بالغضب للعنه نفسه قبلها، والسبق من أسباب الترجيح.

وشرعاً: (شهادات) أربعة كشهود الزنا (مؤكدات بالأيمان مقرونة شهادته) باللعن وشهادتها بالغضب لأنهن يكثر اللعن، فكان الغضب أردع لها (قائمة) شهاداته (مقام حد القذف في حقه و) شهاداتها (مقام حد الزنا في حقها) أي:إذا تلاعنا سقط عنه حد القذف وعنها حد الزنا، لأن الاستشهاد بالله مهلك كالحد بل أشد. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب: اللعان، ص: ۲٤۱)

(۲)لعان کا پس منظر یہ ہے: ''اسلام میں انسانی عزت وآبرو کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے شریعت میں زنا کی سزا جتنی سخت رکھی گئی ہے، کسی اور جرم کی سزا اتنی شدید نہیں ہے، اسی طرح کسی شخص پر برائی کی تہمت لگائی جائے تو یہ اسلام کی نگاہ میں بڑا جرم ہے اور اس کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے خود قرآن مجید نے متعین کی ہے، (النور:۴،۵) پس اگر کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائی جائے اور چار اشخاص کی گواہی کے ذریعے اس کو ثابت نہ کیا جا سکے تو اس الزام کو جھوٹا تصور کیا جائے گا اور اس کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے، قرآن کا یہ حکم عام تھا اور بظاہر اس کا اطلاق ان مردوں پر بھی ہوتا تھا جو اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائیں۔

چنانچہ حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو شریک ابن سحماء کے ساتھ متہم کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی قاعدہ کے مطابق فرمایا کہ گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری ہوگی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس حال میں پائے اور وہ جا کر گواہ تلاش کرے گا؟؟!! لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس سے ثبوت کا اصرار کرتے رہے اور فرماتے رہے؛ ورنہ حد جاری کر دی جائے گی۔ یہاں تک کہ خود قرآن مجید میں یہ آیت لعان نازل ہوئی (النور:٦۔۱۰)

بعض روایات میں حضرت بلال بن امیہ کی جگہ ''عویمر عجلانی'' کا ذکر ہے۔

چونکہ شوہر و بیوی کا معاملہ خصوصی نوعیت کا حامل ہے اور عورت کی بے عفتی براہ راست شوہر کے مفاد اور اس کی عزت نفس کو مجروح کرتی ہے، نیز! گواہان فراہم نہ ہونے کی وجہ سے چاہے وہ خاموش رہ جائے، لیکن اس صورت حال کے علم کے بعد شریف مرد وعورت کے درمیان ازدواجی زندگی کی پائیداری اور خوش گوار تعلقات کی برقراری ممکن نہیں، اس لیے اس معاملہ میں یہ خصوصی حکم دیا گیا کہ شوہر اور بیوی سے مخصوص الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے اور لعنت وغضب کے ساتھ بددعائیہ الفاظ کہلائے جائیں اور پھر ان دونوں میں تفریق کر دی جائے، کہ ایسی بے اعتمادی اور بے اعتباری کے ساتھ اس رشتہ کو برقرار رکھنا دونوں ہی کے لیے بے سکونی اور اضطراب کا باعث ہوگا۔

لعان کا طریقہ

قاضی سب سے پہلے شوہر کو کہے گا چار بار اس طرح کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں فلاں عورت پر زنا کا دعویٰ کرنے میں سچا ہوں، اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس کے بعد قاضی عورت سے چار بار اس طرح کہلوائے کہ میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے، اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ اپنے الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو، یہ ساری تفصیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور اگر دونوں اس طرح لعان کرلیں تو دونوں کے درمیان قاضی تفریق کردے گا (۱)۔

"بين الرجال والنساء"، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ زائد واقع ہوگئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان الفاظ کی زیادتی صرف مستملی کی روایت میں ہی ہے کسی اور میں نہیں (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شراح اعتراض کرتے ہیں کہ اس جگہ امام بخاری رحمہ اللہ نے لغو کلام کیا ہے؛ کیوں کہ لعان تو مرد وعورت کے درمیان ہی ہوتا ہے، نہ کہ مرد مرد میں، یا عورت عورت میں، تو "بين الرجال والنساء" کا کیا مطلب؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تک کی یہی رائے ہے کہ یہ لغو ہے اور یہی وجہ ہے کہ بین السطور "هذا حشو" لکھا ہوا ہے اور مستملی کے علاوہ کسی نسخہ میں یہ پایا بھی نہیں جاتا۔

عندي: هذا صحيح، بایں طور کہ جو "بين" کا لفظ ہے یہ لعان کے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ قضا کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہوا "باب: القضاء في المسجد بين الرجال والنساء" یعنی: مسجد میں فیصلہ مردوں اور عورتوں کے درمیان، تو اس سے مردوں مردوں اور عورتوں عورتوں میں فیصلہ بطریقۂ اولیٰ ثابت ہوگا (۳)۔

---

(۱) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب: اللعان: ۱۵۷/۵

(۲) عمدة القاري: ۲٤١/٤۔ فتح الباري: ٦٧١/١

(۳) هامش اللامع: ١/ ١٦٢، الأبواب والتراجم: ٢١١/٢، سراج القاري: ٤٧١/٢

حدیث باب

٤١٣ : حدّثنا يَحْيَى قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱلرَّزَّاقِ قَالَ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي ٱبْنُ شِهَابٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ [(١)] : أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ : أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ ٱمْرَأَتِهِ رَجُلًا ، أَيَقْتُلُهُ ؟ فَتَلَاعَنَا فِي ٱلْمَسْجِدِ ، وَأَنَا شَاهِدٌ .

[٤٤٦٨ ، ٤٤٦٩ ، ٤٩٥٩ ، ٥٠٠٢ ، ٥٠٠٣ ، ٦٤٦٢ ، ٦٧٤٥ ، ٦٧٤٦ ، ٦٨٧٤]

ترجمہ حدیث

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بتلائیے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو (برائی کرتے ہوئے) دیکھے تو کیا اس کو قتل کر ڈالے؟ پھر ان دونوں (میاں و بیوی) نے مسجد میں لعان کیا اس حال میں کہ میں وہاں موجود تھا۔

(١) أخرجه البخاري أيضاً في التفسير، سورة النور، باب: قوله عزوجل: ﴿والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء﴾، رقم الحديث: ٤٧٤٥. وباب: ﴿والخامسة أن لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين﴾، رقم الحديث: ٤٧٤٦. وفي الطلاق، باب: من جوز طلاق الثلاث؛ لقول الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان، فامساك بمعروف او تسريح باحسان﴾، رقم الحديث: ٥٢٥٩. وباب: اللعان ومن طلق بعد اللعان، رقم الحديث: ٥٣٠٩. وفي المحاربين، باب: من أظهر الفاحشة واللطخ والتهمة بغير بينة، رقم الحديث: ٦٨٥٤. وفي الأحكام، باب: من قضي ولاعن في المسجد، رقم الحديث: ٧١٦٥، ٧١٦٦. وفي الاعتصام، باب: ما يكره من التعمق والتنازع في العلم والغلو في الدين والبدع، رقم الحديث: ٧٣٠٤.

ومسلم في صحيحه، في كتاب اللعان، رقم الحديث: ١٤٩٢

وأبو داؤد في سننه، في الطلاق، باب: في اللعان، رقم الحديث: ٢٢٤٥، ٢٢٤٦، ٢٢٤٧، ٢٢٤٨، ٢٢٤٩، ٢٢٥٠، ٢٢٥١، ٢٢٥٢.

والنسائي في سننه، في الطلاق، باب: بدء اللعان، رقم الحديث: ٣٤٩٦.

وفي جامع الأصول، حرف اللام، الكتاب الثالث: في اللعان ولحاق الولد، الفصل الأول: في اللعان وأحكامه، رقم الحديث: ٨٣٨١، ٧١٣/١٠.

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔ یحیی

یہ ''ابوزکریا یحی بن موسی بلخی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: دلك المرأة إذا تطهرت من المحيض، وكيف تغتسل، وتأخذ فرصة ممسكة، فتتبع أثر الدم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ عبدالرزاق

یہ ''عبدالرزاق بن ہمام صنعانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ ابن جریج

یہ ''عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم ابن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الحيض، باب: دلك المرأة إذا تطهرت من المحيض، وكيف تغتسل، وتأخذ فرصة ممسكة، فتتبع أثر الدم، ص: ۳۷٤

(۲) كشف الباري: ۲/٤۲۱

(۳) كشف الباري، كتاب الحيض، باب: غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، ص: ۲۰٤

(٤) كشف الباري: ۱/۳۲٦

۵۔ سہل بن سعد

یہ صحابی رسول ''سہل بن سعد بن مالک بن خالد خزرجی ساعدی'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

قوله: "أن رجلا"، محدثین وشارحین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ ''رجل'' کون تھا؟ تو اس بارے میں تین نام (۲) سامنے آتے ہیں،۱: ہلال بن امیہ،۲: عاصم بن عدی،۳: عویمر عجلانی۔ صحیح البخاری میں عویمر عجلانی کے ''سائل'' ہونے کی تصریح موجود ہے(۳)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه.

(۲) مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح للإمام البخاري: ۱۲٤/۲. عمدة القاري: ۲٤۲/٤

ایک چوتھا نام ''حضرت سعد بن عبادہ'' بھی منقول ہے، جو بحیثیت سائل صحیح مسلم، میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

حدثني عبيد الله بن عمر القواريري، وأبو كامل فضيل بن حسين الجحدري، واللفظ لأبي كامل، قالا: حدثنا أبو عوانة، عن عبد الملك بن عمير، عن وراد، كاتب المغيرة، عن المغيرة بن شعبة، قال: قال سعد بن عبادة: لو رأيت رجلا مع امرأتي لضربته بالسيف غير مصفح عنه، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أتعجبون من غيرة سعد، فوالله لأنا أغير منه، والله أغير مني، من أجل غيرة الله حرم الفواحش، ما ظهر منها، وما بطن، ولا شخص أغير من الله، ولا شخص أحب إليه العذر من الله، من أجل ذلك بعث الله المرسلين، مبشرين ومنذرين، ولا شخص أحب إليه المدحة من الله، من أجل ذلك وعد الله الجنة. (صحيح مسلم، كتاب اللعان، رقم الحديث: ۱٤۹۹)

(۳) ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة النور، باب: قوله عزوجل: ﴿والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء﴾، رقم الحديث: ٤۷٤٥. وباب: ﴿والخامسة أن لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين﴾، رقم الحديث: ٤۷٤٦. وكتاب الطلاق، باب: من جوز طلاق الثلاث؛ لقول الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان، فامساك بمعروف او تسريح باحسان﴾، رقم الحديث: ٥۲٥۹. وباب: اللعان ومن طلق بعد اللعان، رقم الحديث: ٥۳۰۹.

قوله: "أرأيت رجلاً؟" پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ کے رسول! مجھے بتلائیے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ ملوث دیکھ لے تو کیا اس کو قتل کر ڈالے یا نہیں؟ (۱)

قوله: "فتلاعنا"، سائل کے سوال اور اس جملے کے درمیان بہت سی بات محذوف ہے جو دوسری روایات سے سامنے آتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائل نے یہ سوال کیا کہ وہ دیکھنے والا مرد کیا اپنی بیوی کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں لعان کا یہ حکم نازل فرمایا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لو! تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں من جانب اللہ فیصلہ آ گیا ہے۔ پھر دونوں سے مسجد میں لعان کروایا گیا، راوی کہتے ہیں کہ میں بھی اس وقت مسجد میں موجود تھا (۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ میں مذکور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد وعورت دونوں سے مسجد میں لعان کروایا، اور ترجمۃ الباب میں بھی یہی بات مذکور ہوئی ہے (۳)۔

(۱) شرح الكرماني: ٨٢/٤. عمدة القاري: ٢٤٣/٤

(۲) عمدة القاري: ٢٤٣/٤

(۳) ایضاح البخاری: ۲۰۸/۳

١٣ – باب : إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي حَيْثُ شَاءَ ، أَوْ حَيْثُ أُمِرَ ، وَلَا يَتَجَسَّسُ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی کے گھر میں جائے تو جس جگہ چاہے نماز ادا کر لے، یا (مالک مکان کی طرف سے، اُسے جس جگہ نماز پڑھنے کے لیے کہا جائے، وہاں ہی پڑھ لے، اور تجسس نہ کرے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب میں کلمہ "أو" کے ذریعے دو باتیں مذکور ہیں۔

ایک: کسی کے گھر جانے والا اگر وہاں نماز پڑھنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ بلا پوچھے جہاں چاہے نماز ادا کر لے۔ اور چاہے تو صاحب گھر سے دریافت کر لے کہ نماز ادا کرنے کی جگہ کون سی ہے، پھر وہاں نماز ادا کر لے، البتہ زیادہ کھود کرید اور ادھر ادھر جھانکنے وغیرہ میں نہ لگے۔

دوسرا: یہ کہ ترجمہ الباب میں سوال کیا جا رہا ہے کہ کسی کے گھر جانے والا وہاں نماز پڑھنا چاہے تو کیا کرے؟ وہاں اپنے مرضی کے مطابق کسی بھی جگہ نماز ادا کر لے یا اہلِ خانہ سے نماز کی جگہ دریافت کر کے وہاں نماز ادا کرے؟ تو اس سوال کا جواب حدیثِ باب سے مل رہا ہے کہ وہ اہل خانہ سے دریافت کرے، وہ جہاں نماز پڑھنے کا کہے تو وہاں ہی نماز ادا کرے۔ اور اس صورت میں بھی تجسس سے احتراز لازم ہے(۱)۔

---

(۱) حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شارحین بخاری نے دونوں صورتوں کو امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بتلایا ہے کہ جو چاہے اختیار کر لے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مقصدِ ترجمہ تو حسبِ امر صاحب الدار ہی ہے، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ حکمِ شارع کو اسی پر منحصر نہ سمجھ لیا جائے دوسری صورت بھی ذکر کر دی، احقر عرض کرتا ہے کہ شاید اسی لیے تجسس کو منع کیا، کیوں کہ جہاں چاہے نماز پڑھنے میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی جگہ پڑھنا چاہے، جہاں گھر والے کو پسند نہ ہو، یا پردے وحجاب کے خلاف ہو، یا اس جگہ ایسا گھریلو سامان ہو جس کو اس پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو وغیرہ۔ البتہ اگر صاحب بیت ہی عام اجازت دے دے، کہ جہاں چاہے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یہ تو عام بات ہوئی لیکن اگر کوئی شخص کسی ولی بزرگ کو بلا کر اپنے گھر کے کسی حصہ کو بابرکت بنانے کے لیے یا نماز خانگی کے لیے جگہ متعین کرانا چاہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ بزرگ جگہ دریافت کر لے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمالیا، واللہ اعلم

اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کا ثبوت ہوا اور سلفی حضرات جو ان امور کو بے حیثیت گردانتے ہیں اس کا رد ہوا، حرمین شریفین کے مآثر متبرکہ حتی کہ مولد نبوی اور بیت مبارک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو معطل و بے نشان کر دیا گیا ہے اور اس کو خالص توحید کا نام دیا جاتا ہے، یعنی: ان چند لوگوں کے سوا اور ساری دنیائے اسلام کے کروڑوں مسلمان عوام وعلماء سب کی =

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عام شراح کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ کے دو جز ہیں، ایک: یصلي حیث شاء، اور دوسرا: حیث أمر، اب اختلاف لا یتجسس میں ہو رہا ہے کہ کس کے متعلق؟ جزو اول کے یا جزو ثانی کے، شراح کی رائے یہ ہے کہ جزو ثانی کے متعلق ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جہاں حکم دیا جائے وہیں پڑھے، تجسس نہ کرے اور اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کے متعلق ہوسکتا ہے۔

اب یہ سنو کہ یہاں روایت سے صرف حیث أمر ہوسکتا ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

= توحیدان کے مقابلہ میں ''ناخالص'' ہے، مگر کیا یہی حدیثِ بخاری اس بات کا کامل ثبوت نہیں کہ حضور علیہ السلام کے کسی ایک جگہ پر صرف نماز نفل پڑھ لینے سے صحابہ اس جگہ کو کتنا متبرک سمجھتے تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ کو حضرت عتبان بن مالک نے بت پرستوں کی طرح پرستش کی جگہ بنالیا تھا؟! پھر کیا وجہ ہے کہ جس بیت مبارک میں حضور علیہ السلام کی پیدائش ہوئی برسوں اس میں آپ نے عبادت کی، شب و روز گذارے اور بیت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں کتنی ہی بار وحی الٰہی نازل ہوئی ہوگی اور اس میں حضور نے نہ صرف سینکڑوں نوافل بلکہ فرائض بھی ادا کیے ہوں گے پھر یہ کہ تیرہ سو برس تک ہر دور کے حجاج وزائرین ان مقامات متبرکہ کی زیارت کرتے رہے اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی طرح وہاں برکت حاصل کرنے کے لیے نفل نمازیں بھی پڑھتے رہے، چودھویں صدی میں آکر ان مقدس مقامات کو صرف اس خطرہ موہوم کو آڑ بنا کر کہ لوگ وہاں شرک کریں گے، ان کے آثار تک مٹا دیئے گئے، یا کچھ ان کو مقفل کر دیا گیا ہے، کیا وہاں بھی دیگر مساجد و مقامات مدینہ طیبہ کی طرح سپاہیوں کا پہرہ بٹھا کر مزعوم شرک کی روک تھام نہ ہوسکتی تھی، دوسرے صحابہ کرام کے بیسیوں واقعات سے استبراک ثابت ہے تو کیا ان سے بڑھ کر یہ لوگ کسی توحید خالص کے ماننے والے ہیں، میری عاجزانہ درخواست موجودہ علماء وامراء نجد سے ہے کہ وہ تلافی مافات کی طرف جلد توجہ فرمائیں، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد کے شروع ہی میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی حدیث مسلم شریف سے نقل کی ہے کہ انہوں نے جبۂ مبارکہ نکالا اور فرمایا کہ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آخر تک رہا ان کے انتقال کے بعد میرے پاس آیا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے، اس لیے ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پانی پلاتے ہیں اور ان کو شفا ہوتی ہے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کے حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں سات ماہ تک مہمان رہے، حضرت ابوایوب اور زوجہ محترمہ کا معمول رہا کہ دونوں وقت حضور علیہ السلام کے لیے کھانا پیش کرتے اور جو بچتا وہ کھاتے، کوئی نجدی مزاج کہے گا کہ ایسا تو سب ہی کرتے ہیں مگر ابھی اور دیکھیے کہ حضرت ابوایوبؓ برکت حاصل کرنے کے لیے وہیں انگلیاں ڈالتے ہیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوا دیکھتے تھے۔ (زرقانی، وفاء الوفاء، حاکم، اصابہ) افسوس ہے کہ ہمارے نجدی بھائی اور ان کے ہم خیال ایسی باتوں کو مہمل خیال کرتے ہیں۔ (انوار الباری: ۱۴/ ۴۸)

پوچھا تھا کہ کہاں پڑھوں؟ اس پر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا کہ فلاں جگہ، یہ حیث أمر ہوگیا۔ اور حیث شاء کا روایت میں کوئی ذکر نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول میں سے یہ ہے کہ ترجمہ میں بسا اوقات روایت کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور طریق کی طرف اشارہ فرمادیا، جس کے اندر تخییر موجود ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں "هل" مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ إذا دخل بيتا هل يصلي حيث شاء أو حيث أمر، اور روایت سے اس کا جواب معلوم ہوگیا أي: يصلي حيث أمر، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ محل غور وفکر ہے اس لیے کہ روایت کے لفظ سے امر ثابت ہوتا ہے اور بلانا دلیل ہے اس بات کی کہ اختیار ہے جہاں چاہیں پڑھیں (۱)۔

کسی کے گھر جانے کا ادب

"ولا يتجسس"، اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص جب کسی کے گھر جائے تو تو اس کے لیے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ وہ تجسس وتفتیش کی نظروں سے گھر میں اِدھر اُدھر تا نک جا نک نہ کرے، بلکہ اپنے کام سے کام رکھے اور وہاں سے واپس آئے (۲)۔

حدیث باب

٤١٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ : حَدَّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ ٱلرَّبِيعِ ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مالِكٍ (۳) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ ، فَقَالَ : (أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ) . قَالَ : فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى مَكَانٍ ، فكَبَّرَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ، وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ .

[٤١٥ ، ٦٣٦ ، ٦٥٤ ، ٨٠٣ ، ٨٠٤ ، ١١٣٠ ، ٣٧٨٧ ، ٥٠٨٦ ، ٦٠٥٩ ، ٦٥٣٩]

---

(۱) تقرير بخاری شريف: ۲/۱۵٦

(۲) فيض الباري: ۲/٥٥

(۳) أخرجه البخاري أيضاً في المساجد، باب: المساجد في البيوت، رقم الحديث: ٤٢٥. وفي الجماعة، باب: الرخصة والمطر والعلة أن يصلي في رحله، رقم الحديث: ٦٦٧، وباب: إذا زار الإمام قوماً فأمهم، رقم الحديث: ٦٨٦. وفي صفة الصلاة، باب: يسلم حين يسلم الإمام، رقم الحديث: ٨٣٨. وباب: من لم =

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل رجال پانچ ہیں:

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ''عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ابراہیم بن سعد

یہ ''ابواسحاق ابراہیم بن سعد بن ابراہیم قرشی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تفاضل أهل الإيمان في الأعمال، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: ما ذكر موسى عليه السلام في البحر إلى الخضر، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

= يرد السلام على الإمام، واكتفىٰ بتسليم الصلاة، رقم الحديث: ٨٤٠. وفي التطوع، باب: صلاة النوافل جماعة، رقم الحديث: ١١٨٦. وفي المغازي، باب: شهود الملائكة بدراً، رقم الحديث: ٤٠٠٩، ٤٠١٠. وفي الأطعمة، باب: الخزيرة، رقم الحديث: ٥٤٠١. وفي الرقاق، باب: العمل الذي يبتغى به وجه الله، رقم الحديث: ٦٤٢٣. وفي استتابة المرتدين، باب: ما جاء في المتأولين، رقم الحديث: ٦٩٣٨.

ومسلم في صحيحه، في الإيمان، باب: الدليل على أن من مات على التوحيد، رقم الحديث: ٣٣. وفي المساجد، باب: الرخصة في التخلف، رقم الحديث: ٢٦٣

والنسائي في سننه، في الإمامة، باب: إمامة الأعمىٰ، رقم الحديث: ٧٨٩، وباب: الجماعة للنافلة، رقم الحديث: ٨٤٥. وفي السهو، باب: تسليم المأموم حين يسلم الإمام، رقم الحديث: ١٣٢٨.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الرابع: في أحاديث متفرقة، رقم الحديث: ٣٦٨٦، ٥/٤٨٤.

(۱) كشف الباری: ۲/۸۰

(۲) كشف الباری: ۳/۳۳۳

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔محمود بن الربیع

یہ ''محمود بن الربیع بن سراقہ خزرجی انصاری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب، باب:متی یصح سماع الصغیر، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ

آپ کا پورا نام ''عتبان بن عمرو بن عجلان بن زید'' ہے، آپ انصاری ہیں۔آپ کی والدہ قبیلہ مزینہ میں سے تھیں، آپ کی شادی لیلیٰ بنت رئاب ابن حنیف بن رئاب بن امیہ سے ہوئی، جن سے ایک بیٹا ''عبد الرحمٰن'' پیدا ہوا۔

قبا کے قریب (یعنی: مدینہ سے دو، تین میل کے فاصلے پر) ان کا مکان تھا، اپنے قبیلے کے سردار اور ان کے امام تھے۔

ان کی مسجد اور مکان کے درمیان میں ایک وادی پڑتی تھی، جب بارش ہوتی تو اس میں پانی جمع ہو جاتا، نظر کمزور ہو جانے کے باعث اس پانی سے گزر کر مسجد جانا بہت دشوار محسوس ہوتا تھا تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ مجھے نماز باجماعت میں شرکت کرنے کی بجائے گھر میں ہی نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو، عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ نے انھیں اجازت نہیں دی۔

عبدالواحد بن ابی عون سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان عقد مواخاۃ قائم کیا تھا۔

آپ نے غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شرکت کی۔ بقیہ غزوات میں نابینا ہو جانے کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

جمہور کے نزدیک بدری صحابہ میں سے تھے، لیکن ابن اسحاق نے شرکاءِ بدر میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

---

(۱) کشف الباری : ۳۲۶/۱

(۲) کشف الباری: ۳۹۳/۳

اسی زمانے میں ان کی بینائی چلی گئی تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرے پاس میرے گھر تشریف لائیں اور گھر میں کسی جگہ نماز ادا کرلیں تاکہ میں اسے اپنے لیے جائے نماز بنا لوں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آج تک لوگ مدینہ میں ان کے مکان میں برکت کے حصول کے لیے اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں۔

آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وسط خلافت میں تقریبا: ۵۲ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی کوئی اولاد بھی موجود نہ تھی (۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ نماز ادا کروں؟ ان کا کہنا ہے کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کردیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

شرح حدیث

عن عتبان بن مالك أن النبي صلى الله عليه وسلم أتاه في منزله.

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد خود ہوئی؟ یا آپ کو بلایا گیا تھا؟

اس روایت سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، تو دراصل اس روایت میں بہت اختصار ہے، تفصیلی روایات میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کے

(۱) أسد الغابة: رقم الترجمة: ۳۵۳۵، ۳/۴۵٤. معرفة الصحابة: رقم الترجمة: ۲۳۳۳، ص: ۲۲۲۵.
الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: رقم الترجمة: ۲٦۰، ۳/۵۰۹.

دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں تشریف لائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر ہفتے والے دن تشریف لے گئے۔اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے(۱)۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ خود بھی نہیں آئے بلکہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی آدمی کو پیغام دے کر بھیجا تھا، ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں یہ روایت نقل کی ہے(۲)۔

فقال: أين تحب أن أصلي لك من بيتك.

اور فرمایا: تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ نماز ادا کروں؟

مستملی کی روایت میں فقط "أن أصلّي لك" کے الفاظ ہیں، "مِن بيتِك" کے الفاظ نہیں ہیں۔اور کشمیھنی کی روایت میں "مِن بيتِك" کی جگہ "في بيتِك" کے الفاظ ہیں(۳)۔

علامہ عینیؒ نے اس جگہ ایک سوال اوراس کا جواب نقل کیا ہے کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کی جاتی ہے، پھر یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں تمہارے لیے نماز پڑھوں، کیسے درست ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ دیا

---

(١)عن محمود بن الربيع الأنصاري أخبرني عتبان بن مالك: أنه كان إمام قومه وقد شهد بدراً، فقال للنبي صلى الله عليه وسلم أنه لما ساء بصري شقت على إجازة الوادي إذا سال بيني وبين مسجد قومي، فقال للنبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة: أرأيتني يا رسول الله ! لو أتيتني، فصليت في مكان من بيتي، اتخذه مصلىٰ؟ فقال له: سأفعل، فغدا النبي صلى الله عليه وسلم يوم السبت ومعه أبو بكر وعمر رضي الله عنهما، فدخل، فما جلس حتى قال: أين تحب أن أصلي في بيتك؟ فأشرت إلى الناحية التي أردت، فصلى فيها ضحى، وحبسناه على خزيرة يصنع له. (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك، رقم الحديث: ١٤٧٦١، ٣١/١٨)

(٢)عن أبي هريرة رضي الله عنهما أن رجلا من الأنصار عمي، فبعث إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تعال، فاخطُط في داري مسجداً أتخذه مصلى، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم واجتمع اليه قومه، وبقي رجل منهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أين فلان؟"، فغمزه بعض القوم: إنه وإنه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أليس قد شهد بدراً؟"، قالوا بلى يا رسول الله! ولكنه كذا وكذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعل الله اطلع على أهل بدر، فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم".

(صحيح ابن حبان، كتاب الجهاد، باب الخروج وكيفية الجهاد، رقم الحديث: ٤٧٩٨، ١٢٣/١١)

(٣)فتح الباري: ٦٧٢/١- عمدة القاري: ٢٤٥/٤

گیا کہ نفسِ نماز تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور ادائیگی اس جگہ کی جاتی تھی جس کو نماز کے لیے خاص کیا جاتا تھا۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو جگہ تم نماز ادا کرنے کے لیے مخصوص کرنا چاہتے وہ بتاؤ تاکہ میں اس جگہ میں نماز پڑھوں (۱)۔

قال: فأشرت له إلى مكان، فكبر النبي صلى الله عليه وسلم، وصففنا خلفه، فصلى ركعتين.

ان کا کہنا ہے کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کردیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

اس عبارت میں بعض روایات کے مطابق "فصففنا" کا لفظ ہے، "وصففنا" کے بجائے۔ اور بعض نسخوں میں "صففنا" کے بجائے "فصفَّنا" ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ ہم نے صف بنالی، اور دوسری صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے ہماری صف بنادی (۲)۔

نوافل کی جماعت کا حکم

مذکورہ حدیث مبارکہ سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل نماز کی جماعت کروائی، تو جاننا چاہیے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول نہیں تھا، نہ ہی بہت بڑی جماعت تھی اور نہ ہی اس جماعت کے لیے باقاعدہ دعوت دی گئی، بلکہ یہاں تو حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی درخواست کی تھی آپ تشریف لائیں، میرے گھر میں نماز ادا فرمالیں، تاکہ مجھے اس جگہ میں برکت حاصل ہو اور آئندہ میں اسی جگہ نماز پڑھا کروں۔ وہ تو آتے ہوئے از خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ سیدنا صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کو لے آئے، گھر نماز ادا کی تو یہ سب کچھ بغیر دعوت دیئے ہوا۔

اس نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے ائمہ کرام اس مسئلہ میں مختلف ہوگئے، چنانچہ!

احناف کا مسلک

احناف کے نزدیک اگر نوافل کا فرائض کی طرح اہتمام کیا جائے اور اذان واقامت یا کسی اور طریقے

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٤٥

(۲) عمدة القاري: ٤/٢٤٥

سے لوگوں کو بلایا جائے تو جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کبھی کبھار اذان واقامت یا تداعی (بلانے) کے بغیر امام کے علاوہ ایک، دو یا تین افراد مسجد کے کسی کونے میں نفل نماز جماعت سے پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر امام کے علاوہ چار افراد اس کے ساتھ جماعت میں شریک ہوں تو اس میں اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس بارے میں رمضان اور غیر رمضان کی تفریق بھی نہیں ہے(۱)۔ ہمارے اساتذہ میں سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی وجدان یا رائے رمضان المبارک میں نوافل جماعت سے پڑھنے کے جواز کی تھی، لیکن یہ حضرت اقدس کی ذاتی رائے تھی، جمہور احناف سے اس کے خلاف منقول ہے(۲)، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أن التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره في الأصل للصدر الشهيد ، أما إذا صلوا بجماعة بغير أذان وإقامة في ناحية المسجد لا يكره. وقال شمس الأئمة الحلواني: إن كان سوى الإمام ثلاثة لا يكره بالاتفاق، وفي الأربع اختلف المشايخ، والأصح أنه يكره اه؛ كذا في شرح المنية. وقال ابن عابدين في منحة الخالق تحت قوله: "أما إذا صلوا بجماعة إلخ" لا محل لهٰذا الجملة هنا، وإنما محلّها فيما بعد عند ذكر حكم تكرارها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ١/٦٠٤، ٦٠٦، دارالكتب العلمية)

أن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان، وفي الفرض واجبة أو سنة مؤكدة، .... لأن الجماعة من شعائر الإسلام، وذٰلك مختص بالفرائض أو الواجبات دون التطوعات. (البدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: فيما يفارق التطوع الفرض: ٢/٣٠١)

وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ١/٨٣)

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے ایک مقالے میں حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے اس مسئلے میں دلائل ان کے جوابات اور جمہور فقہائے احناف کا مسلک بہت تفصیل کے ساتھ نہایت مدلل انداز میں تحریر فرمایا ہے، جو فقہی مقالات، جلد دوم اور فتاوی عثمانی، جلد اول میں موجود ہے، اس کی طرف مراجعت مفید ثابت ہوگی۔

مذکورہ مسئلہ کے بارے میں انوار الباری، جلد: ۴ میں بھی بہت تفصیلی بحث موجود ہے، جو دیکھنے کے لائق ہے، اس میں سے اس بارے میں اکابر علمائے دیوبند کا جو معمول نقل کیا گیا ہے، افادہ عام کی خاطر محض وہ ذکر کیا جارہا ہے:

''اس سلسلہ میں اکابر علماء دیوبندؒ میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جو اس جماعت میں حدیث وفقہ دونوں کے مسلم امام تھے ارشاد ہے: ''نوافل کی جماعت بجز ان مواقع کے جو حدیث سے ثابت ہیں، اگر تداعی کے ساتھ ہو تو فقہ میں مکروہ تحریمی ہے اور تداعی سے مراد چار مقتدی کا ہونا ہے، لہٰذا صلوٰۃ کسوف، تراویح، واستسقاء درست ہیں، باقی سب مکروہ، (کذا فی کتب الفقہ، فتاوی رشیدیہ، ص:۱/ ۱۲۸)''۔ =

= دوسری جگہ فرمایا: ''نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد، سوائے تراویح وکسوف واستسقاء کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، خوہ خود جمع ہوں یا بلانے سے آئیں اور تین کی صورت میں اختلاف ہے، البتہ دو میں کراہت نہیں ہے، کذا فی کتب الفقہ، (ص:۲/۶۶)''۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کو رمضان المبارک میں احیاء لیالی اور قرآن مجید سننے کا نہایت شغف تھا اس لیے پہلے یہ معمول رہا کہ بلا تداعی تہجد میں سنتے، مخصوص مہمان شرکت کرتے تھے، جو دو چار سے زائد نہ ہوتے تھے اور باہر کا دروازہ مکان کا بند کرا دیا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند دام ظلہم نے تحریر فرمایا:

''میرے نزدیک زیر بحث میں فتویٰ یہی ہے کہ علاوہ تراویح کے رمضان میں کسی دوسری نفل کی نماز درست نہیں، جمہور فقہا ومحدثین اسی پر ہیں اور اسی پر اکابر علماء دیوبند کا عمل رہا ہے، سیدی وسندی حضرت شیخ الہند قدس سرہ جن کا معمول پورے رمضان مبارک کی شب بیداری اور نفلوں میں سماعتِ قرآن کا تھا، جب لوگوں نے اس کی جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی، گھر کا دروازہ بند کر دیا، حافظ کفایت اللہ صاحب کی اقتدا میں قرآن مجید سنتے تھے، مکان پر جماعت ہوتی تھی، جس میں چالیس پچاس آدمی شریک ہوتے تھے یہ احقر خود بھی حضرتؒ کی اسارتِ مالٹا سے پہلے دو سال اس جماعت میں شریک رہا ہے جو تراویح کی جماعت تھی، نفل تہجد کی جماعت کو حضرتؒ نے کبھی گوارا نہیں فرمایا، حضرت مدنیؒ کی جلالتِ شان اور علمی پایہ بلند اپنی جگہ ہے، لیکن جب جمہور حنفیہ نے محقق ابن ہمام کے تفردات کو قابلِ عمل نہیں سمجھا، حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے تفردات کو معمول نہیں بنایا تو بعد کے علماء کا معاملہ اہون ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (دارالعلوم کراچی، ۱/۴ شوال ۱۳۷۸ھ)

مندرجہ بالا عبارت مطبوعہ ''فتویٰ متعلقہ جماعت تہجد ورمضان'' سے نقل کی گئی ہے، جو ادارۃ المعارف لسبیلہ چوک کراچی سے شائع ہوا ہے، اس میں مفتی محمد سہول صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی بابت کراہت جماعتِ تہجد درج ہے، جس میں تفصیلی دلائل پیش کیے ہیں۔

حکیم الامت حضرت علامہ تھانویؒ نے جو حدیث وفقہ کے متبحر عالم تھے، امداد الفتاوی، جلد اول میں نوافل کی جماعت کو علاوہ تراویح کے مکروہ قرار دیا ہے، الا یہ کہ صرف دو مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف لکھا ہے، نیز! دوسری جگہ شبینہ رمضان کے سلسلہ میں لکھا کہ اگر وہ تراویح کے بعد نوافل میں ہو تو بوجہ جماعت کثیر کے مکروہ ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری مہاجر مدنی قدس سرہ حافظ تھے اور تہجد میں قرآن مجید تلاوت فرماتے اور دو حافظ مقتدی ہو کر سنتے تھے، مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بھی مقتدی بن گیا، تو حضرت نے نماز کے بعد میرا کان پکڑ کر الگ کر دیا۔ =

تداعی سے مراد

تداعی ایک فقہی اصطلاح ہے، جس کا لغوی مطلب تو یہ ہے کہ بعض افراد دوسرے بعض کو کسی کام کے کرنے کی دعوت دیں، اس کے لیے بلائیں۔(۱)

اور اصطلاح میں اس کا اطلاق اس جماعت پر ہوتا ہے، جس میں امام کے علاوہ چار افراد شریک ہوں یا

= حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے علم وتبحر کا کیا کہنا! درس بخاری شریف میں "باب: طول السجود في قيام الليل" پر عجیب تحقیق فرمائی، جو یہاں قابلِ ذکر ہے: فرمایا کہ یہاں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طول سجود کا اندازہ بتلایا گیا ہے، جتنی دیر میں کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے اسی لیے آپ نے صحابہ کو اپنے ساتھ تہجد کی نماز میں اقتداء کرنے سے روک دیا تھا کہ اس میں فرض نماز کی طرح ضعفا ومریضوں کی رعایت نہیں فرماسکتے تھے، پھر فرمایا: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز تنہا بغیر جماعت کے ہی پڑھنے کی چیز ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ﴿نافلة لك﴾ فرما کر پانچ فرض نمازوں سے الگ کردیا جن کو ﴿اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الى غسق الليل وقرآن الفجر﴾ سے بیان فرمایا تھا۔

ان پانچوں نمازوں کے لیے اقامت کا حکم فرمایا جس کا منشاء یہ ہے کہ علی اعلان مساجد مساجد میں نداو اقامت کے ساتھ ادا کی جائیں پھر تہجد کا ذکر فرمایا تو ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ میں اس کو نافلة سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اس میں جماعت کی شرکت نہیں ہے اور پانچ فرض نمازوں میں دوسرے سب آپ کے ساتھ شریک ہیں، جس طرح مال غنیمت میں حصے لگتے ہیں اور نفل (خصوصی طور عطیہ میں) سب کا کچھ حق نہیں ہوتا، اسی طرح تہجد کی نماز آپ کے لیے نافلہ ہے، لہٰذا دوسرے لوگ آپ کے ساتھ داخل نماز نہ ہوں گے، پس وہ آپ کی ایک الگ حالت اور آپ کا انفرادی وظیفہ ہے، درحقیقت ان ہی امور پر نظر فرما کر ہمارے امام اعظمؒ نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کے نوافل میں تداعی مکروہ ہے اور میرے نزدیک تداعی سے مراد وہی معنی ہیں جو عرف عام میں سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کے لیے بلایا جائے اور جو کچھ مفتیان کرام نے دو یا تین مقتدی لکھے ہیں وہ بغرض تحدید عمل لکھا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ صاحب مذہب سے منقول ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے ''باب صلوٰۃ النفل'' کے درس میں فرمایا کہ ''حنفیہ کے یہاں نوافل کی جماعت مکروہ ہے، بجز رمضان کے''، بعض لوگوں نے سمجھ لیا کہ رمضان میں ہر نفل کی جماعت جائز ہے، حالانکہ فقہاء کی مراد اس سے صرف تراویح کے نوافل تھے، دوسرا کچھ نہیں تھا، پھر فرمایا: اس کو اچھی طرح سمجھ لو، کیونکہ علم بہت ہی تحقیق، دیدہ ریزی کاوش وتجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: انوار الباری: ۴/ ۲۳۸ تا ۲۴۶)

(۱) المغرب، المادة: د ع و، ۲/۲۸۹

چار سے زیادہ۔ اور اگر چار سے کم ہوں تو پھر تداعی نہیں ہے (۱)۔

واضح رہے کہ یہ بات کتب فقہ میں مذکور تو ہے لیکن کتاب وسنت میں اس کی تحدید پر کوئی اصل نہیں ملتی، لہٰذا عرف کے اعتبار سے درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی نفل نماز کی جماعت کے لیے دوسروں کو دعوت دی جائے تو اسے تداعی کہا جائے گا اور اس کے برخلاف اگر جماعت کے لیے دعوت نہ دی جائے تو پھر یہ تداعی نہیں ہوگی، حضرت علامہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری میں اسی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے (۲)۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت کے ساتھ ادائیگی کی مختلف صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: نوافل کی جماعت مسجد کی اندر کرائی جائے، یا جماعت کے اندر بہت سے افراد شریک ہوں، یا جماعت ایسے مکان میں قائم کی جائے کہ وہاں لوگوں کے عام آمد ورفت ہو تو ان تینوں صورتوں میں نوافل کی جماعت مکروہ ہوگی۔

اور اگر اس جماعت میں افراد کم ہوں اور ایسی جگہ ادا کی جائے کہ وہاں لوگوں کی آمد ورفت بلا روک ٹوک ممکن نہ ہو تو پھر ایسی جگہ نوافل کی جماعت کروانے میں کوئی حرج نہیں۔

غور کیا جائے تو احناف اور مالکیہ کے مذہب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے (۳)۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک نوافل کی جماعت مباح ہے (۴)۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ۱/۶۰۴، ۶۰۶، دار الكتب العلمية. وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ۱/۸۳.

(۲) "ثم التداعي على عرف اللغة، ولا تحديد في أصل المذهب وإن عيّنه المشائخ". (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب: إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء، أو حيث أُمر، ولا يتجسس: ۲/۶۳)

(۳) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، كتاب الصلاة، فصل: في بيان حكم صلاة الجماعة: ۱/۳۲۰.
شرح منح الجليل على مختصر العلامة خليل، كتاب الصلاة، فصل في بيان حكم فعل الصلاة في جماعة: ۱/۲۱۱.
مواهب الجليل، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجماعة: ۲/۳۹۵.

(۴) ولا بأس بالجماعة فيه، قال في الفروع: ويجوز جماعة، وأطلقه بعضهم. قلت: منهم الشيخ في المغني، الكافي، والشارح، وشرح ابن رزين والرعايتين، والحاوي الصغير. وقيل: ما لم يتخذ عادة وسنة، قطع =

شافعیہ کا مذہب

شوافع کے نزدیک نوافل کی جماعت چاہے کتنی بڑی بھی ہو جائز ہے، کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں۔ لیکن جماعت مستحب بھی نہیں ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ کو شوافع اپنے مستدل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جب کہ احناف کے نزدیک اس حدیث مبارکہ میں بلاتداعی نماز با جماعت کی صورت بنی ہے، لہٰذا اسی کے مطابق اس جماعت کا حکم ہوگا، جس کی تفصیل اوپر ذکر کی جا چکی ہے(۱)۔

تبرک بآثار سلف صالحین کا حکم

اس حدیث مبارکہ سے ایک مسئلہ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا بھی سامنے آتا ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرے گھر تشریف لاکر دو رکعت نماز ادا فرمالیں تاکہ آئندہ میں اسی جگہ نماز ادا کیا کروں، اس سے میں برکت حاصل کروں۔ چنانچہ جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ ان آثار سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ اس بارے میں بہت بہترین تفصیل علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بخاری میں موجود ہے،

= بـه الـمجد في شرحه، ومجمع البحرين. وقيل: يستحب، اختاره الآمدي. وقيل: يكره. (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ۱۸٦/۲)

الكافي لموفق الدين، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع، ۳٥٤/۱

المغني، كتاب الصلاة، صلاة التطوع، رقم المسألة: ۲۳۹، ٥٦۷/۲

(۱)الشامـن: قـد سبـق أن الـنـوافل لا تشرع الجماعة فيها إلا في العيدين والكسوفين والاستسقاء، وكذا باقي الـنـوافـل كـالسـنن الراتبة مع الفرائض والضحى والنوافل المطلقة فلا تشرع فيها الجماعة، أي: لا تستحب، لكن لو صلاها جماعة جاز، ولا يقال: أنه مكروه، وقد نص الشافعي رحمه الله في مختصري البوطي والربيع عـلـى أنه لا بأس بالجماعة في النافلة، ودليل جوازها جماعة أحاديث كثيرة .... إلخ. (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ٥٤۸/۳)

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الباب السابع في صلاة التطوع: ۲۱٥/۲.

حاشية قليوبي وعميرة على منهاج الطالبين، كتاب الصلاة، باب: صلاة النفل: ۲۱۰/۱.

انھوں نے شاہ سعودی کے سامنے بڑی مدلل گفتگو کی تھی جسے سن کر وہ بھی لاجواب ہو گئے تھے(۱)۔

---

(۱) مذکورہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی تقریر بخاری ''فضل الباری'' سے متعلقہ بحث مکمل بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

مسئلہ تبرک بآثار الصالحین:

یہ جو حضرت عتبان بن مالکؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "وددت یا رسول اللہ، أنك تأتيني، فتصلي في بيتي، فأتخذه مصلى" یہ تبرک بالآثار ہی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا، بلکہ وعدہ فرمایا کہ "سأفعل إن شاء الله"، پھر اس کو پورا بھی فرمایا۔ تو یہ حدیث بہت بڑی اصل ہے، تبرک بآثار الصالحین کے (ثبوت) کے لیے، جیسا کہ امام نوویؒ وغیرہ بڑے بڑے محققین نے تصریح کی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس (حدیث) سے طلب التبريك منهم (یعنی: بزرگوں سے ان کی کسی چیز سے برکت حاصل کرنے کی درخواست کرنا) بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عتبانؓ نے طلب کیا، آپ علیہ السلام نے انکار نہیں فرمایا، بلکہ ان کی درخواست کو شرفِ قبول بخشا۔

ملک الحجاز شاہ ابن سعود کے خصوصی جلسے میں مسئلہ مذکورہ پر طویل گفتگو:

میں [حضرت عثمانی رحمہ اللہ] ۱۳۴۴ھ میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے ملک الحجاز ابن سعود کی دعوت پر مؤتمر العالم الاسلامی میں شریک ہوا تھا، وہاں اَطرافِ عالم کے مشاہیر مدعو تھے۔ تو ایک روز ایک خاص جلسہ ہوا، جس میں سلطان بھی شریک تھے۔ اس وقت چند مسائل پر میں نے گفتگو کی، جن میں سے ایک مسئلہ شروع کتاب میں حدیثِ ہرقل کے ماتحت ''شرک جلی وشرکِ خفی''، اور ''سجود تعظیم'' کے متعلق گذر چکا ہے۔ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ''تبرک بآثار الصالحین'' کا بھی تھا، اس خاص جلسہ میں تقریباً ایک گھنٹہ مسلسل تقریر میں نے کی، جس سے سلطان بہت متأثر ہوئے اور فرمایا: میں عالم نہیں، اس لیے نہ آپ کی بات کو رد کر سکتا ہوں نہ قبول۔ آپ ہمارے علماء سے اس میں گفتگو کر لیں، پھر بحث کے بعد جو فیصلہ ہو، اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عبدالعزیز کی یہ گردن اس فیصلے کے نیچے ہے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ پھر ایک روز شیخ الاسلام عبد اللہ بن بلیہد نجدی سے خصوصی طور پر گفتگو ہوئی۔

ان لوگوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے مآثر قدیمہ جیسے: بیتِ خدیجہؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد شریف وغیرہ کو بالکل مٹا ڈالا تھا، اور جن کو مٹانے سے عاجز رہے، جیسا کہ غار ثور، غار حرا وغیرہ، وہاں لوگوں کا آنا جانا بند کر دیا اور پہرہ بٹھا دیا، کیونکہ وہ لوگ اس طرح کے تبرک بالآثار کو بدعت اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ =

= **تبرک بالآثار کے ثبوت پر سب سے قوی اور صریح دلیل:**

تو اس مسئلہ کے متعلق میں نے جو دلائل وہاں پیش کی تھیں ان میں سب سے زیادہ قوی اور صریح یہی عتبان بن مالک ؓ کی حدیث تھی۔ خیال کرو کہ عتبان بن مالک ؓ کا مصلّٰی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھی، اس وجہ سے اگر یہ مصلّٰی متبرک ہوسکتا ہے تو بیتِ خدیجہؓ جس میں آپ علیہ السلام نے سالہا سال لیل ونہار اللہ کی عبادت کی، اور یہ غار حرا جس میں آپ علیہ السلام نے مہینوں خاص کیفیت کے ساتھ عبادت کے لیے قیام فرمایا اور جہاں شب وروز آپ علیہ السلام عبادت میں مشغول رہے، کیا یہ سب مقامات ہمارے لیے متبرک نہیں ہوسکتے؟

دوسری دلیل:

دوسری دلیل جو میں نے پیش کی وہ صحیح بخاری (کے) "باب المساجد بين المكة والمدينة" میں ابن عمرؓ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ مکہ ومدینہ کے درمیان راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مآثر اور مواضع صلوٰۃ ہیں (جن میں آپ علیہ السلام نے نماز پڑھی)، ان کو خوب اہتمام سے تتبع وتلاش کرتے اور وہیں نماز پڑھتے تھے، اس کے علاوہ جس جگہ جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، حضرت ابن عمرؓ وہاں وہیں کام کرتے تھے۔ یہ مقامات جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقی طور پر ایک دو دفعہ نماز پڑھی یا ایک آدھ دفعہ نزول فرمایا، اس وجہ سے اگر یہ مقامات حضرت ابن عمرؓ کے لیے متبرک ہوسکتے ہیں تو آج امت کے لیے بیتِ خدیجہؓ وغار ثور وغیرہ مقامات کیوں متبرک نہیں ہوسکتے؟

تیسری دلیل:

پھر اخیر میں میں نے کہا: چھوڑیئے ان باتوں کو! لیلۃ الاسراء کی ایک طویل ومفصل حدیث ہے، اس میں یہ اجزاء بھی مذکور ہیں کہ: مرّ بأرض ذات نخل، فقال له جبريل: انزل فصل، فنزل فصلى، فقال: صليت بيثرب" (آپ علیہ السلام کا گذر ایک ایسے قطعۂ زمین پر ہوا جہاں کھجور درختوں کی بہتات تھی، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہاں نزول فرمائیں اور نماز پڑھیں، آپ علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی، تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے یثرب یعنی: مدینہ کی سرزمین میں نماز ادا فرمائی)۔ پھر آگے چلنے کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: "انزل فصل، فنزل فصلى، فقال: صليت بطور سيناء حيث كلم الله موسى" (یہاں بھی اتریں اور نماز پڑھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر نماز پڑھی، تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے طور سیناء میں نماز پڑھی جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا)۔

جبلِ طور جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا، اگر وہ جبلِ طور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متبرک ہوسکتا ہے، حتیٰ کہ اُس خاص سفر میں جب کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مدعو ہوکر ملأ اعلیٰ اور خاص دربار الٰہی میں تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں آپ علیہ السلام کو اتار کر وہاں نماز پڑھوائی گئی، تو کیا وہ غارِ حراء جس میں اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام پر افضل الکتب (قرآن عزیز) اور اپنے کلام قدیم کو نازل کرنا شروع کیا، آج ہم گنہگار امتیوں کے لیے متبرک نہیں ہوسکتا کہ ہم اس میں جاکر کسی وقت دو رکعت نماز اللہ کے واسطے ادا کرلیں؟ =

= پھر آگے چل کر جبرئیل علیہ السلام نے کہا:''انزل، فنزل فصلی، قال: صلیت ببیت اللحم حیث ولد عیسیٰ''، یہاں اتریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر نماز پڑھی، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ بیت لحم جو عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے، اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کے لیے متبرک ہوسکتا ہو تو کیا وجہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد شریف آج ہم امتیوں کے لیے متبرک نہیں ہوسکتا؟!

پھر آگے چل کر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:''انزل فصل، فنزل فصلی، قال: صلیت بمدین''، مسکن شعیب علیہ السلام، اگر شعیب علیہ السلام کا مسکن اور موسیٰ علیہ السلام کا مورد (جہاں آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے) سید المرسلین کے حق میں اس قدر متبرک قرار پا سکتا ہے، تو خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن و مکان ان کے امتیوں کے لیے متبرک کیوں نہیں دیا جاسکتا؟!

میری مراد اُس مسکن سے بیتِ خدیجہؓ ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سالہا سال مقیم رہے اور وحی الٰہی کا سلسلہ لیل ونہار جاری رہا۔ مناسک میں ملا علی قاریؒ نے طبرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں کہ مکہ میں حرم شریف کے بعد کوئی مکان بیتِ خدیجہؓ سے افضل نہیں۔

مذکورہ حدیث کا حوالہ اور اس کا درجہ:

جب میں دلائل بیان کررہا تھا، شیخ الاسلام (عبداللہ بن بلیہد) نے کسی بات پر کچھ نہیں کہا۔ فقط اس اخیر دلیل حدیثِ اسراء پر آکر انہوں نے پوچھا کہ یہ روایت کہاں ہے؟ تو میں نے تعجب آمیز لہجہ سے کہا کہ آپ تو فرمارہے تھے کہ مجھے الحمد للہ کتب حدیث وغیرہ کافی مستحضر ہیں، اس لیے میں نے حوالہ دینا ضروری نہ سمجھا۔ یہ حدیث حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری میں موجود ہے۔ اور حافظ نے اس کو نقل کرکے سکوت فرمایا، کچھ کلام نہیں کیا، جو دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حدیث حسن سے گری ہوئی نہیں، کیونکہ حافظ مقدمۂ فتح الباری میں تصریح کرچکے ہیں کہ جس روایت پر میں سکوت کروں، کوئی کلام نہ کروں وہ میرے نزدیک حسن سے گری ہوئی نہ ہوگی۔

تبرک بآثار الصالحین پر مخالفین کے شبہات اور ان کا جواب:

ان دلائل کے مقابلہ میں شیخ الاسلام کوئی چیز نہیں لاسکے، فقط سیر کی جو ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے شجرۃ رضوان کٹوادیا تھا، رواها ابن سعد في الطبقات من طريق نافع عن عمر، اس کو پیش کیا۔ =

= (مگر) اولا اس میں ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ وہ شجرہ جسے حضرت عمرؓ نے کٹوا دیا اور جس کو لوگوں نے شجرۃ الرضوان متعین کر رکھا تھا اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے، اس کا واقع میں وہی شجرۃ متبرکہ ہونا جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) بیعۃ الرضوان لی تھی، یہی چیز متیقن طور پر ثابت نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ایک صریح روایت ہے حضرت مسیبؓ کی جو خود اس بیعتِ رضوان میں شریک تھے، وہ کہتے ہیں کہ بیعتِ رضوان کے ایک سال بعد ہم وہاں آئے تو وہ شجر ہمیں یاد نہیں رہا کہ کون سا تھا، یعنی: علی التعیین پتہ نہیں چلا۔ تو خوامخواہ غیر متعین، موہوم ایک چیز کو متبرک و معظم قرار دینا، یہ کوئی بھی جائز نہیں رکھتا۔ ہم جو تبرک بالآثار کے قائل ہیں جب ہی قائل ہیں، جب کسی چیز کا متبرک ہونا یعنی: کسی صالح مثلا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کی نسبت رکھنا متعین و متیقن طور پر ثابت ہو جائے۔ اگر کسی نے یوں ہی بلا دلیل و بلا سند دعوی کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک ہے، یا نعل شریف ہے تو ہم تھوڑا ہی اس کو متبرک سمجھ لیں گے، جیسا کہ آج کل بعض اہل ہوا نے ایک پیشہ بنا رکھا ہے، ہرگز نہیں۔

(بہر حال) ہم ایسے وہابی بھی نہیں کہ کسی چیز کا متبرک ہونا ثابت ہونے کے بعد بھی اس کی تعظیم نہ کریں اور اپنے سر اور آنکھوں پر نہ رکھیں، اور ایسے بدعتی بھی نہیں کہ موہوم، بے ثبوت، بے دلیل و بے سند چیزوں کو متبرک و معظم سمجھنے لگیں۔

تو ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو اسی لیے کٹوایا ہو کہ جب تیقن کے ساتھ متعین نہیں کہ یہ وہی شجرۃ الرضوان ہے تو پھر اس کی اتنی تعظیم و تبرک بے اصل ہے۔

باقی رہا بیتِ خدیجہؓ، غارِ حرا اور غارِ ثور وغیرہ مآثر قدیمہ، یہ سب تو مثل تواترِ قرآن کے تواترِ طبقہ سے ثابت ہیں، جو مفید للقطع والیقین ہے، بالاتفاق، جیسا کہ شروع کتاب الایمان میں اقسام تواتر کی تحقیق کی گئی۔ واللہ اعلم

دوسرا جواب:

ثانیا یہ روایت سیر کی ہے، پھر منقطع ہے (اس لیے کہ عمرؓ کا یہ واقعہ بیان کرنے والے حضرت نافع ہیں اور) حضرت نافع کی حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

تیسرا جواب:

پھر یہ کوئی مرفوع چیز نہیں، بلکہ محض حضرت عمرؓ کی رائے تھی۔ یہ چیز ان دلائل کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی جو (اوپر) ذکر کی گئی، جن میں بعض صحیحین کی متفق علیہ، بعض صحیح بخاری کی، اور بعض دوسری کتب حدیث کی قابل احتجاج روایات ہیں۔

چوتھا جواب:

پھر اس میں ایک چیز اور ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا تھا وہ ایک وقتی مصلحت کی بناء پر کیا تھا اور وہ مصلحت یہی "سد ذرائع وحسم مادته" تھی، (یعنی: یہ اندیشہ تھا کہ کہیں اس درخت سے تبرک حاصل کرنے میں غلو ہونے لگے اور تبرک حدِ شرک =

اور ہماری اس تقریر میں بھی اس موضوع پر پہلے بھی گفتگو ہوچکی ہے(۱)۔

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمۃ الباب کے دو اجزاء ہیں، ایک: "یصلي حیث شاء" اور دوسرا: "حیث أمر"، دونوں اجزاء کے ساتھ حدیث مبارکہ کی مطابقت تب بنے گی جب **معطوف الیہ** "یصلي حیث شاء" میں "یصلي" سے قبل ہمزہ استفہام محذوف نکالیں، ورنہ مطابقت صرف جزو ثانی کے ساتھ ہوگی (۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور واحکام

یہ حدیث مبارکہ یہاں مختصر مذکور ہے، تفصیلی روایت اگلے باب میں آرہی ہے، تو حدیث مبارکہ سے متعلق اہم امور واحکام اگلے باب میں ہی ذکر کیے جائیں گے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

=کو پہنچ جائے، اس اندیشہ کی وجہ سے اس درخت ہی کو کٹوا دیا، جو آئندہ کبھی ذریعۂ شرک بن سکتا تھا)، وہ کوئی شرعی مسئلہ کی بناء پر نہیں تھا (یعنی: اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تبرک اپنی اصل کے اعتبار سے ہی شرعاً ممنوع ہے)۔

اگر آپ بھی مصلحت کے متعلق کچھ کہنا چاہیں تو غور کی جیے: آپ نے جوان آثار کے ساتھ برتاؤ کیا، اس میں مصلحت ہوئی یا مصلحت کے خلاف ہوا؟ آپ کے اس فعل سے تمام اطرف عالم کے مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا کہ دیکھو: ابن سعود کی حکومت نے کیا کردیا، جس سے حج جیسے شعار اسلام کے لیے آنے میں لوگ پس وپیش کررہے ہیں۔ تو یہ کون سی مصلحت ہوئی؟

شیخ عبداللہ بن بلیہد کا آخری اعتراف:

اس پر شیخ الاسلام کچھ نہ بول سکے، اخیر میں تسلیم کرتے ہوئے فقط اتنا کہا کہ کیا کروں! ہماری قوم نہیں مانتی۔
(فضل الباری: ۳/۱۲۹ـ۱۳۶)

(۱) کشف الباري، کتاب الصلاة، باب: الصلاة في الثوب الأحمر، ص: ۵۵۱-۵۵۸.

(۲) عمدة القاري: ۴/۲۴۴

١٤ - باب : ٱلْمَسَاجِدِ فِي ٱلْبُيُوتِ .

یہ باب گھروں میں مساجد بنانے کے جواز میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

گھروں میں مسجد بنانے کا مطلب

گھروں کے اندر مساجد اس طرح بنائی جاتی ہیں کہ گھر کے کسی کمرے کو، یا کسی کونے کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص کرلیا جائے، وہاں چٹائی یا لکڑی کا تخت وغیرہ بچھا دیا جائے، اور گھر کے افراد اسی جگہ نوافل وغیرہ ادا کیا کریں۔ یہ ''مسجد'' اصطلاحی مسجد نہیں ہوگی اور نہ ہی وقف ہوگی، یہاں نمازوں کے لیے اذان دینے کی بھی ضرورت نہیں، چنانچہ یہ جگہ مالک مکان کی وراثت میں بھی جاری ہوگی۔ تاہم اس جگہ میں وہ ثواب نہیں ملے گا جو مسجدِ اصطلاحی میں ملے گا۔ اس طرح کی مساجد اپنے گھروں میں بنانا مسنون اور مستحب ہے۔

سنن ابوداوٴد میں ایک روایت ہے(۱)، جس میں صراحتاً یہ بات مذکور ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے گھروں میں مساجد بنائیں۔ یعنی: عبادت کے لیے جگہ مخصوص کریں۔ شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں (۲) کہ اپنے گھروں میں مساجد بنائیں اور دوسرا یہ کہ اپنے محلّہ میں مساجد بنائیں، تاہم ابوداوٴد شریف کی یہ حدیث چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں تھی اس لیے ترجمۃ الباب کے تحت وہ اسے نہیں لائے، البتہ اپنے مدعیٰ کے اثبات کے لیے انھوں نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔

---

(١) عن عائشة قالت: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور، وأن تنظف وتطيب.
(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: اتخاذ المساجد في الدور، رقم الحديث: ٤٥٥)

وأيضاً: حدثني خبيب بن سليمان عن أبيه سليمان بن سمرة، عن أبيه سمرة قال: إنه كتب إلى بنيه: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا بالمساجد أن نَصنَعَها في دورنا، ونُصلِح صَنعَتَها ونُطهِّرها. (أيضاً، رقم الحديث: ٤٥٦)

(٢) بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب: اتخاذ المساجد في الدور، رقم الحديث: ٤٥٥: ٣/٢٩٢.

گھروں میں جماعت کروانے کا حکم

کسی عذر کی وجہ سے گھروں میں نماز باجماعت ادا کرنا درست ہے، مثلاً: کبھی کسی وجہ سے مسجد کی جماعت میں حاضر نہ ہو سکے تو گھر میں محرم مستورات وغیرہ کو لے کر باجماعت نماز ادا کرنا درست ہے، لیکن بلا عذر اس کی عادت بنالینا برا ہے، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں بہت سخت وعید بھی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں چند نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ بہت سا ایندھن جمع کر کے لائیں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں، جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر اُن کے گھروں کو جلا دوں (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالے فضائل نماز میں پوری ایک فصل اس بارے میں قائم فرمائی ہے جس میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن میں جماعت چھوڑنے پر وارد ہونے والی وعیدیں مذکور ہیں، وہ فصل بالخصوص اور پورا رسالہ بالعموم دیکھنے کے لائق ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ گھر میں جماعت کروانے سے جماعت کا ثواب تو مل جائے گا لیکن مسجد میں ادا کی جانے والے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔ نماز کے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے مفصل کتاب منیۃ المصلی میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ باب اور سابقہ باب حقیقت میں ایک ہی ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ دونوں بابوں میں ایک ہی حدیث حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی لے کر آئے ہیں، اور یہی حدیث امام

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد هممت أن آمر فتيتي، فيجمعوا لي حزما من حطب، ثم اتي قوماً يصلون في بيوتهم، ليست بهم علة، فأحرقها عليهم. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: ما روي في التخلف عن الجماعة، رقم الحديث: ۱٤٨۱.)

(۲) وإن أقيمت في المسجد بجماعة وتخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة. وإن صلى في بيته بالجماعة لم ينالوا فضيلة الجماعة في المسجد، وهكذا في المكتوبة. (منية المصلي، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، ص: ١٤٥، مكتبة طيبة، كوئته)

صاحب نے بخاری میں کئی مقامات میں ذکر فرمائی ہے، کہیں مختصر اور کہیں مفصل، اور مقصود ان سب سے مختلف تراجم کا قائم کرنا ہے(۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کو مطلق رکھا ہے، حالانکہ ہمارے خیال کے مطابق اس میں معذورین کے لیے کی قید ہونی چاہیے تھی، چنانچہ جب ایسا نہیں ہے تو مطلب یہ بنے گا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معذور اور غیر معذور دونوں کا گھر میں مسجد بنا کر وہاں نماز ادا کرنا درست ہے۔ یعنی: عذر کی قید ہوتی تو مطلب یہ سامنے آتا کہ وہ معذورین کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا چاہ رہے ہیں، لیکن جب انہوں نے قید کے بغیر ہی یہ فرمادیا کہ گھر میں مسجد بنانے کا بیان، تو مطلب یہ ہوا ''بلا عذر اور بلا قید گھر میں مسجد بنا کر نماز پڑھنے کا بیان''۔ چنانچہ دلیل میں انہوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی تعلیق بھی بیان کردی، دلیل اس طرح کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں، انہیں کوئی عذر بھی نہیں تھا، اس کے باوجود انہوں نے مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھی، تو اگر اس میں کوئی نقصان ہوتا یا ممانعت ہوتی تو وہ کیوں ایسا کرتے؟!

اگر اس سب کو درست فرض کرلیا جائے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا، کہ اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ انہوں نے ایسا اس وقت کیا ہو جب ان سے مسجد میں جماعت فوت ہوگئی ہو اور انہوں نے گھر میں اہل خانہ کو جمع کرکے باجماعت نماز ادا کرلی ہو تاکہ نماز باجماعت کا ثواب مل جائے۔ چنانچہ اس سے استدلال کرکے بلا عذر بھی گھر میں مسجد بنا کر مستقل گھر میں نماز پڑھنے کا جواز نہیں نکل سکتا۔

اور حدیث باب سے استدلال بھی ممکن نہیں کیوں کہ اس میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی رخصت ان کے عذر کی وجہ سے تھی جیسا حدیث باب میں تفصیل سے آرہا ہے۔

تعلیق

وَصَلَّى ٱلْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً.

تعلیق کی تخریج

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں اس اثر کے ہم معنی

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٤٥

ایک قصہ ذکر کیا ہے(۱)۔

تعلیق کے رجال

تعلیق کے راوی حضرت براء بن العازب رضی اللہ عنہ ہیں ان کا ذکر کشف الباری میں گذر چکا ہے(۲)۔

تعلیق کا ترجمہ وتشریح

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی مسجد (نماز کے لیے مقرر کردہ جگہ) میں باجماعت نماز ادا فرمائی۔

"جماعةً"، یہاں یہ لفظ نصب کے ساتھ ہے، جب کہ کشمیهني کی روایت میں اس سے قبل "في" حرف جر ہے، یعنی: في جماعةٍ(۳).

تعلیق کا مقصد

تعلیق کا مقصد واضح ہے کہ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب بھی یہی ہے کہ گھروں میں مساجد بنائی جائیں، یعنی: گھروں میں عبادات اور نماز وغیرہ کے لیے جگہیں متعین کی جائیں، اور مذکورہ تعلیق میں بھی یہ امر سامنے آرہا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں نماز کے لیے مقرر کی گئی جگہ میں نماز ادا کی۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۲، عمدة القاري: ٤/۲٤٦.

راقم کہتا ہے کہ باوجود کوشش کے المصنف لابن أبي شيبه میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا مذکورہ یا اس کے ہم معنی کوئی اثر نہیں مل سکا، حتی کہ حافظ صاحبؒ کی ہی تصنیف "تغلیق التعلیق"، دیکھی تو وہاں بھی اس تعلیق کی تخریج کے مقام پر بیاض تھی، یعنی: نہ حافظ صاحبؒ نے ازخود وہاں اس کی تخریج کی اور نہ ہی محشی حضرات نے اس کی تخریج کی، ملاحظہ ہو: تغليق التعليق: ۲/۸۲۔

البتہ! المصنف میں حضرت ابو المجلز کا معمول مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں مسجد بنا رکھی تھی، جس میں بسا اوقات اپنے گھر والوں اور غلاموں کو جمع کر کے نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے، ملاحظہ ہو: حدثنا زيد بن حباب، عن مطهر بن جويرية قال: "رأيت أبا مجلز، وله مسجد في داره، فربما جمع أهله وغلمانه". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يؤم النساء، رقم الحديث: ۶۲۱۰)

(۲)كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان، ۲/۳۷۵.

(۳)فتح الباري: ۱/۶۷۲، عمدة القاري: ٤/۳٤٦۔

حدیث باب

٤١٥ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنِي ٱللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ ٱلرَّبِيعِ ٱلْأَنْصَارِيُّ : أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ (١) ، وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ ٱلْأَنْصَارِ : أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي ، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي ، فَإِذَا كَانَتِ ٱلْأَمْطَارُ ، سَالَ ٱلْوَادِي ٱلَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي ، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى ، قَالَ : فَقَالَ لَهُ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ ٱللهُ) . قَالَ عِتْبَانُ : فَغَدَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ٱرْتَفَعَ ٱلنَّهَارُ ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ ٱلْبَيْتَ ، ثُمَّ قَالَ : (أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ) . قَالَ : فَأَشَرْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ ٱلْبَيْتِ ، فَقَامَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَكَبَّرَ ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ، قَالَ : وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ ، قَالَ : فَثَابَ فِي ٱلْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ ٱلدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ ، فَاجْتَمَعُوا ، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ : أَيْنَ مَالِكُ بْنُ ٱلدُّخَيْشِنِ أَوِ ٱبْنُ ٱلدُّخْشُنِ ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ ٱللهَ وَرَسُولَهُ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَا تَقُلْ ذَلِكَ ، أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، يُرِيدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ ٱللهِ) . قَالَ : ٱللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، قَالَ : فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى ٱلْمُنَافِقِينَ ، قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (فَإِنَّ ٱللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى ٱلنَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ ٱللهِ) .

قَالَ ٱبْنُ شِهَابٍ : ثُمَّ سَأَلْتُ ٱلْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ ٱلْأَنْصَارِيَّ ، وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ ، وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ ، عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ ٱلرَّبِيعِ ، فَصَدَّقَهُ بِذٰلِكَ . [ر : ٤١٤]

ترجمہ حدیث

ابن شہاب سے مروی ہے کہ مجھے محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ ــــ جو کہ اُن انصاری صحابہ میں سے ہیں جو بدر میں شریک تھے ـ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، جب بارش ہوتی ہے تو اُس وادی جو میرے گھر اور

(١) مر تخريجه تحت الحديث السابق الرقم:......

لوگوں کے درمیان پڑتی ہے، میں پانی بھر جاتا ہے، جس کی وجہ سے میں ان کی مسجد تک نہیں پہنچ پاتا کہ ان کو نماز پڑھاؤں، یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز ادا فرمالیں، تو میں اس جگہ کو اپنے لیے نماز کی جگہ بنالوں گا۔

راوی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ عنقریب میں ایسا کروں گا، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دوسرے دن جب دن روشن ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت چاہی تو میں نے اجازت دے دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوئے تو تشریف فرما نہیں ہوئے، اور دریافت فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کردیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر، یعنی:) اللہ اکبر کہا، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اپنے پیچھے ایک) صف میں کھڑا کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیم (کھانے) کے لیے روک لیا، جو ہم نے (خاص طور سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا تھا۔

حضرت عتبانؓ نے کہا کہ پھر محلّہ کے کئی آدمی گھر آ کر جمع ہو گئے، پھر ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن یا مالک بن دخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا، تو رسول اللہ نے فرمایا: ایسا مت کہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ محض

اللہ کی رضا کے لیے ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم تو اس کی توجہ اور ہمدردی منافقوں کے ساتھ دیکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جہنم کو حرام کر دیا ہے جو اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے ''لا الہ الا اللہ'' کہے۔

ابن شہاب نے کہا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو کہ قبیلہ بنو سالم کے ایک فرد اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، محمود بن ربیع کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چھ راوی ہیں:

۱۔ سعید بن عفیر

یہ ''سعید بن کثیر بن عفیر'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من یرد الله به خیرا یفقهه في الدین، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ اللیث

یہ ''لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ عقیل

یہ ''عقیل بن خالد بن عکرمہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم،

---

(۱) کشف الباری: ۳/۲۷٤

(۲) کشف الباری ۱/۳۲٤

باب: فضل العلم، کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

۴۔ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۵۔محمود بن الربیع الأنصاري

یہ ''محمود بن ربیع بن سناقہ بن عمرو خزرجی'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: متی یصح سماع الصغیر کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۶۔عتبان بن مالک

یہ صحابی رسول ''عتبان بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری کی اسی جلد میں گذر چکے ہیں (۴)۔

شرح حدیث

عن ابن شهاب قال: أخبرني محمود بن الربيع الأنصاري: أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ممن شهد بدراً من الأنصار أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! قد أنكرت بصري،

ابن شہاب سے مروی ہے کہ مجھے محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲۵، ۳/۴۵۵

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۶

(۳) کشف الباری: ۳/۳۹۳

(۴) کشف الباری:

جو کہ اُن اَنصاری صحابہ میں سے ہیں جو بدر میں شریک تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری نظر کمزور ہوگئی ہے۔

قولہ:"عتبان"، یہ نام "عین" کی "فتحہ" اور "کسرہ" دونوں کے ساتھ مستعمل ہے(۱)۔

قولہ:"أنــه أتــى"، اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہوئے۔ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی قاصد کو بھیجا جو بلالائے (۲)۔

اس تعارض کے حل میں شارحین نے دواحتمال ذکر کیے ہیں:

۱۔ یہاں خود حاضر ہونے کی بات مجازا کی گئی ہے، ورنہ بھیجا قاصد ہی تھا۔

۲۔ ایسا دومرتبہ ہوا، ایک مرتبہ تو خود حاضر ہوئے اور دوسری بار قاصد بھیجا، اور قاصد کو بھیجنے میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ اس نے ابتداء گھر تشریف لانے کا مطالبہ کیا، اور دوسرا یہ کہ مطالبہ تو حضرت عتبان خود کر چکے تھے، قاصد محض یاددہانی کے لیے گیا (۳)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۳۔ اور علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے "عین" کے "ضمہ" کے ساتھ مستعمل ہونا بھی بتلایا ہے۔ (التوضيح لابن الملقن: ۵/٤٤٢)

(۲)حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا سليمان يعني ابن المغيرة، قال: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك، قال: حدثني محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك، قال: قدمت المدينة، فلقيت عتبان، فقلت: حديث بلغني عنك، قال: أصابني في بصري بعض الشيء، فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلى في منزلي، فأتخذه مصلى، قال: فأتى النبي صلى الله عليه وسلم، ومن شاء الله من أصحابه، فدخل وهو يصلي في منزلي وأصحابه يتحدثون بينهم، ثم أسندوا عظم ذلك وكبره إلى مالك بن دخشم، قالوا: ودوا أنه دعا عليه فهلك، ودوا أنه أصابه شر، فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، وقال: أليس يشهد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله؟ قالوا: إنه يقول ذلك، وما هو في قلبه، قال: لا يشهد أحد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله، فيدخل النار، أو تطعمه، قال أنس: فأعجبني هذا الحديث، فقلت لابني: اكتبه فكتبه. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: من لقي الله بالإيمان وهو غير شاك فيه دخل الجنة وحرم النار، رقم الحديث: ٥٤)

(۳)فتح الباري: ۱/۶۷۳، عمدة القاري: ٤/ ٧٤٢

طبرانی رحمہ اللہ نے ابی اویس کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ جب حضرت عتبان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر تشریف لانے کی بات کی اس دن جمعۃ المبارک کا دن تھا۔اور اسی روایت میں یہ بات بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے کے دن ان کے گھر تشریف لے گئے(۱)۔

حضرت عتبان بن مالک نابینا تھے یا کم نظر والے؟

قولہ:'' قد أنكرت بصري ''،اس جملے کے معنی ہیں کہ میری نظر کمزور ہوگئی ہے،اب میں اسے پہلے جیسا نہیں پاتا(۲)۔

اس روایت میں'' قد أنكرت بصري ''کے الفاظ ہیں۔

دوسری روایت میں"أنا رجل ضرير البصر"کے الفاظ ہیں(۳)۔

صحیح بخاری کی ہی روایت میں ہے:"أن عتبان بن مالك كان يؤم قومه وهو اعمىٰ"(٤)۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں"إن بصري قد ساء" کے الفاظ ہیں(۵)اور دوسری روایت میں "اصابني في بصري بعض الشيئ" کے الفاظ ہیں(٦)۔

---

(١)فتح الباري: ١/٦٧٣

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في المطر، رقم الحديث: ٦٣٦.

(٣)صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في المطر، رقم الحديث: ٦٦٧.

(٤) أيضا

(٥)وحدثنا إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا الوليد بن مسلم، عن الأوزاعي، قال: حدثني الزهري، عن محمود بن الربيع، قال: إني أعقل مجة مجها رسول الله صلى الله عليه وسلم من دلو في دارنا، قال محمود: فحدثني عتبان بن مالك، قال: قلت: يا رسول الله! **إن بصري قد ساء،** وساق الحديث إلى قوله، فصلى بنا ركعتين، وحبسنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على جشيشة صنعناها له، ولم يذكر ما بعده من زيادة يونس، ومعمر. (صحيح مسلم ، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في التخلف عن الجماعة بعذر، رقم الحديث: ٢٥٦)

(٦) حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا سليمان يعني ابن المغيرة، قال: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك، قال: حدثني محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك، قال: قدمت المدينة، فلقيت عتبان، فقلت: حديث بلغني عنك، قال: **أصابني في بصري بعض الشيئ،** فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلي في منزلي، .... (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: من لقي الله بالإيمان، رقم الحديث: ٣٣)

طبرانی کی ایک روایت میں "وأن بصري قد ذهب" کے الفاظ ہیں(۱)۔اور دوسری روایت میں: "لما ساء بصري" کے الفاظ ہیں(۲)۔

خلاصہ یہ کہ ان اختلاف روایت کی وجہ سے ایک تعارض پیدا ہوتا ہے کہ ایک روایت کے مطابق وہ نابینا تھے اور دیگر روایات کے مطابق ضعفِ بصر سمجھ آتا ہے۔

تو سب میں تطبیق اس طرح دینا ممکن ہے کہ

اعمیٰ سے مراد حقیقی نابینا نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ نابینا ہونے کے قریب ہو گئے تھے، جیسا کہ دوسری روایات سے ضعف بصر ثابت ہوتا ہے۔

نیز! صحیح البخاری کی جس روایت میں "اعمیٰ" کا ذکر ہے، اس میں یہ احتمال موجود ہوسکتا ہے کہ جب راوی تک یہ حدیث پہنچی تو اس وقت حضرت عتبان رضی اللہ عنہ مکمل نابینا ہو چکے تھے، یعنی: ابتداء میں نظر کمزور ہوئی پھر بڑھتے بڑھتے مکمل نابینا ہو گئے(۳)۔

---

(۱) حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا عارم أبو النعمان، ثنا حماد بن زيد، ثنا علي بن زيد، قال: كنا عند أنس بن مالك فقال لابنه أبي بكر حدثهم حديث عتبان بن مالك الأنصاري، فحدثنا أبو بكر، وأنس، شاهد فقال: خرجت مع أبي إلى الشام فلما أقبل من الشام مشى معنا محمود بن الربيع الأنصاري فشيعنا حتى إذا أراد أن يفارقنا قال: ألا أحدثكم بحديث عتبان بن مالك؟ قلنا: بلى! قال: فإنه حدثني أنه ذهب بصره على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! فلو أتيت منزلي، فبوأت لي فيه مسجدا، وصليت فيه، فأتخذه مسجدا، **وإن بصري قد ذهب،** وضعفت عن الخروج إلى المسجد، .... (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٥٤)

(۲) حدثنا العباس بن الفضل الأسفاطي، ثنا إسماعيل بن أبي أويس، حدثني أبي، أخبرني ابن شهاب، عن محمود بن الربيع الأنصاري، أخبرني عتبان بن مالك، أنه كان إمام قومه وقد شهد بدرا فقال للنبي صلى الله عليه وسلم: **أنه لما ساء بصري** شقت علي إجازة الوادي إذا سال بيني وبين مسجد قومي، .... (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٦١)

(۳)فتح الباري: ١/٦٧٣۔ عمدة القاري: ٤/ ٧٤٢

وأنـا أصـلـي لـقومي، فإذا كانت الأمطار، سال الوادي الذى بيني وبينهم، لم أستـطـع أن آتـي مسـجدهم فأصلي بهـم، ووَدِدْتُّ يا رسول الله! أنك تأتيني فتصليَ في بيتي، فأتخذه مصلى،

اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، جب بارش ہوتی ہے تو اُس وادی جو میرے گھر اور لوگوں کے درمیان پڑتی ہے، میں پانی بھر جاتا ہے، جس کی وجہ سے میں ان کی مسجد تک نہیں پہنچ پاتا کہ ان کو نماز پڑھاؤں، یارسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز ادا فرمالیں، تو میں اس جگہ کو اپنے لیے نماز کی جگہ بنالوں گا۔

قولہ:"سـال الوادي"، اس کا مطلب ہے کہ وادی میں پانی بہہ رہا ہوتا ہے، اس جملے میں محل کا اطلاق حال پر کیا گیا ہے(۱)۔

صحیح مسلم(۲) اور طبرانی(۳) کی روایت میں اس جملے کے بجائے "إذا كـانـت الأمـطـار سالت

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(۲) حـدثـنـي حـرمـلة بـن يـحيي التجيبي، أخبرنا ابن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شهاب، أن محمود بن الربيع الأنصاري، حدثه أن عتبان بن مالك - وهو من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدرا من الأنصار - أنـه أتـى رسـول الـله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إني قد أنكرت بصري، وأنا أصلي لقومي، **وإذا كـانـت الأمطار سال الوادي الذي بيني وبينهم ولم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي لهم،** وددت أنك يا رسول الله تأتي فتصلي في مصلى، فأتخذه مصلى، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شـاء الـلـه،....... (صـحـيـح مسـلـم، كـتـاب الـصـلاة، باب: الرخصة في التخلف عن الجماعة بعذر، رقم الحديث: ٢٥٦)

(۳) حدثنا مطلب بن شعيب الأزدي، ثنا عبد الله بن صالح، حدثني الليث، عن عقيل - ح - وحدثنا عمرو بن أبي الطاهر بن السرح المصري، ثنا محمد بن عزيز الأيلي، ثنا سلامة بن روح، عن عقيل، أخبرني محمد بن مسـلـم، أن مـحـمـود بن الربيع الأنصاري، أخبره أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عـلـيـه وسـلـم مـمـن شهـد بدرا من الأنصار أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إني قد أنـكـرت بـصـري وإني أصلي بقومي، **فـإذا كـانـت الأمـطـار سـال الـوادي بيني وبينهم، فلم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي لهم،** .... (المعجم الكبير، عتبان بن مالك، رقم الحديث: ١٤٧٥٩)

الوادي الذي بيني وبينهم، ولم استطيع أن آتي مسجدهم" کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ کہ جب بارشیں ہوتی ہیں تو وہ وادی جو میرے اور میری قوم کے درمیان ہے وہ پانی سے بھر جاتی ہے جس کی وجہ سے میں مسجد تک آنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قولہ: "بيني وبينهم"، اسماعیلی کی روایت میں ہے: "بين مسكني وبين مسجد قومي" (۱)۔

قولہ: "ووَدِدتُّ"، دال کی کسرہ اور فتحہ دونوں طرح مستعمل ہے، اسی طرح اس کا مصدر "وُدّ" اور "وَدّ" بھی دونوں طرح یعنی: واؤ کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مستعمل ہے (۲)۔

قولہ: "فتصلي" اور "فاتخذه"، دونوں کو مجزوم اور منصوب پڑھنا جائز ہے (۳)۔

قال: فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شاء الله. قال عتبان: فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر حين ارتفع النهار، فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فأذنت له،

راوی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ عنقریب میں ایسا کروں گا، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دوسرے دن جب دن روشن ہوگیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت چاہی تو میں نے اجازت دے دی۔

''إن شاء اللہ'' کہنے کا مقصد

قولہ: "سأفعل إن شاء الله"، اس جملے میں لفظ ''ان شاء اللہ'' سے مقصود ''تبریک'' نہیں ہے، بلکہ ''تعلیق'' ہے، کہ اگر اللہ کی مشیئت میرے ساتھ ہوگئی تو میں آجاؤں گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ ''ان شاء اللہ'' برکت حاصل کرنے کے لیے ہی ہے نہ کہ تعلیق کے لیے، یہ معنی اس صورت پر محمول ہوں گے کہ اللہ تعالی کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کردیا گیا ہو کہ عنقریب

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷۳۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(۲) فتح الباري: ۱/۶۷٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(۳) فتح الباري: ۱/۶۷٤۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

آپ نے یہ کام کرنا ہے(۱)۔

قولہ: "قال عتبان: فغدا"، اس سے پہلے تک کی عبارت "محمود" راوی کی تھی اور اس کے بعد کی مکمل روایت حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہی زبانی ہے، اس اعتبار سے اب سے پہلے تک کی روایت ان کی مراسیل میں شمار ہوگی، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ بھی حضرت عتبانؓ سے ہی سنی ہوگی مگر بیان حوالے کے بغیر ہی کردی(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنے صحابہ تشریف لائے؟

قولہ: "فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر"، اس روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تشریف لائے، یہاں تک کہ اوزاعی کی روایت کے مطابق حضرت عتبانؓ نے اس بات کو بتاتے ہوئے ان دونوں حضرات کے لیے تثنیہ کا صیغہ اور تثنیہ کی ہی ضمیر استعمال کی، یعنی: "فاستأذنا فأذنت لهما"(۳)۔

لیکن دیگر روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھی تشریف لانے کا ذکر ملتا ہے(۴)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/٦٧٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(۲)فتح الباري: ۱/٦٧٤۔

(۳)فتح الباري: ۱/٦٧٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(٤)حدثنا مطلب بن شعيب الأزدي، ثنا عبد الله بن صالح، حدثني الليث، عن عقيل ـ ح ـ وحدثنا عمرو بن أبي الطاهر بن السرح المصري، ثنا محمد بن عزيز الأيلي، ثنا سلامة بن روح، عن عقيل، أخبرني محمد بن مسلم، أن محمود بن الربيع الأنصاري، أخبره أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدرا من الأنصار أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إني قد أنكرت بصري وإني أصلي بقومي، فإذا كانت الأمطار سال الوادي بيني وبينهم، فلم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي لهم، فوددت يا رسول الله! أن تصلي في مصلى أتخذه مصلى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شاء الله فقال عتبان: **فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر حيث ارتفع النهار**،............ (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٦٢)

طبرانی کی روایت میں "في نفر من أصحابه" کے الفاظ ہیں(۱)۔

ایک اورروایت میں "فأتاني ومن شاء الله من أصحابه" کے الفاظ ہیں(۲)۔

ان مختلف روایات میں شارحین نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ ابتداء میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ بھی ساتھ مل گئے(۳)۔

فلم يجلس حتى دخل البيت، ثم قال: أين تحب أن أصلي من بيتك؟ قال: فأشرت إلى ناحية من البيت، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فكبر، فقمنا فصففنا، فصلى ركعتين ثم سلم،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوئے تو تشریف فرمانہیں ہوئے، اور دریافت

---

(۱) حدثنا محمد بن العباس المؤدب، ثنا محمد بن بكير الحضرمي، ثنا عامر بن يساف، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن النضر بن أنس، عن أنس قال: لما أصيب عتبان بن مالك في بصره، بعث إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، أحب أن تأتيني فتصلي في بيتي، وتدعو لنا بالبركة، **فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم في نفر من أصحابه،** فدخلوا عليه، فتحدثوا بينهم فذكروا مالك بن الدخشم، فقال بعضهم: يا رسول الله! ذاك كهف المنافقين ومأواهم، فأكثروا فيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوليس يصلي؟ قالوا: نعم يا رسول الله! صلاة لا خير فيها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيت عن قتل المصلين، مرتين. (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٥٣)

(۲)حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا سليمان يعني ابن المغيرة، قال: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك، قال: حدثني محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك، قال: قدمت المدينة، فلقيت عتبان، فقلت: حديث بلغني عنك، قال: أصابني في بصري بعض الشيئ، فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلي في منزلي، فأتخذه مصلى، قال: **فأتى النبي صلى الله عليه وسلم، ومن شاء الله من أصحابه،** فدخل وهو يصلي في منزلي وأصحابه يتحدثون بينهم، ثم أسندوا عظم ذلك وكبره إلى مالك بن دخشم، قالوا: ودوا أنه دعا عليه فهلك، ودوا أنه أصابه شر، فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، .... (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: من لقي الله بالإيمان، رقم الحديث: ٣٣)

(۳)فتح الباري: ١/ ٦٧٤۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر دیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر، یعنی:) اللہ اکبر کہا، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اپنے پیچھے ایک) صف میں کھڑا کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

دو مختلف مقامات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف عمل

قولہ: "فلم يجلس"، حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لانے والے واقعہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں بیٹھے نہیں بلکہ گھر میں پہنچتے ہی دریافت فرمایا کہ بتاؤ گھر کے کس حصے میں مجھ سے نماز پڑھوانا چاہتے ہو۔

جب کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ام سلیم کے گھر میں بھی ایک بار اسی طرح نماز ادا فرمائی تھی تو وہاں پہنچتے ہی نماز نہیں ادا کرنے لگ گئے تھے بلکہ وہاں پہلے کھانا کھایا تھا پھر نماز ادا فرمائی تھی۔

تو دونوں واقعات میں عمل کے فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لانے کا مقصد وہاں نماز ادا کرنا ہی تھا، لہٰذا وہاں پہنچتے ہی مقصد اصلی کو مکمل کیا اس کے بعد ضمناً کھانا بھی تناول فرمالیا۔

اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی طرف سے تو دعوت ہی کھانے کی ملی تھی، لہٰذا ان کے گھر پہنچ کر پہلے کھانا کھایا پھر ضمناً ان کی درخواست پر برکت کے لیے نماز بھی ادا کر لی گئی (۱)۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو تو گھر نماز کی ادائیگی کی اجازت نہیں ملی تھی، پھر ان کو کیسے مل گئی؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز ادا کی کی اجازت طلب کی تھی اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت طلب کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت نہیں فرمائی اور انہیں اجازت عطا فرما دی، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

---

(۱) فتح الباري: ۱/ ٦٧٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

تواس کا جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ پیدائشی نابینا تھے، ایسے بندے کی حسیات بہت تیز ہوتی ہیں، ان کے لیے آنا جانا مشکل نہیں تھا، آسان تھا، اس لیے انہیں اجازت نہیں دی، بخلاف ان کے کہ یہ پیدائشی نابینا نہیں تھے، پہلے بینائی کمزور ہوئی، پھر یہ ضعف بصر بڑھتا گیا، توان کے لیے زیادہ مشقت تھی، اس لیے انہیں اجازت مل گئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ نے مسجد نبوی سے تخلف کی اجازت طلب کی تھی اور انہوں نے مسجد محلّہ سے تخلف کی اجازت لی تھی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنسبت حضرت عتبان بن مالکؓ کے زیادہ تھا، اس لیے اُنہیں اجازت نہیں ملی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ سورہ عبس کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتومؓ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اس کی بنا پر انہیں اپنے سے دور کرنے کو مناسب خیال نہیں کیا ہوگا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کو عزیمت پر عمل کرنے کی دعوت دی اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کو رخصت پر عمل کی اجازت دی۔

قولہ: "حتی دخل"، یہ کشمیهني کی روایت ہے، دیگر روایات میں حین دخل کے الفاظ بھی ملتے ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہونے تک کسی اور جگہ نہیں بیٹھے، بلکہ سیدھے ان کے گھر تشریف لے گئے (۱)۔

قال: وحسبناه على خزيرة صنعناها له،

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیم (کھانے) کی لیے روک لیا، جو ہم نے (خاص طور سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا تھا۔

قولہ: "حبسناه"، اس کے معنی ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لوٹنے سے روک لیا (۲)۔

"خزیرة" کے معنی

قولہ: "خـزيـرة"، "خ" کی فتحہ اور "ز" کی کسرہ کے ساتھ عربوں کے ایک قسم کے کھانے کا نام ہے،

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷٤، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

(۲) فتح الباري: ۱/۶۷٤، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

جسے پکانے کا طریقہ یہ تھا: گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیے جاتے تھے اور پھر اسے پانی میں پکایا جاتا تھا، جب خوب پک جاتا تو اوپر سے آٹا چھڑک دیا جاتا تھا(۱)۔

قال: فثاب في البيت رجال من أهل الدار ذوو عدد، فاجتمعوا، فقال قائل منهم: أين مالك بن الدُّخَيْشِن أو ابنُ الدُّخشُنِ؟ فقال بعضهم: ذلك منافق لا يحب الله ورسوله،

حضرت عتبان نے کہا کہ پھر محلّہ کے کئی آدمی گھر آ کر جمع ہو گئے، پھر ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن یا مالک بن دخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا،

قولہ: "فثاب في البيت رجال" ، عام طور پر دستور یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی بزرگ کسی جگہ تشریف لائیں تو لوگ اس کی زیارت، مصافحے اور ملاقات کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ تو یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے گھر میں لوگ جمع ہو گئے۔ اور کیوں نہ ہوتے؟! وہاں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبوب ترین ہستی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

"فثاب" کے معنی: جمع ہونے اور آنے کے ہیں(۲)۔

قولہ: "من أهل الدار"، اس سے مراد "محلّہ" ہے، جیسا کہ ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی "دار" سے مراد محلّہ لیا گیا ہے(۳)۔

قولہ: "فقال قائل منهم"، یہ کہنے والا کون تھا، اس بارے میں تصریح نہیں ملتی۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۵، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

(۲)عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

(۳)عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

عن أبي أسيد الساعدي، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كير دور الأنصار بنو النجار، ثم بنو عبد الأشهل، ثم بنو الحارث بن الخزرج، ثم بنو ساعدة، وفي كل دور الأنصار خير. (المسند لأحمد بن الحنبل، حديث أبي أسيد الساعدي، رقم الحديث: ۱٦۰٤۹)

صحیح لفظ ''الدُّخَیشِن'' نہیں، بلکہ ''الدُّخَیشِم'' ہے

قولہ: "ابن الدُّخَیشِن أو ابنُ الدُّخشُنِ"، ان دونوں اسماء کے درمیان کلمہ "أو" کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث کو شبہ ہوگیا یہ اسم تصغیر کے ساتھ ''الدُّخَیشِن'' ہے یا تصغیر کے بغیر ''الدُّخشُنِ''۔

تو اس بارے میں جان لیجیے کہ ان اسماء میں یہ دونوں لغات ہی صحیح نہیں ہیں، کیونکہ صحیح لفظ "ابن الدُّخَیشِم أو ابنُ الدُّخشُمِ" ہے۔ یعنی: نام کے آخر میں "میم" ہے نہ کہ "نون"۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں "مالك بن دخشم" مذکور ہے۔ اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے بھی احمد بن صالح سے نقل کیا ہے کہ صحیح "میم" کے ساتھ ہے، یعنی: "دخشم" (۱)۔

قولہ: "فقال بعضهم"، اس قائل کے بارے میں یہ بات ملتی ہے کہ یہ راوی حدیث ''حضرت عتبان'' تھے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''التمہید'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ وہ شخص جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین میں سے کسی آدمی کے قتل کرنے کے بارے میں سرگوشی کی، وہ ''عتبان'' تھے۔ اور وہ شخص جس کی طرف نفاق کا اشارہ کیا گیا وہ ''مالک بن دُخشُن'' تھے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس بات کے ذکر کرنے کے بعد حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث مبارکہ ذکر کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اس دعوی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے والے شخص ''عتبان'' تھے، پر کوئی دلیل نہیں ہے (۳)۔

ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ ''المغازی لابن اسحاق'' میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک (بن دُخشُم) اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو مسجد ضرار جلانے کے لیے بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں حضرات کو منافقین کی بنائی گئی مسجد کو آگ لگانے کے لیے بھیجا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں حضرات نفاق کی تہمت سے بری ہیں۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷۵، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

(۲) وأما الرجل الذي سار رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو عتبان بن مالك) الرجل المتهم بالنفاق والذي جرى فيه هذا الكلام هومالك بن الدخشم. (التمهيد لابن عبد البر، تابع حرف الميم، تابع لمحمد بن شهاب الزهري، الحديث السابع والثلاثون: ۱۰/۱٤۹)

(۳) فتح الباري: ۱/۶۷۵، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

یا پھر جس نفاق کی ان کی طرف تہمت لگائی گئی تھی وہ ''نفاق'' کفر والا نفاق نہیں تھا، تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسے اوپرا سمجھنا اس لیے تھا کہ یہ منافقین کے ساتھ کچھ تعلقات رکھتے تھے، جس کی بنا پر انہیں بھی منافقین کی صف میں شامل سمجھا گیا۔ حالانکہ مدینہ میں بسنے والے منافقین قبیلہ اوس وخزرج میں سے ہی تھے، لہٰذا ان کے ساتھ سماجی تعلقات تو تھے ہی، نیز! اس کے علاوہ ایک اور بات کا احتمال ہے کہ اس وقت ہر منافق شخص کی حالت نفاق سب پر کھلی ہوئی نہیں تھی، لہٰذا عین ممکن ہے کہ حضرت مالک بن دخشم کے جن سے تعلقات تھے وہ ان کی نظر میں منافق نہیں تھے اور وہ دوسروں کی نظروں میں منافق تھے(۱)۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اور جواب لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ان تعلقات کے حوالے سے ان کا ''حاطب (بن ابی بلتعہ'') کی طرح کوئی عذر ہو(۲)۔

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۵

(۲)فتح الباري: ۱/۶۷۵

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں ''حاطب بن ابی بلتعہ'' کے جس عذر کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے مراد وہ قصہ ہے جس میں ''حاطب بن ابی بلتعہ'' نے غزوہ احد کے موقع پر مشرکینِ مکہ کی طرف جنگ کی خبر پہنچانے کی کوشش کی تھی، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی کہ اے اللہ کے رسول! ان کی گردن اُڑا دی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں وہ اصحاب بدر میں سے ہے، جن کے سب گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما چکے ہیں۔ اور انہوں نے اطلاع بھیجنے میں یہ عذر بیان کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ وجہ ہرگز نہیں تھی کہ اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان باقی نہیں رہا تھا، بلکہ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ قریش پر اس طرح ایک احسان ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ وہاں میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور انہیں بری قرار دیا۔

پورے قصہ کو افادہ عام کی خاطر ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا مرثد الغنوي والزبير بن العوام وكلنا فارس، قال: انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ، فإن بها امرأة من المشركين معها كتاب من حاطب بن أبي بلتعة إلى المشركين، فأدركناها تيسير على بعير لها حيث قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا: الكتاب؟ فقالت: ما معنا كتاب، فأنضناها، فالتمسنا، فلم نر كتاباً، فقلنا: ما كذب رسول الله صلى الله عليه وسلم، لتخرجن الكتاب أو لنجردنك، فلما رأت الجد أهوت إلى حجزتها وهي محتجزة بكساء، فأخرجته فانطلقنا بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال عمر: يا رسول الله! قد كان الله ورسوله والمؤمنين،=

الغرض یہ بات یقینی ہے کہ حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ منافق نہیں تھے، ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی براءت نہ کرتے۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقل ذلك، ألا تراه قد قال: لا إله إلا الله، يريد بذلك وجه الله. قال: الله ورسوله أعلم، قال: فإنا نرى وجهه ونصيحته إلى المنافقين، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإن الله قد حرم على النار من قال لا إله إلا الله، يبتغي بذلك وجه الله.

تو رسول اللہ نے فرمایا: ایسا مت کہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لیے ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم تو اس کی توجہ اور ہمدردی منافقوں کے ساتھ دیکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جہنم کو حرام کر دیا ہے جو اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے ''لا الہ الا اللہ'' کہے۔

قولہ: "فإنا نرى وجهه"، اس جملے میں "وجهه" سے مراد ''توجہ'' ہے، یعنی ہم اس کی توجہ کو منافقین کی طرف دیکھتے ہیں(۱)۔

قولہ: ''ونصيحته إلى المنافقين''، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر یہاں کوئی اشکال کرے کہ اس جملہ میں "نصيحته" کا صلہ "إلى" درست نہیں، کیونکہ اس کا صلہ "لام" استعمال ہوتا ہے "إلى" نہیں۔ تو

= فدعني فلأضرب عنقه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم ما حملك على ما صنعت؟ قال حاطب: والله ما بي أن لا أكون مؤمنا بالله ورسوله صلى الله عليه وسلم، أردت أن يكون لي عند القوم يد يدفع الله بها عن أهلي ومالي وليس أحد من أصحابك إلا له هناك من عشيرته من يدفع الله به عن أهله وماله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: صدق، ولا تقولوا له إلا خيرا، فقال عمر: إنه قد خان الله ورسوله والمؤمنين، فدعني فلأضرب عنقه، فقال: أليس من أهل بدر، فقال: لعل الله اطلع إلى أهل بدر، فقال: اعملوا ما شئتم، فقد وجبت لكم الجنة أو فقد غفرت لكم، فدمعت عينا عمر، وقال: الله ورسوله أعلم.(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب: فضل من شهد بدرا، رقم الحديث: ٣٩٨٣)

(١)فتح الباري: ١/٦٧٦، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٠

اس کا جواب یہ ہے کہ "نصح" اس مقام پر "إلی" کے معنی کو متضمن ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس جملہ "إلی المنافقین" کو "وجهه" کے ساتھ متعلق کیا جائے تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ "وجهه" کا صلہ "إلی" استعمال ہوتا ہے، اور اس صورت میں "نصیحته" کا صلہ محذوف سمجھ لیا جائے تو بات درست ہو جائے گی(۲)۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب کا بھی رد کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اتنی بات کافی ہے کہ اس جملہ میں "إلی المنافقین" کو "وجهه" کے ساتھ متعلق کر دیا جائے اور اس پر "نصیحته" کا عطف ڈال دیا جائے، اس کے بعد مزید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "نصیحته" کا صلہ محذوف سمجھ لیا جائے تو بات درست ہو جائے گی۔ کیونکہ معطوف تو معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے معطوف کے لیے الگ سے صلہ محذوف نکالنے کی حاجت نہیں ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اگر ان حضرات نے ان کے نہ آنے پر غصہ کی وجہ سے یہ بات کہی تو اس میں کوئی بات نہیں، غصہ میں ایسا ہو ہی جاتا ہے، اور اگر غصہ نہ تھا، بلکہ واقع میں ایسا سمجھ کر کہا تو انہیں معلوم نہ ہوگا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا ہوگا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تقل ذلك، ألا تراه قد قال: لا إله إلا الله، یرید بذلك وجه الله" فرمایا(۴)۔

قال ابن شهاب: ثم سألتُ الحصين بن محمد الأنصاري، وهو أحد بني سالم، وهو من سراتهم، عن حديث محمود بن الربيع، فصدقه بذلك.

ابن شہاب نے کہا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو کہ قبیلہ بنو سالم کے ایک فرد اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، محمود بن ربیع کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

---

(۱) شرح الکرمانی: ٤/٨٥

(۲) فتح الباری: ١/٦٧٦

(۳) عمدة القاری: ٤/ ٢٥٠

(٤) تقریر بخاری شریف: ٣/١٥٨

قولہ:"قال ابن شهاب"، یہاں سے کسی نئی تعلیق کا بیان نہیں ہے، بلکہ یہ قول سابقہ سند کے ساتھ ہی انہوں نے ارشاد فرمایا(۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ تعلیق ہے، کیونکہ "قال ابن شهاب" کی ابتداء کسی حرف عطف کے بغیر ہے(۲)۔

قولہ:"قال ابن شهاب: ثم سألتُ"، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''سوال کی وجہ یہ ہے کہ روایت سے بظاہر اہمالِ عمل سمجھ میں آتا ہے اور دوسری روایات عمل چاہتی ہیں تو انہوں نے سوال کیا کہ آیا یہ صحیح محفوظ ہے یا نسیان کا طریان ہوگیا''(۳)۔

قولہ: "من سراتهم"، یہ جمع ہے اس کی واحد "سري" ہے، اس کے معنی: "من خيارهم"، قوم کے سرداروں میں سے ایک(۴)۔

روایتِ باب میں محمود بن الربیع کی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع کی صراحت نہیں ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری سند لاکر محمود بن الربیع کی حدیث کی تصدیق کروائی، صحیحین کے علاوہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں محمود بن الربیع کی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح ہے(۵)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ومطابقت پوری طرح واضح ہے کہ ترجمۃ الباب اور روایت دونوں میں اپنے گھر میں قائم کی جانے والی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا ذکر ہے(۶)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷٦

(۲)عمدة القاري: ٤/ ۲٥۰

(۳)تقریر بخاری شریف: ۲/۱۵۸

(٤)فتح الباري: ۱/٦٧٦۔عمدة القاري: ٤/ ۲٥۰

(٥)عمدة القاري: ٤/ ۲٥۱

(٦)عمدة القاري: ٤/۲٤٦

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سارے فوائد واحکامات معلوم ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں۔

۱۔عذر کی وجہ سے جماعت سے پیچھے رہ جانا اور گھر میں اپنی نماز پڑھ لینا جائز ہے(۱)۔

۲۔نیک لوگوں سے کسی جگہ نماز پڑھوانے کے ساتھ برکت حاصل کرنا جائز ہے(۲)۔

۳۔حصول برکت کی غرض سے کسی کو اپنے ہاں بلایا جائے تو اس بھی چاہیے کہ اس دعوت کو قبول کرے(۳)۔

۴۔مذکورہ حدیث سے عہد کی پاسداری کا بھی علم ہوتا ہے(۴)۔

۵۔جب گھر میں کسی صالح بندے یا عالم وغیرہ کو بلایا جائے تو اس کا کھانے پینے والی کسی چیز سے اکرام بھی کرنا چاہیے(۵)۔

۶۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کے سامنے کسی فاسق وغیرہ کے بارے میں خبر دینا جائز ہے(۶)۔

۷۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جب جماعت کا وقت ہو اور نمازیوں میں سے کوئی غائب ہو تو امام کو چاہیے کہ اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرے(۷)۔

۸۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے کے لیے اپنے بڑے کو کسی مصلحت کی غرض سے اپنے پاس بلانے میں کوئی بے ادبی یا حرج نہیں ہے(۸)۔

۹۔اہل خانہ کی رضامندی اور اجازت سے مہمان کا میزبان کے گھر میں جماعت کروانا جائز ہے(۹)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٢)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٢/٥، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٣)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٢/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٤)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٥)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٦)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥٥/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٧)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥٥/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٨)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٦/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٩)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥٣/٥، عمدة القاري: ٢٥١/٤

۱۰۔کسی کے گھر میں داخل ہونے کے اجازت لینی چاہیے،اگرچہ آنے والا بلاوے پر ہی کیوں نہ آیا ہو(۱)۔

۱۱۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کہیں کوئی بزرگ شخصیت آئی ہو تو اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہیے(۲)۔

۱۲۔گھر کے اندر ہی کسی جگہ کو نماز کے لیے مستقل کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔بخلاف مسجد کے کہ وہاں کسی نمازی کا ایک ہی جگہ کو مستقل کر لینا مکروہ ہے(۳)۔

۱۳۔جس شخص کا انتقال توحید پر ہوگا وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا(۴)۔

۱۴۔نابینا شخص کی امامت کا جواز بھی معلوم ہوا(۵)۔

۱۴۔مسجد کی نسبت قوم کی طرف کرنے کا جواز بھی معلوم ہوا(۶)۔

۱۵۔کسی شخص کا اپنے اوپر واقع ہونے والی مصیبت کی خبر دینا شکوہ میں داخل نہیں ہے(۷)۔

۱۶۔گھر میں مسجد بنانا مباح ہے،لیکن یہ بنائی جانے والی مسجد مسجدِ شرعی نہیں ہوگی،لہٰذا اسے فروخت کرنا جائز ہوگا(۸)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٦/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(۲)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(۳)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥١/٥، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٤)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٥)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٦)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٧) عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٨)التوضيح لابن الملقن: ٤٤٢/٥

١٥ – باب : اَلتَّيَمُّنِ فِي دُخُولِ اَلْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ .

یہ باب مسجد میں دائیں پاؤں کے ساتھ داخل ہونے

اور (دخول مسجد کے علاوہ) دیگر کاموں میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

ترجمۃ الباب کی تشریح کرتے ہوئے علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لفظ "غیــــــرِہ" کا عطف "دخول" پر ہوگا، نہ کہ "مسجد" پر، اوراسی طرح "التیمن" پر بھی عطف نہیں ہوگا (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی علامہ کرمانی رحمہ اللہ والے قول کو ہی اختیار کیا ہے (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ ان دونوں حضرات کی تحقیق ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے، کہ لفظ "غیرہ" کا عطف مسجد پر نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا عطف مسجد پر کرنا درست ہے۔ تواب مطلب یہ ہوگا کہ مسجد ہو یا غیر مسجد، یعنی: گھر وغیرہ، ہر دو جگہ دخول دائیں پاؤں کے ساتھ ہونا چاہیے (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بھی یہی بات ارشاد فرماتے ہیں: قولہ: "وغیــرہ"، اس کا عطف دخول پر ہے، اور مسجد پر بھی اس کا عطف ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دخول پر عطف کرنا زیادہ مفید ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرا احتمال (مسجد پر عطف کرنا) راجح ہے اور غرض یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ امور کے عموم میں مسجد میں جانا بھی شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ دوسری متبرک جگہوں میں بھی تیمن کا خیال رکھنا چاہیے (۴)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں:

"میں نے ابتدا میں بیان کیا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے پچپن ابواب مساجد ذکر فرمائے ہیں اور اُن

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٨٦

(۲) فتح الباري: ١/٦٧٨

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

(٤) الأبواب والتراجم: ٢/٢١٢

ابواب میں وہ تین چیزیں ذکر کریں گے۔ایک وہ افعال جو مسجد میں کرنے جائز ہیں۔دوسرے آداب مساجد۔ اور تیسرے وہ امور جن کا مساجد میں کرنا احترام کے خلاف ہے۔

تو حضرت امام بخاری نے یہاں یہ ادب ذکر فرمایا کہ مسجد میں داخل ہونے کا ادب یہ ہے کہ دایاں پاؤں پہلے داخل کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد متبرک ہے اور دایاں پاؤں مکرم ہے؛ لہٰذا متبرک کے لیے مکرم کو استعمال کرے اور مسجد سے نکلنا اس کے خالف ہے؛ لہٰذا بایاں پاؤں پہلے نکالے''(۱)۔

تعلیق

وَكَانَ ٱبْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ ٱلْيُمْنَى ، فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ ٱلْيُسْرَى .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہونے کے وقت پہلے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھتے تھے اور جب نکلتے تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالتے تھے۔

تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے مرفوعا کوئی روایت پیش نہیں کی، البتہ عمل صحابی اس عمل کے لیے پیش کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو سنت پر کس شدت سے عمل پیرا ہوتے تھے، وہ اظہر من الشّمس ہے، البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کی تائید ''المستدرك للحاكم'' کی ایک روایت سے ہوتی ہے(۲)، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل سنت ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو دائیں پاؤں کے ساتھ داخل ہونے کی ابتدا کرو اور جب نکلو تو بائیں قدم سے نکلنے کی ابتدا کرو۔

اب اسی روایت کو کیوں امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش نہیں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان کی

(۱) تقریر بخاری شریف: ۱۵۸/۲، سراج القاری: ۷/۳

(۲) حدثنا أبو حفص عمر بن جعفر المقيد المصري ثنا أبو خليفة القاضي ثنا أبو الوليد الطيالسي ثنا شداد أبوطلحة قال سمعت معاوية بن قرة يحدث عن انس بن مالك أنه كان يقول: "من السنة إذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلك اليمنى، وإذا خرجت أن تبدأ برجلك اليسرىٰ". هذا حديث صحيح على شرط مسلم. (المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة: رقم الحديث: ۷۹۱، ۲۱۸/۱)

شرائط کے مطابق نہیں تھی، اس لیے انہوں نے اس کے بجائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے(۱)۔

شراح نے اپنی کتب میں یہ بات لکھی ہے: ''صحابیٔ رسول کا "من السنة كذا" کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثبوت پر محمول ہوتا ہے(۲)۔

تعلیق کا مقصد

اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس ان کی شرائط کے مطابق کوئی مرفوع حدیث نہیں تھی، اس لیے انہوں نے یہ اثر صحابی ذکر کرکے اپنے قائم کردہ ترجمہ کا اثبات کیا ہے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

تعلیق اور ترجمۃ الباب کی مطابقت دونوں کے مضمون سے بالکل ظاہر ہے کہ دونوں میں مسجد میں دخول دائیں پاؤں کے ساتھ ہونا مذکور ہے(۳)۔

حدیث باب

٤١٦ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنِ ٱلْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :(٤) كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ ٱلتَّيَمُّنَ مَا ٱسْتَطَاعَ ، فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ ، فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ . [ر : ١٦٦]

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنا ممکن
ہوسکتا تھا اتنا اپنے ہر کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند کرتے تھے،
مثلاً: طہارت حاصل کرنے میں، اور کنگھی کرنے میں، اور جوتے پہننے میں۔

---

(١) فتح الباري: ١/٦٧٨

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٧٨، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

(٣)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

(٤)مر تخريجه تحت الحديث، الرقم: ١٨٦، كشف الباري، كتاب الوضو، باب: التيمن في الوضو والغسل

تراجم الرجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چھ رجال ہیں:

۱۔سلیمان بن حرب

یہ ''سلیمان بن حرب بن بجیل بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان، میں گذر چکا ہے(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ ''شعبہ بن الحجاج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من سلم المسلمون من لسانه ويده، میں گذر چکا ہے(۲)۔

۳۔الأشعث بن سلیم

یہ ''الاشعث بن سلیم'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الوضوء، باب:التيمن في الوضو والغسل، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکا ہے(۳)۔

۴۔أبیہ

یہ ''سلیم بن الاسود المحاربی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الوضوء، باب:التيمن في الوضو والغسل، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکا ہے(۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱۰۵/۲

(۲) كشف الباري: ٦٧٨/١

(۳) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضو والغسل

(٤) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضو والغسل

۵۔مسروق

یہ ”مسروق بن الاجدع بن مالک ہمدانی کوفی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة النفاق ،الحديث الثاني ،میں گذر چکا ہے(۱)۔

۶۔عائشہ

یہ ”ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق“ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، میں گذر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

عن عائشة قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره وترجله وتنعله.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنا ممکن ہوسکتا تھا اتنا اپنے ہر کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند کرتے تھے، (مثلا:) طہارت حاصل کرنے میں، اور کنگھی کرنے میں، اور جوتے پہننے میں۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تفصیلی شرح کتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضوء والغسل کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکی ہے، وہاں مراجعت کرلی جائے، ذیل میں کچھ ضروری تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

قولہ: ”يحب التيمن“، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی، اس لیے اُن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب عادت کا معلوم ہونا قرین قیاس ہے، اب یہ علم کیسے ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ علم خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہوجانا بھی ممکن ہے اور ان کا قرائن سے اندازہ کرلینے کے ذریعے بھی ممکن ہے، واللہ اعلم بالصواب (۳)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲۸۱

(۲) كشف الباري: ۱/۲۹۱

(۳) فتح الباري: ۱/۶۷۸

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس بات کو سوال وجواب کے انداز میں ذکر کیا ہے کہ محبت تو ایک امر باطنی ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس امر باطنی پر کیسے مطلع ہوگئیں؟ تو اس کا وہی جواب ذکر کیا جو اوپر مذکور ہوا۔ (عمدة القاري: ٤/ ٢٥٣)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کے عموم سے تیمن فی دخول المسجد پر استدلال فرمایا ہے کہ جب ہر چیز کے اندر تیمن کو پسند فرماتے تھے تو مسجد کے اندر داخل ہونا جو ایک متبرک عمل ہے، اس میں بدرجۂ اولی اس کو پسند فرماتے ہوں گے''(۱)۔

قولہ: ''ما استطاع''، کلمہ ''ما'' کے بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''موصولہ'' بھی ہو سکتا ہے اور ''تیمن'' سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور ''ما دام'' کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے(۲)۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس لفظ سے یہ احتمال نکلتا ہے کہ مقصود ان اشیاء سے احتراز کرنا ہے جن کو کرنا شرعی طور پر دائیں ہاتھ سے درست نہیں ہے، مثلا: مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء میں داخل ہونا وغیرہ۔ اسی طرح ناپسندیدہ کاموں کو بھی دائیں ہاتھ سے نہیں کیا جائے گا، جیسے: استنجا کرنا، ناک سے بلغم صاف کرنا وغیرہ(۳)۔

قولہ: ''في شأنه''، اس جار مجرور کا تعلق ''التیمن'' کے ساتھ ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ ''المحبة'' کے ساتھ متعلق ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ان دونوں کے ساتھ متعلق ہو، تنازع کے طور پر(۴)۔

قولہ: ''طُهوره''، یہ لفظ ''ط'' کی ضمہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی طہارت حاصل کرنا ہے، یعنی: وضو کرنا۔ اور ''ترجُّله'' کے معنی: بالوں میں کنگھی کرنا ہے۔ اور ''تنعُّله'' کے معنی: پاؤں میں جوتا پہننے کے ہیں۔ ''طُهوره'' ترکیبی اعتبار سے ''شأنه'' سے بدل ہے، بدل البعض من الکل کی قبیل سے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس ترکیبی احتمال پر ایک سوال اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے، کہ اگر اسے بدل البعض من الکل کی قبیل سے قرار دیا جائے تو اس سے بعض امور میں دائیں جانب کا اہتمام کرنا مستحب قرار پائے گا، جب کہ ''في شأنه'' کی تاکید ''کله'' کا تقاضا یہ ہے کہ استحباب تمام امور میں ہو نہ کہ بعض امور میں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ اور ان تین امور میں دائیں جانب سے ابتدا کیے جانے کا ان کے شرف اور ان کی اہمیت کی وجہ سے ہے، نیز! اس بدل کو بدل الکل من الکل قرار دیا جائے تو بھی درست ہے، بایں طور کہ ''طهور'' تمام عبادات کی کنجی ہے، ''ترجل'' یعنی: کنگھی کرنے کا تعلق سر سے

(۱) الکنز المتواري: ٤/ ١٢٥، الأبواب والتراجم: ٢/٢١٢، تقریر بخاری شریف: ٢/ ١٥٨

(۲) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٣

(۳) فتح الباري: ١/٦٧٨

(٤) عمدة القاري: ٤/٢٥٣

ہے۔اور "تنعل" کا تعلق پاؤں کے ساتھ ہے،اور انسان کے تمام احوال یا تو اس کے اوپر والے حصے سے متعلق ہوتے ہیں یا نیچے والے حصے سے، یا اطراف سے، پس ان میں سے ہر حالت سے متعلق اسی کے مثل لفظ ذکر کر دیا، تا کہ تمام احوال کا احاطہ ہو جائے (۱)۔

حدیث مبارکہ کا ترجمۃ الباب سے ربط

اس حدیث مبارکہ کا ترجمۃ الباب سے ربط اس حدیث کے عموم سے ہے، کہ في شأنه كله میں منجملہ دیگر کاموں کے دخولِ مسجد بھی ہے (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

١٦ – باب : هَلْ تُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي ٱلْجَاهِلِيَّةِ ، وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ .

لِقَوْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (لَعَنَ ٱللهُ ٱلْيَهُودَ ، ٱتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ) . [ر : ١٣٢٤]

وَمَا يُكْرَهُ مِنَ ٱلصَّلَاةِ فِي ٱلْقُبُورِ .

وَرَأَى عُمَرُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ ، فَقَالَ : ٱلْقَبْرَ ٱلْقَبْرَ ، وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبروں کو کھودنا اور ان کی جگہ مساجد تعمیر کرنا جائز ہے؟!
کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی کی لعنت ہو یہود پر، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مساجد بنالیں۔

اور (یہ باب اس بارے میں ہے کہ) قبرستان میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو (لاعلمی کی وجہ سے) قبر کے پاس نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، تو "قبر، قبر" کہہ کر تنبیہ کی، البتہ نماز کا اعادہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور ان کی جگہ مسجد بنائی جائے گی؟ "هل تنبش"

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٣

(۲) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

فرمایا ہے اور "هل" استفہام کے لیے آتا ہے، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟ جواب ہوگا، جی، ایسا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عام طور پر شراح کی رائے یہ ہے کہ یہاں "هـل" قد کے معنی میں ہے، سوال بنانا اور پھر اس کا جواب نکالنا اس کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: هـل اتى على الانسان حين من الدهر میں جس طرح هل معنی میں قد کے ہے، اسی طرح یہاں بھی هل معنی میں قد کے ہے (۱)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام زجاج، امام فرّاء اور امام مبرد رحمہم اللہ نے ﴿هـل اتـى عـلـى الانسان حين من الدهر﴾ میں "هل" کو "قد" کے معنی میں بتایا ہے (۲)۔

یہاں بھی اس کو قد کے معنی میں لیا جاسکتا ہے، اب اس کا مطلب یہ ہوگا مشرکین جاہلیت کی قبروں کو تحقیقاً اکھاڑا جائے گا اور وہاں مسجد بنائی جائے گی۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شراح کی رائے یہ ہے کہ "هل" قد کے معنی میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت میں مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبور مشرکین کا نبش کیا گیا تھا، پھر "هـل" کو اپنے اصل معنی میں لینا ہی غلط ہے، اس لیے یہ "قد" کے معنی میں ہے اور میرے نزدیک اپنے اصل معنی میں ہے، جیسا کہ آئندہ بیان کروں گا (۳)۔

لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"(٤).

---

(١)إرشاد الساري: ٢/٨٦

(٢)تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، سورة الإنسان، رقم الآية: ١،١/٤٩٥

معاني القرآن وإعرابه للزجاج، سورة الإنسان، رقم الآية: ١، ٥/٢٥٧

معاني القرآن للفراء، سورة الإنسان، رقم الآية: ١، ٣/٢١٣، دارالمصريه

و"هـل" تـخـرج مـن حـد المسألة فتصير بمنزلة "قد" نحو: قوله عز وجل: ﴿هل اتى على الانسان حيـن مـن الـدهر لم يكن شيئا مذكورا﴾. المقتضب للمبرد، هذا باب أم، وأو،٣/٢٨٩، وزارة الأوقاف لجنة إحياء التراث الإسلامي.

(٣)تقرير بخارى شريف: ٢/ ١٥٨

(۴) یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقامات میں موصولاً نقل کی ہے، ملاحظہ کیجیے:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا أبو عوانة، عن هلال هو الوزان، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها =

ترجمۃ الباب میں ایک بات ذکر کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"، فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی اور ان سے بھی پہلے علامہ کرمانی رحمہم اللہ نے تقریر استدلال کی یہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تخصیص کی ہے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبور پر مسجد بنانے والوں پر، اس سے معلوم ہوا کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی قبور نہ ہوں بلکہ دوسروں کی قبریں مثلا: کفار کی قبریں ہیں تو نبش کے بعد وہاں مسجد بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں پر اگر مسجد بنائی جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو قبر کو باقی رکھتے ہوئے مسجد بنائی جائیگی تو افضاء إلى الشرك لازم آئے گا اور اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں کا نبش کیا جائے گا، اس کو اکھاڑا جائے گا تو اہانت لازم آئے گی، برخلاف کفار اور مشرکین کی قبور کے، کہ ان کی نبش میں اہانت کا کوئی سوال نہیں، وہ احترام کی مستحق ہی نہیں ہیں، لہٰذا کفار اور مشرکین کی قبروں کی جگہ پر نبش کے بعد مسجد بنانے میں مضائقہ نہیں ہے، اور صالحین چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہیں، لہٰذا انبیاء کی قبور پر بھی اور صالحین کی قبور پر بھی مسجد بنانے والے مستحق لعنت ہوں گے(۱)۔

سببِ لعنت میں علامہ نووی رحمہ اللہ کی تشریح

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کرام کے بیان کے مطابق اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کہیں اس تعظیمِ قبر میں مبالغہ ہی نہ کیا جانے لگے اور لوگ اپنے عقیدے میں خلل پیدا کر کے فتنہ میں نہ پڑھ جائیں کہ پھر

= قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، لولا ذلك أبرز قبره غير أنه خشي - أو خشي - أن يتخذ مسجدا. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب: ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ١٣٩٠)، وأيضا بهذا السند حدثنا الصلت بن محمد، حدثنا أبو عوانة، عن هلال الوزان، عن عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها، قالت : .... (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب: مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث: ٤٤٤١)

(١)شرح الكرماني: ٤/، ٨٨، فتح الباري: ١/٦٧٩، ارشاد الساري: ٢/٨٧

یہی چیز کفر وشرک تک لے جاتی ہے۔جیسا کہ سابقہ امتوں میں ہوتا رہا(۱)۔

سببِ لعنت میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تشریح

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سببِ لعنت یا تو یہ تھا کہ یہود قبورِ انبیاء پر تعظیمی سجدہ کرتے تھے، جو شرک جلی تھا۔ یا یہ تھا کہ وہ خدا کی نماز بھی مقابرِ انبیاء ہی میں ان کی قبور کی طرف توجہ کر کے پڑھتے تھے کہ عبادت خدا کی اور تعظیم انبیاء کی، دونوں ایک ساتھ انجام دیں، جو شرف خفی تھا، کیونکہ دونوں میں حدود واذن خداوندی سے متجاوز ہوگئی تھی، اس کو ہمارے ائمہ میں سے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے(۲)۔

سببِ لعنت میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تشریح

لیکن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے استدلال کی جو تقریر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے تشبه بعبادة الاصنام کی وجہ سے۔اور تشبہ جب لازم آئے گا جب قربانی ہوگی۔

لہٰذا جب صالحین اور انبیاء کی قبریں ہیں اور ان کو برابر کر دیا جائے، یا یہ کہ ان کی عظام کو نکال کر ادب واحترام کے ساتھ کسی دوسرے مقام میں دفن کر دیا جائے تو پھر وہاں بھی مسجد بنانا جائز ہے اور جہاں تک تعلق ہے مشرکین کی قبر کا تو اس میں نبش متعین اور مقرر ہے، ان کی ہڈیاں نکال کر پھینک دی جائیں گی اور وہاں پر مسجد بنالی جائے گی(۳)۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے ''مراقی الفلاح'' کے حاشیے میں یہ لکھا ہے کہ میزاب رحمت کے نیچے حجر کی جو جگہ ہے، وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ستر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبریں ہیں، لیکن چونکہ زمین برابر ہوگئی ہے اور قبر کا نشان باقی نہیں رہا ہے، لہٰذا مسجد وہاں ہے اور اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے(۴)۔

---

(۱)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب: النهي عن بناء المسجد على القبورواتخاذ الصور: ۱۳/۵

(۲)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ۳۸۹/۲

(۳)لامع الدراري: ۱۶۵/۱

(٤)حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۵٦، ۳۵۷وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ۳۸۹/۲

سبب لعنت میں حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تشریح

اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نکتے کی ایک بات بتائی کہ وما یکرہ من الصلوٰة في القبور میں "ما" موصولہ اور اگر "من" بیانیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، لیکن "من" کو اگر تبعیضیہ لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام بخاری رحمہ اللہ صلوٰۃ فی القبر کی کراہت کو بیان کر رہے ہیں کہ اگر بالکل سامنے ہوگی تو کراہت زیادہ شدید ہوگی اور اگر قبر دائیں جانب ہوگی تو سامنے کے مقابلے میں کراہت کم ہو جائے گی اور بائیں جانب ہوگی تو دائیں جانب کے مقابلے میں اور کم ہو جائے گی، اور اگر پیچھے ہوگی تو پھر کراہت ہی نہیں ہوگی (۱)۔

سبب لعنت میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تشریح

قولہ: "لعن الله اليهود": بعض روایتوں میں نصاریٰ کا بھی ذکر آیا ہے۔ وہاں اشکال ہوتا ہے کہ نصاریٰ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی تو قبر ہی نہیں ہے، پھر ان پر "اتخذوا قبور أنبيائهم ......" کیسے صادق علیہ السلام نے لعنت کی؟

کسی نے یہ جواب دیا کہ یہود جن انبیاء سابقین مثلا: ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کو مانتے تھے، نصاریٰ بھی قریب قریب ان سب کو مانتے تھے، تو ان کی قبور کے ساتھ ایسا کرتے ہوں گے۔

لیکن صحیح جواب یہ ہے کہ مسلم کی روایت میں ایک لفظ زائد ہے، "قبور أنبيائهم وصلحائهم"، بس اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، آخر صالحین ان کے ہاں بھی تھے، ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہوں گے۔ واللہ اعلم (۲)

سبب لعنت میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی تشریح

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی قبور کو مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے تو مشرکین کا کیا حال ہوگا، لہٰذا اگر وہاں مسجد بنانے کی ضرورت ہو تو مشرکین کی قبور کا نبش کیا جائے گا (۳)۔

---

(۱) فيض الباري: ۳۸/۲

(۲) فضل الباری: ۱۳۹/۳، ۱۴۰

(۳) تقریر بخاری شریف: ۱۵۸/۲

قبر کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

احناف کا مذہب

احناف کے نزدیک قبرستان میں اگر نماز کے لیے الگ کوئی جگہ بنائی گئی ہو، یعنی: متعین کی گئی ہو، اور اس جگہ کوئی قبر نہ ہو اور نہ وہاں کوئی نجاست ہو، اور نہ نمازی کے سامنے کوئی قبر ہو، یعنی: نمازی کا قبلہ قبر کی جانب نہ ہو تو ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر قبر دائیں، یا بائیں، یا پیچھے ہو، یا آگے ہونے کی صورت میں سترہ کے سامنے نماز پڑھے تو بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور بغیر کسی حائل کے قبر کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا درست نہیں (۱)۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک قبرستان میں نماز ادا کرنا جائز ہے، چاہے وہ قبرستان آباد ہو، یا آباد نہ ہو، بلکہ مٹا ہوا ہو، اس میں سے قبور کو اکھیڑ کر مردوں کو نکال دیا گیا ہو، یا نہ نکالا گیا ہو، وہ قبرستان کسی مسلمان کا ہو، یا مشرکین کا، بہرصورت نماز ادا کرنا جائز ہے (۲)۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک قبرستان میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، خوہ قبرستان پرانا ہو یا نیا ہو، وہاں سے مردوں

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في تعريف الإعادة: ۴۲۵/۲، دار عالم الكتب

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲

فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، ۲۹/۱

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳۴۶/۳۸

فضل الباری: ۱۳۹/۳

(۲) المدونة الكبرى، كتاب الصلاة، الصلاة في المواضع التي تكره فيها الصلاة: ۱۸۲/۱

مناهج التحصيل ونتائج لطائف التأويل في شرح المدونة وحل مشكلاتها، كتاب الصلاة، المسألة التاسعة في الموضع الذي تجوز فيه الصلاة وما تكره فيه الصلوات، ۳۲۹/۱، ۳۳۰

الثمر الداني شرح رسالة ابن أبي زيد القيرواني، باب: طهارة الماء والثوب والبقعة وما يجزئ من اللباس في الصلاة، ص: ۳۵

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳۴۶/۳۸

کو نکال دیا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو، ان سے منقول ہے کہ قبروں کے گردونواح میں آنے جو جگہ بھی قبرستان کے نام کے تحت آتی ہے، وہاں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

عندالحنابلہ قبرستان کی تعریف

البتہ! قبرستان کی تعریف میں حنابلہ سے منقول ہے کہ جہاں تین سے زیادہ قبریں ہوں وہ تو قبرستان کہلائے گا، لیکن اگر قبریں تین سے کم ہوں تو اسے قبرستان کا نام نہیں دیا جائے گا اور وہاں نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

اسی طرح اگر گھر کے اندر تدفین کی گئی ہو تو وہاں بھی نماز ادا کرنا جائز ہے، اگر چہ وہاں تین سے زیادہ قبریں ہوں، کیونکہ اسے بھی قبرستان کا نام نہیں دیا جاتا (۱)۔

شوافع کا مذہب

شوافع کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے، ان کے نزدیک اگر قبرستان سے مردوں کی لاشیں نکال دی گئی ہوں تو اس جگہ نماز ادا کرنا بالاتفاق (عندالشوافع) صحیح نہیں ہے، کیونکہ زمین کے ساتھ مردوں کی پیپ وغیرہ ملی ہوئی ہوتی ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس قبرستان والی زمین پر کوئی کپڑا اچھائے بغیر نماز ادا کی جائے۔ اور اگر کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کے وہاں نماز ادا کی جائے تو کراہت کیساتھ نماز ادا ہو جائے گی۔

اور اگر اس قبرستان سے مردوں کی لاشیں نہ نکالی گئی ہوں تو ان کے نزدیک بلا اختلاف اس زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے، البتہ مکروہ تنزیہی ہے، جواز کی وجہ یہ ہے کہ جس زمین پر نماز ادا کی جارہی ہے وہ پاک ہے، اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ نماز قبرستان میں ادا کی جارہی ہے جو کہ نجاست کے دفن کرنے کی جگہ ہے۔

اور اگر معاملہ مشکوک ہو کہ معلوم نہیں اس قبرستان سے لاشیں نکالی گئی ہیں یا نہیں، تو اصح قول کے مطابق

---

(۱)الكشاف القناع عن متن الاقناع، كتاب الصلاة، باب: اجتناب النجاسة ومواضع الصلاة، فصل: في بيان المواضع التي نهي عن الصلاة فيها: ۱/۲۹۸، ۲۸۹

الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي، كتاب الصلاة، الأماكن التي لا تصح الصلاة فيها كالمقبرة ونحوها: ۱/۴۸۹ - ۴۹۱

نيل المآرب بشرح دليل الطالب، كتاب الصلاة، باب: شروط الصلاة، الموضع المنهي عنها: ۱/۱۲۸

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳۸/۳۴۶

نماز بالکراہت درست ہو جائے گی، کیونکہ زمین میں اصل اس کا پاک ہونا ہے، شک کی بنیاد پر اس کی نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اصح قول کے بالمقابل ایک قول یہ ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ بندے کے ذمہ اصل اس کے فرض کا باقی رہنا ہے، اور اس کو ساقط کرنے میں اگر شک ہے تو شک کے ساتھ فرض ساقط نہیں ہوگا (۱)۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

ما يكره من الصلوٰة في القبور

اس جملے کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ اس کا عطف "هل ينبش قبور مشركي الجاهلية" پر ہے، اور یہ ترجمے کا دوسرا جز ہے۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ "ما يكره من الصلوٰة في القبور" جملہ خبریہ ہے اور "هل ينبش قبور مشركي الجاهلية" جملہ انشائیہ ہے، استفہام اس میں آرہا ہے، پھر یہ عطف کیسے صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ دیا کہ "هل" چونکہ وہاں "قد" کے معنی میں ہے، لہٰذا وہ بھی جملہ خبریہ ہے اور "ما يكره من الصلوٰة في القبور" بھی جملہ خبریہ ہے لہٰذا عطف میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور دوسرے شراح بھی یہی فرماتے ہیں کہ "ما يكره من الصلوٰة في القبور" کا عطف "هل ينبش قبور مشركي الجاهلية" پر ہے، اور یہ ترجمے کا دوسرا جز ہے، لیکن اس جز کا ثبوت حدیث سے نہیں ہوتا، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے بیان کی ہے۔ اس لیے شراح نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جز کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے:

---

(۱) الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعيؒ للماوردي المعروف بـ شرح مختصر المزني، كتاب الصلاة، باب: الصلاة بالنجاسة ومواضع الصلاة: ۱/۲٦۰، ۲٦۱

فتح العزيز شرح الوجيز للرافعيؒ مطبوع تحت المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، الباب الخامس في شرائط الصلاة: ٤/٣٦

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة، باب: طهارة البدن وما يصلي فيه وعليه: ٣/١٥٧، ١٥٨

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ٣٨/٣٤٦

ورأى عمر أنس بن مالك يصلي عند القبر، فقال: القبر القبر.

کہ قبر سے علیحدہ رہو، اس کی طرف منہ کرکے نماز نہیں پڑھو۔

ولم يأمره بالإعادة. لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز تو ہو جاتی ہے لیکن مکروہ ہے، یہ رائے ہے شراح کی (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہ ترجمۃ الباب کا جز ہے اور باب کے تحت میں داخل ہے اور اس پر عطف کا نشان بھی لگا ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کراهة صلوٰة في المقابر کی امام بخاری نے کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اثر انس بن مالک پر اکتفا کر لیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبور کے پاس نماز پڑھنے پر ٹوکا اور اعادہ کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ مکروہ تو ہے لیکن نماز ہو جائے گی۔ اگر نماز صحیح نہ ہوتی تو اعادہ کا حکم فرماتے۔

اب اشکال یہ ہے کہ امام بخاری اس کے بعد ایک مستقل باب كراهية الصلوٰة في المقابر منعقد فرما رہے ہیں، لہٰذا ترجمہ مکرر ہو گیا اور یہ بات اصول میں معلوم ہو چکی ہے کہ اگر تراجم کی غرض ایک ہو اور الفاظ بدل جائیں تو یہ تکرار ہوگا۔ اور اگر الفاظ ایک ہوں لیکن اغراض الگ الگ ہوں تو یہ تکرار نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں دونوں بابوں کی غرض ایک ہی ہے۔

شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں باب تبعاً ہے اور آنے والا باب قصداً ہے۔

مگر میرے نزدیک اس پر اشکال ہے کہ قصد و تبع کہنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب کہ کوئی اور صورت نہ ہوتی اور یہاں اس کے علاوہ ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ میرے نزدیک هل اپنے اصل معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا قبورِ مشرکین جاہلیہ کا نبش کر دیا جائے اور ان کو مساجد بنا دیا جائے؟ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور انبیاء کو مساجد بنانے والوں کو لعنت فرمائی ہے۔ تو قبور مشرکین کا کیا حال ہوگا اور اس

(۱) شرح الكرماني: ٤/، ٨٨، فتح الباري: ١/٦٧٩، ارشاد الساري: ٢/٨٧

لیے کہ صلوٰۃ في المقابر مکروہ ہے،تو میرے نزدیک ”وما یکرہ من الصلوٰۃ“ترجمہ کا جز نہیں، بلکہ لام کے تحت داخل ہےاور قول پر عطف ہےاور یہ بھی ایک علت ہے، میرے قول کی بنا پر جب یہ ترجمہ میں داخل ہی نہ رہا تو روایت کی ضرورت ہی نہ رہی۔اس لیے اثر سے ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی تکرار ہوا جس کے دفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ هل اپنے اصل معنی میں کیونکر درست ہوسکتا ہے۔حالانکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت نبش قبور مشرکین ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری چند ابواب کے بعد باب:الصلوٰۃ في مواضع الخسف والعذاب منعقد فرمائیں گے اس میں یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بابل کے اندر موضع عذاب ہونے کے سبب نماز پڑھنی مکروہ سمجھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کراہت موضع عذاب ہونے کے سبب سے تھی اور جہاں مشرکین مدفون ہوں گے وہ خود موضع عذاب ہے لہٰذا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ترجمہ میں لفظ هل لے آئے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ قبور کے نبش کے بعد وہاں کیا رہ گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بابل میں خسف کب واقع ہوا تھا،اب وہاں کیا رہ گیا تھا؟ بالکل نہیں،لہٰذا جس طرح وہاں باوجود نہ ہونے کے کراہت کی موضع عذاب ہونے کی وجہ سے،تو یہ بھی موضع عذاب ہو چکا ہے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی تخریج

حضرت ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق رحمہما اللہ نے اپنی اپنی ”مصنف“ میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”السنن الکبریٰ“ میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ اس اثر کی تخریج کی ہے، ”المصنف لابن ابی شیبہ“ کی روایت یہ ہے:

حدثنا حفص، عن حميد، عن أنس، قال أبصرني عمر قأنا أصلي إلى قبر، فجعل يقول: يا أنس! القبر، فجعلت أرفع رأسي أنظر إلى القمر، فقالوا: إنما، يعنى: القبر(۲).

”المصنف لابن عبدالرزاق“ میں موجود اثر کے الفاظ یہ ہیں:

عبد الرزاق، عن معمر، عن ثابت البناني، عن أنس بن مالك قال: رآني عمر بن

(۱)تقرير بخارى شريف: ۱۵۹/۲

(۲)المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، الصلاة بين القبور، رقم الحديث: ۳۷۵۳۲، ۲٤۰/۱٤

الخطاب وأنا أصلي عند قبر، فجعل يقول: القبر، قال: فحسبته يقول: القمر، قال: فجعلت أرفع رأسي إلى السماء، فأنظر، فقال: إنما أقول؛ القبر، لا تصل إليه، قال ثابت: فكان أنس بن مالك يأخذ بيدي إذا أراد أن يصلي فيتنحى عن القبور(۱).

السنن الکبری میں موجود اثر کے الفاظ یہ ہیں:

أخبرنا محمد بن موسى بن الفضل حدثنا أبو العباس، محمد بن يعقوب حدثنا محمد بن هشام حدثنا مروان بن معاوية حدثنا حميد عن أنس قال: قمت يوما أصلي وبين يدي قبر لا أشعر به، فناداني عمر: القبر القبر، فظننت أنه يعني: القمر، فقال لي بعض من يليني: إنما يعني: القبر، فتنحيت عنه(۲).

صالحین کے مزارات کے قرب میں مساجد کا حکم

آج کل ہر طرف یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی بھی جگہ کسی اللہ والے کے قبر ہوتی ہے تو اس کے قریب ہی کوئی مسجد بھی ہوتی ہے، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، درست ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کسی نیک صالح انسان کی قبر کے پاس اس طرح مسجد تعمیر کر لی جائے کہ ''قبر'' مسجد سے بالکل

(۱)المصنف لابن عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب الصلاة على القبور، رقم الحديث: ۱۵۸۱: ۱/۴۰۴

(۲)السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب: النهي عن الصلاة إلى القبور، رقم الحديث: ۴۴۵۰

تغليق التعليق، كتاب الصلاة، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد". وما يكره من الصلاة في القبور. ورأى عمر أنس بن مالك يصلي عند القبر، فقال: القبر القبر، ولم يأمره بالإعادة: ۲/۲۲۸، ۲۲۹

مسند الفاروق لابن الكثير، كتاب الصلاة، باب في مواطن السجود، رقم الحديث: ۷۸، ۱/۱۸۷

المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، كتاب الصلاة، باب: ما يصلي إليه وما لا يصلى إليه، رقم الحديث: ۳۳۹، ۳/۴۱۷

سلسلة الآثار الصحيحة أو الصحيح المسند من أقوال الصحابة والتابعين، كتاب الصلاة، الصلاة عند القبر: ۲/۲۷۷

علیحدہ ہو، مزار کے قریب مسجد بنانے سے مقصود محض حصولِ برکت ہو، نماز میں صاحبِ قبر کی تعظیم یا ان کی طرف توجہ نہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، وہ مذکورہ وعید میں داخل نہیں ہوگا" (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کسی صالح مرد کی قبر کے پاس (مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ) مسجد تعمیر کرنا وعید میں شامل نہیں ہے" (۲)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رہا یہ کہ اگر کوئی صالحین میں سے کسی کے مزار کے قریب مسجد بنالے، یا مقبرہ میں نماز پڑھ لے، اور ان کی روح سے تقویت حاصل کرنے، یا ان کی عبادت کے اثرات سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ ہو، نماز میں ان کی تعظیم، یا ان کی طرف توجہ نہ ہو تو اس تعمیر مسجد میں کوئی مضائقہ نہیں ہے" (۳)۔

خلاصہ یہ کہ صالحین کے مزارات کے نزدیک شرائط کا خیال کرتے ہوئے مسجد بنانا جائز ہے۔

حدیثِ باب: پہلی حدیث

٤١٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ ٱلْمُثَنَّى قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ هِشَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ

(١)فأما من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا للتعظيم له، ولا للتوجه إليه، فلا يدخل في الوعيد المذكور. عمدة القاري: ٤/٢٥٨

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٨٠

سلفی حضرات کا فتح الباری پر اعتراض اور اس کا رد

فتح الباری کے دارالسلام کے نسخے (جس کے حوالہ دیا گیا ہے) کے حاشیہ میں اس مقام پر محشی کی جانب سے یہ حاشیہ "هذا غلط واضح، والصواب تحريم ذلك، ودخوله تحت الأحاديث الناهية عن اتخاذ القبور مساجد، فانتبه واحذر، والله الموفق" موجود ہے، جو کہ درست نہیں ہے، کیونکہ ماقبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ ممانعت کا تعلق منکرات کے ساتھ ہے اس کے بغیر نہیں، جبکہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی ذکر کردہ تفصیل منکرات سے بچتے ہوئے مساجد بنانے کے ساتھ مقید ہے، فلا اشکال۔

(٣)أما من اتخذ مسجدا في جوار صالح أو صلى في مقبرة وقصد الاستظهار بروحه أو وصول أثر ما من أثر عبادته اليه لا للتعظيم له والتوجه نحوه، فلا حرج. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٢/٣٨٩)

عَائِشَةَ : أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ [۱] ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ ، فِيهَا تَصَاوِيرُ ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : (إِنَّ أُولٰئِكَ ، إِذَا كَانَ فِيهِمُ ٱلرَّجُلُ ٱلصَّالِحُ فَمَاتَ ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ ٱلصُّوَرَ ، فَأُولٰئِكَ شِرَارُ ٱلْخَلْقِ عِنْدَ ٱللهِ يَوْمَ ٱلْقِيَامَةِ) . [٤٢٤ ، ١٢٧٦ ، ٣٦٦٠]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔ محمد بن المثنی

یہ حضرت ''محمد بن المثنی بن عبید عنزی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حلاوة الإيمان ، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۲۔ یحیی

یہ ''یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۳۔ ہشام

یہ ''ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱) أخرجه البخاري أيضا في الصلاة في البيعة، رقم الحديث: ٤٣٤، وفي الجنائز، باب: بناء المسجد على القبر، رقم الحديث: ١٣٤١، وفي فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: هجرة الحبشه، رقم الحديث: ٣٨٧٨.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم الحديث: ٥٢٨

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: النهي عن اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٧٠٥

وفي جامع الأصول، حرف الزاء، الكتاب الثالث: في الزينة، الباب السابع: في الصور والنقوش والستور، الأحاديث الواردة في ذم المصورين، رقم الحديث: ٢٩٦١، ٤/٨٠٢.

(۲) كشف الباری: ۲/۲۵

(۳) كشف الباری: ۲/۲

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدین إلی اللہ أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابی

یہ ''عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:أحب الدین إلی اللہ أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ''عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق'' رضی اللہ عنہ وعنہا ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اُن کا کوئی نیک شخص فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر عبادت گاہ تعمیر کر لیتے تھے اور اس میں اس شخص کی مورتیاں رکھ لیتے تھے۔(پھر فرمایا کہ) قیامت کے دن ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کے بدترین لوگ ہوں گے۔

شرح حدیث

عن عائشة: أن أم حبيبة وأم سلمة: ذكرتا كنيسة رأينا بالحبشة، فيها

(۱) کشف الباری: ۱/۲۹۱، ۲/۴۳۲

(۲) کشف الباری: ۲/۴۳۶

(۳) کشف الباری: ۱/۲۹۱

تصاویر،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گرجے کا ذکر کیا جوانہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔

قولہ:"كنيسة"، عیسائیوں کے عبادت خانے کو"کنیسہ" کہتے ہیں(۱)۔

اس کنیسہ کا نام"ماریہ" بتایا جاتا ہے(۲)۔

قولہ:"ذكرتا"، تثنیہ کے اس صیغے کی ضمیر حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مستملی اور حموی کے نسخوں میں یہ لفظ"ذكرا" مذکر کا صیغہ ہے، جو کہ خلاف اصل ہے، ظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ نسخہ مرتب کرنے والوں کی غلطی سے ہوا ہوگا(۳)۔

قولہ:"رأينا"، یہ لفظ صیغہ جمع کے ساتھ استعمال ہوا، حالانکہ دیکھنے والیاں دو تھیں، تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جمع کی نسبت صرف ان دو کی طرف ہی نہیں، بلکہ ان دونوں کے ساتھ دیگر جو بھی افراد شریک تھے، ان سب کو اس رویت میں شامل کیا گیا۔

دوسری بات: اقل جمع دو ہوتی ہے، لہٰذا اس اعتبار سے بھی اشکال کی کوئی بات نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ بعض نسخوں میں مثلا: كشميهني اور أصيلي کے نسخے میں"رأتا" کا لفظ بھی ملتا ہے، فلا اشکال(۴)

فذكرنا للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: "إن أولئك، إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات، بنوا على قبره مسجدا، وصوروا فيه تلك الصور، فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة".

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اُن کا کوئی نیک شخص فوت ہو جاتا

(۱)شرح الكرماني: ٨٨/٤

(۲)فتح الباري: ١/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(۳)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٤)شرح الكرماني: ٨٨/٤، فتح الباري: ١/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

تو وہ اس کی قبر پر عبادت گاہ تعمیر کر لیتے تھے اور اس میں اس شخص کی مورتیاں رکھ لیتے تھے۔ (پھر فرمایا کہ) قیامت کے دن ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کے بدترین لوگ ہوں گے۔

قولہ:"فأولئك"، ایک دوسری روایت میں "ف" کے بجائے "واو" یعنی:"وأولئك" ہے(۱)۔

قولہ:"فمات"، اس کا عطف "کان" پر ہوگا۔ اور آگے "بنوا" کا جملہ إذا کے لیے جواب بنے گا (۲)۔

بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی؟

قولہ:"وصوروا فيه"، قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بت پرستی کی ابتداء تھی، یعنی: بت پرستی اس طریقے سے تدریجاً شروع ہوئی (۳)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طریقہ ان کا یہ تھا کہ جب نیک لوگ فوت ہوجایا کرتے تھے تو ان کی تصویریں بنا کر لٹکا دیا کرتے تھے اور مقصد ان کا یہ ہوا کرتا تھا کہ ان تصویروں کو دیکھ کر وہ قلب میں اطمینان اور سکون حاصل کریں اور ان کے اعمال صالحہ کو یاد کریں اور پھر انہی کی طرح عبادت کے اندر سعی اور کوشش کریں اور ان کی قبور کے پاس وہ نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن قبور کو نماز میں سامنے نہیں رکھتے تھے۔ یہ اوائل جب فوت ہوگئے اور ان کے بعد جانشین بعد میں ان کی جگہ آئے تو انہوں نے ان اوائل اور متقدمین کا مقصد تو فوت کر دیا اور شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے بزرگ تو قبروں کی عبادت اور پرستش کیا کرتے تھے، لہٰذا تم ان کی عبادت اور پرستش کرو، چنانچہ بعد میں آنے والوں نے قبروں کی پوجا اور پرستش شروع کردی۔

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکیر فرمائی، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس طریقے کو اختیار کر کے شرک کی مرتکب نہ ہو اور اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: کہ میرے بعد میری قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہ کیا جائے (۴)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٨٠

(٣)إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب: في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم الحديث: ٥٢٨، ٢/ ٤٥٠

(٤)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الصلاة، باب: تحويل القبلة من الشام إلى الكعبة، والنهي عن بناء المساجد على القبور وعن التصاوير فيها، رقم الحديث: ١٢٥، ٥/ ٥٤

''شرار'' کی لغوی تحقیق

قولہ:"فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة"، ''شرار''شین کی کسرہ کے ساتھ جمع ہے''شر'' کی، اور عندالبعض ''شریر'' کی جمع ہے(۱)۔

شرار الخلق کا مصداق کون لوگ؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جگہ ایک اشکال کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو"فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة" فرمایا، اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی طرف نماز پڑھنا حرام ہے اور علماء اس کو صرف مکروہ کہتے ہیں؟

پھر خود ہی اس کا جواب دیا کہ اصل میں چونکہ کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے، لہٰذا ''شرار الخلق'' کے اطلاق میں کوئی اشکال نہیں، اس اطلاق کا تقاضا یہ تھا کہ قبر سامنے ہوتو نماز حرام ہونی چاہیے اور علماء کرام نے جب اسے مکروہ تحریمی کہا تو وہ حکم میں حرام ہی کے ہے۔

اور دوسری بات علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ فرمائی کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی مذمت میں"فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة" فرمایا ہے، اس پر علامہ رحمہ اللہ نے اشکال کیا ہے کہ اگر تصویر کی مذمت میں"فأولئك شرار الخلق" فرمایا ہے، تو تصویر تو صرف معصیت ہے اور ''شرار الخلق'' ہونے سے لازم آتا ہے کہ وہ کافر قرار دیئے جائیں، معصیت کے ارتکاب کی بناء پر کافر کا اطلاق کیسے کیا گیا؟

اس کا جواب پھر انہوں نے دیا ہے اصل میں ان کو ''شرار الخلق'' اس لیے کہا کہ وہ تصویر کی عبادت کرتے تھے اور کافر بھی تھے، اس لیے اس اطلاق میں کوئی اشکال نہیں (۲)۔

دوسری ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ ''شرار الخلق'' کا اطلاق کفر پر جب آئے گا، جب ''شرار الخلق'' علی الاطلاق مراد ہو، ویسے ''شر'' کا لفظ ''خیر'' کے مقابلے میں بھی آتا ہے، اور ''شرار'' خیار کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''إن شر الناس عند الله منزلةً مَن

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(۲)شرح الكرماني: ٤/٨٩

تركه الناسُ اتقاءَ شره"،(۱) یہاں "شرالناس" کا مطلب کافرنہیں ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ألا أخبركم بشرّ الناس؟ رجل يسأل بالله ولا يعطي به"،(۲) اللہ تعالی کا واسطہ دے کر اس سے سوال کیا جائے اور اس واسطے کے باوجود بھی وہ عطیہ نہ دے، وہ "شرّ الناس" ہے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن شر الناس ذو الوجهين الذي يأتي هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه"،(۳) یہ بھی کفر کی وجہ سے نہیں کہا گیا، غرضیکہ "شرار" کا اطلاق "اخیار" کے مقابلے میں بھی ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں جو آپ نے تصویر کی وجہ سے ان کو "شرار الخلق" کہا ہے یہ في مقابلة الأخيار کہا ہے۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) حدثنا عمرو بن عيسى، حدثنا محمد بن سواء، حدثنا روح بن القاسم، عن محمد بن المنكدر، عن عروة، عن عائشة: أن رجلا استأذن على النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رآه قال: بئس أخو العشيرة، وبئس ابن العشيرة، فلما جلس تطلق النبي صلى الله عليه وسلم في وجهه وانبسط إليه، فلما انطلق الرجل قالت له عائشة: يا رسول الله! حين رأيت الرجل قلت له كذا وكذا، ثم تطلقت في وجهه وانبسطت إليه؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا عائشة! متى عهدتني فحاشا، **إن شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره**. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب: لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا، رقم الحديث: ٦٠٣٢)

(۲) حدثنا قتيبة، قال: حدثنا ابن لهيعة، عن بكير بن عبد الله بن الأشج، عن عطاء بن يسار، عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا أخبركم بخير الناس؟ رجل ممسك بعنان فرسه في سبيل الله. ألا أخبركم بالذي يتلوه؟ رجل معتزل في غنيمة له يؤدي حق الله فيها. **ألا أخبركم بشر الناس؟ رجل يسأل بالله ولا يعطى به**. هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، ويروى هذا الحديث من غير وجه، عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم. (جامع الترمذي، فضائل جهاد، أي الناس خير، رقم الحديث: ١٦٥٢)

(۳) حدثنا قتيبة، حدثنا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب، عن عراك، عن أبي هريرة، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: **إن شر الناس ذو الوجهين، الذى يأتى هؤلاء بوجه، وهؤلاء بوجه**. (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب: ما يكره من ثناء السلاطان وإذا خرج قال غير ذٰلك، رقم الحديث: ٧١٧٩)

اس حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ترجمہ کے جزء "لعن اللہ الیھود" کے ساتھ ہے، اس اعتبار سے کہ اس قول میں یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر اس لیے لعنت فرمائی کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدے کی جگہ بنالیا، اوراس حدیث میں نصاری کی ایسے طریقے سے مذمت کی گئی جو لعنت سے بھی بڑھی ہوئی ہے، بوجہ اس بات کے کہ ان میں یہ رواج پیدا ہوگیا تھا کہ جب ان کا کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اوراس میں اس شخص کی تصاویر لٹکا دیتے تھے(۱)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہاں پر شارحین حیران ہیں کہ دعوی ودلیل میں کیا مناسبت ہے؟ دعویٰ میں یعنی: ترجمۃ الباب میں قبورِ مشرکین (کا ذکر) ہےاور دلیل یعنی: حدیث قبورِ انبیاء کے متعلق ہے، اور دعویٰ میں نبشِ قبور (کا ذکر) ہے۔ اور دلیل میں قبور کو مسجد بنانے کی نفی ہے۔ (الغرض دعویٰ یہ ہے کہ قبورِ مشرکین کو کھود کر ان کی جگہ مساجد بنانا جائز ہے اوراس پر دلیل یہ دی کہ آپ علیہ السلام نے قبورِ انبیاء کو مساجد بنانے سے منع فرمایا ہے، تو ان دونوں میں کون سی مناسبت ہوئی؟)

(فرمایا) میرے نزدیک یہاں مناسبت اس طرح ہے کہ (یہاں) دو مسئلے ہیں:

(۱) ایک مسئلہ تو (قبر پر مسجد بنانے کے متعلق ہے، اوراس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت) یہ کہ قبور کی موجودگی میں اس پر مسجد بنانا، جس کی قبر بھی ہو، انبیاء واولیاء کی یا کسی کافر وفاسق کی۔ دوسری صورت یہ کہ قبر کو نبش کردیا جائے (یعنی: اسے اکھیڑ کر برابر کردیا جائے) پھر اس جگہ مسجد بنائی جائے۔

اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ قبور کی موجودگی میں وہاں مسجد بنانا درست نہیں مطلقا، جس کی بھی قبر ہو، خواہ نبی کی یا کسی کافر کی۔ اور علتِ ممانعت قبور کا موجود ہونا ہے، اب اگر قبور کو اکھیڑ کر برابر کردیا جائے کہ نشان باقی نہ رہے (اور پھر وہاں مسجد تیار کی جائے) تو اس کا حکم امام بخاری رحمہ اللہ بتلانا چاہتے ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کن قبور کا نبش جائز ہے؟ اس کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء وصالحین، بلکہ بلا ضرورتِ شدیدہ عامۂ مؤمنین کی قبور کا نبش بھی جائز نہیں، مشرکین وکافرین کی قبور کا نبش جائز ہے "أولـــئك كالأنعام، بل هم أضل"۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٦

تو اب امام بخاری رحمہ اللہ پہلے مسئلہ کی صورتِ ثانیہ (قبر کو اکھیڑ کر پھر مسجد تیار کرنے) کے متعلق حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قبور کو اکھیڑ دیئے جانے کے بعد وہاں مسجد بنانا جائز ہے، لقول النبی .... (وجہ استدلال یہ ہے کہ) دیکھو: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت اس صورت میں کی ہے جب قبور موجود ہوں اور ان پر مسجد تعمیر کی جائے، (چنانچہ) یہود کا فعل جس پر آپ علیہ السلام نے لعنت کی، ایسا ہی تھا کہ انبیاء کی قبور کو باقی رکھتے ہوئے تعظیماً مسجد بناتے تھے، (تو جب لعنت؛ قبور کو باقی رکھ کر ان پر مسجد تعمیر کرنے کی صورت میں ہے تو معلوم ہوا کہ قبور کو اکھیڑ کر ان کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے) بس دعوی کے ساتھ دلیل کی مناسبت ہوگئی۔

باقی رہا دوسرا مسئلہ کہ کن قبور کا نبش جائز ہے؟ انبیاء کی قبور کا نبش جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق یہاں کوئی بحث نہیں۔ چونکہ مشرکین کی قبور کا نبش جائز تھا اس لیے ترجمہ میں اس کو بالتخصیص ذکر کر دیا، اصل مقصود تو یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ نبشِ قبور کر کے وہاں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو ثابت کر دیا کہ نبش کے بعد جائز ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

۱۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عجائبات میں سے کسی چیز کا مشاہدہ کرے تو اسے آگے اوروں کے سامنے بیان کرنے کی گنجائش ہے(۲)۔

۲۔ جس شخص کے سامنے اگر کوئی بات بیان کی جا رہی ہے اور وہ شخص اُس بات کے حکم کو جاننے والا ہے تو اُس پر اُس بات کا حکم بیان کرنا اور محرمات میں ابتلاء کی مذمت کرنا واجب ہے(۳)۔

۳۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام میں اعتبار شریعت کا ہے نہ کہ عقل کا(۴)۔

۴۔ اس حدیث سے قبرستان میں نماز ادا کرنے کی کراہت کا بھی علم ہوا، برابر ہے کہ قبر کے ساتھ متصل ہو، قبر کے اوپر ہو یا قبر کے سامنے کھڑے ہو کر ہو(۵)۔

۵۔ اس حدیث مبارکہ سے تصویر کی حرمت خصوصا نیک صالح افراد کی تصویر کی حرمت معلوم ہوئی(۶)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

(۱) فضل الباری: ۳/۱۳۸، ۱۳۹

(۲) فتح الباري: ۱/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(۳) فتح الباري: ۱/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٤) فتح الباري: ۱/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٥) فتح الباري: ۱/ ٦٨٠

(٦) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

حدیث باب (دوسری حدیث)

٤١٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلْوَارِثِ ، عَنْ أَبِي ٱلتَّيَّاحِ ، عَنْ أَنَسٍ[1] قالَ : قَدِمَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلمَدِينَةَ ، فَنَزَلَ أَعْلَى ٱلْمَدِينَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ، فَأَقَامَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي ٱلنَّجَّارِ ، فَجَاؤُوا مُتَقَلِّدِي ٱلسُّيُوفِ ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ ، وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ ، وَمَلَأُ بَنِي ٱلنَّجَّارِ حَوْلَهُ ، حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ ، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ ٱلصَّلَاةُ ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ ٱلْغَنَمِ ، وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي ٱلنَّجَّارِ ، فَقَالَ : (يَا بَنِي ٱلنَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا) . قَالُوا : لَا وَٱللهِ ، لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى ٱللهِ ، فَقَالَ أَنَسٌ : فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ ، قُبُورُ ٱلْمُشْرِكِينَ ، وَفِيهِ خَرِبٌ ، وَفِيهِ نَخْلٌ ، فَأَمَرَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ بِقُبُورِ ٱلْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ ، ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ ، فَصَفُّوا ٱلنَّخْلَ قِبْلَةَ ٱلْمَسْجِدِ ، وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ ٱلحِجَارَةَ ، وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ ٱلصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ ، وَٱلنَّبِيُّ ﷺ مَعَهُمْ ، وَهُوَ يَقُولُ :

(ٱللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ ٱلآخِرَهْ ‏ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَٱلْمُهَاجِرَهْ)

[١٧٦٩ ، ٢٠٠٠ ، ٢٦١٩ ، ٢٦٢٢ ، ٢٦٢٧ ، ٣٧١٧]

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے بالائی علاقہ کے جس محلے میں قیام فرمایا وہ بنوعمرو بن عوف کا تھا، یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ رات قیام کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کو پیغام بھیج کر بلایا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے، (راوی حدیث کا بیان ہے کہ) گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر تشریف فرما دیکھ رہا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور بنونجار کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی

(١) مر تخريجه في البخاري، كتاب الوضوء، باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحديث: ٢٣٤

اللہ عنہ کے سامنے اپنا سامان اُتارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کیا کرتے تھے کہ آپ کو جہاں بھی نماز کا وقت آ پہنچا، وہیں نماز ادا فرمالیں، (یہاں تک کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں بھی نماز ادا فرمائی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ آپ نے بنونجار کو بلوایا اور فرمایا: اے بنونجار! تم اپنے اس احاطے کی قیمت لے لو، انہوں نے عرض کیا، نہیں؛ اللہ کی قسم نہیں، ہم آپ سے اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسا کہ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی، اور کھجور کے درخت تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دینے کا حکم فرمایا، ویران جگہ کو برابر کر دینے کا حکم فرمایا، اور درختوں کو کٹوا دیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب بچھا دیا اور پتھروں کے ذریعے انہیں مضبوط کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر اٹھاتے ہوئے رجزیہ اشعار پڑھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے اور یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔ مسدد

یہ "مسدد بن مسرہد الاسدی البصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

---

(۱) کشف الباری: ٤ / ٥٨٨

۲۔عبدالوارث

یہ ”عبدالوارث بن سعید التمیمي“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ابی التیاح

یہ ”ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی“ رحمہ اللہ ہیں،

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔انس

یہ مشہور صحابی رسول ”حضرت انس بن مالک“ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

شرح الحدیث

عن أنس قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، فنزل أعلى المدينة في حيّ، يقال لهم: بني عمرو بن عوف،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے بالائی علاقہ کے جس محلے میں قیام فرمایا وہ بنوعمرو بن عوف کا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کب ہوئی؟

قولہ:”قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة“، امام حاکم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ”اخبار“

(۱) کشف الباری: ۲۵۸/۳

(۲) کشف الباری: ۲۶۱/۳

(۳) کشف الباری: ۴/۲

تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اس بات پر کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تشریف لائے تو ربیع الاول کی آٹھ تاریخ تھی اور اتوار کا دن تھا۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکلے ربیع الاول کی چار تاریخ اور شب اتوار تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی (۱)۔

قولہ: ''أعلى المدينة''، ایک روایت میں صرف "المدينة" کا لفظ ہے، "أعلیٰ" کے بغیر (۲)۔

جب کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں "أعلیٰ" کی جگہ "علو" کا لفظ ہے، یہ بھی "أعلیٰ" کے معنی میں ہی ہے (۳)۔

فأقام النبي صلى الله عليه وسلم فيهم أربع وعشرة ليلة،

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ رات قیام کیا، بعض دیگر نسخوں (مستملی اور حموی کے نسخوں) میں چوبیس رات قیام کرنا مذکور ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چودہ راتوں کے قیام والی بات کو راجح قرار دیا ہے (۴)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے بھی چودہ راتوں کے قیام کو اختیار کیا ہے (۵)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے چوبیس راتوں کو ترجیح دی، وہ تقریر بھی دیکھنے کے لائق ہے (۶)۔

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر إلى المدينة للهجرة: ١/١٧٩

(٢) عمدة القاري: ٤/٢٥٩

(٣) حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، عن أبي التياح، عن أنس بن مالك، قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، **فنزل في علو المدينة في حي** يقال: لهم بنو عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم أرسل إلى بني النجار، فجاء وا متقلدين سيوفهم، .... (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في بناء المساجد، رقم الحديث: ٤٥٣)

(٤) فتح الباري: ١/٦٨٠

(٥) فضل الباری: ٣/١٤٢

(٦) قولہ: "أربعا وعشرين ليلة"، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ ہے، اس میں روایات مختلف ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں کتنے دن قیام فرمایا؟ اس روایت میں چوبیس دن معلوم ہوتے ہیں اور خود بخاری شریف ہی کی روایت میں چودہ دن قیام کا ذکر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ایک خلاف واقعہ ہوگی۔ تو اس سے پتہ چلا کہ بخاری شریف کی روایات کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری روایات واقعہ کے مطابق بھی ہوں تو حنفیہ اسی قاعدہ کے مطابق کہتے =

بہر حال قیام چوبیس دن ہو یا چودہ دن، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ فی القری جائز نہیں، اس لیے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف آنے کے بعد جمعہ قبا میں ادا نہیں کیا بلکہ بنوسالم میں جب آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے تب آپ نے جمعہ ادا کیا ہے، اس پر فریقین کا اتفاق ہے، اور یہ بات بھی متعین ہے کہ ہجرت سے پہلے واجب ہو چکا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جمعہ ادا کرنے پر قادر نہیں تھے اس لیے وہاں تو آپ نے جمعہ ادا نہیں کی، لیکن جب آپ مدینہ آئے تو وہاں آنے پر جمعہ ادا کیا ہے۔

= ہیں کہ بخاری میں رفع یدین کا تذکرہ آ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ کے مطابق بھی ہو، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل بھی ہو۔ اب یہاں دونوں روایات مشکل ہیں، اس لیے کہ سارے محدثین اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن قبا پہنچے اور پیر ہی کے دن مکہ سے چلے تھے، تو پیر کو چلے اور پیر کو قبا پہنچے اور مدینہ میں جمعہ کو تشریف لے گئے اور سب سے پہلا جمعہ بنوسالم میں پڑھا تو ان دونوں پر اتفاق ہے کہ پیر کو قبا پہنچے ہیں کہ پیر قبا پہنچے اور جمعہ کو قبا سے مدینہ تشریف لے گئے۔ اب روایات دو طرح کی ہیں، ایک: چوبیس کی اور دوسری: چودہ کی، اور دونوں میں سے ایک بھی ان اقوال کے پیش نظر صحیح نہیں ہوتی، اس لیے کہ اگر چودہ کو لیا جائے تو پیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لائے اور پیر سے پیر تک آٹھ اور تیسرے پیر تک پندرہ ہو جاتے ہیں، لہذا چودھواں دن یکشنبہ کو پڑتا ہے، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کو مدینہ گئے۔

اور چوبیس والی روایت بھی نہیں بنتی، اس لیے کہ پیر سے پیر تک آٹھ، اور تیسرے پیر تک پندرہ اور چوتھے پیر کو بائیس دن ہوتے ہیں، اور منگل کو تئیس، اور بدھ کو جا کر چوبیس دن ہوتے ہیں، پھر بھی جمعہ کو چوبیس دن نہیں ہوتے۔ اب یہ دونوں تو صحیح نہیں ہوئے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ چوبیس کی روایت صحیح ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ راوی نے یوم الدخول اور یوم الخروج کو شمار نہیں کیا تو پیر تو یوم الدخول فی قباء تھا اور جمعہ یوم الخروج منہ تھا، اب دونوں کو نکال کر چوبیس صحیح ہو جاتے ہیں، اور قول متفق سے تعارض بھی نہیں ہوتا، اس لیے اب شمار منگل سے ہوگا۔ کیونکہ پیر تو نکل گیا۔ تو منگل سے منگل تک آٹھ، اور تیسرے منگل تک پندرہ، اور چوتھے منگل کو بائیس، اور بدھ تئیس، اور جمعرات چوبیس ہو جاتے ہیں۔

اور جمعہ جو یوم الخروج ہے وہ بھی خارج ہے۔ لہذا اب بالکل درست ہو گیا۔ اب اس سے میری ایک تائید ہوگئی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں تین جمعوں تک قیام فرمایا، اور کوئی سا جمعہ دیہات ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا اور نہ اور کیا بات تھی۔ (تقریر بخاری شریف: ۲/۱۶۰)

جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہو چکی تھی

حافظ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے ''اتقان'' میں (۱)، ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ''شرح المنہاج'' میں (۲) اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں (۳) اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ مکہ مکرمہ کے قیام میں فرض ہو گیا تھا، لیکن عدم قدرت کی وجہ سے آپ نے وہاں (مکہ میں) ادا نہیں کیا تھا، اور ہجرت کے بعد جب آپ تشریف لائے تو قبا میں چودہ دن قیام کرنے کے باوجود وہاں آپ نے جمعہ نہیں پڑھا، بلکہ مدینہ منورہ آکر پڑھا ہے۔

ثم أرسل إلى بني النجار، فجاؤوا متقلدي السيوف،

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کو پیغام بھیج کر بھلایا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔

بنونجار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار تھے (۴)۔

تلواریں لٹکا کر آنے سے کیا مقصود تھا؟

قولہ: "متقلدي السيوف"، یہ اصل میں متقلدين السيوف تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ یہ مرکب ''جاؤوا'' کی ضمیر سے حال بنے گا (۵)۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے اس طرح آنے کی حکمت یہ تھی اس سے یہود کو خوف زدہ کرنا مقصود تھا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ انصار مدینہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کے لیے کس طرح تیاری کی ہوئی ہے (۶)۔

---

(١) الاتقان في علوم القرآن، النوع الثاني عشر ما تأخر حكمه عن نزوله وما تأخر نزوله عن حكمه: ١/ ١٣٤.

(٢) تحفة المحتاج في شرح المهاج لابن حجر الهيتمي، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجمعة: ٢/ ٤٠٥.

(٣) نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب: انعقاد الجمعه بأربعين وإقامتها في القرى: ٣/ ٢٧٤.

(٤) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٦٧. عمدة القاري: ٤/ ٢٥٩

(٥) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٩

(٦) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٨٦.

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ اس زمانے کا شعار تھا کہ جب کسی کے استقبال کے لیے جاتے تھے تو تلوار وغیرہ ساتھ لے جاتے تھے، جیسے: آج کل شیروانی پہننے کا رواج ہے''(۱)۔

كـأني أنظر إلى النبي صلى الله عليه وسلم على راحلته، وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى ألقى بفناء أبي أيوب،

(راوی حدیث کا بیان ہے کہ) گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر تشریف فرما دیکھ رہا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور بنونجار کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا سامان اُتارا۔

قولہ: ''راحلتہ''، اونٹ کی سواری کو ''راحلة'' کہتے ہیں، عام ہے کہ اونٹ مذکر ہو یا مؤنث، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے، جس کا نام ''قصواء'' تھا(۲)۔

قولہ: ''أبو بكر رِدفَه''، ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو اصل سوار کے پیچھے اسی سواری پر بیٹھا ہو(۳)۔

حضرت ابوبکرؓ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف بننے کی وجہ؟

روایت کے مطابق تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی اونٹنی بھی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف کیوں بنے؟

تو اس بارے میں شراح نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے انہوں نے اپنی اونٹنی کو قبیلہ عمرو بن عوف میں یا کسی اور جگہ ہی چھوڑ دیا تھا، یا اس اونٹنی کو گھر واپس بھیج دیا تھا تاکہ گھر والے استعمال کر لیں، یا پھر ایک اور وجہ ہے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ان کی اونٹنی بھی ساتھ ہی تھی لیکن وہ اس پر سوار نہیں

(۱)تقرير بخاری شريف: ۲/۱٦٠

(۲)النهاية في غريب الحديث والأثر، باب: الراء مع الحاء، ١/٦٤٥، عمدة القاري: ٤/٢٥٩

(۳)معجم الصحاح، ردف، ص: ٤٠١

رِدفه؛ وهو المرتدف، أي يركب خلف الراكب. (اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٨٦.)

ہوئے تا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بننے کا شرف حاصل کر سکیں، اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننا تھا(۱)۔

قولہ:"وملاء بني النجار حوله"، الملاء سے مراد قبیلے کے معزز اور سردار لوگ ہیں، اس کے علاوہ ملاء سے مراد جماعت بھی ہوتی ہے(۲)۔

قولہ:"ألقی"، اس جگہ اس فعل کا مفعول محذوف ہے، جو کہ "رحله" ہے، یعنی: اپنے کجاوے کو ڈال دیا(۳)۔

قولہ:"بفناء"، اس سے مراد گھر کے سامنے کی خالی جگہ ہے(۴)۔

اونٹنی اللہ تعالی کی طرف سے مامور تھی

انصار میں سے ہر شخص اس سعادت کی آرزو رکھتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس قیام کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو چھوڑ دیا اور فرمایا:"إنها مأمورة"، وہ اونٹنی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کی فناء میں بیٹھ گئی، بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ پہلی بار بیٹھی، پھر اٹھ کر دو چار قدم چل کر دوبارہ وہیں آ کر بیٹھ گئی۔

اس واقعے سے متعلق سیر کی ایک عجیب روایت

علامہ نیسابوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شرفِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ ایک صحابی تھے، جبار بن صخر رضی اللہ عنہ، ان کا گھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے کچھ آگے تھا، وہ چاہتے تھے کہ (اونٹنی) ذرا سا آگے سرک کر میرے مکان کے سامنے ٹھہرے، تو انہوں نے خفیہ طور پر اونٹنی کو کچوکا لگایا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو غصہ میں آ کر کہا واللہ! اگر آج اخوت اسلامی نہ ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا، تو مجھ سے یہ سعادت چھین کر اپنے ہاں لے جانا چاہتا

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٦٨. عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(٢)النهاية في غريب الحديث والأثر، باب: الميم مع اللام: ٦٧٢/٢، عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(٣)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٨٦، عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(٤)النهاية في غريب الحديث والأثر، باب:الفاء مع النون: ٣٩٧/٢، عمدة القاري: ٢٥٩/٤

ہے، جو حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے عنایت فرمائی ہے(۱)۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی تاریخ

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یمن کے بادشاہوں کا لقب ''تبع'' ہے اور یہ معروف بات ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے آٹھ سو سال پہلے یمن کا ایک بادشاہ قتال کرتے کرتے مدینہ منورہ تک پہنچ گیا، مدینہ منورہ میں جب وہ پہنچا تو ایک یہودی عالم نے اس سے کہا کہ تم یہاں قتال مت کرو، یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے، آپ یہاں آکر قیام فرمائیں گے، لہٰذا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں قتال نہ کیا جائے، اس یمن کے بادشاہ نے یہودی عالم کی اس بات کو سن کر وہاں قتال موقوف کر دیا اور نہ صرف یہ کہ اس نے قتال موقوف کیا بلکہ اس نے وہاں اس نے ایک مکان بنوایا اور کہا کہ یہ نبی آخر الزمان کے لیے ہے اور دوسرے کچھ اور مکانات بھی بنوائے جو احبار یہود کو عطا کیے گئے، اور اس کے بعد اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط لکھا، اس میں یہ لکھا کہ یہ مکان جو میں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا ہے، جب وہ تشریف لائیں تو ان کو پیش کیا جائے، اس خط کے اندر اس نے یہ بھی لکھا کہ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے ان کا زمانہ ملا تو میں ان کا خادم بن کر رہوں گا، ایک شعر بھی اس نے اس میں لکھا:

---

(۱)قال لما دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة قام إليه المنذر بن عمرو وأبو دجانة وجامعة من أشرافهم يقولون: هلم يا رسول الله إلى العز والثروة، وجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بارك الله عليكم، خلّوا سبيلها فإنها مأمورة، حتى جاء إلى باب أبي أيوب فبركت ناقته هناك، فجاء جبار بن صخر فنخسها بالرحل، فقال أبو أيوب: أعن منزلي تنحيها، فما؟ والذي بعثه بالحق لو لا الإسلام لضربتك بالسيف.

(مناحل الشفا ومناهل الصفا بتحقيق كتاب شرف المصطفى صلى الله عليه وسلم للنيسابوري، باب: ذكر مقدم النبي صلى الله عليه وسلم قباء وبناء المسجد: ۲/۳٦٥)

اس کتاب کے محقق الشیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری نے اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس قصے میں نکارت ہے، ملاحظہ فرمائیں: قلت: وفي السياق نكارة؛ لأن جبار بن صخر هذا كان ممن أسر يوم بدر فيما ذكره أصحاب المغازي والسير، ومحمد بن الحسن ممن يضعف في الحديث، وانظر التعليق التالي. (محولہ بالا)

شهـدت عـلـى أحـمـد أنـه رسـول مـن الله باري النسيم
فـلـو مـدّ عـمـري إلـى عـمـره لـكـنـت وزيـرا لـه وابن عم

اگر میں نے ان کا زمانہ پایا تو میں ان کا خادم، وزیر اور ابن عم بن کر رہوں گا۔

چنانچہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ خط اور گھر منتقل ہوتے ہوتے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچے، چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے وہ خط آپ کو پیش کیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے رُکی، یہ درحقیقت وحی ربانی کا اثر تھا، جیسے کہ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتے تھے تو اونٹنی بیٹھ گئی تھی اور اس نے چلنے سے انکار کر دیا تھا، وہ بھی وحی کا اثر تھا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کفار اور مشرکین نے میرے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ کیا جس میں وہ شعائر اللہ کا احترام کرنے والے ہوں گے، تو میں اس کو منظور اور قبول کرلوں گا اور آپ نے مکہ مکرمہ جانے اور شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ملتوی فرمادیا تو اونٹنی فوراً کھڑی ہوگئی اور آپ حدیبیہ کے مقام پر جاکر فروکش ہوئے تھے، اسی طرح یہاں بھی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے آکر بیٹھ گئی، ایک مرتبہ بیٹھی، اور اس کے بعد اٹھ کر ادھر ادھر گھومی اور پھر واپس وہیں آکر بیٹھ گئی، یہ اللہ کے حکم سے ہوا(۱)۔

اس کے بعد علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرے وہ آپ کا ہی گھر تھا، جو آپ کے لیے ہی بنایا گیا تھا، آپ نے کسی دوسرے کے گھر میں قیام نہیں کیا(۲)۔

---

(۱)شرح العلامه الزرقاني على المواهب اللدنية للقسطلاني، باب: هجرة المصطفى وأصحابه إلى المدينة، خاتمة: في وقائع متفرقة حصلت في الهجرة: ۱۶۳/۲

(۲)،(فعلى هٰذا) المذكور من أن تبعاً بنى للمصطفىٰ ـ صلى الله عليه وسلم ـ دارًا (إنما نزل في منزل نفسه لا في منزل غيره، كذا حكاه في تحقيق النصرة،) في تاريخ دارالهجرة لقاضيها الشيخ زين الدين بن الحسين المراغي من مراغة الصعيد من فضلاء طلبة الجمال الإسنوى.

(شرح العلامه الزرقاني على المواهب اللدنية للقسطلاني، باب: هجرة المصطفى وأصحابه إلى المدينة، خاتمة: في وقائع متفرقة حصلت في الهجرة: ۱٦٤/۲)

رہا یہ کہ اونٹنی کو وحی؛ تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، ﴿واوحی ربك الی النحل ان اتخذی بیوتا من الجبال﴾، قرآن مجید کی آیت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہد کی مکھی کو وحی کیا ہے۔

وكان يحب أن يصلي حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کیا کرتے تھے کہ آپ کو جہاں بھی نماز کا وقت آپہنچے، وہیں نماز ادا فرمالیں، (یہاں تک کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں بھی نماز ادا فرمائی ہے۔

قولہ:"ويصلي في مرابض الغنم"، "ويصلي" کا عطف "يحب" پر ہے، نہ کہ "يصلي" پر(۱)۔

قولہ:"مرابض" بکریوں کے ٹھہرنے کی جگہ کو "مَربِض" کہتے ہیں، اور اس کی جمع "مرابض" استعمال ہوتی ہے(۲)۔

بکریوں کے باڑے میں نماز کے مباح ہونے کے بیان میں مستقل ایک باب آگے آرہا ہے۔

وأنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى ملإ من بني النجار، فقال: يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هٰذا، قالوا: لا والله، لا نطلب ثمنه إلا إلى الله،

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ آپ نے بنونجار کو بلوایا اور فرمایا: اے بنونجار! تم اپنے اس احاطے کی قیمت لے لو، انہوں نے عرض کیا، نہیں؛ اللہ کی قسم نہیں، ہم آپ سے اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

قولہ:"وأنه أمر ببناء المسجد"، ایک روایت میں یہ کلام "إن" سے شروع ہورہا ہے، اس بنا پر کہ یہ مستقل کلام ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا(۳)۔ اور ایک دوسری روایت میں "أَمَر" معروف کی بجائے "أُمِر" مجہول کا صیغہ ہے(۴)، اس صورت میں "أنه" کی "هو" ضمیر، ضمیر شان ہوگی۔

قولہ:ثامنوني بحائطكم"، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جملے کا ترجمہ "تبيعونيه بالثمن" سے کیا

---

(۱)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/ ۱۸۶.

(۲)معجم الصحاح، رب ض، ص: ۳۸۶۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، باب:رب ض: ۱/ ٦٢٦.

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٦١

(٤) مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح البخاري: ٢/ ١٣٥. عمدة القاري: ٤/ ٢٦١.

ہے، کہ تم مجھے زمین یہ کا یہ ٹکڑا ثمن کے بدلے فروخت کردو(۱)۔

بعض حضرات نے اس کا مطلب: "اذکروا لي ثمنه" ذکر کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ''تم مجھے اس کا ثمن بتاؤ''(۲)۔

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے "قدروا ثمنه لأشتريه منكم وبايعوني فيه" سے اس کا ترجمہ کیا ہے، کہ تم اس کا ثمن متعین کروتا کہ میں تم سے یہ زمین خرید لوں، اور تم اس ثمن میں یہ زمین مجھے فروخت کردو(۳)۔

ان سب معانی کے بعد علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مطالب میں سے کوئی بھی اس مادے/ صیغے "ثامنوني" کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگرچہ یہ سب معانی مقصود پر دلالت کرتے ہیں۔لیکن اس کی صحیح تفسیر وہ ہے جو میں نے شرح ابوداؤد میں کی ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے سے کوئی چیز خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کرتا ہے تو اس وقت ثامنوني کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی یہ مراد ہوگی کہ مجھے اس زمین کے ٹکڑے کی قیمت متعین کروتا کہ میں تم سے یہ زمین کا ٹکڑا خرید لوں(۴)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ دو یتیموں کی زمین تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اس زمین کی قیمت بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو اس کو بلا قیمت دیں گے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور نہ فرمایا، اور قیمت سے کر زمین لی، کیونکہ وہ یتیموں کا مال تھا، یہاں روایت مختصر ہے، ابواب ہجرت میں پوری آئے گی''(۵)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٩٠

(۲) علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہاں ''بعض حضرات'' کہہ کر ذکر کیا ہے، جب کہ اس کے قائل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں، ملاحظہ ہو فتح الباري: ١/ ٦٨١، اور حافظ صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہ جملہ علامہ دمامینی رحمہ اللہ کا ان کی طرف نسبت کیے بغیر نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح البخاري: ٢/ ١٣٥.

(۳) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٧١

(٤) عمدة القاري: ٤/ ٢٦١

(٥) تقرير بخارى شريف: ٢/ ١٦٠

قولہ:"بحائطكم" حائط سے مراد باغ ہے، محض دیوار نہیں ہے، اس کی دلیل آگے آنے والا قول "وفيه نخل" ہے(۱)۔

قولہ:"لا والله" یہ اجمال ہے، اگلا قول:"لا نطلب ثمنه إلا إلى الله" اس اجمال کی تفصیل ہے۔ اور اجمال کے بعد تفصیل اوقع فی النفس ہوا کرتا ہے، جیسے: ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾۔

قولہ:"إلى الله" میں کلمہ "إلى" من کے معنی میں ہے۔

علماءِ لغت نے لکھا ہے:"إلى" انتہائے غایت کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے(۲)، لہٰذا"لا نطلب ثمنه إلا إلى الله" میں بنونجار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ ہمارا انتہائے غایت طلبِ اجر من اللہ ہے، طلبِ رضاءِ الٰہی ہے، ہمیں قیمت نہیں چاہیے۔

اور یہ بالکل اسی طرح ہے، جیسے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿من انصاري الى الله، قال الحواريون نحن انصار الله﴾(۳) یہاں حضرت عیسیٰ علیہ وسلم نے مبتدا اپنی ذات کو بنایا اور منتہیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بنایا تھا، حواریین نے جواب دیا:﴿نحن انصار الله﴾(٤)، مبتدا کو انہوں نے غائب کر دیا اور صرف منتہیٰ کی انہوں نے رعایت کی، وہاں بھی "إلیٰ" منتہائے غایت ہی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جملے کے جو معنی بیان کیے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس زمین کا ثمن نہیں لیں گے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں استعمال کی جائے گی۔

پھر سوال یہ ہے کہ جب وہ اس زمین کا بدل لینا ہی نہیں چاہ رہے تھے تو لفظِ ثمن کا استعمال کس بنا پر کر لیا؟

جواب یہ ہے کہ یہ لفظ مشاکلت کے طور پر استعمال کیا گیا، مطلب یہ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اس کے ثمن کے بدلے مجھے فروخت کر دو، تو جواب میں بھی انہوں نے وہی لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس کا ثمن اللہ تعالیٰ سے ہی وصول کریں گے۔ پھر علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ایک اشکال اور اس کا

(١)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٧١. عمدة القاري: ٤/٢٦١

(٢) معجم الصحاح، المادة: ال، ص: ٤٩

(٣) آل عمران: ٥٤

(٤) أيضا

جواب نقل کیا ہے کہ

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ "الطلب" مصدر کا صلہ تو "مِن" استعمال ہوتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کہا جاتا: "إلا من الله" نہ کہ "الا إلى الله"۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جملے میں معنوی طور پر یہ مقدر مانا جائے گا: "لا نطلب من أحد لكنه مصروف إلى الله"(۱)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جہاں رہنے کا اہتمام کرے، جس جگہ کو اپنا وطن بنائے تو وہاں جمعہ اور جماعت کو قائم کرنے اور شعائر اسلام کے اظہار کی خاطر مسجد قائم کرے۔ (اس میں یہ ضروری ہے کہ پہلے سے وہاں مسجد نہ ہو، یا پھر ہو تو صحیح لیکن آبادی کے اعتبار سے ناکافی ہو)، (۲)۔

فقال أنس: فكان فيه ما أقول لكم، قبور المشركين، وفيه خَرِبٌ، وفيه نخلٌ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسا کہ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی، اور کھجور کے درخت تھے۔

قولہ: "فكان فيه"، ضمیر کا مرجع "الحائط" ہے جس میں مکان بنا ہوا تھا (۳)۔

قولہ: "قبور المشركين"، اس سے قبل راوی نے کہا: "ما أقول لكم" کہ اس جگہ میں وہ تھا جو میں تمہیں بتا رہا ہوں، اس کے بعد یہ جملہ بدل کے طور پر یا بیان کے طور پر ہوگا (۴)۔

قولہ: "خَرِب"، یہ جمع کا صیغہ ہے جس کی واحد "خَرِبة" ہے، جیسے: كلِمَة کی جمع كَلِم ہے (۵)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٩٠/٤

(۲) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢١/٢

(۳) فتح الباري: ١/ ٦٨١.

(٤) عمدة القاري: ٢٦٢/٤

(٥) الخِرب: يجوز أن يكون بكسر الخاء، وفتح الراء، جمع خَرِبة، كنَقِمَة، ونِقَمٍ، أو يجوز أن تكون، جمع خِرُبة -بكسر الخاء، وسكون الراء على التخفيف - كنِعمَة ونِعَمٍ، ويجوز أن يكون، الخَرِب، بفتح الخاء، وبكسر الراء، كنَقِبَة، ونَبِقٍ، وكلمَةٍ، وكَلِمٍ، وقد روي بالحاء المهملة، والثاء المثلثة، يريد به: الموضع المحروث، للزراعة. (النهاية في غريب الحديث والأثر، خ ر ب: ٤٧٧/١)

معجم الصحاح، خ رب، ص: ٢٨٧.

فأمر النبي صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنُبِشت، ثم بالخرِب فسُوِّيت، وبالنخل فقُطِع، فصفوا النخل قبلة المسجد، وجعلوا عِضادتيه الحجارة،

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دینے کا حکم فرمایا، ویران جگہ کو برابر کر دینے کا حکم فرمایا، اور درختوں کو کٹوا دیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب بچھا دیا اور پتھروں کے ذریعے اس کے دوستون بنا دیئے۔

قولہ:"فأمر النبي صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنُبِشت"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دینے کا حکم فرمایا، تو انہیں اکھیڑ دیا گیا۔

بوقتِ ضرورت مشرکین کی قبروں کے اکھیڑنے کا جواز

قبروں کو اکھیڑنا، اس وقت جب کہ وہ مشرکین، کفار کی ہوں، میتیں مٹی بن چکی ہوں، غصب کی جگہ میں مدفون ہوں، جائز ہے۔ قبر کا احترام ان شقوں کے علاوہ کی صورت میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے، لیکن مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا (۱)۔

قولہ:"ثم بالخرِب فسُوِّيت"، بالخرب کا عطف بقبور المشركين پر ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین میں پڑے ہوئے گڑھوں، کھڈوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ انہیں برابر کر دیا جائے، یعنی: بھر دیا جائے، تا کہ زمین ہموار ہو جائے، اونچی نیچی یا بے ترتیب نہ رہے۔

قولہ:"وبالنخل"، اس سے مراد بھی یہی ہے کہ کھجور کے درختوں کو کاٹ دینے کا حکم فرمایا (۲)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پھل دار درختوں کو بھی ضرورت اور حاجت کے وقت کاٹ سکتے ہیں (۳)۔

قولہ:"فصفوا النخل قبلة المسجد"، علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے اس قول کی تشریح میں یہ فرمایا ہے

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۲/۲

(۲) عمدة القاري: ٤/ ٢٦٢

(۳) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۲/۲

کہ ان درختوں کو قبلہ کی جانب، دیوار سے علیحدہ ستون کے طور پر کھڑا کر دیا گیا(۱)۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے واسطے سے یونس بن بکیر کی روایت نقل کی ہے کہ مسجد کی قبلہ والی جانب اینٹوں سے پختہ کی گئی، بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ دیوار پتھروں کے ساتھ اس طرح پختہ کی گئی کہ ایک پتھر دوسرے پتھر میں داخل تھا(۲)۔

"قبلة المسجد" سے مراد جہتِ قبلہ ہے، نہ کہ آج کے دور میں موجود قبلہ(۳)۔

قولہ:"وجعلوا عِضادتيه الحجارة"، عضاد واحد ہے، اور عضادتيه تثنیہ ہے، اس کے معنی: راستے کے پہلو کو، حوض کے کناروں کو، جب انہیں پتھروں سے مضبوط کر دیا جائے، چوکھٹ کے دونوں بازوؤں کو مضبوط کرنا، اس جگہ مراد دو ستون کھڑے کرنا ہے، جو پتھر کے تھے(۴)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر

اس موقع پر جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب اس تعمیر میں حصہ لے رہے تھے تو اس وقت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مسجد کی تعمیر کے لیے دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے، ایک اینٹ اپنی اور ایک اینٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، اس وقت اُن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"سب لوگوں کے لیے ایک اجر ہے اور تیرے لیے دہرا اجر ہے، (اور اے عمار!) اس دنیا میں تیرا آخری کھانا دودھ کا گھونٹ ہوگا، اور تجھ کو ایک باغی جماعت شہید کرے گی"(۵)۔

وجعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون، والنبي صلى الله عليه وسلم معهم،

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر اٹھاتے ہوئے رجزیہ اشعار پڑھتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے۔

(۱)خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، عمارة النبي صلى الله عليه وسلم مسجد المدينة: ۲/۸

(۲)الروض الأنف: ۲/ ۲٤۸

(۳)التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ٥/٤٧٥.

(٤)المعجم الوسيط، ص: ٦٠٦

(٥)الجامع للإمام معمر بن راشد ومعه المصنف لابن عبد الرزاق، باب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٢٠٤٢٦، ١١/٢٣٩، ٢٤٠.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اشعار پڑھنا

قولہ: ''یرتجزون''، رجز پڑھ رہے تھے(۱)، اس بات میں ماہرین کا اختلاف ہے کہ رجز شعر کی اقسام میں سے ہے یا نہیں، اکثر عروضیین اور اہل ادب کا اتفاق ہے کہ ''رجز'' شعر نہیں ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے پڑھا ہے، اگر یہ شعر ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ قرآن حکیم میں ہے: ﴿وما علمنٰه الشعر﴾(۲) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا۔

(۱) علامہ احمد رضا خان بجنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اخفش (امام نحو) کی رائے ہے کہ رجز بحور اشعار میں سے نہیں ہے، دوسرے علماء نحو اسی میں سے مانتے ہیں، مگر میرے نزدیک اخفش کی رائے دقیق وقوی ہے، رجز اردو کے فقرہ بندی وتک بندی کی طرح ہے اور شعر ورجز کو مقابل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ تبابع یمن کے ہاں راجز بھی ہوتے تھے اور شاعر بھی، اور تمام شعراء کے بعد راجز سناتا تھا، لہٰذا رجز شعر کے علاوہ ہے، پھر جو لوگ رجز کو شعر میں داخل مانتے ہیں وہ بھی اس میں قصد وارادہ کو ضروری سمجھتے اور کہتے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انشاء شعر تو کسی طرح ثابت نہیں، یعنی: آپ نے خود شاعری نہیں کی، نہ کوئی شعر کبھی کہا، کیونکہ آپ کی شان گرامی کے مناسب وموزوں نہ تھا، البتہ دوسروں کے اشعار یا رجز پڑھے ہیں اور اشعار پڑھنے میں بھی جان بوجھ کر وزن توڑ دیتے تھے، جن پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما بھی دیا کرتے تھے کہ حضرت! اس طرح نہیں ہے، اور آپ جواب میں فرما دیتے تھے کہ میں شاعر نہیں ہوں، آپ سے یہ شعر پڑھنا ثابت ہے، جس کے اسناد میں ائمہ نحو ہیں:

تفاء ل بما تهوىٰ يكن فلقلما　　　يقال لشيئ كانا لا تحقق

اصل شعر میں ''تحققا'' الف کے ساتھ تھا جس کو آپ نے توڑ دیا۔ العرف الشذی اور فیض الباری میں ''تحققا'' چھپا ہے، جو غلط ہے، کیونکہ سنن بیہقی، ص:۴۳، ج:۷ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضور علیہ السلام نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا، مگر ایک، اور پھر یہی مذکورہ بالا شعر ذکر کیا، اس کے بعد امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ رجز پڑھنے کا ثبوت حضور علیہ السلام سے ضرور ہوا ہے اور پھر سندوں کے ساتھ پڑھے ہوئے بہت سے رجزوں کا ذکر کیا۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ قرآن مجید سے شعر میں اقتباس جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً:

ايها الناس اتقوا ربكم　　　زلزلة الساعة شيئ عظيم

ومن يتق الله يجعل له　　　ويرزقه من حيث لا يحتسب

یہاں ایک ایک لفظ کم کر کے شعر بنا دیا ہے، اس طرح شافعیہ کے یہاں جائز ہے، مگر ہمارے یہاں جائز نہیں ہے اور اس سے مجھے تو خوف ہی ہے، اگر بغیر کم کیے ہو جائے تو خیر!۔ (انوار الباری:۱۴/ ۳۹، ۴۰)

(۲) یٰسن: ٦٩

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک آدھ شعر کہنے سے، یا کبھی کبھار شعر پڑھنے سے کوئی شاعر نہیں بن جاتا، اور نہ ہی ایسے شخص کو شاعر کا نام دیا جاتا ہے، اور نہ ہی وہ اشعار اس شخص کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں(۱)۔

صحیح قول یہی ہے کہ رجز بھی شعر کی ہی ایک قسم ہے، کیونکہ شعر اس کلام موزون کو کہتے ہیں، جس میں قافیہ کی رعایت کی جائے، اور رجز بھی اسی طرح ہے(۲)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشعار پڑھتے تھے، بلکہ ظاہر بات تو یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجز پڑھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہوتے تھے، کیونکہ واؤ حالیہ ہے، اور جملہ "النبي صلى الله عليه وسلم معهم" حال کی جگہ ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس جملہ "النبي صلى الله عليه وسلم معهم" کا عطف یرتجزون کی ضمیر پر ہے، اس صورت میں اشعار پڑھنے والوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب تھے(۳)۔

سماع کے مباح ہونے پر استدلال

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان اشعار پڑھنے سے سماع کے مباح ہونے پر دلیل پکڑی ہے، لیکن موجودہ دور میں اس میں غلو ہو چکا ہے، حد جواز سے تجاوز کیا جا چکا ہے، آلات موسیقی کو جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ حرام ہیں، رقص کو جائز سمجھا جاتا ہے، یہ تو مجنون، اہل باطل اور فساق لوگوں کے کام ہیں، جو انہوں نے دین میں داخل کر دیئے ہیں حالانکہ وہ دین میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ہمیں ان سے محفوظ رکھے، آمین(۴)

وهو يقول:

اللهم لا خير إلا خير الآخرة　　　فاغفر للأنصار والمهاجرة.

---

(۱)عمدة القاري: ٢٦٣/٤

(۲)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢٣/٢

(۳)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢٤/٢

(٤)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢٤/٢

اور یہ فرمارہے تھے: اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمایئے۔

قولہ:"وهو يقول"، یہ جملہ حال ہے،النبي سے(۱)۔

قولہ:''اللهم لا خير إلا خير الآخرة''، صحیح البخاری کی ہی ایک روایت اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں:''اللهم إنه لا خير إلا خير الآخرة ''ہے، معنی کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کہ اے اللہ! اصل خیر تو آخرت کی خیر ہی ہے(۲)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٢٦٤/٤

(٢)حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، ح وحدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الصمد، قال: سمعت أبي يحدث، حدثنا أبو التياح يزيد بن حميد الضبعي، قال: حدثني أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، نزل في علو المدينة، في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف، قال: فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم أرسل إلى ملإ بني النجار، قال: فجاء وا متقلدي سيوفهم، قال: وكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى ألقى بفناء أبي أيوب، قال: فكان يصلي حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم، قال: ثم إنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى ملإ بني النجار فجاء وا، فقال: يا بني النجار! ثامنوني حائطكم هذا فقالوا: لا والله، لا نطلب ثمنه إلا إلى الله، قال: فكان فيه ما أقول لكم، كانت فيه قبور المشركين، وكانت فيه خرب، وكان فيه نخل، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت، وبالخرب فسويت، وبالنخل فقطع، قال:فصفوا النخل قبلة المسجد، قال: وجعلوا عضادتيه حجارة، قال: قال: جعلوا ينقلون ذاك الصخر **وهم يرتجزون، ورسول الله صلى الله عليه وسلم معهم، يقولون: اللهم إنه لا خير إلا خير الآخره، فانصر الأنصار والمهاجره**. (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب: مقدم النبي صلى الله عليه وسمل وأصحابه المدينة، رقم الحديث: ٣٩٣٢)

حدثنا يحيى بن يحيى، وشيبان بن فروخ، كلاهما عن عبد الوارث، قال يحيى: أخبرنا عبد الوارث بن سعيد، عن أبي التياح الضبعي، حدثنا أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة، فنزل في علو المدينة، في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم إنه أرسل إلى ملأ بني النجار، فجاء وا متقلدين بسيوفهم، قال: فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على =

اس کے علاوہ ایک روایت میں ”اللهم إن الخير خير الآخرة“ کے الفاظ بھی منقول ہیں(١)۔

قولہ: ”فاغفر للأنصار“، اس روایت میں ”للأنصار“ ہے، جبکہ مستملی اور حموی کی روایت میں لام حرف جر کے بغیر ”الأنصار“ ہے(٢)، اور سنن ابی داوٗد کی روایت میں ”فاغفر“ کی جگہ ”فانصر“ ہے، یعنی: ”فانصر الأنصار“(٣)۔

= راحلته، وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى ألقى بفناء أبي أيوب، قال: فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم، ثم إنه أمر بالمسجد، قال فأرسل إلى ملأ بني النجار فجاء واء، فقال: يا بني النجار، ثامنوني بحائطكم هذا قالوا: لا، والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله، قال أنس: فكان فيه ما أقول: كان فيه نخل وقبور المشركين وخرب، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالنخل فقطع، وبقبور المشركين فنبشت، وبالخرب فسويت، قال: فصفوا النخل قبلة، وجعلوا عضادتيه حجارة، قال: فكانوا يرتجزون، ورسول الله صلى الله عليه وسلم معهم، **وهم يقولون: اللهم إنه لا خير إلا خير الآخره، فانصر الأنصار والمهاجره.** (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٥٢٤)

(١) حدثنا عمرو بن علي، حدثنا خالد بن الحارث، حدثنا حميد، عن أنس رضي الله عنه: خرج النبي صلى الله عليه وسلم، في غداة باردة، والمهاجرون والأنصار يحفرون الخندق، فقال:

اللهم إن الخير خير الآخره فاغفر للأنصار والمهاجره

فأجابوا:

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد ما بقينا أبدا

(صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب: كيف يباع الإمام الناس، رقم الحديث: ٧٢٠١)

(٢) فتح الباري: ١/ ٦٨١. عمدة القاري: ٤/ ٢٦٤

(٣) حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، عن أبي التياح، عن أنس بن مالك، قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فنزل في علو المدينة في حي يقال: لهم بنو عمرو بن عوف فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم أرسل إلى بني النجار فجاء وا متقلدين سيوفهم، فقال أنس: فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته، وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله حتى ألقى بفناء أبي أيوب، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي، حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم، وإنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى بني النجار فقال: يا بني النجار، ثامنوني بحائطكم هذا فقالوا: والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز وجل، =

انصار کی وجہ تسمیہ

''انصار'' جمع ہے نصیر کی، جیسے شریف کی جمع ''اشراف'' ہے، اس جماعت کو انصار اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے دشمنوں سے حفاظت کی۔ یہ جماعت اپنی اس صفت میں کچھ ایسی ممتاز ہوئی کہ ان کا نام ہی ''انصار'' ہو گیا، اور ایسا معروف و مشہور ہو گیا کہ گویا کسی قبیلے کا نام انصار ہے(۱)۔

مہاجرین کی وجہ تسمیہ

قولہ: ''والمهاجرة''، اس سے مراد وہ جماعت ہے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور آخرت کی کامیابی کی طلب میں مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، ہجرت کی اصل کسی چیز کو ترک کرنا، چھوڑ دینا ہے، پھر یہ لفظ ایک زمین کو چھوڑ کے دوسری زمین کی طرف چلے جانے کے لیے استعمال ہونے لگا، اور پہلے معنی کا استعمال متروک ہو گیا(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس شعر کو شعر کے انداز میں پڑھا جائے گا تو لفظ "آخرة" اور "المهاجرة" پر وقف کر کے جزم کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ لیکن منقول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو وزن شعری سے نکالتے ہوئے تاء متحرکہ کے ساتھ پڑھا تھا(۳)۔

= قال أنس: وكان فيه ما أقول لكم، كانت فيه قبور المشركين، وكانت فيه خرب، وكان فيه نخل، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين، فنبشت وبالخرب فسويت وبالنخل فقطع، فصفوا النخل قبلة المسجد، وجعلوا عضادتيه حجارة، وجعلوا ينقلون الصخر، **وهم يرتجزون والنبي صلى الله عليه وسلم معهم، وهو يقول: اللهم لا خير إلا خير الآخره فانصر الأنصار والمهاجره**. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في بناء المساجد، رقم الحديث: ٤٥٣)

(۱)المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده، الماده: ن ص ر، ٨/ ٢٩٩۔ لسان العرب، فصل النون: ٥/ ٢١٠

(۲)عمدة القاري: ٤/ ٢٦٤

(۳)شرح الكرماني: ٤/ ٩٠

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ ترجمہ میں بھی اور حدیث مبارکہ میں بھی مشرکین کی قبور کو اکھیڑنے کا ذکر ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور واحکام

اس حدیث مبارک سے بہت سے احکام وآداب مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۱۔ایک ہی سواری پر سوار کے پیچھے کسی دوسرے بندے کو بھی بٹھانے کا جواز معلوم ہوا(۲)۔

۲۔بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز کی ادائیگی کے جواز کا علم ہوا(۳)۔

۳۔ہبہ یا بیع کی وجہ سے جس قبرستان کا مالک بنا ہوا اس قبرستان میں تصرفات کرنے کے جواز کا علم ہوا(۴)۔

۴۔یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کی قبور کو اکھیڑنا جائز ہے، کیونکہ وہ قابل احترام نہیں ہیں(۵)۔

۵۔یہ معلوم ہوا کہ جب قبر میں مردے کی ہڈیاں تک ختم ہو کر مٹی میں مل جائیں تو اس زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے(۶)۔

۶۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تازہ پھل دار درختوں کا بوقت ضرورت کاٹ کر استعمال میں لانا بھی درست ہے(۷)۔

۷۔ذہنوں کو تازہ رکھنے کے لیے اشعار کہنے کا جواز بھی معلوم ہوا(۸)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٨

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٣)عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٤)فتح الباري: ١/ ٦٨١. عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٥)أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري للخطابي: ١/٣٩١- فتح الباري: ١/ ٦٨١. عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٦)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٧٤٧. عمدة القاري: ٤/ ٢٦٥

(٧)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٧٤٧. عمدة القاري: ٤/ ٢٦٥

(٨)عمدة القاري: ٤/ ٢٦٥

۸۔علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا قول ماقبل میں گذرا کہ وہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جہاں رہنے کا اہتمام کرے، جس جگہ کو اپنا وطن بنائے تو وہاں جمعہ اور جماعت کو قائم کرنے اور شعائر اسلام کے اظہار کی خاطر مسجد قائم کرے۔(اس میں یہ ضروری ہے کہ پہلے سے وہاں مسجد نہ ہو، یا پھر ہو تو صحیح ،لیکن آبادی کے اعتبار سے ناکافی ہو)،(۱)

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

۱۷ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ اَلْغَنَمِ .

یہ باب ہے بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کے بارے میں

قولہ:"مرابض"، کا مادہ ہے رب ض، جس کے معنی ہیں: کسی جگہ ٹھہرنا، یہ جمع ہے مَربِض (''میم'' کی فتحہ اور ''باء'' کی کسرہ) کی۔ ربَضَ، یَربِضُ باب ضرب یضرِبُ سے اسم مکان ہے، جس کے معنی: بکریوں کے رہنے کی جگہ کے ہیں، جسے باڑہ اور تھان بھی کہتے ہیں(۲)۔

بعض حضرات نے اس لفظ کو مِربَض (بکسر المیم) پڑھا ہے، لیکن اسے علامہ عینی رحمہ اللہ نے غلط قرار دیا ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیگر جانور مثلاً گائے، بھینس، گھوڑا، اونٹ وغیرہ کے مقابل بکریوں میں مسکنت ہوتی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جانوروں کے مقابلے میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے(۴)۔

نیز فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے آپ صلی اللہ

---

(۱)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۱/۲

(۲)المحكم والمحيط الأعظم، المادة: رب ض: ۱۹٤/۸ . الصحاح للجوهري، المادة: رب ض، ۱۰۷٦/۳ .

(۳)عمدة القاري: ۲٦٥/٤

(٤)الأبواب والتراجم: ۲۱٤/۲ . الكنز المتواري: ٤/ ۱۳۳ .

علیہ وسلم کا مرابض غنم میں نماز پڑھنا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا، بلکہ قصداً تھا(١)۔

٤١٩ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي ٱلتَّيَّاحِ ، عَنْ أَنَسٍ(٢) قَالَ : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ ٱلْغَنَمِ ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ : كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ ٱلْغَنَمِ ، قَبْلَ أَنْ يُبْنَى ٱلْمَسْجِدُ . [ر : ٢٣٢]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

١۔سلیمان بن حرب

یہ ''ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشحی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان، کے تحت گزر چکے ہیں(٣)۔

٢۔شعبہ

یہ ''شعبہ بن الحجاج بن الورد واسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(٤)۔

٣۔ابی التیاح

یہ ''ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، کے تحت گذر چکے ہیں(٥)۔

---

(١)سراج القاري: ١٤/٢

(٢)مر تخريجه تحت رقم الحديث: ٢٣٢، كتاب الوضوء، باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها.

(٣)كشف الباري: ١٠٥/٢

(٤)كشف الباري: ٦٧٨/١

(٥)كشف الباري: ٢٦١/٣

۴۔ انس

یہ مشہور صحابی رسول "حضرت انس بن مالک" رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوالتیاح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کر لیتے تھے، پھر اس کے بعد میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی) بننے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کی شرح تفصیل سے کتاب الوضو کے باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، میں گذر چکی ہے(۲)۔

خلاصہ اس تشریح کا یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے آسانی اور سہولت والا معاملہ کرتے ہوئے پوری روئے زمین کو نماز اور طہارت کی جگہ بنا دیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہ جگہ کی پاکی کا لحاظ رکھتے ہوئے وہاں نماز ادا کر لے، یہ اس امت کا امتیازی وصف ہے، اس کی عمومیت میں بکریوں کے باڑے میں ادا کی جانے والی نماز بھی شامل ہے۔

دوسری بات یہ کہ روایت کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے کا تھا اور مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مسجد میں نماز ادا کرنے کا تھا، یعنی: بکریوں کے

---

(۱) کشف الباری: ۲/٤

(۲) کشف الباري: کتاب الوضوء، باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحديث: ۲۳٤.

باڑے میں نماز ادا کرنا مطلوب ومحمود نہیں ہے، بلکہ بوقت ضرورت ایسی جگہ نماز ادا کرنا جائز ہے۔

قولہ: "ثم سمعته بعدُ"، اس قول کا قائل کون ہے؟ اس بارے میں علامہ برماوی رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اس کے قائل "ابوالتیاح" ہیں جنہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی (۱)۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اس کے قائل حضرت شعبہ کا ہے جو اس حدیث کو حضرت ابوالتیاح سے روایت کررہے ہیں (۲)۔

اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں دونوں احتمال ہیں (۳)۔

اس زیادتی کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک مسجد نبوی تعمیر نہیں ہوئی تھی تب تک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے وقت، جب کوئی اور جگہ میسر نہ ہوتی تو بکریوں کے باڑے میں بھی نماز ادا فرمالیتے تھے۔لیکن جب مسجدِ نبوی تعمیر ہوگئی تو پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ نماز ادا نہیں کی، اگرچہ ایسی جگہوں میں ناپاکی وغیرہ سے سلامتی کی صورت میں نماز ادا کرنے کا جواز برقرار ہے (۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ دونوں میں بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے کا ذکر ہے (۵)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۱۸۹/۳

(۲) فتح الباری: ۶۸۲/۱

(۳) عمدة القاري: ٢٦٦/٤

(۴) عرب بکریاں اور اونٹ پالتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، جہاں رات کے وقت انہیں لاکر وہ باندھتے تھے ان میں ایک طرف اپنے اٹھنے بیٹھنے کی بھی جگہ بنالیا کرتے تھے، جس کی صفائی کا التزام رکھتے تھے، چونکہ مساجد کی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور نماز پڑھنے کے لیے اسلام میں کسی خاص جگہ کی قید نہیں تھی، اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور صحابہؓ نے بھی بکریوں کے ان باڑوں میں نماز ادا فرمائی، پھر یہاں کی کوئی تخصیص نہیں تھی، جہاں بھی نماز کا وقت ہوجاتا، آپ فوراً ادا کرلیتے، جب مسجد کی تعمیر ہوگئی تو اب عام حالات میں نماز مسجد ہی میں پڑھنا بہتر قرار پایا۔(انوار الباری: ۴۰/۱۴)

(۵) عمدة القاري: ٢٦٥/٤

١٨ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ الْإِبِلِ .

یہ باب اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے۔

قولہ:"مواضع الإبل"، اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مواضع الإبل کا لفظ استعمال کیا ہے، حالانکہ احادیث میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا، بلکہ حضرت براء اور جابر بن سبرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "مبارك الإبل" کے الفاظ ہیں(۱)، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "أعطان الإبل" کے الفاظ (۲)، اور حضرت اُسید بن حضیر کی روایت میں "مناخ الإبل" کے الفاظ (۳)، اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں "مرابد الإبل" کے الفاظ منقول ہیں (۴)، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان تمام الفاظ کو ترک کر کے "مواضع الإبل" کا لفظ استعمال کیا ہے، کیونکہ یہ لفظ سابقہ تمام معانی کو شامل ہے (۵)۔

---

(١)عن البراء بن عازب، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوضوء من لحوم الإبل، فقال: توضؤوا منها، وسئل عن لحوم الغنم، فقال: لا توضؤوا منها، **وسئل عن الصلاة في مبارك الإبل،** فقال: لا تصلوا في مبارك الإبل، فإنها من الشياطين، وسئل عن الصلاة في مرابض الغنم، فقال: صلوا فيها فإنها بركة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب: في الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ١٨٧)

عن جابر بن سمرة أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم أأتوضأ من لحوم الغنم؟ قال: إن شئت فتوضأ، وإن شئت فلا توضأ. قال أتوضأ من لحوم الإبل؟ قال: نعم فتوضأ من لحوم الإبل، قال: أصلي في مرابض الغنم؟ قال: نعم. **قال: أصلي في مبارك الإبل؟** قال: لا. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب: الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ٩٧)

(٢) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوا في مرابض الغنم، **ولا تصلوا في أعطان الإبل**. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في مرابض الغنم وأعطان الإبل، رقم الحديث: ٣٤٨)

(٣)فتح الباري: ٦٨٢/١

(٤) عن عبد الله بن عمرو: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في مرابد الغنم، **ولا يصلي في مرابد الإبل** والبقر. (مسند أحمد بن الحنبل، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص، رقم الحديث: ٦٦٥٨، ٢٣٩/١١)

(٥)فتح الباري: ٦٨٢/١

معنی ان تمام الفاظ کا قدرے فرق کے ساتھ تقریباً ایک ہی ہے۔

"مَبارِك"، اس کے معنی: گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں، جب اونٹ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا ہے تو اس کے بیٹھنے کی جگہ کو مَبرَك اور اس کی جمع کو مَبارِك کہتے ہیں(۱)۔

"معاطن" جمع ہے "معطِن" کی، اس کے معنی ہیں تالاب کے ارد گرد اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ، ایسا عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب اونٹ یا بکریاں وغیرہ پانی پی کر سیراب ہو جاتے ہیں، اس کے بعد وہ تالاب کے ارد گرد ہی بیٹھا دیئے جاتے ہیں، تاکہ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ پانی پی لیں، کیوں کہ انہوں نے ہفتہ بھر کے اپنے پیٹ میں پانی کا ذخیرہ جمع کرنا ہوتا ہے، تو اس جگہ کو "معاطن" کہتے ہیں(۲)۔

"مرابد" جمع ہے "مربد" کی، اس کے معنی بھی اونٹ بٹھانے اور باندھنے کی جگہ ہے(۳)۔

"مناخ" کے معنی بھی یہی ہیں(۴)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس باب سے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں نماز کی ادائیگی کی صحیح ہونے کو بیان کرنا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا رد کرنا ہے، کہ ان کے نزدیک اونٹ باندھنے کی جگہوں میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے(۵)۔

---

(۱)الصحاح تاج اللغة، برك: ٤/١٥٧٤. المعجم الوسيط: باب الباء: ١/٥٢.

(۲)النهاية في غريب الحديث والأثر، عطن: ٣/٢٥٨. لسان العرب، فصل العين المهملة: ١٣/٢٨٦. المعجم الوسيط، باب العين: ٢/٦٠٩

(۳)الصحاح تاج اللغة: ٢/٤٧١. لسان العرب، فصل الراء: ٣/١٧٠. المعجم الوسيط، باب الراء: ١/٣٢٢

(٤)المغرب في ترتيب المعرب، العين مع الطاء: ١/٣١٩

(۵)علامہ بجنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس باب وحدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت جن احادیث میں موجود ہے وہ دوسری وجوہ سے ہے کہ بعض اونٹ شریر ہوتے ہیں، بدک جائیں تو نماز اطمینان سے پڑھنی مشکل ہو، وغیرہ، ورنہ اگر سدھائے ہوئے ہوں اور سواری کے ہوں جو اکثر بہت ہی زیادہ شریف مزاج ہوتے ہیں تو ان کے قرب میں فی نفسہ کوئی خرابی نماز میں آسکتی تو حضور علیہ السلام خود کیوں نماز پڑھتے؟! لیکن امام احمدؒ نے یہاں فقہی دقتِ نظر سے کام نہ لے کر ظاہری ممانعت حدیث کی وجہ سے اونٹوں کے طویلہ میں نماز کو نادرست قرار دیا اور اسی کا رد امام بخاریؒ =

علامہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ "مواضع ابل "اور"معاطن ابل "میں فرق بیان فرما رہے ہیں کہ معاطن اور شئی ہے، مواضع اور شئی۔ معاطن وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں اونٹ پانی پینے کے وقت ٹھہرتا ہے۔ اور نہی مذکور خاص ہے معاطنِ ابل کے ساتھ، لہٰذا اونٹ کے اٹھنے بیٹھنے کی دوسری جگہوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ان جگہوں میں نماز جائز رہے گی (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب کو قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ وہ ممانعت جو اونٹوں کے باڑے میں نماز سے متعلق ہے وہ اپنے عموم پر نہیں ہے اور نہ ہی وہ ممانعت کسی ایسی علت پر مبنی ہے جو اونٹ کی ذات میں پائی جاتی ہو، بلکہ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنے سے یکسوئی باقی نہیں رہتی، دل میں اونٹ کی طرف سے نقصان، شرارت اور نجاست کے وساوس منڈلاتے رہتے ہیں، لہٰذا اگر ان امور سے تحفظ ممکن ہو، اور دل کا اطمینان حاصل ہو تو پھر ایسی جگہوں میں نماز کے صحیح ہونے سے کچھ مانع نہیں ہے۔ جیسے کجاوے کی لکڑی وغیرہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا درست ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اثر سے اس کا اشارہ مل رہا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا اثرِ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے استدلال کرتے ہوئے اونٹوں کے باڑے میں نماز کے جواز کو اختیار کرنا درست ہے (۲)۔

علامہ کاندھلوی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ کے ذریعہ ان احادیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے سے منع کے بارے میں

= نے کیا ہے۔ حافظؒ نے یہاں لکھا کہ ممانعت والی احادیث امام بخاریؒ کی شرط پر نہ ہوں گی، اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا، مگر میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ دوسروں کے مسلک والی احادیث روایت کرنے کا التزام ہی کب کرتے ہیں جو تاویل مذکور کی جائے، واللہ اعلم۔ (انوار الباری: ۱۴/۴۱)

(۱) حاشية السندي، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في مواضع الإبل: ۱/۱۲۶، الطاف سنز.

(۲) اللامع الدارري: ۱/۱۶۶

وارد ہوئی ہیں اور وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر پورا نہیں اترتیں۔یعنی: اس باب کے قائم کرنے کے ذریعے امام بخاری رحمہ اللہ اونٹوں کے باڑے میں نماز کے جواز کو بتلا رہے ہیں(۱)۔

اونٹوں کے باڑے میں نماز کا حکم

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ) کے نزدیک اونٹوں کے باندھنے کی جگہ میں جبکہ وہاں اونٹ بندھے ہوئے ہوں تو وہاں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ شریر جانور ہے، اس کی شرارت اور اس کے بھاگنے اور کچل دینے کے خوف کی وجہ سے نماز میں خلل کا اندیشہ ہے، اور یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں نجاست زیادہ ہوتی ہے، بخلاف بکریوں کے باڑے میں۔

اور اگر ایسی جگہوں میں جگہ پاک وصاف ہو یا پاک کپڑا بچھا کے نماز پڑھ لی جائے تو پھر کراہت بھی نہیں ہے(۲)۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی جگہوں میں نماز ادا نہیں ہوتی، ان کی دلیل سنن ابی داؤد کی وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے باڑے میں نماز مت پڑھو کیونکہ ان کی خلقت شیاطین سے ہے(۳)، البتہ ان کے نزدیک

---

(۱)تحفة القاري: ۲/۴۸۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة: ۱/۱۱۵

حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة: ۱/۳۸۰

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/۳۵۷.

شرح التلقين للمازري المالكي، كتاب الصلاة، فصل: الأماكن التي تكره فيها الصلاة: ۱/۸۲۰

المدونة، كتاب الصلاة، الصلاة في المواضع التي تكره فيها الصلاة: ۱/۱۸۳

مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل، كتاب الصلاة، فائدة: تكره الصلاة في أربعة عشر موضعا: ۱/۴۱۹

البيان في مذهب الإمام الشافعي، كتاب الصلاة، مسألة: الصلاة في أعطان الإبل: ۲/۱۱۱

التهذيب في فقه الإمام الشافعي، كتاب الصلاة: ۲/۲۰۵

النجم الوهاج في شرح المنهاج، كتاب الصلاة، فصل:۲/۲۴۳

(۳)عن البراء بن عازب، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوضوء من لحوم الإبل، فقال توضؤوا منها، وسئل عن لحوم الغنم، فقال: لا توضؤوا منها، وسئل عن الصلاة في مبارك الإبل، فقال: لا تصلوا في مبارك الإبل، فإنها من الشياطين، وسئل عن الصلاة في مرابض الغنم، فقال: صلوا فيها فإنها بركة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب: في الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ۱۸۷)

بھی اونٹ کے چلنے پھرنے کی جگہوں میں، عارضی قیام گاہ، (جیسے: راہ چلتے چلتے کچھ دیر کے لیے رک کر بیٹھ گئے، یا چارہ کھانے کے لیے بیٹھ گئے ہوں وغیرہ وغیرہ) میں نماز ادا کرنا جائز ہے(۱)۔

حنابلہ کی دلیل کا جواب

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کے جملے "فإنها من الشياطين" میں "ہ" ضمیر کا مرجع ماقبل جملے میں لفظِ "مبـــارِك" بنے گا یا پھر لفظِ "ابــل"، دونوں احتمال موجود ہیں، اگر احتمال اول مراد ہو تو اس صورت میں "الشيــاطين" سے قبل مضاف محذوف ہوگا، یعنی: "مـأوى الشيـاطين"، کہ اونٹوں کے باڑے شیاطین کے ٹھکانے ہیں۔

اور اگر دوسرا احتمال مراد ہو یعنی: ضمیر راجع ہو "ابل" کی طرف، تو اس سے لازم آئے گا کہ اونٹ شیاطین کی نسل میں سے ہیں۔ اس احتمال کو سامنے رکھتے ہوئے بعض کا کہنا ہے کہ یہ جملہ اپنی حقیقت پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اونٹ بھی شیاطین کے پانی سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں معنیٔ حقیقی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنیٔ مجازی مراد ہیں، یعنی: اونٹوں کو شیاطین کے ساتھ نفور اور شرارت میں تشبیہ دی گئی ہے، کہ جس طرح شیاطین شریر ہوتے ہیں، اسی طرح اونٹ بھی شریر ہوتے ہیں۔

اور بعض علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ شیطان بھی دو ہیں، ایک: وہی جو جنات کی نسل سے ہے اور مشہور و معروف ہے اور دوسرا ہر سرکش و شریر پر بھی شیطان کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا اونٹوں کے بارے میں "فـإنهـا من الشياطين" کہنے میں بھی یہی دوسری قسم مراد ہے۔

پھر ممانعت (لا تـصـلـوا في مبارك الإبل) کی علت جمہور کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ وہ شیطان کی نسل سے ہیں، ورنہ اس صورت میں تو ان کے قرب میں، اور اُن کی طرف منہ کر کے یا ان پر سوار ہو کر بھی نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا، جبکہ ان سب کا جواز منقول ہے، بلکہ ممانعت کی علت میں کئی احتمال ہیں، مثلاً:

بعض نے کہا: اونٹ والوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اونٹوں کی آڑ میں بیٹھ کر پیشاب پاخانہ واستنجاء

---

(۱) المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، مسألة: الصلاة في المقبرة: ۵۳/۲

الممتع في شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسات: ۳۲۰/۱

حاشية الروض المربع، كتاب الصلاة، اختلف في الموضع المغصوب: ۵۴۱/۱

کرتے ہیں، اس لیے منع کیا گیا۔

بعض نے کہا کہ اونٹوں کے مالک اونٹوں کو صاف وستھرا اور پاک نہیں رکھتے۔

بعض نے کہا کہ اونٹ بڑا شریر ہوتا ہے، اچھلتا اور بدکتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے نمازی کو نقصان وضرر پہنچنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

بعض نے کہا کہ اونٹوں سے بڑی کریہہ بو آتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے منع کیا گیا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے کہ کراہت کی وجہ قربِ شیطان ہے، کیونکہ حدیث میں اونٹ کو من جنس الشیاطین کہا گیا ہے(۱)۔

گائے کے باڑے میں نماز ادا کرنے کا حکم

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ گائے کے باڑے میں نماز کی ادائیگی کو بکریوں کے باڑے والے حکم کے ساتھ جوڑا جائے گا، نہ کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز کے حکم کے ساتھ، یعنی: گائے کے باڑے میں نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

پھر علامہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی کہے کہ مسند احمد میں ایک حدیث موجود ہے جس میں گائے کے باڑے میں نماز کے حکم کو اونٹ کے باڑے میں نماز کے ساتھ جوڑا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے، اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا(۲)۔

حدیث باب

۴۲۰ : حدّثنا صَدَقَةُ بْنُ ٱلْفَضْلِ قَالَ : أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ : حَدَّثنا عُبَيْدُ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ : (۳) رَأَيْتُ ٱبْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيرِهِ . وَقَالَ : رَأَيْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهُ . [۴۸۵]

---

(۱) بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب: في الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ۱۸۷ : ۹۸/۲. الكنز المتواري: ۱۳۳/٤، ۱۳٤. أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب: سترة المصلي في السفر، رقم الحديث: ۳۵۸، ۲۸۸/۳، ۲۸۹. شرح الكرماني: ۹۲/٤.

(۲) فتح الباري: ٦۸۳/۱. عمدة القاري: ۳٦۹/٤

(۳) أخرجه البخاري أيضا في سترة المصلي، باب: الصلاة إلى الراحلة والبعير والشجر والرحل، رقم =

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔صدقہ بن الفضل

یہ "ابوالفضل صدقہ بن الفضل مروزی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: العلم والعظة بالليل، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔سلیمان بن حیان

ان کا نام حافظ سلیمان بن حیان الازدی الکوفی ہے، اور کنیت ابوخالد الاحمر ہے۔ ان کی جائے پیدائش جرجان اور سن پیدائش: ۱۱۴ ہجری ہے۔

ان کے اساتذہ میں عبیداللہ بن عمر، حمید الطّویل، داؤد بن ابی ھند، ابن عون، یحیی بن سعید انصاری، ابن عجلان، ہشام بن عروہ، ابن جریج، ہشام بن حسان، یزید بن کیسان، وعاصم الحول، حاتم بن ابی صغیرہ رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

اور ان کی تلامذہ میں صدقہ بن الفضل، آدم بن ابی ایاس، اسد بن موسی، ابوکریب، ابوسعید الاشج، یوسف بن موسی القطان، عمرو الناقد، محمد بن عبداللہ بن نمیر اور حمید بن الربیع وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ابن معین اور ابن المدینی رحمہما اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: ثقة.

= الحديث: ٥٠٧

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: سترة المصلي، رقم الحديث: ٥٠٢

وأبو داؤد في سننه، في الصلاة، باب: الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ٦٩٢

والترمذي في جامعه، في الصلاة، في باب: ما جاء في الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ٣٥٢

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع السابع: في قبلة المصلي، النوع الثاني: في سترة المصلي، رقم الحديث: ٣٧٤٤، ٥/٥٢١.

(١) كشف الباري: ٤/٣٨٨

عثمان الدارمی ابن معین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: ليس به بأس.

امام نسائی رحمہ اللہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔

عباس الدوری ابن معین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: صدوق وليس بحجة.

ابو ہشام الرفاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: الثقة الأمين.

ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: صدوق.

خطیب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ حدیث کے معاملے میں ان پر کوئی طعن نہیں ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: له أحاديث صالحة.

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

عجلی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ثقة ثبت صاحب سنة.

یہ اصلاً شامی تھی لیکن کوفہ میں پلے بڑھے۔ ان کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی (۱)۔

۳۔ عبید اللہ

یہ ''عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۴۔ نافع

یہ ''مولی عبد اللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٨٥٩/٤. تهذيب التهذيب: ٤/ ١٨١. إكمال تهذيب الكمال: ٥٠/٦. سير أعلام النبلاء: ٩/ ١٩. لسان الميزان: ٣١٧/٩. الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٩١/٦.

(۲) كشف الباري، كتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠

(۳) كشف الباري: ٦٥١/٤

۵۔ابن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس ، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے اونٹ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتے دیکھا۔اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔

شرح حدیث

قولہ: ''رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يفعله''، **میں** ''يفعله'' **کا مطلب** ''يصلي والبعير في طرف قبلته'' ہے، اسے علامہ عینی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔اس تشریح میں اس بات کا بیان ہے کہ محض قبلہ کی طرف ہی رُخ نہیں تھا بلکہ وہ اونٹ قبلہ جانب بھی تھا، تب ہی تو نماز درست ہوگی ورنہ نہیں(۲)۔

یہ بات ماقبل میں بھی گذر چکی کہ علامہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ''مواضع ابل'' اور ''معاطن ابل'' میں فرق بیان فرمارہے ہیں کہ ''معاطن'' اور شئی ہے، اور ''مواضع'' اور شئی۔''معاطن'' وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں اونٹ پانی پینے کے وقت ٹھہرتا ہے۔اور نہی مذکور خاص ہے معاطنِ ابل کے ساتھ، لہٰذا اونٹ کے اٹھنے بیٹھنے کی دوسری جگہوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ان جگہوں میں نماز جائز رہے گی(۳)۔

---

(۱)كشف الباري:۱/۶۳۷

(۲)شرح الكرماني: ۹۲/٤.عمدة القاري: ۲۸۱/٤

(۳)حاشية السندي، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في مواضع الإبل: ۱۲٦/۱، الطاف سنز.

دیگر روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اونٹوں کی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے، جب کہ اونٹ کے کھڑے ہونے سے اور تکلیف پہنچانے سے مامون ہو۔ یہاں حدیث میں بعیر سے مراد سواری ہے، بوجہ اس کے کہ بعیر کی نسبت، اضافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے اوپر سامان نہیں لادا جاتا تھا، ورنہ اس کو ''حاملہ'' کہتے، اور نہ اس سے کام کاج لیا جاتا تھا، ورنہ اسے ''راحلہ'' کہا جاتا، اور نہ ہی اس سے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا، ورنہ اسے ''سانیہ'' کہا جاتا۔

یہاں اونٹ کو سترہ بنا نماز پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی شرارت اور فتنہ سے حفاظت تھی، کیونکہ بعض سواریوں میں بہت سی ایسی صفات ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا اس پر اس صورت کو بھی قیاس کیا جائے گا، جہاں جانور کی تکلیف سے انسان محفوظ و مامون ہو، کیونکہ نہی کی علت موجود نہ ہونے یا ہونے پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔ نیز جانور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا سبب یہ بھی ہے کہ جانور ایک ذی روح شئے ہے لیکن اس میں بت پرستی کی مشابہت نہیں ہے، کیونکہ اہلِ باطل میں سے کسی نے بھی اونٹوں کی پرستش نہیں کی (۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ظاہری طور پر تو ترجمۃ الباب اور حدیث مبارکہ میں مناسبت نہیں ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب میں "مواضع الابل" میں نماز کا جواز بتایا ہے اور حدیث باب میں "صلوٰۃ الی البعیر" کا ذکر ہے۔

لیکن مناسبت ومطابقت اس اعتبار سے بن جائے گی کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم ومطالب میں توسع بہت ہوتا ہے تو یہاں بھی "صلوٰۃ الی البعیر" کو "مواضع الابل" میں شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطابقت یہ ہے کہ (اونٹوں کے بارے میں جو یہ کہا گیا

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى إلى بعيره، أو راحلته، وكان يصلي على راحلته حيث توجهت به. (جامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ۳۵۲)

(۲) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ۳۵۲، ۱/۳۳۸.

ہے کہ یہ شیاطین میں سے ہیں تو) اگر اونٹوں کا شیاطین میں سے ہونا صحت نماز سے مانع ہوتا، تو پھر نمازی کے سامنے اونٹ کا ہونا، یا اونٹ پر سوار ہو کر نماز ادا کرنا بھی صحیح نہیں ہونا چاہیے تھا، حالانکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سواری کی حالت میں نفل نماز ادا فرمائی ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

حدیثِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب حیوان قبلہ رخ بیٹھا ہو تو اس حیوان کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا درست ہے(۲)۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اونٹ کے قرب میں نماز کی ادائیگی جائز ہے، بخلاف ان کے معاطن کے، کہ ان میں نماز کی ادائیگی مکروہ ہے(۳)۔

اور اونٹ کے کجاوے وغیرہ کو سترہ بنا کر نماز ادا کی جا سکتی ہے(۴)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

(۱)تحفة القاري: ٤٨٩/٢

(۲)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٣/٥، عمدة القاري: ٢٧١/٤

(۳)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٣/٥، عمدة القاري: ٢٧١/٤

(٤)عمدة القاري: ٢٧١/٤

۱۹ – باب : مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّورٌ أَوْ نَارٌ ، أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يُعْبَدُ ، فَأَرَادَ بِهِ اللّٰهَ .

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جس نے نماز اس حال میں پڑھی کہ
اسکے سامنے تنور، آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کی جاتی ہو،
لیکن اس نماز کے ذریعے اس نے اللہ کی رضامندی کا ارادہ کیا۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

قولہ: "وقدّامہ تنور"، یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے، جو حال واقع ہوگا، اور "قدامہ" خبر مقدم ہے اور "تنور" مبتداء مؤخر ہے۔ لفظ قدّام کے معنی سامنے کے ہیں، یعنی: خلف کی ضد(۱)۔

قولہ: "تنور"، کے معنی اس گڑھے کے ہیں، جس میں آگ جل رہی ہو، اور اس سے مراد وہ مخصوص ومعروف گڑھا بھی ہے جس میں روٹیاں لگائی جاتی ہیں اور کبھی سالن بھی پکایا جاتا ہے، کبھی یہ گڑھا مٹی کا بنایا جاتا ہے اور کبھی یہ لوہے سے تیار کیا جاتا ہے(۲)۔

قولہ: "أو نار"، کا عطف "تنور" پر ہے، اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ صرف یہی لفظ ذکر کر دیا جاتا تو کافی تھا، "تنور" کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عطف العام علی الخاص کی قبیل سے ہے اور اس کو الگ سے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مجوسیوں میں بہت سے آگ کی پوجا کرنے والے وہ ہیں جو صرف اسی آگ کی پوجا کرتے ہیں جو ظاہر ہو، جب کہ بسا اوقات تنور اپنی گہرائی کی وجہ سے یا آگ کم ہونے کی وجہ سے اپنی آگ ظاہر نہیں کر پاتا، بلکہ اس کی آگ اس تنور کے گڑھے میں چھپی رہتی ہے، اس بنا پر تنور اور آگ دونوں کا الگ سے ذکر کیا گیا(۳)۔

قولہ: أو شيئ مما يعبد"، اس جملے کا عطف بھی ماقبل پر ہے، اور اس کی تقدیری عبارت "من صلی وقدامه شيئ مما يعبد كالأوثان والأصنام والتماثيل والصورونحو ذٰلك مما يعبده أهل الضلال والكفر" بنے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے کوئی ایسی چیز ہو جس کی پرستش کی جاتی ہو جیسے بت، مورتیاں، تصاویر وغیرہ اور ہر وہ چیز جس کی پرستش اہل کفر کرتے ہیں، ترجمۃ الباب کا یہ حصہ ماقبل کے دونوں الفاظ سے بھی زیادہ عام ہے(۴)۔

---

(۱) المحكم والمحيط الأعظم: ۱/۳۲۲. مختار الصحاح: ۱/۲٤۹

(۲) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/۱۹۹. المخصص لابن سيده: ۳/۱٦۹

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۲۷۳

(٤) عمدة القاري: ۲/۲۷۲، ۲۷۳

قولہ:"فأراد به وجه الله"، ترجمۃ الباب کے اس ٹکڑے سے مقصود یہ ہے کہ نماز کے سامنے ایسی اشیاء میں چاہے کچھ بھی سامنے ہو لیکن اس کا مقصود یہ اشیاء نہ ہوں بلکہ اللہ کی رضامندی ہی مقصود ہو تو اس بنا پر اس طرح ادا کی جانے والی نماز مکروہ نہیں ہوگی (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

پہلی بات تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالص اللہ کی رضا کے لیے نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اس کے سامنے تنور، آگ یا کوئی بھی ایسی چیز آجائے جس کو پوجا جاتا ہے، جیسے: درخت، سورج، چاند، گائے وغیرہ تو اس کی وجہ سے اس نمازی کی نماز میں کوئی خرابی یا کراہت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نماز درست ہے۔

اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو ترجمۃ الباب میں کراہت یا عدم کراہت کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ حکم کو مجہول یا مبہم رکھا ہے تو پھر کراہت کی جہت متعین کرنے کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کو قائم کر کے جو دو احادیث ذکر کی ہیں، ایک: تعلیقا، اور دوسری: موصولا، ان سے عدم کراہت پر دلالت ہو رہی ہے، اگرچہ بہت ساری وجوہ سے ان احادیث سے عدم کراہت پر استدلال تام نہیں ہے (۲)۔ (وضاحت آگے آ رہی ہے)

جب کہ اس کے مقابل بہت سارے تابعین (۳)، حنابلہ (۴) اور احناف (۵) کے نزدیک ایسی

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٧٣

(۲) فتح الباري لابن رجب: ٣/٢٢٨. عمدة القاري: ٤/٢٨١

(۳) علامہ ابن رجب حنبلی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ وغیرہ نے اپنی کتب میں حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ وہ تنور کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور تنور کو "بیت نار" کہتے تھے، ابن سیرین اور حضرت سفیان سے بھی کراہت منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباري لابن رجب: ٣/٢٢٩، فتح الباري لابن حجر: ١/٦٨٤، عمدة القاري: ٤/٢٧٣

(٤) كشف القناع عن متن الإقناع، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ما يكره وما يباح وما يستحب في الصلاة: ١/٣٧٠۔

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب: الإمامة وصلاة الجامعة، فصل: الصلاة مستقبلا وجه الإنسان: ٢/١٧٨ =

صورت میں نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

چنانچہ اپنی بات کو ثابت کرنے اور کراہت کے قائلین پر رد کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے، اور دلیل کے طور پر دو حدیثیں پیش کی ہیں، ایک: تعلیقا اور دوسری: موصولا۔

تعلیق

وَقَالَ ٱلزُّهْرِيُّ : أَخْبَرَنِي أَنَسٌ قَالَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (عُرِضَتْ عَلَيَّ ٱلنَّارُ وَأَنَا أُصَلِّي) . [ر : ۹۳]

تعلیق کا ترجمہ

حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے آگ لائی گئی اس حال میں کہ میں نماز ادا کر رہا تھا۔

تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو موصولا کتاب الصلاۃ میں ہی (۱) باب:"وقت الظهر عند

= المبدع في شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب: مكروهات الصلاة: ۱/ ٤۲۸

(٥) درر الحكام شرح غرر الأحكام، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة: ۱/ ۱۰۹

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات: ۱/ ۱۳۲

المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الراب في الصلاة، والتسبيح، وقراء ة القرآن والذكر، والدعاء، ورفع الصوت عند قراء ة القرآن والذكر والدعاء: ٥/ ۳۰۸.

(۱)حدثنا أبو اليمان، قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج حين زاغت الشمس، فصلى الظهر، فقام على المنبر، فذكر الساعة، فذكر أن فيها أمورا عظاما، ثم قال: من أحب أن يسأل عن شيئ فليسأل، فلا تسألوني عن شيئ إلا أخبرتكم، ما دمت في مقامي هذا فأكثر الناس في البكاء، وأكثر أن يقول: سلوني، فقام عبد الله بن حذافة السهمي، فقال: من أبي؟ قال: أبوك حذافة، ثم أكثر أن يقول: سلوني، فبرك عمر على ركبتيه، فقال: رضينا بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبمحمد نبيا، فسكت، **ثم قال: عرضت على الجنة والنار آنفا في عرض هذا الحائط،** فلم أر كالخير والشر. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: وقت الظهر عند الزوال، رقم الحديث: ٥٤۰)

الزوال" میں بیان کیا ہے، مکمل تخریج متعلقہ مقام پر آئے گی، ان شاء اللہ العزیز

تعلیق اور ترجمۃ الباب میں مطابقت

اس تعلیق اور ترجمۃ الباب میں مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز اپنے سامنے آگ کا مشاہدہ کیا، اور ترجمۃ الباب میں بھی یہی ہے کہ نمازی کے سامنے آگ ہو اور وہ نماز ادا کر رہا ہو، لیکن اس مطابقت اور بغرض استدلال اس تعلیق کو ترجمۃ الباب کے تحت لانے میں اشکالات ہیں، جو بالتفصیل آگے آرہے ہیں(۱)۔

تعلیق سے طریق استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دیکھو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں تھے، اس حالت میں آپ کے سامنے جہنم کی آگ پیش کی گئی، یعنی: آگ آپ کے سامنے تھی اور آپ مسلسل نماز میں تھے، اگر کراہت کا قول اختیار کیا جائے تو لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس صورت میں کراہت کے ساتھ ادا ہوئی، تو یہ درست نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی صورت پیش آجائے تو نماز بلا کراہت درست ہے۔

احناف کا مسلک اور امام بخاریؒ کے استدلال کا جواب

احناف کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اگر نمازی کے سامنے آگ یا تنور وغیرہ ہو، یعنی: ایسی چیز ہو جس کو پوجا جاتا ہے تو مجوسیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کی نماز میں بھی کراہت آجائے گی، لیکن اس نمازی کا قصدِ عبادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ کراہت تنزیہی ہوگی، تحریمی نہیں۔

رہ گئی بات امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی، تو وہ بوجہ تام نہ ہونے کے ہمیں تسلیم نہیں۔

اس استدلال کے ناقص یا تام نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جہنم کی جو آگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ نماز دکھائی گئی تھی وہ آپ کے اختیار کے بغیر تھی، یعنی: ایسا نہیں تھا کہ آگ پہلے سے جل رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا شروع کردی، بلکہ ایسا ہوا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نماز شروع فرمائی اور اس حالت میں آپ کے سامنے آپ کے ارادہ وچاہت اور اختیار کے بغیر جنت اور جہنم سامنے لائی گئی۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٧٣.

جبکہ ہمارا کلام اور بحث تو اس صورت کے بارے میں ہے کہ کسی جگہ آگ جل رہی ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے کھڑا ہو کر نماز ادا کرنا شروع کر دے۔ لہٰذا اس حدیث یا واقعے کو دلیل بنانا درست نہیں (۱)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جہنم کا یہ دکھلایا جانا بطور کشف کے ہوا، دلیل یہ ہے کہ آپ کے ساتھ جماعت میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کشف نہیں ہوا، یعنی: جہنم کی یہ آگ نظر نہیں آئی، جب کہ ہماری بحث حسی عالم میں نمازی کے سامنے آگ ہونے کی صورت میں ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی استدلال تام نہیں ہے (۲)۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہماری بحث اِس دنیا کی آگ کے بارے میں ہے، جب کہ وہ آگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ نماز دکھلائی گئی وہ آخرت کی آگ تھی (۳)۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اس بات کی دلیل کے طور پر ایک قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو چیرا تھا اور جنت کے پانی سے اسے غسل دیا تھا تو یہ سارا عمل سونے کے طشت میں کیا گیا جو حضرت جبرئیل اپنے ہمراہ لائے تھے، تو ان کے اس سونے والے طشت کے استعمال پر حرمت کا حکم نہیں لگا کیونکہ وہ برتن اس دنیا کا نہیں تھا بلکہ جنت کا لایا ہوا برتن تھا، اور حرمت کا تعلق دنیا کے اندر سونے کے برتن استعمال کرنے پر ہے۔ چنانچہ اس باب میں ذکر کردہ تعلیق میں دکھلائی جانے والی اخروی آگ پر بھی دنیوی آگ کا حکم نہیں لگایا جائے گا، تو جب یہ دونوں قسم کی آگ جدا ہو گئیں تو ایک آگ سے دوسری آگ کا حکم مستنبط نہیں کیا جا سکتا (۴)۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہماری بحث اس آگ میں ہے جو نمازی کے سامنے ہو، جب کہ وہ آگ جو آپ کو دکھائی گئی وہ ضروری نہیں کہ سامنے ہو بلکہ ممکن ہے کہ وہ یمینا اور شمالا بھی ہو (۵)۔

علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احتمالات کو دیکھ کر صاف یہ محسوس ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جزئی مسائل کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور ان کے حکم کو بیان کرنے کے لیے احادیث سے حکم

---

(۱)فتح الباري لابن رجب: ۳/۲۲۹. عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲. تحفة القاري: ۲/ ٤۹۰

(۲)عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲. تحفة القاري: ۲/ ٤۹۰

(۳)عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲. تحفة القاري: ۲/ ٤۹۰

(٤)فتح الباري لابن رجب: ۳/۲۲۹

(٥)عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲

مستنبط کرنے کی کوشش میں ہیں، لیکن جب وہ اپنی شرائط کے مطابق واضح حدیث نہیں پاتے تو پھر انتہائی کھینچ تان کے اس طرح کے دور کے استدلالات کررہے ہیں(۱)۔

علامہ کاندھلوی رحمہ اللہ نے ایک توجیہ اور پیش کی ہے کہ اگر اس کو مدنظر رکھ لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام دیگر فقہاء کے مقابل ومخالف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ جب نمازی کے سامنے ایسی آگ ہو جو دوسرے نمازیوں کے سامنے نہ ہو، یعنی: ان کی نظروں سے اوجھل ہو اور وہ اس حیثیت سے ہو کہ اس آگ کے نمازی کے سامنے ہونے سے مجوس کے ساتھ مشابہت لازم نہ آتی ہو تو اس جیسے حالت میں نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے(۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے مسلک پر ایک اعتراض

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے امام بخاری صاحب رحمہ اللہ کے اختیار کردہ مسئلہ پر معترضین کی طرف سے کیا جانے والا ایک اعتراض نقل کرکے اس کا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مصلی کے سامنے آگ ہو تو اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے آگے صفحہ/۶۲ پر "باب: الصلاة في البيعة" باندھ کر گرجا گھر میں نماز پڑھنے کو مکروہ ثابت کیا ہے، اسی طرح پیچھے صفحہ/۵۴ پر "باب: إن صلى في ثوب مصلب أو تصاوير" باندھ کر تصویر یا صلیب والے کپڑے میں نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کے مکروہ ہونے کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں تشبہ بعبادۃ الغیر لازم آتا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے اور یہ علت یہاں پائی جارہی ہے؛ اس لیے یہاں پر بھی نماز مکروہ ہونی چاہیے؟

اس کے جواب میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تماثیل کا حکم دیگر تمام معبودات کے حکم سے الگ ہے؛ کیوں کہ تصویر تو بذات خود ایک منکر شئی ہے، خواہ اس کی پرستش کی جائے یا نہ کی جائے، برخلاف آگ وغیرہ کے کہ وہ بالذات قبیح نہیں، البتہ اس کی عبادت حرام ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ تصاویر؛ نماز میں ہمہ تن مصروف ہونے سے غافل کرنے والی ہیں؛ اس لیے

(۱)تحفة القاري: ۲/ ٤٩٠

(۲)تحفة القاري: ۲/ ٤٩٠

تصویر والے کپڑے میں نماز مکروہ ہے(۱)۔

حدیثِ باب

٤٢١ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَبَّاسٍ(۲) قَالَ : ٱنْخَسَفَتِ ٱلشَّمْسُ ، فَصَلَّى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، ثُمَّ قَالَ : (أُرِيتُ ٱلنَّارَ ، فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ) . [ر : ٢٩]

تراجم رجال

اس حدیث مبارک کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ''ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی بصری''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۲۔مالک

یہ ''ابوعبداللہ امام مالک بن انس بن مالک''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

۳۔زید بن اسلم

یہ ''ابواسامہ زید بن اسلم قرشی عدوی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١)الأبواب والتراجم: ٢/٢١٥، الكنز المتواري: ١٣٦/٤، سراج القاري: ٩٣/٣.

(٢) مر تخريجه في كشف الباري تحت كتاب الإيمان، باب: كفران العشير وكفر بعد كفر، رقم الحديث: ٢٩، ٢٠٦/٢

(٣)كشف البارى: ٨٠/٢

(٤)كشف البارى: ٨٠/٢

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: کفران العشیر وکفر بعد کفر، رقم الحدیث: ۲۹، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔عطاء بن یسار

یہ ''ابومحمد عطاء بن یسار ہلالی، مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: کفران العشیر وکفر بعد کفر، رقم الحدیث: ۲۹، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عبداللہ بن عباس

یہ مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: بدءالوحی کی چوتھی حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی، پھر فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی، میں نے آج جیسا بھیانک منظر کبھی نہیں دیکھا۔

شرح حدیث

قولہ:"انخسفت"، یہ "انکسفت" کے معنی میں ہے(۴)۔

صلاۃ کسوف اور خسوف کا مصداق

سورج یا چاند کی مکمل روشنی یا کچھ روشنی کے ختم ہو جانے اور چاند وسورج کے سیاہ ہو جانے کو ''کسوف''

---

(۱) کشف الباری: ۲/ ۲۰۳

(۲) کشف الباری: ۲/ ۲۰٤

(۳) کشف الباری: ۱/ ٤۳۵

(٤) شرح الکرماني: ٤/ ۹۳

کہتے ہیں، كسفت الشمس ،اور خسفت الشمس دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔اوراسی طرح كسف القمر ،اور كسف القمر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ''کسوف'' سورج کے لیے اور ''خسوف'' چاند کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہی لغت زیادہ مشہور ہے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ گرہن کے ابتدائی اوقات کو کسوف اور انتہائی اوقات کو خسوف کہتے ہیں، لیکن زیادہ فصیح تعبیر، تعریف وقول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ نماز جو سورج یا چاند میں سے کسی ایک کے مکمل یا بعض حصہ کے تاریک ہونے کے وقت مخصوص طریقہ پر ادا کی جاتی ہے، اُسے صلاۃ کسوف کہتے ہیں(۱)۔

قولہ:"فصلى"،اس فعل کا مفعول محذوف ہے، جو کہ "الكسوف" ہے، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف ادا کی (۲)۔

قولہ:"أُريت"، یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، معنی مرادی اس کا یہ ہے کہ میں نے نماز ادا کرتے ہوئے آگ دیکھی (۳)۔

قولہ:"وكاليوم"، یہ لفظ مصدر محذوف کی صفت بنے گا، یعنی:"رؤية مثل رؤية اليوم" ،آج کے دیکھنے جیسا دیکھنا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"كاليوم" میں کاف تشبیہ کے لیے ہے، مثل کے معنی میں (۴)۔

---

(١)تاج العروس، ك س ف: ٣٠٩/٢٤. لسان العرب، فصل الكاف: ٢٩٩/٩

(٢)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

صلاۃ کسوف اور صلاۃ خسوف جمہور ائمہ کرام کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، ان نمازوں کا وقت گرہن شروع ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور گرہن ختم کے وقت تک باقی رہتا ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إذا رأيتموها فادعوا الله وصلوا حتى ينجلي. کہ جب تم ان کو دیکھو تو اللہ سے دعاء کرو۔اور نماز پڑھو، یہاں تک کہ گرہن چھٹ جائے، آپ نے گرہن چھٹنے کو نماز کی انتہاء بتائی، نیز اس لیے کہ اس کی مشروعیت اللہ تعالیٰ سے اس خواہش کے اظہار کے لیے ہے کہ وہ روشنی کی نعمت دوبارہ عطاء کردے اور جب یہ مقصود حاصل ہو گیا تو نماز کا مقصود حاصل ہو گیا۔(الموسوعة الكويتية الفقهية :٢٨٠/٢٧)

(٣)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

(٤)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

قولہ:"أفظع"، یہ لفظ بہت زیادہ قباحت کے معنی کو بیان کررہا ہے(۱)۔

قولہ:"قــط"، یہ زمانہ ماضی منفی کے استغراق کے معنی پیدا کرتا ہے، مراد یہ ہے کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں تب سے میں نے ایسے قبیح منظر کبھی نہیں دیکھا(۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کی مناسبت حدیث مبارکہ کے "أریت النار" سے ہے، بایں طور کہ اگر مصلی کے سامنے آگ کا ہونا ناپسند اور مفسدِ صلوٰۃ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے حبیب جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش نہ کرتے(۳)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

مذکورہ حدیث مبارکہ سے جو فوائد واحکام مستنبط ہوتے ہیں ان میں کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔نماز کسوف کے مستحب ہونے کا علم ہوا(۴)۔

۲۔اہل سنت والجماعت کے نزدیک جنت اور جہنم پیدا کی جا چکی ہے، بخلاف معتزلہ کے(۵)۔

۳۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک معجزہ یہاں مذکور ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے اور جہنم کی آگ آپ کی آنکھوں کے سامنے کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آگ کو اپنی آنکھوں سے ایسے ہی دیکھا جیسے معراج سے واپسی پر مسجد اقصی کو دیکھا تھا۔ابن الملقن رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہاں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رؤیت؛ رؤیت علمی ہو، جس کی اطلاع وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی(۶)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

(۲)عمدة القاري: ٢٧٤/٤، ٢٧٥

(۳)عمدة القاري: ٢٧٣/٤. الأبواب والتراجم: ٢١٥/٢، سراج القاري: ٣/ ١٩

(۳)شرح الكرمانی: ٩٣/٤. عمدة القاري: ٢٧٥/٤

(۵)شرح الكرمانی: ٩٣/٤. التوضيح لابن الملقن: ٤٨٨/٥، عمدة القاري: ٢٧٥/٤

(٦)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٨/٥، عمدة القاري: ٢٧٥/٤

۴۔امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب کے مطابق جب نماز کے سامنے آگ ہو لیکن اس نمازی کا مقصود اس آگ کی پرستش نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی پیش نظر ہو تو ایسی نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے(۱)۔

مساجد کی قبلہ والی دیوار میں ہیٹر یا گیس لیمپ وغیرہ لگانے کا حکم

موجودہ دور میں بعض ایسے علاقوں میں کہ جہاں سردی بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں مساجد میں جو ہیٹر، قبلہ کی جانب لگائے جاتے ہیں، تا کہ نمازی حضرات ان کی تپش کی وجہ سے سردی سے بچ سکیں اور مسجد کا ماحول ان کی وجہ سے گرم رہے، یا روشنی کی خاطر گیس لیمپ، موم بتی یا چراغ وغیرہ دیوار قبلہ میں لگائے جاتے ہیں تو ضرورت کی وجہ سے شرعا ان کی گنجائش ہے، تاہم ظاہری طور پر بھی مجوس کی مشابہت سے بچنے کی خاطر انتظامیہ کو چاہیے کہ ایسے ہیٹر یا آگ والے دیگر آلات سامنے قبلے والی دیوار میں نصب نہ کریں، بلکہ شمالا وجنوبا یا نمازیوں کی پشت کی جانب نصب کریں۔یا پھر قبلہ کی جانب ہی نصب کرنا ہو تو ان کو نمازیوں کے سروں سے اوپر کر کے دیوار میں نصب کریں(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٢٧٥/٤

(٢)، (و) لا [يكره] إلى (مصحف أو سيف مطلقا أو شمع أو سراج) أو نار توقد، لأن المجوس إنما تعبد الجمر، لا النار الموقدة، قنية. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها: ٨٩/١، دارا لكتب العلمية)

ومن توجه في صلاته إلى تنور فيه نار تتوقد أو كانون فيه نار يكره، ولو توجه إلى قنديل أو إلى سراج لم يكره. كذا في محيط السرخسي وهو الأصح. كذا في خزانة الفتاوى. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع: فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها وما لا يكره، الفصل الثاني: فيما يكره في الصلاة وما لا يكره: ١٠٨/١)

(نجم الفتاوی، کتاب الصلاۃ، مسجد میں نمازیوں کے سامنے ہیٹر لگانے کا حکم؟ ۵۶۵/۲)

(خیر الفتاوی، احکام المساجد، مسجد میں گیس کے ہیٹر دائیں بائیں لگائے جائیں، یا انسانی قد سے اوپر لگائے جائیں:۵۵۰/۶)

بعض علاقے انتہائی سرد ہوتے ہیں، ان میں سردی سے بچنے کے لیے مختلف چیزیں استعمال کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک گیس ہیٹر بھی ہے، جو مکان، دکان اور مساجد میں نصب کیے جاتے ہیں، ان گیس ہیٹروں کی پلیٹوں پر انگاروں کی شکل بنی ہوتی ہے، جب ہیٹر جلتے ہیں تو وہ انگاروں کی طرح بھڑکتے نظر آتے ہیں، اس طرح کے ہیٹر سامنے رکھ کر نماز جائز تو ہے، مگر آتش پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے ان کو اطرافِ مسجد یا سجدہ کی جگہ سے اونچا کر کے نصب کرنا چاہیے۔(المسائل المهمة فيما ابتلت العامة، کتاب الصلاۃ، نماز کے مکروہات ومفسدات:۱۱۴/۵)

۲۰ - باب : كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي الْمَقَابِرِ .

یہ باب ہے قبرستان میں نماز نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کے بیان میں

قولہ:"كراهية"، بعض نسخوں میں "كراهة الصلاة" ہے نہ کہ "كراهية الصلاة"، معنوی اعتبار سے کوئی حرج نہیں، کیونکہ كراهة اور كراهية دونوں مصدر ہیں(۱)۔

قبرستان میں نماز کا حکم

قبرستان میں نماز کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیل تین باب قبل باب:"هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد"، میں گذر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے مقصود مطلقا قبروں کے درمیان نماز کے مکروہ ہونے کا بیان کرنا ہے، اور ماقبل میں جو باب:"هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد" گذرا، اس میں خاص قبر کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی کراہیت کا بیان تھا، اس طور پر کہ نمازی کے سامنے قبر ہو، چنانچہ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے تکرار کے قائلین کا رد ہو جاتا ہے(۲)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٧٥

(۲)تحفة القاري للكاندهلوي: ٢/٤٩٠

حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:''چند صفحات پہلے "هل تنبش قبور مشركي الجاهلية" اور اس کے ساتھ "ما يكره من الصلاة في القبور" گذر چکا ہے، اور وہاں تفصیل آ چکی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کے مسئلہ میں فقہاء کرام کا کیا اختلاف ہے، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ مستقلا اس مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے ہر حصہ پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، آپ کا ارشاد ہے:"جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" اور مقابر بھی زمین کا ایک حصہ ہیں، بخاری رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اصل کے اعتبار سے زمین کا ہر حصہ نماز کے قابل تھا لیکن عوارض کی وجہ سے خاص خاص حصوں میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے، یہ عوارض کبھی زمین میں ہوتے ہیں اور کبھی ماحول میں، انھی عوارض کی بنیاد پر قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ قبرستان میں نماز کا عمل بت پرستوں یا قبر پرستوں سے تشبہ پیدا کرتا ہے، اس لیے فقہاء اربعہ اس پر متفق ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے''۔(ایضاح البخاری:۳/۱۸۰)

حدیث باب

٤٢٢ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ قَالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ،[1] عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (ٱجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا) . [١١٣١]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں۔

۱۔ مسدد

یہ "مسدد بن مسرہد الاسدی البصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۲۔ یحیی

یہ "یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی" رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١) أخرجه البخاري ايضا في التطوع، باب: التطوع في البيت، رقم الحديث: ١١٨٧.

ومسلم في صحيحه، في صلاة المسافرين وقصرها، باب: استحباب صلاة النافلة، رقم الحديث: ٧٧٧

وأبو داؤد في سننه، كتاب الصلاة، باب: في فضل التطوع في البيت، رقم الحديث: ١٤٤٨.

والترمذي في جامعه، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في فضل صلاة التطوع في البيت، رقم الحديث: ٤٥١

والنسائي في سننه، كتاب في صلاة الليل، باب: الحث على الصلاة في البيوت والفضل في ذٰلك، رقم الحديث: ١٥٩٨

وابن ماجة في سننه، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في التطوع في البيت، رقم الحديث: ١٣٧٧.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الرابع: في أحاديث متفرقة، رقم الحديث: ٣٦٨٣، ٥/٤٨٣.

(٢) كشف البارى: ٢/٢، ٤/ ٥٨٨

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔عبیداللہ

یہ ''عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عبداللہ بن عمر بن خطاب'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠ ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔نافع

یہ ''مولی عبداللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ابن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس ، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں میں بھی نماز ادا کیا کرو، انہیں قبرستان نہ بناؤ۔

---

(۱) کشف الباری: ٢/٢

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠ ،

(۳) کشف الباری: ٤/٦٥١

(۴) کشف الباری: ١/٦٣٧

شرح حدیث

قولہ:"اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم"، تم نوافل اپنے گھروں میں ادا کرو۔

گھروں میں نوافل پڑھنے کے بارے میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا مؤقف

اس عبارت میں "من صلاتکم" میں جو"مِن" ہے، اس کے بارے میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں(۱) کہ یہ تبعیض کے لیے ہے، اور اس صورت میں "صلاتکم" سے مراد نوافل نماز ہوگی، اور اس پر دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں ہے: إذا قضى أحدكم الصلاة في مسجده، فليجعل لبيته نصيبا من صلاته ،(۲) کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں فرض نماز ادا کرلیا کرے تو اپنی نماز کا کچھ حصہ یعنی: نوافل گھر میں ادا کیا کرے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا مؤقف

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نماز سے مراد فرض نماز ہے، نفل نہیں، مراد یہ ہے کہ تم کبھی کبھی فرض نماز گھر میں بھی ادا کرلیا کرو، تاکہ وہ افراد جو مسجد نہیں آسکتے، جیسے: عورتیں، غلام اور مریض وغیرہ، ان کو گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھادیا کرو(۳)۔

جمہور کا مؤقف

جمہور کے نزدیک یہ حکم نوافل کے بارے میں ہے نہ کہ فرائض کے بارے میں، کیونکہ نوافل کو پوشیدہ اور خفیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ فرائض مسجد میں ادا کرنے کے بعد نوافل گھر

(۱)المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الصلاة، ومن باب: فضل النوافل، رقم الحديث: ٦٥٣، ٤١١/٢

(۲) وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، وأبو كريب، قالا: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي سفيان، عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: **إذا قضى أحدكم الصلاة في مسجده، فليجعل لبيته نصيبا من صلاته،** فإن الله جاعل في بيته من صلاته خيرا. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، ومن باب: فضل النوافل، رقم الحديث:٦٥٣)

(۳)إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث:٧٧٧، ١٤٤/٣

میں آ کر ادا کیا کرو، اور ایک دوسری دلیل بھی ہے، جس میں فرمایا گیا: فرض نماز کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے (۱)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ درست بات یہ ہی ہے کہ اس نماز سے مراد نفل نماز ہی ہو، نہ کہ فرائض، کیونکہ اس باب کی تمام احادیث اسی امر کا تقاضا کرتی ہیں، لہٰذا اس حدیث میں مذکور امرِ صلاۃ کو فرائض پر محمول کرنا درست نہیں ہے (۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی شرح ''فتح الباری'' میں قاضی صاحبؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حدیث مذکور اس امر کا احتمال تو رکھتی ہے لیکن پہلا احتمال راجح ہے (۳)۔

اس پوری تفصیل کے بعد سنو کہ ہمارے نزدیک علامہ نووی رحمہ اللہ کی بات راجح ہے، اور جو بات حافظ صاحب رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ حدیث سے وہ احتمال بھی نکلتا ہے جو قاضی صاحبؒ نے بیان کیا ہے، وہ بڑی بعید ہے، سوچنے کی بات ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے، تو پھر یہ احتمال کیسے ممکن ہے؟! (۴)

گھروں میں نوافل پڑھنے کے فوائد

احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ نوافل کی ادائیگی گھروں کی کی جائے، کیونکہ یہ خفیہ نماز ہے جو ریاکاری سے دور ہوتی ہے، اس کی وجہ سے گھروں میں برکت ہوتی ہے، اس عمل کی وجہ سے گھروں میں رحمت اترتی ہے، فرشتوں کی آمد ہوتی ہے، شیطان گھروں سے بھاگتا ہے (۵)۔

---

(١)عمدة القاري: ٢٧٦/٤

(٢)شرح النووي على مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ٦٧/٦

(٣)فتح الباري: ٦٨٥/١

(٤)فتح الملهم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ١٤٣/٥

وكذا في ذخيرة العقبى، كتاب الصلاة، باب: الحث على الصلاة في البيوت، رقم الحديث: ١٥٩٨، ٢٦٠/١٧

(٥)شرح النووي على مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ٦٧/٦

ذخيرة العقبى، كتاب الصلاة، باب: الحث على الصلاة في البيوت، رقم الحديث: ١٥٩٨، ٢٦٠/١٧

قولہ:"ولا تتخذوها قبورا"، ان گھروں کوقبرستان نہ بناؤ،اس جملے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قبور عبادت کرنے کی جگہ نہیں ہیں،لہٰذا ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

گھروں کوقبرستان نہ بنانے سے متعلق حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث پاک کے اس جملے کے معنی میں مختلف اقوال ہیں: ایک مطلب تو یہ ہے کہ گھروں میں نماز پڑھتے رہا کرو،گھروں میں نماز نہ پڑھنا گویا کہ گھر کوقبرستان بنانا ہے؛ کیوں کہ مقبرہ میں نماز نہیں پڑھی جاتی؛ لہٰذا گھروں کوقبرستان جیسا مت بناؤ،اس مطلب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے اور مقصدِ بخاری بھی یہی ہے اور اسی سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں نماز پڑھتے رہا کرو اور گھروں میں قبریں نہ بناؤ، کیوں کہ پھر تو وہ مقبرہ بن جائے گا اور مقبرہ میں نماز جائز نہیں ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں گھر نہ بناؤ، کیوں کہ کبھی کبھی مقابر میں جا کر عبرت حاصل کی جاتی ہے،اگر انسان وہیں گھر بنالے تو پھر عبرت حاصل کرنے کا موقع نہیں رہے گا، بلکہ عادت ہو جائے گی۔

چوتھا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آوے تو کھانا، چائے، پانی وغیرہ سے اس کی تواضع کرلیا کرو، کچھ کھلا پلا دو،گھروں کومقابر جیسا نہ بناؤ(۱)۔

اس جملے کو دیکھتے ہوئے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ گھروں میں نماز ادا کرنا مستحب ہے، کیوں کہ مردے تو نماز نہیں پڑھتے ، گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان مُردوں کی طرح مت بنو جو گھروں میں نماز ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

بعض فقہاء نے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ قبرستان عبادت کرنے کی جگہیں نہیں ہیں، چنانچہ قبرستان میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے،اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پوری زمین میں نماز ادا کی جاسکتی ہے،سوائے قبرستان اور حمام کے، کہ ان دو جگہوں میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے(۲)۔

---

(١)الكنز المتواري: ٤/١٤١، سراج القاري: ٢١/٣

(٢)عن أبي سعيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة، رقم الحديث: ٤٩٢)

علامہ خطابی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک معنی یہ بھی ہے کہ تم اپنے گھروں کو محض سونے کے لیے ہی استعمال نہ کرو، کہ کبھی گھروں میں نماز پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئے، چونکہ نیند موت کی بہن ہے، اور مردہ تو نماز نہیں پڑھا کرتا(۱)۔

علامہ توربشتی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ توربشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ جیسی ہے، اور زندہ لوگ گھروں میں رہتے ہیں، اور مردہ لوگ قبروں میں رہتے ہیں، پس وہ شخص جو گھر میں نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے گھر کو قبر کے قائم مقام بنالیتا ہے، جیسا کہ وہ خود مردہ آدمی کی طرح ہوتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ قبرستان وہ جگہ ہے جہاں نماز ادا نہیں کی جاتی، کیونکہ وہ ان لوگوں (مردوں) کے رہنے کی جگہ ہے، جو احکامات پر عمل کرنے کے مکلّف نہیں ہیں، عمل کا دروازہ ان کی طرف سے بند ہو چکا ہوتا ہے، لیکن گھروں میں تم لوگ نماز ادا کیا کرو، کیونکہ تم زندہ ہو، مکلف ہو، عمل کرنے کی طاقت تمہارے میں موجود ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ بے شک تم کو قبرستان میں نماز ادا کرنے سے روکا گیا ہے، پس تم لوگ اپنے گھروں میں نماز ادا کرنے کو نہ چھوڑو، اگر تم نے ایسا کیا تو ایسی صورت میں تم اپنے گھروں کو قبرستان کے ساتھ تشبیہ دینے والے بن جاؤ گے(۲)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی رائے

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک معنی یہ ذکر کیا ہے کہ تم قبرستان میں اپنی رہائش نہ بناؤ، تاکہ تم سے دل کی رقت، نصیحت کا حاصل کرنا اور رحمت کا حاصل کرنا زائل نہ ہو جائے، (یہ اس وجہ سے کہ جب بندہ ایک ہی جگہ رہنا

(۱)أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ۱/۳۹۳

فتح الملهم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ۷۷۷، ۵/۱٤۳

(۲)الميسر في شرح مصابيح السنة للتوربشتي، كتاب الصلاة، باب: المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٤۷۹، ۱/۲۰۵

شروع کر دے تو وہ وہاں کا عادی ہو جاتا ہے، چنانچہ جب کوئی شخص قبرستان میں رہنے کا عادہ ہو جائے گا تو قبرستان میں جانے سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا) بلکہ تم قبرستان میں قبور کی زیارت کے لیے جایا کرو اور پھر اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ آیا کرو۔

اور دیگر اقوال ذکر کرنے کے بعد مزید ایک قول ذکر فرمایا کہ ارباب لطائف میں سے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے گھروں میں آنے والے مہمانوں کے لیے قبرستان کی طرح نہ بناؤ کہ نہ ان کو کھانا کھلاؤ، نہ پانی پلاؤ اور نہ ہی ان کا کوئی اور اکرام کرو، (چونکہ قبرستان میں ایسا کوئی کام نہیں کیا جاتا، اس لیے گھروں کو مہمانوں کے لیے اس طرح کا بنانے سے منع کیا)، (۱)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ کا ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ایک قول کی تردید کی ہے کہ

جنہوں نے یہ تاویل بیان کی ہے کہ حدیث مبارک کے اس جملے میں گھروں کے اندر مردے دفنانے سے منع کیا گیا ہے، تو ان کی یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اسی کمرے میں دفن کیا گیا جس میں آپ رہائش پذیر تھے (۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مذکورہ تاویل درست ہے کیونکہ یہ بات عین ممکن ہے کہ گھروں میں تدفین کا جائز ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ انبیاء کی وفات جس جگہ ہوتی ہے، انہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے (۳)۔

---

(١)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب: الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٩٢٦، ٧٤٤/٢

(٢) أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ٣٩٣/١

(٣) قال الكرماني: "أقول: هو شيئ، ودفن الرسول صلى الله عليه وسلم فيه لعله من خصائصه سيما، وقد روي: الأنبياء يدفنون حيث يموتون". (شرح الكرماني: ٩٤/٤)

وقال ابن حجر العسقلانيؒ: قلت: هذا الحديث رواه بن ماجه مع حديث ابن عباس عن أبي بكر مرفوعا: "ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض" وفي إسناده حسين بن عبد الله الهاشمي، وهو ضعيف. وله طريق أخرى مرسلة ذكرها البيهقي في الدلائل. وروى الترمذي في الشمائل، والنسائي في الكبرى، من طريق سالم بن عبيد الأشجعي الصحابي، عن أبي بكر الصديق؛ "أنه قيل له: فأين يدفنون رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: في المكان الذي قبض الله فيه روحه، فإنه لم يقبض روحه إلا في مكان طيب" =

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب:"کراهية الصلاة في المقابر" کی مطابقت حدیث مبارکہ کے جملے:"ولا تتخذوا قبورا" کے ساتھ ہے، اس معنی میں کہ گھروں کو قبرستان نہ بناؤ میں تشبیہ عدم صلاۃ میں ہے، مطلب یہ کہ جس طرح قبرستان میں نماز نہیں ادا کی جاتی تو تم اپنے گھروں کو بھی اسی طرح نہ بناؤ کہ گھروں میں بالکل نماز ہی نہ پڑھو، یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے اور اسی سے ترجمۃ الباب ثابت ہورہا ہے(۱)۔

علامہ کورانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کورانی رحمہ اللہ حدیث مبارکہ کا جملہ:"ولا تتخذوها قبورا" ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ وہ مقام ہے جو ترجمۃ الباب کو ثابت کرتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ جملہ تو ترجمۃ الباب پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ حدیث مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ تم نوافل اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جملے میں دو معانی کا احتمال ہے، ایک تو وہی جو معترض نے ذکر کیے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قبرستان میں نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ اس معنی پر ترجمۃ الباب اور حدیث مبارکہ میں مناسبت ومطابقت ظاہر ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

= إسناده صحيح، لكنه موقوف. والذي قبله أصرح في المقصود، وإذا حمل دفنه في بيته على الاختصاص لم يبعد نهي غيره عن ذلك، بل هو متجه، لأن استمرار الدفن في البيوت ربما صيرها مقابر، فتصير الصلاة فيها مكروهة، ولفظ حديث أبي هريره عند مسلم أصرح من حديث الباب، وهو قوله: "لا تجعلوا بيوتكم مقابر" فإن ظاهره يقتضي النهي عن الدفن في البيوت مطلقا، والله أعلم. (فتح الباري: ۱/۶۸۵، ۶۸۶)

(۱)مستفاد از تقرير بخاری شريف: ۱۶۲/۲

قال العلامة الدماميني في شرحه: "حمله البخاري على منع الصلاة في المقابر، وتُعقب بأن القصد الحث على الصلاة في البيت؛ فإن الموتى لا يصلون في قبورهم، وكأنه قال: لا تكونوا كالموتى، وليس فيه تعرض لجواز الصلاة في المقابر، ولا منعها. (مصابيح الجامع للدماميني: ۱۳۸/۲)

(۲)الكوثر الجاري: ۱۲۱/۲، ۱۲۲

۲۱ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ اَلْخَسْفِ وَاَلْعَذَابِ .

یہ باب ہے خسف (زمین میں دھنسنے) اور عذاب کی جگہوں میں نماز کی ادائیگی کے مکروہ ہونے کے بارے میں

ترجمۃ الباب کی تشریح

قولہ:"خسف"، کسی مکان کا اس کے دروازوں سمیت زمین میں دھنس جانا خسف کہلاتا ہے(۱)۔

اسی سے متعلق ہے قرآن پاک کی آیت: ﴿فخسفنا به وبداره﴾، سورہ قصص میں ہے، ''پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو'' (۲)۔

قولہ:"والعذاب"، اس کا ذکر "الخسف" کے بعد ذکر العام بعد الخاص کی قبیل سے ہے۔ کہ خسف بھی عذاب ہے، لیکن مخصوص نوعیت کا عذاب، کہ زمین میں دھنسا دیا جانا، اور اس کے بعد عام قسم کے عذاب کا ذکر ہے، مراد یہ ہے کہ جس جگہ عذاب نازل ہوا ہو، چاہے خصوصی؛ کہ زمین میں دھنسا دیا گیا ہو، یا کوئی بھی عذاب ہوا ہو، وہاں نماز ادا کرنا ناپسندیدہ ہے، مکروہ ہے(۳)۔

''خسف'' سے مراد کون سا واقعہ ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خسف'' سے مراد وہ واقعہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿فاتی الله بنيانهم من القواعد فخر عليهم السقف من فوقهم﴾ میں بیان کیا ہے(۴)۔

---

(۱)مختار الصحاح، خ س ف: ۱/ ۹۰۔ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، خ س ف: ۱/ ۱٦٩۔ القاموس المحيط، فصل الخاء: ۱/ ۸۰٤۔ لسان العرب، فصل الخاء المعجمة: ۹/ ٦٧.

(۲)القصص: ۸۱

(۳)عمدة القاري: ۲/ ۲۷۹

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تعمیم بعد التخصیص کے طور پر عذاب کو ذکر کیا، کیوں کہ خسف بھی من جملہ عذاب ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمہ سے اشارہ کر دیا کہ یہ حکم صرف خسف کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ ہر عذاب اس میں داخل ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: "لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين" اس پر دلالت کرتا ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لفظ سے عموم کو ثابت کیا ہے۔ (الکنز المتواری: ۴/ ۱۴۱، سراج القاری: ۳/ ۳۰)

(٤)فتح الباري: ۱/ ٦٨٦

اس کی تشریح میں علامہ بغوی رحمہ اللہ نے ''معالم التنزیل'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نمرود بن کنعان نے بابل شہر میں ایک محل بنایا تھا، جس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی، جس نے اس محل کو گرادیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے متبعین پر گر پڑی، جس سے وہ ہلاک ہوگئے (۱)۔

صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالی نے اسے ایک مچھر کے ذریعے ہلاک فرمادیا، جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ عذاب والی جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

احادیث سے یہ بات ماخوذ ہے کہ زحمت وعذاب والی جگہ کو رحمت والی جگہ نہ بناؤ، لہٰذا خسف اور عذاب کی جگہ نماز نہ پڑھو۔

نیز! عذاب والی جگہوں سے فرار کا حکم ہے، لہٰذا ایسی جگہوں میں نمازیں ادا کرنے کے ذریعے قرار کی جگہ نہ بناؤ، اس کے علاوہ مفہوم حدیث ہے کہ ایسی جگہوں میں روتے ہوئے گذرنا چاہیے، جب کہ نماز میں رونا تو ہر کسی کو نہیں آتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس پر اشکال یہ ہے کہ نماز باعثِ رحمت ہے تو موضع خسف میں اور زائد پڑھنی چاہیے، تاکہ عذاب کا اثر کم ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز اگرچہ رحمت ہے، لیکن دعا بھی ہے اور مواضع خسف میں اگر زیادہ اخلاص نہ ہو تو ردِ دعا کا اندیشہ ہے، یہ یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جواز صلاة في مواضع الخسف کے قائل ہیں (۳)۔

---

(۱)معالم التنزيل للبغوي، سورة النحل، الآية: ٢٦، ٥/ ١٦

(۲)تفسير روح المعاني، سورة النحل، الآية: ٢٦، ٣٦٦/٧، ٣٦٧

(۳)تقرير بخاری شريف: ١٦٢/٢

تعلیق

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ ٱلصَّلَاةَ بِخَسْفِ بَابِلَ .

تعلیق کی تخریج

اس تخریج کی اصل (۱)وہ اثر ہے جو المصنف لابن ابی شیبہ میں موجود ہے (۲) کہ حُجر بن عنبس الحضرمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نہروان کی طرف نکلے، یہاں تک کہ ہم جب بابل شہر پہنچے تو نماز عصر کا وقت داخل ہوگیا، ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ نماز ادا کرلیں؟ وہ خاموش رہے، ہم نے پھر (کچھ دیر بعد) کہا کہ نماز ادا کرلیں، تو وہ پھر خاموش رہے (کوئی جواب نہیں دیا)، پھر جب ہم بابل شہر سے نکل گئے تو تب آپ نے نماز عصر ادا کی، پھر فرمایا: میں ایسی جگہ نماز ادا نہیں کرتا جہاں کسی قوم کو زمین میں دھنسا کر عذاب دیا گیا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی ایک اثر سنن ابی داؤد میں ہے (۳)۔

---

(١)تغليق التعليق: ٢/٢٣١

(٢) عن حُجر بن عنبس الحضرمي، قال: خرجنا مع علي إلى النهروان، حتى إذا كنا ببابل حضرت صلاة العصر، قلنا: الصلاة، فسكت، ثم قلنا: الصلاة، فسكت، فلما خرج منها صلى، ثم قال: "ما كنت أصلي بأرض خسف بها ثلاث مرات". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الموضع الذي خسف به، رقم الحديث: ٧٥٥٦، ٢/١٥١)

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبد الله بن أبي المحل عن علي أنه كره الصلاة في الخسوف. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الموضع الذي خسف به، رقم الحديث: ٧٥٥٧، ٢/١٥١)

وحدثنا ابن عيينة عن عبد الله بن شريك عن أبي المحل أن عليا مر بجانب من بابل فلم يصل بها.(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الموضع الذي خسف به، رقم الحديث: ٧٥٥٨، ٢/١٥٢)

(٣)حدثنا سليمان بن داؤد، أنا ابن وهيب، حدثني ابن لهيعة، ويحيى بن أزهر، عن عمار بن سعد المرادي، عن أبي صالح الغفاري، أن عليا مر ببابل وهو يسير، فجاء ه المؤذن يؤذنه بصلاة العصر، فلما برز منها أمر المؤذن، فأقام الصلاة، فلما فرغ، قال: إن حبي عليه الصلاة والسلام نهاني أن أصلي في المقبرة، ونهاني أن أصلي في أرض بابل، فإنها ملعونة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في المواضع التي =

تعلیق کا ترجمہ

ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بابل شہر میں خسف کا عذاب نازل ہونے کی وجہ سے نماز ادا کرنے کو ناپسند جانتے تھے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ایک بات تو یہ ہے کہ یہ تعلیق ترجمۃ الباب کا ہی جزو ہے، اور اگر جدا بھی ہے تو بھی ترجمۃ الباب اور اس تعلیق میں امر مشترک یہی ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے(۱)۔

بابل شہر

بابل ایک عظیم الشان شہر کا نام ہے، جو قدیم زمانے میں دریاءِ فرات کے دونوں جانب واقع تھا، اور دریائے فرات اس شہر کے بیچ سے گذرتا تھا، آج بھی اس شہر کے کھنڈرات دریا فرات کے دونوں جانب موجود ہیں، ایک لمبی مدت یہ شہر سلطنت عراق کا پایہ تخت تھا، اور بخت نصر کے زمانہ تک بڑی شان وشوکت والا شہر تھا،

= لا تجوز فيها الصلاة، رقم الحديث: ٤٩٠)

اس حدیث کے آخری جملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بابل شہر میں نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ وہ سرزمین ایسی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں گفتگو ہے، میرے علم میں کسی عالم نے سرزمین بابل میں نماز ادا کرنے کو حرام نہیں کہا، علاوہ ازیں! "جُعِلَت لي الأرضُ مسجدًا وطهورًا" (میرے لیے ساری زمین سجدہ کے قابل اور پاک کردی گئی ہے) جو اس سے زیادہ صحیح ہے، اِس کے معارض ہے۔

(چلیں فرض کرلیں کہ) اگر یہ حدیث ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض بابل کو وطن بنانے اور وہاں اقامت اختیار کرنے سے منع فرمادیا، کیونکہ جب وہاں اقامت اختیار کی جائے گی تو لامحالہ وہاں نماز بھی پڑھنی پڑھے گی۔

پھر اس بارے میں جو نہی وارد ہے وہ بھی مخصوص ہے، نهاني؛ کے لفظ پر غور کیجیے (جس کے معنی ہیں کہ مجھے منع کیا گیا) غالبا اس محنت ومشقت سے ڈرانا مقصود تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اٹھانی پڑی، کوفہ کا شمار بابل ہی کی سرزمین میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے خلفائے راشدین میں سے کوئی بھی مدینہ سے منتقل نہیں ہوا۔(معالم السنن للخطابي، كتاب الصلاة، باب: المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة: ١٤٨/١)

(١)عمدة القاري: ٢٧٩/٤

۵۲۸ ق م مسیح کے بعد اس شہر پر ایسی تباہی آئی کہ ہمیشہ کے لیے اس شہر کا خاتمہ ہوگیا، بابل شہر میں اس دور میں جادو، سحر کا جو غلبہ تھا اس کی نظیر کہیں نہ تھی۔

یہ لفظ مشہور نحوی اخفش کے بیان کے مطابق غیر منصرف ہے، عربی میں ہر مؤنث شے کا نام جب کہ وہ علَم ہو اور تین حرف سے زائد ہو غیر منصرف ہوتا ہے(۱)۔

بابل کی وجہ تسمیہ

اسرائیلیات میں سے ہے کہ جب نمرود بن کنعان کا بنایا ہوا محل اللہ تعالیٰ کی حکم سے زمین بوس ہوگیا تو خوف اور دہشت کی وجہ سے لوگوں کی زبانیں گنگ ہوگئی، ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہوگئیں، وہ قسما قسم کی بولیاں بولنے لگے، تو وہ تہتر زبانوں میں بٹ گئے، اس کو عربی زبان میں تَبَلْبَلَتْ ألسنُ الناسِ من الفزع سے تعبیر کیا گیا، اسی سے بابل نام مشہور ہوا۔ اس سے قبل اہل بابل کی زبان سریانی تھی (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب

۴۲۳ : حدّثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا (۳): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (لَا تَدْخُلُوا عَلَى هٰؤُلَاءِ ٱلْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ) .
[۳۱۹۸-۳۲۰۱ ، ٤١٥٧ ، ٤١٥٨ ، ٤٤٢٥]

---

(۱)معجم البلدان: ۲/۱۸، ط: مصر۔ لغات القرآن للنعمانی: ۲/۱۱

(۲) روح المعاني، النحل: ۲٦، ۷/۳٦٦، ۳٦۷۔ معالم التنزيل للبغوي، النحل، الآية: ۲٦، ٥/ ١٦

(۳)أخرجه البخاري أيضا في الأنبياء، باب: قول الله تعالى: ﴿وإلى ثمود أخاهم صالحا﴾، رقم الحديث: ۳۳۸۰، وفي المغازي، باب: نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر، رقم الحديث: ٤٤١٩، ٤٤٢٠، وفي تفسير سورة الحجر، باب: ﴿ولقد كذب أصحاب الحجر﴾، رقم الحديث: ٤٧٠٢

ومسلم في صحيحه، في الزهد والرقايق، باب: لا تدخلوا مساكن اللذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باكين، رقم الحديث: ۲۹۸۰

وفي جامع الأصول، حرف الذال، الكتاب الثالث: في ذم الدنيا، وذم أماكن من الأرض، الفصل الثاني: في ذم أماكن من الأرض، رقم الحديث: ٢٦١١، ٤/ ٥١٢

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔اسماعیل بن عبداللہ

یہ ''ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک اصبحی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تفاضل أهل الإيمان في الأعمال، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ ''ابوعبداللہ امام مالک بن انس بن مالک''، رحمہ اللہ ہیں

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔عبداللہ بن دینار

یہ ''ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔عبداللہ بن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/ ۱۱۳

(۲) کشف الباری: ۲/ ۸۰

(۳) کشف الباری: ۱/ ۶۵۸، ۳/ ۱۲۵

(۴) کشف الباری: ۱/ ۶۳۷

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے علاقوں میں مت جاؤ جن کو عذاب دیا گیا ہے، مگر یہ کہ روتے ہوئے، اگر تم نہ روسکو تو ان کے علاقے میں مت جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائے، جس نے ان کو گرفت میں لیا۔

شرح حدیث

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تدخلوا على هٰؤلاء المعذبين

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے علاقوں میں مت جاؤ جن کو عذاب دیا گیا ہے۔

قولہ: "لا تدخلوا"، یہ نہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس وقت ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جا رہے تھے، اس وقت "حجر" مقام میں قوم ثمود کے تباہ شدہ مکانات سے گذر ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ارشاد فرمایا(۱)۔

حِجر کون سا مقام ہے؟

وہ مکان جس کا احاطہ پتھروں سے بنایا جائے، وہ "حجر" کہلاتا ہے، اسی لیے ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں "حجر" کہلائیں، ارشاد ہے: ﴿كذب اصحاب الحجر المرسلين﴾ حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس شہر سے گذرے تھے۔ دولت عثمانیہ کے زمانہ میں یہ حجاز کا ریلوے اسٹیشن تھا اور چونکہ پتھروں کے احاطہ سے مقصود حفاظت اور روک تھام ہوتی ہے اور عقل بھی انسان کی حفاظت کرتی اور اس کو روکتی رہتی ہے، اس لیے اس کو بھی "حجر" کہا جاتا ہے، ارشاد ہے: ﴿هل فی قَسَم الذي حجر﴾ (کیا ان میں عقل والوں کے لیے قسم ہے)(۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۶۸۷/۱

(۲) لغات القرآن للنعمانی، الحِجر: ۲۷۳/۲

حجر کی مزید تفصیل اگر کسی نے دیکھنی ہو تو ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' جو شاید اردو لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے، میں دیکھ لے(١)۔

---

(١) ''الحجر'' جنوبی عرب کا ایک شہر ہے، جو ''تیما'' کے جنوب میں وادی القریٰ سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا، یہ قدیم زمانہ کا وہی تجارتی شہر ہے، جس کا بطلیموس اور پلینی نے (Egra) کے نام سے ذکر کیا ہے، یہ شہر اب موجود نہیں، موجودہ زمانے میں اس کا اطلاق بدوی اس سپاٹ زمین پر کرتے ہیں جو مبرك الناقة اور بیر الغنم کے درمیان کئی میل تک پھیلی ہوئی ہے، اس کی زرخیز زمین میں بہت سے کنویں ہیں، جہاں بدوی بڑی تعداد میں اپنے گلّوں سمیت آکر خیمہ زن ہوتے ہیں، الحجر سے دو سڑکیں مکے کی طرف جاتی ہیں، ایک تو نجد کی سڑک، جس سے آج کل حاجی گذرتے ہیں اور دوسری شاہراہ؛ مرو، جس سے قدیم زمانے میں زائرین مکے جایا کرتے تھے، الحجر کے مغرب میں ایک پہاڑ ہے جو ریت کے پتھر کی پانچ منفرد چٹانوں پر مشتمل ہے، جنہیں ''اثالث'' کہتے ہیں، اوران پر بہت ہی خوش وضع یادگاریں تراش کر بنائی گئی ہیں، (ان میں قصر البنت، بیت الشیخ، بیت اخریمات، محل المجلس اور دیوان شامل ہیں، جو پرندوں اور جانوروں کی متعدد تراشی ہوئی اشکال اور بہت سے کتبوں سے مزین ہیں)۔

''چارلس ڈاوٹی'' یورپ کا سب سے پہلا باشندہ تھا جس نے ١٨٧٦ء اور ١٨٧٧ء میں الحجر کی سیاحت کی، اوران چٹانوں کا اوران پر تراشی ہوئی عمارتوں کا بغور مشاہدہ کیا، اس نے پتا چلایا کہ یہ عمارتیں (باستثنائے دیوان) مقبرے (یعنی: خاندانی مدفن) ہیں، جن میں طاق اور جسمانی اجسام کے بقیات موجود ہیں، مکے جانے والے زائرین ایک دن کے لیے جبلِ اثالث پر قیام کرتے اور نماز ادا کرتے ہیں، قدیم زمانے میں یہاں کچھ بے دین اور متکبر لوگ موسوم بہ ثمود آباد تھے، جن کے متعلق قرآن میں کہا گیا ہے کہ وہ چٹانوں کو کاٹ کر وہاں اپنے مسکن بناتے تھے، ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک ہم قوم صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کے پاس بھیجا (اور اونٹنی کو بطورِ نشان پیش کیا کہ اگر اسے نقصان پہنچایا گیا تو عذاب نازل ہوگا) لیکن جب ان لوگوں نے اپنی بت پرستی جاری رکھی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا، حالانکہ حضرت صالح علیہ السلام ان سے اُسے ضرر نہ پہنچانے کے لیے کہتے رہے، تو خدائے تعالیٰ نے ان پر ایک زلزلہ نازل کیا، جس سے وہ نیست و نابود ہو گئے، الحجر کے ریتلے پتھر کی چٹانوں کو مع ان یادگاروں کے جو اُن کے اندر تراش کر بنائی گئی ہیں، (حضرت) صالح کے نام پر ''مدائن صالح''، یعنی: ''صالح کے شہر'' بھی کہا جاتا ہے۔

عرب کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت ہاجرہ اوران کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''الحجر'' میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام یہاں اپنی والدہ کے پہلو میں مدفون ہیں، سیرتِ نبوی میں بھی ''الحجر'' کا ذکر آتا ہے، جب ٩ ہجری/ ٦٣١ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ''الحجر'' میں سے آپ کا گذر ہوا، صحابہ نے چاہا کہ یہاں آرام کر کے یہاں کے کنوؤں پر =

قولہ:"هٰؤلاء المعذَّبين" ،وہ لوگ جن کو عذاب دیا گیا ہے،ان کے علاقوں میں مت جاؤ،صحیح بخاری کی دیگر روایات میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر سے گذرے تو ارشاد فرمایا: "لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم"، کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر (اللہ کے نافرمان بن کے) ظلم کیا، ان کے ٹھکانوں میں مت جایا کرو(۱)۔

إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين، فلا تدخلوا عليهم،

مگر یہ کہ روتے ہوئے، اگر تم نہ رو سکو تو ان کے علاقے میں مت جاؤ۔

قولہ:"إلا أن تكونوا باكين"، اس جملے کے ذریعے ان جگہوں میں روتے ہوئے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے داخل ہونے کی اجازت دی گئی کہ اگر اس طرح داخل ہوں تو مباح ہے، اور یہ جملہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ پر ادا کی جانے والی نماز فاسد نہیں ہوتی (۲)۔

قولہ:"باكين"، یہ رونا اس لیے کہ ان پر شفقت کی وجہ سے ہو، یا اس ڈر سے کہیں اللہ کا عذاب ہم پر بھی نہ نازل ہو جائے (۳)۔

= اپنے آپ کو تازہ دم کرلیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایسی جگہ ٹھہریں جہاں قہرِ الٰہی نازل ہو چکا تھا۔

زمانہ حال میں امیر سعود یہاں ایک شہر بسانا چاہتا تھا، لیکن ایک ایسے مقام پر جو منجانب اللہ مورِ دِلعنت وعذاب بن چکا تھا از سرِ نو ایک شہر آباد کرنے پر علمائے دین کے شدید اعتراضات کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔

ڈاوٹی کے بعد سے مُلک "الساتیا(Alsatia)" کے ایک سیاح "C,Huber" نے دوبار "الحِجر" کی سیاحت کی ہے، ایک مرتبہ:۱۸۷۹ء میں اور دوسری دفعہ:("Euting" کے ہمراہ)۱۸۸۴ء میں۔

(اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، الحجر،۷/ ۹۴۵-۹۵۷، دانش گاہ پنجاب لاہور)

(۱)حدثنا عبد الله بن محمد الجعفي، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: لما مر النبي صلى الله عليه وسلم بالحجر قال: **لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم،** أن يصيبكم ما أصابهم، إلا أن تكونوا باكين، ثم قنع رأسه وأسرع السير حتى أجاز الوادي.

(صحيح البخاري، المغازي، باب: نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر، رقم الحديث:٤٤١٩، ٤٤٢٠)

(۲)عمدة القاري:٤/٢٨٢

(۳)ارشاد الساري: ١/٤٣٤

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بکاء" سے مراد بکاءِ قلب ہے، اگر ساتھ ساتھ بکاءِ عین بھی ہوتو اور بھی بہتر ہے(۱)۔

لا یصیبکم ما أصابهم".

ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائے، جس نے ان کو گرفت میں لیا۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو کسی ایسی قوم کے علاقوں میں داخل ہو جن پر اللہ تعالی کا عذاب نازل ہوا ہو اور اس پر وہاں داخل ہوتے وقت عبرت، خوف اور رقت کے آثار ظاہر نہ ہوں تو وہ بڑا سخت دل ہے، جو خشوع کے اعتبار سے بہت کمی والا ہے، خوف وڈر کے اثر کو قبول نہیں کرتا، تو ایسی حالت میں ڈر ہے کہ ایسے شخص کو بھی وہی عذاب آ پکڑے جو اس بستی والوں پر آیا تھا(۲)۔

قولہ:"لا یصیبکم ما أصابهم" پر ایک شبہ اور اس کا جواب

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر شبہ کیا جائے کہ امت محمدیہ پر اس قسم کے عذاب نہ ہونے کا وعدہ ہو چکا ہے، تو اب اس طرف سے امن اور اطمینان ہے، پھر آپ علیہ السلام یہ کیسے فرماتے ہیں کہ "لا یصیبکم ما أصابهم"؟

تو یاد رکھیے کہ اولاً یہ وعدہ وغیرہ انہی کو ہر وقت مستحضر رہتا ہے جن کے قلب پر خشیتِ خداوندی کا تسلط نہ ہو، وگرنہ غلبہ خشیت کے وقت یہ سب وعدے یاد نہیں رہا کرتے (اور ظاہر ہے کہ آپ علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہر وقت مکمل غلبہ تھا)۔

علاوہ ازیں وعدہ اس بات کا ہے کہ عام عذاب اس طرح آ جائے کہ ساری امت ہلاک ہو جائے، ایسا نہ ہوگا۔ باقی کسی خاص خطہ یا جماعت پر آ سکتا ہے، چنانچہ خود حدیث میں ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہو گا، مسخ بھی ہوگا(۳)۔

---

(۱)فضل الباری: ۱۴۷/۳

(۲)أعلام الحدیث للخطابي: ۳۹۴/۱

(۳)فضل الباری: ۱۴۷/۳، ۱۴۸

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عذاب نازل ہونے والی جگہ میں نہیں اترے، جس کا لازمی خاصہ ہے کہ جب وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا تو وہاں نماز ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ یعنی: عدم نزول مستلزم ہے عدم صلاۃ کو، اور عدم صلاۃ بوجہ کراہت ہے، اور باب بھی بیان کراہت کے لیے قائم کیا گیا ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام وآداب

اس حدیث مبارکہ سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں بعض ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ جن علاقوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہو، ان جگہوں کو اپنا وطن نہیں بنانا چاہیے(۲)۔

۲۔ ایسے علاقوں سے بہت تیزی سے، رکے بغیر گذر جانا چاہیے(۳)۔

۳۔ اگر جانا بھی پڑے تو عبرت حاصل کرتے ہوئے، روتے ہوئے، ڈرتے دل کے ساتھ جانا چاہیے(۴)۔

۴۔ اس حدیث مبارکہ میں انسان کو مراقبہ کی طرف رغبت دلائی گئی ہے(۵)۔

(۱)عمدة القاري: ٢٨١/٤

(٢)فتح الباري: ٦٨٧/١۔ عمدة القاري: ٢٨٣/٤

(٣)فتح الباري: ٦٨٧/١۔ عمدة القاري: ٢٨٣/٤

(٤)فتح الباري: ٦٨٧/١۔ عمدة القاري: ٢٨٣/٤

(٥)التوضيح لابن الملقن: ٥٠٢/٥۔ فتح الباري: ٦٨٧/١

۲۲ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي اَلْبِيعَةِ .

یہ باب ہے گرجا گھر میں نماز کے بارے میں

ترجمۃ الباب کی تشریح

قولہ: "البِيُــــعَة"، عیسائیوں کی عبادت کرنے کی جگہ کو" گرجا گھر" کہتے ہیں، اور اسے عربی میں "البِيُــعَة" کہتے ہیں،" با" کی کسرہ کے ساتھ(۱)۔

"بیعۃ" اور "کنیسہ" میں فرق

"بيـعة" نصاری کے عبادت خانے کو کہتے ہیں، اِس کی جمع "البِيـع" آتی ہے۔ اور "كـنيسة" یہود کے عبادت خانے کو، اِس کی جمع "الـكنائس" ہے۔ نیز! اہل لغت عیسائی اور یہودی؛ دونوں کے عبادت خانوں کے لیے "البيعة" کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں(۲)۔

اس تشریح سے اُس اشکال کا بھی جواب ہوگیا کہ ترجمۃ الباب میں تو "البِيُــعَة" کا ذکر ہے، جب کہ حدیث باب میں "كنيسة" کا۔ کہ "البِيُــــعَة" اور "الكنيسة" کا استعمال یہود و نصاری دونوں کے عبادت خانوں پر ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ باب قائم کر کے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اگر نصاری کے معبد میں تصاویر وغیرہ ہوں تو وہاں نماز ادا کرنا مکروہ ہے اور اگر وہاں ایسا کچھ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے(۳)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد اس باب سے یہ ہے کہ اگر اس (معبدِ نصاری) میں معصیت، جیسے: شرک باللہ، تصاویر اور قبور وغیرہ نہ ہوں تو بلا کراہت اس میں

(۱)مختار الصحاح، ب ي ع: ۴۳/۱۔ القاموس الفقهي، حرف الباء: ۴۶/۱

(۲)طلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية، كتاب اللقطة: ۹۳/۱۔ المخصص لابن سيده، الأصنام: ۶۷/۴۔ تاج العروس، ب ي ع: ۳۶۹/۲۰

(۳)عمدة القاري: ۲۸۳/۴

نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر ان میں مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز پائی جائے تو نماز مکروہ ہوگی، آثار وروایات واردہ فی الباب سے اس معنی کی مطابقت واضح ہے، کیوں کہ ان تصاویر کا وجود اور تصاویر کا رکھنا ہی ان کے لیے لعنت کا سبب بنا، پھر یہی چیز ان لوگوں کے لیے بھی لعنت کا سبب ہوگی جو وہاں ان کے ساتھ عبادت میں شریک ہوں گے، اگرچہ لعنت ان چیزوں کے بنانے اور رکھنے والے پر زیادہ سخت ہوگی بمقابلہ اُن مسلمانوں کے جو وہاں نماز وغیرہ پڑھیں گے(۱)۔

سابقہ ایک باب سے تعارض اور اس کا حل

اشکال یہ ہے کہ اس باب اور ماقبل میں گذرنے والے ایک باب میں تعارض ہے، سمجھیے: ماقبل میں ایک باب گذرا: "من صلى وقدامه نار أو تنور"، اس میں بیان ہوا کہ اگر نمازی کے سامنے آگ وغیرہ ہو لیکن اس نمازی کا اس نماز سے مقصود محض اللہ کی رضامندی ہو تو اس ہیئت میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اس باب میں غیر مسلموں کے معبد میں محض تصاویر کی وجہ سے نماز کی ادائیگی کے مکروہ ہونے کا بیان ہے۔

اس تعارض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس ماقبل باب میں نماز کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں نمازی کے سامنے آگ وغیرہ ہونے کا تعلق اس کے اختیار سے نہیں تھا، یعنی: نمازی کے اختیار کے بغیر آگ وغیرہ سامنے ہو جانے کی صورت میں اس نمازی کی نماز میں کوئی کراہت نہیں آئی، جب کہ اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھنے کی تھی۔

اور اس باب میں قصد کا دخل ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارے عبادت خانوں میں داخل نہیں ہوں گے، یا نہیں ہوتے۔ لہٰذا اب کوئی تعارض باقی نہیں رہا(۲)۔

پہلی تعلیق

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ ، مِنْ أَجْلِ التَّمَاثِيلِ الَّتِي فِيهَا ، الصُّوَرَ .

(۱)لامع الدراري: ۱/ ۱۷۰، ۱۷۱۔ الأبواب والتراجم: ۲/ ۲۱۶

(۲)فتح الباري: ۱/ ۶۸۸. عمدة القاري: ٤/ ۲۸۳

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کوموصولاً ''المصنف لعبدالرزاق'' میں نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں آئے تو ایک نصرانی شخص نے آپ نے کھانا تیار کیا اور آپ کو دعوت دیتے ہوئے کہا اے عمر! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں، اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت میرے پاس آکر مجھے اعزاز بخشیں، وہ شخص نصاری کا بڑا پادری تھا، حضرت عمر رضي اللہ عنہ نے جواب دیا ہم تمہارے گرجوں میں ان تصاویر کی وجہ میں داخل بھی نہیں ہوں گے، جو وہاں موجود ہیں(۱)۔

عیسائیوں کے اس بڑے پادری کا نام ''قسطنطین'' تھا جو حضرت مسلمہ بن عبداللہ الجہنی رحمہ اللہ نے رکھا تھا(۲)۔

تعلیق کا ترجمہ

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارے گرجا گھروں میں ان تماثیل
یعنی: تصویروں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو وہاں ہوتی ہیں۔

تعلیق کی تشریح

قولہ: ''كنائسكم''، اس حدیث مبارکہ میں ''كنائسكم'' خطاب کے ساتھ ہے، جب کہ أصيلي کی روایت میں ''كنائسهم'' غائب کی ضمیر کے ساتھ ہے(۳)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تمہارے کنیساؤں میں داخل نہیں ہوتے، کنیسہ کے معنی اوپر واضح کردیئے گئے کہ یہود کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور نصاری کے معبد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

---

(١)عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن نافع عن أسلم أن عمر حين قدم الشام، صنع له رجل من النصارى طعاما، وقال لعمر: إني أحب أن تجيئني، وتكرمني أنت وأصحابك، وهو رجل من عظماء النصارى، فقال عمر: إنا لا ندخل كنائسكم من أجل الصور التي فيها يعني: التماثيل. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في البيعة، رقم الحديث: ١٦١١، ١/٤١١، ٤١٢)

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٨٨.

(٣)فتح الباري: ١/ ٦٨٨. عمدة القاري: ٤/٢٨٤

قولہ:"التي فيها"، یہ جملہ "التماثيل" کی صفت بنے گا، اور "الصور" کو مکسور پڑھا جائے گا، جو کہ "التماثيل" کے لیے بدل بنے گا، یا عطف بیان۔ اوپر تعلیق کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، اس ترکیب کو مدِ نظر رکھ کر ہی کیا گیا ہے(۱)۔ جب کہ اس جملے کی ترکیب میں اور احتمالات بھی موجود ہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس اثر کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس اعتبار سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصاری کے کنیسہ میں داخل نہ ہونا ان تصاویر کی وجہ سے تھا جو اس میں موجود تھیں، اگر وہاں تصاویر نہ ہوتیں تو ان کے اس کنیسہ میں داخل ہونے سے کوئی بھی چیز مانع نہ تھی، چنانچہ اس صورت میں وہ وہاں نماز بھی ادا کرتے، بوجہ کسی مانع کے نہ ہونے کے۔ اور اس صورت میں وہاں ان کی نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت بھی نہیں ہونی تھی (۳)۔

اس بات کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہؒ نے المصنف میں ذکر کیا ہے کہ جب اہل نجران مسلمان ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ہم یہاں گرجا گھر سے زیادہ صاف اور عمدہ زمین نہیں پاتے، (تو کیا یہاں ہم نماز ادا کرلیں؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ وہاں (صفائی کر کے) پانی چھڑک لو اور نماز ادا کرلو(۴)۔

---

(١) فتح الباري: ١/ ٦٨٨. عمدة القاري: ٤/ ٢٨٤

(۲) وہ یہ ہے کہ "التي فيها الصور" جملہ اسمیہ ہے، اس طرح کہ "الصور" مبتداء مؤخر ہوگا، اور "فيها" خبر مقدم ہے۔ "ها" ضمیر کا مرجع "الكنائس" ہوگا، یہ پورا جملہ موصول کے لیے صلہ بنے گا، اور موصول اپنے صلہ سے مل کر "الكنائس" کے لیے صفت بنے گا، نہ کہ "التماثيل" کے لیے، کیونکہ اس سے معنی میں فساد آ رہا ہے۔ (فتح الباري: ١/ ٦٨٨. عمدة القاري: ٤/٢٨٤)

(۳)عمدة القاري: ٤/٢٨٤

(٤)حدثنا أبو بكر قال: حدثنا سهل بن يوسف، عن حميد، عن أبي بكر، قال: "كتبتُ إلى عمر مِن نجرانَ: لم يجدوا مكانا أنظف ولا أجود مِن بِيعةٍ، فكتب: انضَحوها بماءٍ وسِدرٍ وصلوا فيها".

(المصنف لابن ابی شیبه، كتاب الصلاة، الصلاة في الكنائس والبيعة، رقم الحديث: ٤٨٦١، ١/٤٢٣)

دوسری تعلیق

وَكَانَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي ٱلْبِيعَةِ ، إِلَّا بِيْعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ .

تعلیق کی تخریج

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تغلیق التعلیق'' میں لکھا ہے کہ ابو القاسم البغوی رحمہ اللہ نے اس اثر کو موصولاً نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

عبيد الله العيشي ثنا العيشي ثنا عبد الواحد بن زياد ثنا خصيف عن مقسم مولى ابن عباس قال كان ابن عباس إذا دخل الكنائس التي فيها الصور والتماثيل لم يصل فيها وخرج.

نیز! اس تعلیق کو امام بغوی رحمہ اللہ نے ''الجعدیات'' میں بھی موصولاً نقل کیا ہے، اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: "فإن كان فيها تماثيل خرج فصلى في المطر". ملاحظہ ہو:

ثنا علي بن الجعد ثنا شريك عن خصيف عن مقسم عن ابن عباس أنه كان يصلي في البيع ما لم يكن فيها تماثيل، فإن كان فيها تماثيل خرج فصلى في المطر(١).

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما گرجا گھر میں نماز ادا کرلیا کرتے تھے سوائے اس گرجا کے جس میں صورتیں ہوتیں۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز کی کراہت کا اثبات ہو رہا ہے۔

(١) تغليق التعليق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في البيعة: ٢/ ٢٣٣. فتح الباري: ١/ ٦٨٨، عمدة القاري: ٤/ ٢٨٤

حدیث باب؛ پہلی حدیث

٤٢٤ : حدّثنا مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ :(١) أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ كَنِيسَةً رَأَتْهَا بِأَرْضِ ٱلْحَبَشَةِ ، يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ ، فَذَكَرَتْ لَهُ مَا رَأَتْ فِيهَا مِنَ ٱلصُّوَرِ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أُولٰئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ ٱلْعَبْدُ ٱلصَّالِحُ ، أَوِ ٱلرَّجُلُ ٱلصَّالِحُ ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ ٱلصُّوَرَ ، أُولٰئِكَ شِرَارُ ٱلْخَلْقِ عِنْدَ ٱللهِ) . [ر : ٤١٧]

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔محمد

یہ ''ابوعبداللہ محمد بن سلام بن الفرج البیکندی'' رحمہ اللہ ہیں،

اس سند میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ راوی جو سب سے پہلے ہیں ''محمد''؛ یہ کون سے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن سکین رحمہ اللہ کی نسبت سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ ''محمد بن سلام'' ہیں (۲)۔

ان کے احوال کشف الباري، کتاب الایمان، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم : "أنا أعلمكم بالله"، وأن المعرفة فعل القلب، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۲۔عبدة

یہ عبدة بن سلیمان بن حاجب بن زرارہ کلابی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کا نام ''عبدالرحمٰن'' ہے اور عبدہ ان کا لقب ہے۔

ان کے احوال کشف الباري، کتاب الایمان، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم : "أنا أعلمكم بالله"، وأن المعرفة فعل القلب، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

---

(١) مر تخريجه تحت باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، رقم الحديث: ٤١٧

(٢) فتح الباري: ١/٦٨٨

(٣) كشف الباری: ٢/ ٩٣

(٤) كشف الباری: ٢/٩٤

۳۔ہشام بن عروہ

یہ ''ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابیہ

یہ ''عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ''عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق''، رضی اللہ عنہ وعنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا، جوانہوں نے حبشہ میں میں دیکھا تھا، جسے ''ماریہ'' کہا جاتا تھا، پھرانھوں (حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تصاویر کا ذکر کیا جو اس گرجا گھر میں دیکھی تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک بندہ (یا یوں فرمایا کہ) ایک بندہ مرجاتا تھا تو یہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے اور اس میں یہ تصاویر بنا دیتے تھے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/۲۹۱، ۲/٤٣٢

(۲) کشف الباری: ، ۱/۲۹۱، ۲/٤٣٦

(۳) کشف الباری: ۱/۲۹۱

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کی مکمل تشریح ماقبل میں پانچ ابواب پہلے باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، رقم الحديث: ٤٢٧ **میں گذر چکی ہے۔**

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے جملے: "بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور" سے ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب ہے "الصلاة في البيعة" کا۔اور یہ بات گذر چکی ہے کہ گرجا گھر میں نماز کی کراہت اس صورت میں ہے جب اس میں تصاویر ہوں(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب: دوسری حدیث

نسخ کا فرق

کشف الباری کے متن کے لیے جس نسخے کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ الدکتور المصطفی دیب البغا کا نسخہ ہے، اس نسخہ میں اس حدیث مبارکہ سے قبل "باب" کا عنوان نہیں ہے، جب کہ صحیح البخاری کے دیگر نسخوں میں اور ہمارے ہندی نسخوں میں بھی اس مقام پر یعنی: اس حدیث سے قبل لفظِ "باب" موجود ہے، اگر چہ اس باب کا عنوان کوئی بھی قائم نہیں کیا گیا ہے، لیکن یہ باب بلا ترجمہ موجود ہے۔

اس باب کا فی الجملہ ماقبل باب سے تعلق قائم مقام فصل کے ہے، دونوں بابوں میں وجہ اشتراک یہ ہے کہ انبیائے کرام کی قبروں کو مسجد بنانے سے منع کیا گیا ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں، صلاة في البيعة مطلقاً مذموم ہے خواہ اس میں تصویر ہو یا نہ ہو(۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسری غرض یہ ہے کہ باب سابق سے صلاة في معابد النصارى ثابت فرمایا تھا اور اس باب سے صلاة في معابد اليهود ثابت فرما رہے ہیں اور یہی میری رائے ہے۔

---

(۱)عمدة القاري: ٢٨٤/٤

(۲)فتح الباري: ٦٨٩/١- عمدة القاري: ٢٨٤/٤، ٢٨٥

باب سابق میں تصاویر کا ذکر ہے اور اس باب میں تصاویر کا ذکر نہیں ہے، نیز! بابِ سابق میں نصاری کے معابد کا ذکر تھا جن میں تصاویر ہوتی ہیں اور یہاں یہود کے معابد کا ذکر ہے جن میں تصاویر نہیں ہوتیں، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے عموم کی طرف اشارہ کیا ہے، بایں معنی کہ یہود و نصاری کے معابد میں چاہے تصاویر ہوں یا نہ ہوں بہر صورت ان میں نماز مکروہ ہے، بابِ سابق سے امام مالکؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور اس باب سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے(۱)۔

٤٢٥ : حَدَّثنا أَبُو ٱلْيَمَانِ قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ : أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ(٢) قَالَا : لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، طَفِقَ يَطْرَحُ

---

(۱)الأبواب والتراجم: ۲/۲۱۷- سراج القاري: ۲/۲۵

علامہ فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بابِ سابق میں یہ بیان کیا ہے کہ یہود و نصاری کی عبادت گاہوں میں نماز کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں مجسمے اور تصاویر نصب ہوتے ہیں، ورنہ اصل کے اعتبار سے تو ہر جگہ نماز جائز ہے، "جعلت لي الأرض مسجدا" اس لیے اصل کے اعتبار سے تو نماز درست ہونی چاہیے، لیکن تصویروں کی بنیاد پر ان عبادت خانوں میں نماز سے منع کر دیا گیا، اب امام بخاری رحمہ اللہ ترقی کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ منکرات پائے جانے کے سبب نماز کی ممانعت صرف یہود و نصاریٰ کے معابد کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ اگر مسلمانوں کی مسجد میں بھی کوئی ایسی صورت پیدا کر دی جائے، مثلا: یہ کہ مسجدوں میں قبروں کو نمایاں طور پر برقرار رکھا جائے تو چونکہ مسجدوں میں قبروں کا برقرار رکھنا ایک قابلِ لعنت فعل ہے، اس لیے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ان مساجد میں بھی نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہ ہوگا، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ بیان کیا کہ مسجدوں میں قبروں کو باقی رکھنا ایسا ہی ہے جیسے: یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں میں تصاویر کا پایا جانا، کیونکہ مسجدوں کے بارے میں صاف ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا﴾[الجن:۱۸]، (اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سو؛ اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔) اس لیے مسجدوں میں کسی بھی عام و خاص کی قبر باقی رکھنے کا جواز نہیں ہے، البتہ اگر قبروں کا احاطہ کر کے ان کو مسجدوں سے الگ کر دیا جائے تو گنجائش ہے۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے باب بلا ترجمہ منعقد کر کے یہ واضح کر دیا کہ اگر مسجدوں میں قبروں کو باقی رکھا جائے تو ان میں بھی نماز مکروہ ہے، اس طرح یہاں ترجمۂ جدیدہ اس طرح منعقد کیا جا سکتا ہے، باب: كراهية الصلاة في المساجد التي فيها قبور. (ایضاح البخاری: ۳/ ۱۸۵، ۱۸٦)

(۲)أخرجه البخاري أيضا في الجنائز، باب: ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، رقم الحديث: ۱۳۳۰، وفي أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم الحديث: ۳٤٥۳، ۳٤٥٤، وفي المغازي، باب: =

خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ ، فَقَالَ وَهُوَ كَذَلِكَ : (لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ) . يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا .

[١٢٦٥ ، ١٣٢٤ ، ٣٢٦٧ ، ٤١٧٧ ، ٤١٧٩ ، ٥٤٧٨]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند کے کل چھ راوی ہیں:

۱۔ابوالیمان

یہ ''ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری: کتاب بدءالوحی، الحدیث السادس، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔شعیب

یہ ''ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الاموی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری: کتاب بدءالوحی، الحدیث السادس ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔زہری

یہ ''محمد بن مسلم ابن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

= مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث: ٤٤٤١، ٤٤٤٣، وفي اللباس، باب: الأكسية والخمائص، رقم الحديث: ٥٨١٥، ٥٨١٦.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور فيها، رقم الحديث: ٥٣١.

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: النهي عن اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث:٧٠٣

وفي الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث:٢٠٤٦.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في وجوبها أداء وقضاء، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الثاني: الأمكنة المكروهة، رقم الحديث: ٣٦٧٠، ٤٧٣/٥.

(۱) كشف الباري: ٩٧٤/١

(٢) كشف الباري: ٤٨٠/١

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(١)۔

۴۔عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ

یہ "عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الخامس، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: متی یصح سماع الصغیر، کے تحت گذر چکے ہیں(٢)۔

۵۔عائشہ

یہ "ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق" رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب بدءالوحی کی دوسری حدیث میں گذر چکا ہے(٣)۔

٦۔عبداللہ بن عباس

یہ "حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب" رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الرابع، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: کفران العشیر، وکفر بعد کفر، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آ پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالنے لگے، پھر جب اس کی وجہ سے گرمی محسوس فرماتے تو اس کو اپنے چہرۂ مبارک سے ہٹا دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی اضطراب کی حالت میں تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے

(١) کشف الباری: ٣٢٦/١

(٢) کشف الباری: ٤٦٦/١، ٣٧٩/٣

(٣) کشف الباری: ٢٩١/١

(٤) کشف الباری: ٤٣٥/١، ٢٠٥/٢

انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، (راوی کا کہنا ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اُس عمل سے ڈرارہے تھے۔

شرح حدیث

أن عائشة وعبد الله بن عباس قالا: لما نَزَل برسول الله صلى الله عليه وسلم، طفِقَ يطرَح خَميْصةً له على وجهه،

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آپہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالنے لگے۔

قولہ: "لما نزل"، ابی ذر کی روایت کے مطابق یہ معروف کا صیغہ ہے، اور فاعل محذوف ہے، جو کہ "الموت" ہے، اور ابی ذر کے نسخے کے علاوہ کے نسخوں میں یہ مجہول کا صیغہ ہے، نائب فاعل اس صورت میں بھی "الموت" محذوف ہوگا(۱)۔

قولہ: "طَفِق"، یہ جعَل کے معنی میں ہے(۲)۔

قولہ: "الخميصة"، ایسی چادر جس پر نقش ونگار بنا ہوا ہو، اُسے "الخميصة" کہتے ہیں(۳)۔

فإذا اغتم بها كشفها عن وجهه، فقال: وهو كذٰلك:

پھر جب اس کی وجہ سے گرمی محسوس فرماتے تو اس کو اپنے چہرۂ مبارک سے ہٹا دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی اضطراب کی حالت میں تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

قولہ: "اغتم"، مراد یہ ہے کہ جب گرمی اور گھبراہٹ محسوس کرتے (۴)۔

قولہ: "وهو كذٰلك"، مراد یہ ہے کہ گھبراہٹ واضطراب والی اُسی حالت میں تھے۔ جیسے گھبراہٹ کے عالم میں کوئی شخص کبھی اپنے اوپر سے کمبل وچادر وغیرہ اتار لیتا ہے اور کبھی اوڑھ لیتا ہے، یہی کیفیت جناب

(١)التوضيح لابن الملقن: ٥٠٧/٥۔ فتح الباري: ٦٨٩/١۔ عمدة القاري: ٢٨٥/٤

(٢)التوضيح لابن الملقن: ٥٠٧/٥۔ فتح الباري: ٦٨٩/١۔ عمدة القاري: ٢٨٥/٤

(٣)التوضيح لابن الملقن: ٥٠٧/٥۔ فتح الباري: ٦٨٩/١۔ عمدة القاري: ٢٨٥/٤

(٤)عمدة القاري: ٢٨٦/٤

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

احتمال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی اس کیفیت کے طاری ہونے کے وقت ہی حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے سرزمین حبشہ میں دیکھے جانے والے گرجا گھر کا ذکر کیا تھا، اور گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا یہ مرض ہی مرض الموت ثابت ہوگا اور یہ بھی ڈر پیدا ہوا کہ جیسے گذشتہ زمانے میں دوسرے انبیاء کی قبروں کے ساتھ کیا جاتا رہا، وہی کچھ آپ کے ساتھ بھی نہ ہونے لگے، اس لیے آپ علیہ السلام نے یہود ونصاری کے اس قبیح فعل کی وجہ سے لعنت کرتے ہوئے اس فعل بد کی قباحت وشناعت کی طرف اشارہ کیا(۱)۔

"لعنة الله على اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"،

یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

قولہ: "اتخذوا"، یہ جملہ جملہ مستانفہ ہے، جو کہ ماقبل جملہ کے سبب بن رہا ہے یعنی: نزولِ لعنت کا۔ گویا کہ یہاں مکالمہ ہوا کہ یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت کیوں نازل ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا(۲)۔

"اتخاذ" سے مراد عام ہے کہ انھوں نے ابتدائی طور پر قبور کو سجدہ گاہ بنایا ہو، یا یہود کی اتباع کرتے ہوئے قبور کو سجدہ گاہ بنایا ہو، دونوں مراد ہیں، چنانچہ اس فعلِ بد کی ابتداء یہود نے کی، اور نصاری نے ان کی پیروی کی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نصاری ایسے بہت سے انبیاء کی تعظیم کرتے تھے یا کرتے ہیں جن کی تعظیم یہود کرتے تھے(۳)۔

يُحَذِّرُ ما صَنَعُوا.

(راوی کا کہنا ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اُس عمل سے ڈرا رہے تھے۔

قولہ: "يُحذِّرُ ما صنَعوا"، یہ بھی ماقبل کلام سے جدا ایک مستقل کلام ہے، جو راوی حدیث سے صادر ہوا، یہ بھی گویا ایک سوال کا ہی جواب ہے، کہ جب اُس نازک وقت میں کہ مرض الموت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱)فتح الباري: ۱/ ۶۸۹۔ عمدة القاري: ٤/ ۲۸٦

(۲)فتح الباري: ۱/ ۶۸۹۔ عمدة القاري: ٤/ ۲۸٦

(۳)فتح الباري: ۱/ ۶۸۹

نے یہود ونصاری کے فعل کی مذمت کی اوران پرلعنت کی، تو اس میں کیا حکمت تھی؟ یا اس کی کیا وجہ تھی؟ تو راوئ حدیث نے اس کا جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنی امت کو متنبہ کر رہے تھے کہ تم ان کے نقش وقدم پر چلتے ہوئے ایسا نہ کر بیٹھنا(۱)۔

ایک اشکال اوراس کا جواب

اس مقام پرایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پراللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کوسجدے کی جگہ بنالیا، حالانکہ یہ بات یہود کے بارے میں تو درست ہوسکتی ہے کہ اُن کے تو بہت سارے انبیاء دنیا میں آئے، لیکن نصاری کا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آیا حتی کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اُن کو بھی یہود کے ساتھ اُن کے اس قبیح فعل میں شریک ٹھہرا کے اُن کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ انھوں نے بھی اپنے انبیاء کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا تھا؟

تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، مثلا:

۱۔انبیاء جمع کا صیغہ مجموعہ یہود ونصاری کے مقابلے میں ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام انبیاء یہود کے مقابل آجائیں گے اور نصاری کے مقابل صرف ایک ہی نبی، لہٰذا اشکال ختم ہوجائے گا(۲)۔

۲۔آپ علیہ السلام نے جو انبیاء کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد محض انبیاء ہی نہیں ہیں، بلکہ انبیاء اوران کے کبار متبعین جو صالحین تھے، دونوں مراد ہیں(۳)، اس قول کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انھوں نے اپنے انبیاء اوراپنے صالح لوگوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنا لیا۔ البتہ آپ علیہ السلام نے ذکر صرف انبیاء کا ہی کیا(۴)۔

---

(١)فتح الباري: ٦٨٩/١- عمدة القاري: ٢٨٦/٤

(٢)فتح الباري: ٦٨٩/١

(٣) فتح الباري: ٦٨٩/١

(٤) عن عبد الله بن الحارث النجراني، قال: حدثني جندب، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يموت بخمس، وهو يقول: إني أبرأ إلى الله أن يكون لي منكم خليل، فإن الله تعالى قد اتخذني خليلا، كما اتخذ إبراهيم خليلا، ولو كنت متخذا من أمتي خليلا لاتخذت أبا بكر خليلا، ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، إني أنهاكم عن ذٰلك. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور فيها والنهي عن اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٥٣٢)

۳۔ اصالۃً تو یہ کام یہود ہی کرتے تھے اور وہی اس مشرکانہ عمل بد کے موجد اصلی ہیں، لیکن نصاریٰ نے ان کے اس فعل کو غلط نہ سمجھا اور وہ بھی یہود کے ساتھ مل کر ان کا اتباع کرتے رہے، اس لیے لعنت میں یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کو بھی شریک کیا گیا(۱)۔

۴۔ یہ بات بھی پوری طرح تسلیم نہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں آیا، جیسا کہ سورہ یٰس میں ہے: ﴿واضرب لهم مثلا اصحاب القرية اذ جاء ها المرسلون اذ ارسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعززنا بثالث﴾ [یٰس:۱۸] اور ان کے سامنے اہل قریہ کی مثال بیان کی جیے کہ جب وہاں رسول پہنچے، جب ہم نے ان کی طرف دو کو بھیجا تو انھوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے کو بھیج کر ان کو تقویت دی۔

اس آیت مبارکہ میں رسولوں سے مراد اہل انطاکیہ کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے بھیجے گئے فرستادے مراد لیے گئے ہیں، جن کے نام حضرت کعب کی جانب روایت کا انتساب کرتے ہوئے بعض مفسرین نے صادق، مصدوق، اور شلوم یا شمعون لکھے ہیں، اس لیے اس اعتبار سے نصاریٰ میں بھی انبیاء کا وجود تسلیم کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اس صورت میں لعنت کے مصداق یہود کے ساتھ ساتھ براہ راست نصاریٰ بھی بنتے ہیں(۲)۔

لیکن اس تقریر پر اشکال بھی ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کے رسول نہیں تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے، یعنی: ان کی طرف سے دعوت کا پیغام دے کر بھیجے گئے تھے(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/ ۶۸۹

(۲) ﴿اذ ارسلنا اليهم اثنين﴾، قال وهب: اسمهما يوحنا وبولس، ﴿فكذبوهما فعززنا﴾، يعني: فقوينا، ﴿بثالث﴾، برسول ثالث وهو شمعون، وقرأ أبو بكر عن عاصم: "فعززنا" بالتخفيف وهو بمعنى الأول كقولك: وشددنا، وشدّدنا، بالتخفيف والتثقيل، وقيل: أي: فغلبنا، من قولهم: من عزَّ بزَّ. وقال كعب: الرسولان: صادق ومصدوق، والثالث شلوم، وإنما أضاف الله الإرسال إليه لأن عيسىٰ عليه السلام إنما بعثهم بأمره تعالىٰ، ﴿فقالوا﴾، جميعا لأهل أنطاكية، ﴿انا اليكم مرسلون﴾. (تفسير البغوي، سورة يٰس، الآية: ۱۴، ۷/ ۱۲)۔ (الكشف والبيان المعروف بـ تفسير الثعلبي، سورة يٰس، الآية: ۱۴، ۸/ ۱۲۵)۔ (البحر المحيط، سورة يٰس، الآية: ۱۴، ۹/ ۵۳)

(۳) عمدة القاري: ۲۸۷

کیا عورت نبی ہو سکتی ہے؟

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بھی اس مقام پر جواب دیتے ہوئے نبیہ شمار کیا ہے(۱)، جب کہ جمہور کا مسلک اس بارے میں بھی یہ ہے کہ وہ نبیہ نہیں تھیں، بلکہ ولیہ تھیں، کیوں کہ نبوت آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں میں نبوت کا سلسلہ نہیں ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بھی واضح ہے، کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ جب یہود ونصاری نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنالیا تو وہ وہاں عبادت کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، تو انھوں نے ان مساجد کا نام گرجا رکھا، جسے "البِیَع" اور "الکنائس" کہتے ہیں، اور دوسری طرف باب بھی "الصلاۃ في البیع" قائم کیا گیا ہے(۳)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب؛ تیسری حدیث

٤٢٦ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ ٱلْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (۴): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (قَاتَلَ ٱللهُ ٱلْيَهُودَ ، ٱتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ) .

---

(١) فتح الباري: ٦٨٩/١

(٢) عمدة القاري: ٢٨٧

(٣)عمدة القاري: ٢٨٥/٤

(٤)أخرجه أبو داؤد في سننه، في الجنائز، باب: في البناء على القبر، رقم الحديث: ٣٢٢٧.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم الحديث: ٥٣٠

والنسائي في سننه، في الجنائز، باب: اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٢٠٤٧.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في وجوبها أداء وقضاء، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الثاني: الأمكنة المكروهة، رقم الحديث: ٣٦٧٠، ٤٧٢/٥.

ترجمہ حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے، انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ''عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ ''امام مالک بن انس'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/ ۸۰

(۲) کشف الباری: ۱/ ۲۹۰، ۲/ ۸۰

(۳) کشف الباری: ۱/ ۳۲٦

۴۔سعید بن المسیب

یہ مشہور تابعی ''سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وھب قرشی مخزومی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباقی، کتاب الایمان، باب: من قال إن الإيمان هو العمل، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔ابی ہریرہ

یہ مشہور صحابیِ رسول ''حضرت ابو ہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

قولہ: "قاتل الله"، اس جملے میں "قاتل" بابِ مفاعلہ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، لیکن معنی میں ثلاثی مجرد سے ہے، یعنی: "قَتَل" کے معنی میں، اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اللہ ان پر لعنت کرے، انہیں ہلاک کرے۔ ''قتال'' سے مراد اس مقام میں لعنت ہے، یعنی: ''رحمت سے دوری''(۳)۔

بقیہ تشریح تو ما قبل میں گذر چکی ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱) کشف الباری: ۱۵۹/۲

(۲) کشف الباری: ٦٥٩/١

(۳) عمدة القاري: ٢٨٦/٤

٢٣ – باب : قَوْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (جُعِلَتْ لِيَ ٱلْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا) .

یہ باب ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: کہ میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے، کے بارے میں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

سابقہ ابواب میں جن جگہوں میں نماز کی ادائیگی کی کراہت کا بیان ہوا، ان کے جواز کے بارے میں بطور دلیل کے یہ باب قائم کیا گیا ہے، کہ جب آپ علیہ السلام نے "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورًا" فرمادیا ہے، تو اس عموم کے تحت تمام جگہیں آ گئی ہیں کہ ہر جگہ نماز جائز ہے، البتہ بعض عوارض کی بنا پر، جو کہ ماسبق میں بیان ہو چکے، کراہت آ جاتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابواب سابقہ میں جو کراہت کی بات گذری ہے وہ تحریم کے لیے نہ تھی بلکہ خلاف اولی پر محمول ہے، کیوں کہ اس امت کو روئے زمین کے ہر ہر حصہ پر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان مذکورہ جگہوں میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی لیکن نماز ہو جائے گی، دلیل "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورًا" کا عموم ہے(۱)۔

حدیث باب

٤٢٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ : حَدَّثنا(٢) هُشَيْمٌ قَالَ : حَدَّثنا سَيَّارٌ ، هُوَ أَبُو ٱلْحَكَمِ ، قَالَ : حَدَّثنا يَزِيدُ ٱلْفَقِيرُ قَالَ : حَدَّثنا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أُعْطِيتُ خَمْسًا ، لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ ٱلْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَجُعِلَتْ لِيَ ٱلْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ ٱلصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ ٱلْغَنَائِمُ ، وَكَانَ ٱلنَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً ، وَبُعِثْتُ إِلَى ٱلنَّاسِ كَافَّةً ، وَأُعْطِيتُ ٱلشَّفَاعَةَ) . [ر : ٣٢٨]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

---

(١)الأبواب والتراجم: ٢/٢١٧۔ سراج القاري: ٣/ ٢٧

(٢)مر تخريجه تحت كتاب التيمم، الباب الأول، رقم الحديث: ٣٢٨، رقم الصفحة: ٨٣

۱۔محمد بن سنان

یہ ''محمد بن سنان عوقلی باہلی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، الحدیث الأول، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ ہشیم

یہ ''ابومعاویہ ہشیم بن بشیر بن قاسم واسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم،الباب الأول، رقم الحدیث:۳۲۸، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔سیار

یہ ''ابوالحکم سیار بن ابی سیار واسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، الباب الأول، رقم الحدیث:۳۲۸، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔یزید الفقیر

یہ ''ابوعثمان یزید بن صہیب کوفی الفقیر'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم،الباب الأول، رقم الحدیث:۳۲۸، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

۵۔جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت جابر بن عبداللہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر، کے تحت گذر چکے ہیں(۵)۔

---

(۱) کشف الباری: ۵۳/۳، ٥٤

(۲) کشف الباری، کتاب التیمم، رقم الصفحة: ۸۳

(۳) کشف الباری، کتاب التیمم، رقم الصفحة: ۸۸

(٤) کشف الباری، کتاب التیمم، رقم الصفحة: ۸۹

(۵) کشف الباري، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر.

ترجمہ حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ۱: ایک مہینہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔۲: میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی، میری امت کے جس شخص کو نماز کا وقت پالے تو اسے چاہیے کہ وہیں نماز ادا کر لے۔ ۳: اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔۴: (سابقہ) انبیاء خاص طور پر اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔۵: اور مجھے حقِ شفاعت عطا کیا گیا ہے۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی مکمل اور تفصیلی شرح، خصائص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد میں اختلاف اور ان کے درمیان تطبیق ''کتاب التیمم''، میں گذر چکی ہے، وہ خاصی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، وہ دیکھ لی جائے (۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بھی بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ دونوں میں ”جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا“ وجہ اشتراک ہے۔

(۱) كشف الباري، كتاب التيمم، الباب الأول، رقم الحديث: ٣٢٨، رقم الصفحة: ٨٨ - ١٢٧

٢٤ – باب : نَوْمِ ٱلْمَرْأَةِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب ہے عورت کے مسجد میں سونے کے بارے میں

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب باندھے ہیں، ایک: نوم المرأة في المسجد کا اور دوسرا: نوم الرجال في المسجد کا۔ بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض دونوں بابوں سے جواز بیان کرنا ہے، اس لیے کہ روایات جو ذکر کی ہیں وہ جواز پر دلالت کرتی ہیں، مگر نوم المرأة کو نوم الرجال پر مقدم کر دیا اہتمام کی بنا پر، کیونکہ عورت محل فتنہ ہے، اس لیے ممکن ہے کہ عدمِ جواز کا وہم ہو تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مقدم کر کے جواز واضح فرما دیا اور اسی محل فتنہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً عورت کو مسجد کے اندر سونا جائز نہیں، وإن كانت عجوزة۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے، کیونکہ محل فتنہ ہے اور نوم رجال کے اندر امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں تفصیل ہے، فرماتے ہیں: اگر کوئی سونے کی جگہ نائم کے واسطے نہ ہو تو مسجد کے اندر سو سکتا ہے، اور اگر جگہ ہو تو سونا جائز نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، مگر اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی ٹھکانہ ہو تو باہر سوئے''(۱)۔

ایک بات اچھی طرح یہاں سمجھ لینی چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جو مقصد ہے اس سے جواز تو ثابت ہو رہا ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے یہ ترغیب دی جا رہی ہے کہ یہ کام کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ امور رخصت کے درجے میں ہیں، اگر کبھی اس طرح کی نوبت آ جائے تو فتنے کے امن کی صورت میں اس طرح کر لینے کی گنجائش ہے۔

---

(۱) تقرير بخاری شريف: ۲/ ۱٦٣

فرمایا: باعتبار قیاس عورت کا مسجد میں سونا ناجائز ہونا چاہیے تھا؛ کیوں کہ اس سے ایک تو بے پردگی ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ حیض وغیرہ آ جائے جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے، تیسرے یہ کہ فتنہ کا باعث ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان فتنوں سے امن کی صورت میں جواز ثابت کرنا ہے کہ نفس نوم مرأة فی المسجد میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(الأبواب والتراجم: ۲/ ۲۱۷، سراج القاری: ۲/ ۲۸)

حدیث باب

٤٢٨ : حدَّثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : حَدَّثَنا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ(١) : أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ ٱلْعَرَبِ ، فَأَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ ، قَالَتْ : فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ ، عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ ، قَالَتْ : فَوَضَعَتْهُ ، أَوْ وَقَعَ مِنْهَا ، فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى ، فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ ، قَالَتْ : فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ ، قَالَتْ : فَاتَّهَمُونِي بِهِ ، قَالَتْ : فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونَ ، حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا ، قَالَتْ : وَٱللهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ ، إِذْ مَرَّتْ ٱلْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ ، قَالَتْ : فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ ، قَالَتْ : فَقُلْتُ : هٰذَا ٱلَّذِي ٱتَّهَمْتُمُونِي بِهِ ، زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ ، وَهُوَ ذَا هُوَ ، قَالَتْ : فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَأَسْلَمَتْ ، قَالَتْ عَائِشَةُ : فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي ٱلْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ ، قَالَتْ : فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي ، قَالَتْ : فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا ، إِلَّا قَالَتْ :

وَيَوْمَ ٱلْوِشَاحِ مِنْ أَعَاجِيبِ رَبِّنَا * أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ ٱلْكُفْرِ أَنْجَانِي

قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ لَهَا : مَا شَأْنُكِ ، لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هٰذَا ؟ قَالَتْ : فَحَدَّثَتْنِي بِهٰذَا ٱلْحَدِيثِ . [٣٦٢٣]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔عبید بن اسماعیل

یہ ’’عبید بن اسماعیل قرشی عبادی کوفی‘‘ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

---

(١) أخرجه البخاري أيضا في صحيحه، في فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: أيام الجاهلية، رقم لحديث: ٣٧٣٥.

وفي جامع الأصول، كتاب اللواحق، الفصل الرابع: في أحاديث متفرقة من كل نوع لا يضمها معنى، ولا يحصرها فن، وهي عشرة أنواع، نوع عاشر: متفرق، رقم الحديث: ٩٤٧٦، ١١/٧٧٦.

(٢) کشف الباری، کتاب الحیض، ص: ٣٩٨

۲۔ابواسامہ

یہ ”ابواسامہ حماد بن اسامہ“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:فضل من علم وعلّم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ہشام بن عروۃ

یہ ”ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدین إلی اللہ أدومہ ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ابیہ

یہ ”عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدین إلی اللہ أدومہ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ”عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق“ رضی اللہ عنہ وعنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک حبشی لونڈی تھی، انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا، مگر وہ انہی کے پاس رہا کرتی تھی، وہ کہتی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی لڑکی باہر نکلی، اس کے جسم پر تسموں کا سرخ ہار

---

(۱) کشف الباری : ۴۱۴/۳

(۲) کشف الباری : ۲۹۱/۱، ۴۳۲/۲

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱، ۴۳۶/۲

(۴) کشف الباری: ۲۹۱/۱

تھا، اس لڑکی نے خود اسے اتار دیا، یا وہ اس سے گر گیا، ادھر ایک چیل وہاں سے گذری اور اس گرے ہوئے ہار کو گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اسے جھپٹ کر لے گئی، اُن لوگوں نے اُسے تلاش کیا مگر نہ پایا، (اس) باندی نے کہا، قبیلے والوں نے مجھ پر (چوری) کا الزام لگایا، (اس) باندی نے کہا، پھر میری تلاشی لینے لگے، یہاں تک کہ میری شرم گاہ کی بھی تلاشی لی گئی، میں ان لوگوں کے پاس ہی تھی کہ اچانک وہ چیل وہاں سے گذری تو اس نے وہ ہار وہاں پھینک دیا، (اس) باندی نے کہا کہ وہ ہار ہمارے سامنے آ کے گرا، (اس) باندی نے کہا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا یہ ہے وہ ہار جس کی چوری کا تم مجھ پر الزام لگا رہے تھے حالانکہ میں اس سے بری تھی، وہ ہار یہ (آپ کے سامنے) پڑا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اس واقعہ کے بعد) وہ باندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور اسلام قبول کر لیا، تو مسجد میں ہی اس کے لیے ایک خیمہ یا چھوٹی سی جھونپڑی بنا دی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ باندی میرے پاس آیا کرتی تھی، اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی، مگر وہ جب بھی آتی تو باتوں کے دوران وہ یہ شعر ضرور کہا کرتی تھی، (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ہار (گم ہو جانے) کا دن میرے رب کے عجائبات میں سے ہے، سنو! اس (ہار کے واقعے) نے ہی مجھے کفرستان سے نجات دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے اس سے کہا کہ آخر بات کیا ہے کہ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ بات ضرور کہتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

شرح حدیث

عن عائشة: أن وليدة كانت سوداء لحيّ من العرب،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک حبشی لونڈی تھی۔

قولہ:"ولیـــــدة"، کے معنی باندی کے ہیں،ولیـــــدہ کا اصل استعمال بچی کے لیے ہوتا تھا، پھراس کا استعمال باندی کے لیے کیا جانے لگا، عام ہے کہ وہ باندی چھوٹی عمر کی ہو، چاہے بڑی عمر کی۔اس کی جمع "الولائد" آتی ہے(۱)۔

قولہ:"كانت سوداء"، مراد یہ ہے کہ وہ بڑی عورت تھی جو سانولے رنگ کی تھی، کتب میں اس باندی کا نام،اس کے قبیلے کا نام،اور نہ اس بچی کا نام جس کا ہار گم ہوا تھا، کچھ مذکور نہیں (۲)۔

فأعتقوها، فكانت معهم، قالت: فخرجت صبية لهم، عليها وِشاحٌ أحمر من سُيورٍ،

انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا،مگر وہ انہی کے پاس رہا کرتے تھی، وہ کہتی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی لڑکی باہر نکلی،اس کے جسم پر تسموں کا سرخ ہار تھا،

قولہ:"قالت، فخرجت"،اس عبارت میں "قالت"، کی فاعل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں،اور "فخرجت" کی فاعل:وہ"الولیدہ" ہے(۳)۔

قولہ:"صبية لهم" ،اس جملے میں "هم"،ضمیر "الحي"کی طرف لوٹ رہی ہے۔مراد یہ ہے کہ وہ بچی اسی قبیلے والوں میں سے کسی ایک کی تھی (۴)۔

قولہ:"وُِشاح"، (بكسر الواو أو بضم الواو) چمڑے کی وہ پٹی/یا وہ بیلٹ جسے عورت کوکھ سے گزار کر کندھے پر ڈالتی ہے، اوراس پر موتی وجواہرات جڑے ہوتے ہیں، یہ لفظ ''واؤ'' کو ہمزہ سے بدل کر "إشاح"،پڑھنا بھی جائز ہے(۵)۔

---

(١)النهاية في غريب الحديث والأثر: ٢٣٥/٥، المكتبة الإسلامية، رياض۔ مختار الصحاح، و ل د: ٣٤٥/١.تاج العروس، و ل د: ٣٣٣/٩.

(٢)فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٨٨/٤

(٣)فتح الباري: ٦٩١/١۔

(٤)عمدة القاري: ٢٨٨/٤

(٥)المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده، و ش ح: ٣/ ٤٦٩۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، و ش ح: ١٨٧/٥۔ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، وشح: ٦٦٠/٢. شرح الكرماني: ٩٨/٤.
ایسا ہار جس کو عورت پرتلہ کی شکل میں کندھے اور پہلو کے بیچ باندھتی ہے۔(سراج القاری:۳۰/۳)

قولہ:"سُیــور"، وہ تسمہ یادھاگہ جس سے چمڑے کوسیاجاتاہے،اسے "سَیْــر" کہتے ہیں،اس کی جمع "سُیُور" استعمال ہوتی ہے(١)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ایک اشکال وجواب ذکر کیا ہے کہ اس لفظِ''سیور'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پٹی چمڑے کی تھی جس پر موتی جڑے ہوئے تھے،تو پھر چیل نے اسے گوشت کیسے گمان کرلیا کہ اسے اچک کے لے گئی؟ تواس کا جواب یہ ہے کہ صاف سی بات ہے کہ جب سرخ پٹی پر چمکدار موتی دیکھے تو گمان ہوا کہ موٹا تازہ گوشت ہے،لہٰذا اُچک لیا(٢)۔

قالت:فوضعته، أو وَقَع منها، فمرت به حُدَيّاةٌ وهو ملقىً، فحسِبَته لحما فخطِفَته،

اس لڑکی نے خود اسے اتاردیا، یاوہ اس سے گرگیا، ادھرایک چیل وہاں سے گذری، اوراس گرے ہوئے ہارکو گوشت کاٹکڑا سمجھ کراسے جھپٹ کرلے گئی،

قولہ:"أو وقع"، یہ راوی کے شک کا بیان ہے،دونوں امور میں سےکوئی ایک واقع ہوا(٣)۔

قولہ:''حُديَّاةٌ''، یہ "حِـدَأَةٌ" کی تصغیر ہے،جوکہ "عِنَبَةٌ" کےوزن پر ہے،جواصل میں "حُدَيْـئَةٌ" تھا،یائے ساکنہ کے بعد ہمزہ ہے،اس لیے ہمزہ کویاسے بدل کریاکایامیں ادغام کردیاگیا،پھریاکےفتحہ کااشباع کرکےالف بنالیاگیا،''حُديَّاةٌ'' ہوگیا۔

یہ معروف پرندہ ہے،جسےچیل کے نام سے جاناپہچاناجاتاہے(٤)۔

قولہ:"وهو ملقىً"، یہ جملہ حالیہ ہے،یعنی:وہ ہارگراہوا؟ پڑاہواتھا(٥)۔

---

(١)مختار الصحاح، س ى ر: ١٥٩/١۔ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، س ي ر: ٢٩٩/١۔ تاج العروس، سير: ١٢/ ١١٧ .شرح الكرماني: ٩٨/٤.

(٢)عمدة القاري: ٢٨٩/٤

(٣)فتح الباري: ٦٩١/١۔عمدة القاري: ٢٨٩/٤

(٤)المخصص لابن سيده، الأدوات التي تعتمل في القطع: ١٦٣/٣۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، حدأ: ٣٤٩/١۔ فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٨٩/٤.

(٥)عمدة القاري: ٢٨٩/٤

قولہ: "فـخَطِفَته"، یہ صیغہ "سمِع یسمَع" سے بھی مستعمل ہے اور "ضرَب یضرِب" سے بھی، لیکن مشہور "سمِع یسمَع" سے ہی مستعمل ہے(١)۔

قـالـت: فـالتـمَسوه فلم يجدوه، قالت: فاتَّهَموني به، قالت: فطفِقوا يفتّشونِ، حتى فَتَّشوا قُبُلَها،

اُن لوگوں نے اُسے تلاش کیا مگر نہ پایا، (اس) باندی نے کہا، قبیلے والوں نے مجھ پر (چوری) کا الزام لگایا، (اس) باندی نے کہا، پھر میری تلاشی لینے لگے، یہاں تک کہ میری شرم گاہ کی بھی تلاشی لی گئی،

قولہ: "فـالتـمَسـوه"، معنی یہ ہے کہ قبیلے والے اس ہار کو تلاش کرنے لگے اور اس کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے(٢)۔

قولہ: "یُـفَتِّشونِ"، بعض روایات میں یہ صیغہ یائے متکلم کے ساتھ ہے، یعنی: یُـفَتِّشونِي، جس کی بھی اصل: یُفَتِّشونَنِي ہے، ایک نون کو تخفیفًا حذف کیا گیا ہے(٣)۔

قولہ: "حتى فتَّشوا قُبُلها"، ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے، ورنہ اگر یہ کلام اسی باندی کا ہوتا تو "قُـبُلِي" ہوتا نہ کہ "قُبُـلها"، اور اگر یہ باندی کا ہی کلام ہو جیسا کہ بعض نے لکھا بھی ہے تو پھر کہا جائے گا کہ یہاں باندی نے بات کرتے ہوئے خطاب سے غیوبت کی طرف التفات کیا(٤)۔

قـالـت: والـلـه إنـي لـقائمة معهم، إذ مرت الحُدَيَّاة فألقته، قالت: فوقع بينهم، قالت: قلت: هٰذا الذي اتَّهَمْتُمُوني به، زعمتم وأنا منه بريئة، وهو ذا هو،

میں ان لوگوں کے پاس ہی تھی کہ اچانک وہ چیل وہاں سے گذری تو اس نے وہ ہار وہاں پھینک دیا، (اس) باندی نے کہا کہ وہ ہار ہمارے سامنے آ کے گرا، (اس) باندی نے کہا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا یہ ہے وہ ہار جس کی چوری کا تم مجھ پر الزام لگا رہے تھے حالانکہ میں اس سے بری تھی، وہ ہار یہ (آپ کے سامنے) پڑا ہے۔

(١)التوضيح لابن المقلن: ٥/ ٥١١۔ عمدة القاري: ٢٨٩/٤

(٢)عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٣)شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٤)شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

قولہ:"زعمتم"،اس فعل کا مفعول محذوف ہے،یعنی:"زعمتم أني أخذته"(١)۔

قولہ:"وأنا منه بريئة" ،یہ بھی جملہ حالیہ ہے،"منه"کی"ه"ضمیر کا مرجع"الزعم"بنے گا جس پر "زعمتم" دلالت کررہا ہے۔یا پھر اس ضمیر کا مرجع"وشاح" بنے گا،یعنی:میں اس ہار کے لینے سے،یا چوری کرنے سے بری ہوں(٢)۔

قولہ: "وهو ذا هو" ،اس جملہ میں جو دوسرا"هو" ہے وہ"ذا" کی خبر بنے گا،اور"ذا"مبتداء اپنی خبر سے مل کر پہلے"هو" کے لیے خبر بن جائے گا،یا پھر"هو"خبر ثانی بنے گا پہلے "هو"کے لیے،اس کے لیے بھی اور احتمالات ممکن ہیں۔ابونعیم کی روایت میں یہ جملہ : "ها هو ذا" ہے،اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ جملہ : "وهو ذا كما ترون" ہے(٣)۔

قالت: فجاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسلمت، قالت عائشة: فكان لها خِباء في المسجد أو حِفشٌ،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:(اس واقعہ کے بعد)وہ باندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور اسلام قبول کرلیا،تو مسجد میں ہی اس کے لیے ایک خیمہ یا چھوٹی سی جھونپڑی بنادی گئی۔

قولہ:"الخباء"،اون،بالوں یا اس کے علاوہ سے بنے ہوئے خیمہ کو کہتے ہیں،جو دو یا تین ستونوں پر لگایا جاتا ہے(٤)۔

قولہ:"حفش" [بكسر المهملة وسكون الفاء وبعدها شين معجمة] ایسے چھوٹے گھر جسکی چھت زمین کے قریب ہو،یا بدویوں کے چھوٹے خیمے کو کہتے ہیں(٥)۔

قالت: فكانت تأتيني فتحدث عندي، قالت: فلا تجلِسُ عندي

---

(١)شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٢)عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٣)شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٤)شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٥)فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

مجلِسا، إلا قالت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ باندی میرے پاس آیا کرتی تھی، اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی، مگر وہ جب بھی آتی تو باتوں کے دوران وہ یہ شعر ضرور کہا کرتی تھی۔

قولہ: "فکانت"، اس کا فاعل؛ وہ باندی ہے، اور کشمیھنی کی روایت میں اس کی بجائے "فکان" ہے (۱)۔

قولہ: "فتحدث"، یہ مضارع کا صیغہ ہے ایک تاء کے حذف کے ساتھ، یعنی: اصل میں فتتحدث تھا (۲)۔

ويومَ الوِشاحِ مِنُ أعاجِيبِ ربّنا　　　أَلا إنه مِن بَلدةِ الكُفر أَنجَانِي

(جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ہار (گم ہو جانے) کا دن میرے رب کے عجائبات میں سے ہے، سنو! اس (ہار کے واقعے) نے ہی مجھے کفرستان سے نجات دی ہے۔

قولہ: "أعاجيب" اس کی واحد أعجوبة ہے، بعض نسخوں میں "تعاجيب" ہے، جس کی اس لفظ سے واحد نہیں آتی (۳)۔

قـالـت عـائشة: فقلت لها: ما شأنُك، لا تقعُدِينَ معي مقعَدًا إلا قلتِ هٰذا؟ قالت: فحدَّثني بهٰذا الحديث.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے اس سے کہا کہ آخر بات کیا ہے کہ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ بات ضرور کہتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

قولہ: "قلتِ هٰذا"، یعنی: یہ شعر کہتی ہو (۴)۔

قولہ: "بهٰذا الحديث"، مراد یہ ہے کہ اس قصے کو (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦٩١/١

(۲) شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١ ـ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(۳) التوضيح لابن المقلن: ٥/ ٥١١ ـ فتح الباري: ٦٩١/١ ـ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٤) شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩١/٤

(٥) شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩١/٤

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے: "وكان لها خباء في المسجد"، میں ہے، کیونکہ خیمہ رات گذارنے اور نیند کرنے کے لیے ہی نصب کیا جاتا ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے احکامات مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے بعض ذیل میں مذکور ہیں:

۱۔ مسلمانوں میں سے جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو اس کے لیے مسجد میں رات گذارنا اور بات چیت کرنا جائز ہے، یہ حکم مرد کے لیے بھی ہے اور عورت کے لیے بھی، شرط یہ ہے کہ یہ فتنے سے محفوظ ہوں (۲)۔

۲۔ مذکورہ بالا مقصد کے حصول کی خاطر مسجد میں سایہ دار انتظام کرنا، مثلا: خیمہ وغیرہ لگانا جائز ہے(۳)۔

۳۔ کسی ایک شہر وغیرہ کو مصائب ومشکلات کی وجہ سے چھوڑ کر کسی اور ایسے شہر کی طرف کوچ کر جانا جائز ہے جہاں اس کے لیے خیر اور بھلائی متوقع ہو(۴)۔

۴۔ دار الکفر چھوڑ کے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا بھی معلوم ہوا (۵)۔

۵۔ مظلوم کی دادرسی کرنا بھی معلوم ہوتا ہے، چاہے وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو، حدیث میں مذکور قصے کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باندی کافرہ تھی، آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو جانے کے بعد وہ مسلمان ہوئی تھی (۶)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٨٨

(٢)شرح ابن بطال: ٢/٩٠۔ شرح الكرماني: ٤/٩٩. التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٥١١۔ فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٣)شرح الكرماني: ٤/٩٩. فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٤)شرح ابن بطال: ٢/٩٠۔ شرح الكرماني: ٤/٩٩. التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٥١١۔ فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٥)فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٦)فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

٢٥ - باب : نَوْمِ ٱلرِّجَالِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں مردوں کے سونے کے بارے میں ہے۔

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے دو تعلیقیں اور تین احادیث مبارکہ ذکر فرمائیں ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود وہی ہے جو سابقہ باب سے تھا، کہ مسجد میں سونا جائز ہے، البتہ مرد اور عورت کے مسجد میں سونے کے جواز کو بیان کرنے کے لیے الگ الگ باب قائم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے مسجد میں سونے پر اشکال زیادہ تھا بانسبت مردوں کے، تو اس کے جواز کو مستقلا ایک باب میں بیان کر دیا، سابقہ باب کے تحت ذکر کی جانے والی حدیث میں چونکہ ایک باندی کے سونے کا ذکر تھا اس لیے سابقہ باب میں واحد کا صیغہ: "نوم المرأة" ذکر کیا تھا، اور یہاں چونکہ کئی روایات میں مردوں کے سونے کا ذکر ملتا ہے اس لیے اس ترجمہ میں جمع کے صیغہ: "نوم الرجال" کا ذکر کیا گیا۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "نوم الرجل" کا ترجمہ بھی موجود ہے(١)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وجہ سے بھی اس باب کو قائم کیا ہے کہ چونکہ بعض روایات میں مسجد میں سونے کی ممانعت بھی منقول ہے(٢)، اس لیے امام صاحب ان روایات کے مقابل اپنا رجحان جواز والی

---

(١) عمدة القاري: ٤/ ٢٩١

(٢) عن عطاء قال قال رجل لابن عباس إني نِمتُ في المسجد الحرام فاحتلمتُ، فقال: أما أن تتخذه مبيتا أو مقيلا لا، وأما أن تنامَ تستريحَ أو تنتظرَ حاجةً فلا بأس. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩١٥، ١/ ٤٢٧)

عن عطاء وطاؤس ومجاهد أنهم كرهوا النوم في المسجد. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩١٦، ١/ ٤٢٧)

حدثنا وكيع عن أيمن بن نابل قال: رآني سعيد بن جبير وأنا نائم في الحِجر، فأيقَظَنِي وقال: مثلُك ينامُ هاهنا. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩١٩، ١/ ٤٢٧) =

روایات کو پیش کرنے کے ذریعے ظاہر کررہے ہیں کہ مسجد میں سونا جائز ہے۔

پہلی تعلیق

وَقَالَ أَبُو قِلَابَةَ ، عَنْ أَنَسٍ : قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ ، عَلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ فَكَانُوا فِي ٱلصُّفَّةِ .
[ر : ٦٤١٩]

تعلیق کی تخریج

یہ تعلیق قصةُ العُرَنِيِّين کا ایک جزو ہے، جن کا واقعہ کتاب الطھارہ میں گذر چکا ہے۔ اور اسی تعلیق کو موصولاً امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الحدود، باب: لم يسق المرتدون المحاربون حتى ماتوا، رقم الحديث: ٦٨٠٤ میں ذکر کیا ہے(١)۔

تعلیق کے رجال

اس تعلیق کی سند میں دو راوی ہیں:

= عن عمرو الشيباني قال: رأيتُ ابن مسعود نعَس في المسجد ليلا، فلا يدعُ سوادًا في المسجد إلا أخرجَه إلا رجلا يصلي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩٢٠، ١/٤٢٧)

عبد الرزاق عن يحيى بن العلاء عن حرام بن عثمان عن ابني جابر عن جابر بن عبد الله قال: أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن مضطجعون في مسجده، فضرَبَنَا بعَسِيبٍ كان في يده، وقال: "قوموا! لا ترقُدوا في المسجد". (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الطهارة، باب: الوضوء في المسجد، رقم الحديث: ١٦٥٥، ١/٤٢٢)

(١) حدثنا موسى بن إسماعيل، عن وهيبٍ، عن أيوب، عن أبي قِلابة، عن أنس رضي الله عنه، قال: قدِم رهطٌ من عُكلٍ على النبي صلى الله عليه وسلم، كانوا في الصفة، فاجتووا المدينة، فقالوا: يا رسول الله! أبْغِنا رِسلا، فقال: "ما أجد لكم إلا أن تلحقوا بإبل رسول الله" فأتوها، فشربوا من ألبانها وأبوالها، حتى صحوا وسمِنوا وقتلوا الراعي واستاقوا الزَودَ، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم الصريخُ، فبعَث الطَلَبَ في آثارهم، فما ترجَّل النهارُ حتى أُتِيَ بهم، فأمر بمساميرَ فأُحمِيتُ، فكَحَلَهم، وقطع أيديَهم وأرجلَهم وما حسَمَهم، ثم أُلقوا في الحَرَّةِ، يستسقون فما سُقُوا حتى ماتوا، قال أبو قلابة: "سرقوا وقتلوا وحاربوا الله ورسوله". (صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب: لم يسق المرتدون المحاربون حتى ماتوا، رقم الحديث: ٦٨٠٤)

۱۔ابوقلابہ

یہ مشہور تابعی ''حضرت عبداللہ بن زید جرمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حلاوة الإيمان، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔انس

یہ مشہور ومعروف صحابی رسول ''حضرت انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابوقلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور صفہ میں ٹھہرے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس آنے والے قبیلے کو صفہ میں ٹھہرایا گیا، چنانچہ جب ان کا قیام وہاں ہوا تو ظاہر ہے کہ ان کا سونا بھی وہیں ہوتا تھا، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ صفہ مسجد کا حصہ تھا، جو ایک سائبان کے نیچے بنایا گیا تھا۔یہی بات ترجمۃ الباب میں ہے کہ مسجد میں مردوں کا سونا جائز ہے۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

دوسری تعلیق

وَقَالَ عَبْدُ ٱلرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ : كَانَ أَصْحَابَ ٱلصُّفَّةِ ٱلْفُقَرَاءُ . [ر : ۵۷۷]

(۱) کشف الباري: ۲/۲۶

(۲) کشف الباري: ۲/۴

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے کتاب مواقیت الصلاۃ میں اور کتاب المناقب، باب المعاملات میں موصول نقل کی ہے(۱)۔

تعلیق کے رجال

اس تعلیق کی سند میں صرف ایک راوی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

---

(١)عن عبد الرحمن بن أبي بكر أن أصحاب الصفة كانوا أناسًا فقراء، وأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، وإن أربعٌ فخامسٌ أو سادسٌ. وأن أبا بكر جاء بثلاثةٍ، فانطلق النبي صلى الله عليه وسلم بعشرة. قال: فهو أنا وأبي وأمي، فلا أدري قال: وامرأتي، وخادم، بيننا وبين بيت أبي بكر. وإن أبا بكر تعشىَّ عند النبي صلى الله عليه وسلم، ثم لبث حيث صُلِّيتِ العشاءُ، ثم رجع فلبث حتى تعشىَّ النبي صلى الله عليه وسلم، فجاء بعدما مضى من الليل ما شاء الله.

قالت له امرأته: وما حبسك عن أضيافك؟ أو قالت ضيفك، قال :أوَ ما عشَّيْتِيهِم؟ قالت: أبَوا حتى تجيء ، قد عُرِضوا فأبوا، قال: فذهبت أنا فاختبأتُ، فقال: يا غُنثَرُ! فجدَّ ع وسبَّ، وقال: كلوا لا هنيئًا، فقال: والله لا أَطعَمُه أبدًا، وأيم الله، ما كنا نأخذ من لقمة إلا ربا من أسفلها أكثر منها، قال: يعني حتى شبِعوا، وصارت أكثرَ مما كانت قبل ذلك، فنظر إليها أبو بكر فإذا هي كما هي أو أكثر منها، فقال لامرأته: يا أخت بني فراس ما هذا؟ قالت: لا وقرة عيني، لهِيَ الآنَ أكثرُ منها قبل ذلك بثلاث مرات، فأكل منها أبو بكر وقال: إنما كان ذلك من الشيطان، يعني يمينَه، ثم أكل منها لقمة، ثم حملها إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأصبحتُ عنده، وكان بيننا وبين قومٍ عقدٌ، فمضى الأجل، ففرَّقْنا اثنا عشر رجلًا مع كل رجلٍ منهم أناسٌ الله أعلم كم مع كل رجلٍ، فأكلوا منها أجمعون. أو كما قال . (صحيح البخاري، كتاب: مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، رقم الحديث: ٦٠٢)

(٢)كشف الباري، كتاب الحيض، باب: امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض.

تعلیق کا ترجمہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صفہ میں رہنے والے صحابہ فقراء تھے۔

''صفہ اور اصحابِ صفہ''

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''صفہ'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تحویل قبلہ کے بعد جب مسجدِ نبوی کا رُخ بیت اللہ کی طرف ہوگیا تو قبلۂ اول کی طرف دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی وہ اُن فقراء وغرباء کے ٹھہرنے کے لیے بدستور چھوڑ دی گئی، جن کے لیے کوئی ٹھکانہ اور گھر بار نہ تھا۔ یہ جگہ ''صفہ'' کے نام سے مشہور تھی۔

''صفہ'' اصل میں سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں، وہ ضعفاء مسلمین اور فقراء شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر اور مسرور تھے، جب احادیث قدسیہ اور کلمات نبویہ سننے کی غرض سے بارگاہِ نبوت ورسالت میں حاضر ہوتے تو یہاں ہی پڑے رہتے تھے۔ لوگ ان حضرات کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ گویا یہ اس بشیر ونذیر اور نبی فقیر کی خانقاہ تھی جس نے بہ ہزار رجاء ورغبت فقر کو دنیا کی سلطنت پر ترجیح دی۔

اور اصحاب صفہؑ ارباب توکل اور اصحاب تبتل کی ایک جماعت تھی، جو لیل ونہار تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی، نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ ہی زراعت سے کوئی سروکار تھا۔ یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدارِ پُر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ کے کلماتِ قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

وإن حدثوا عنها فكلي مسامع وكلي إذا حدثتهم السن تتلو".

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ نے مزید بھی بڑی عمدہ تفصیل بیان کی ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے(۱)۔

---

(۱) سیر ت مصطفى للكاندهلوي: ۱/ ٤٤٤ تا ٤٥٢۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی سے جاری ہونے والے ماہنامہ ''بینات'' میں اس صفہ اور اصحاب صفہ سے متعلق ایک عمدہ تحریر نظر سے گذری تھی، اس کا کچھ حصہ افادۂ عام کی غرض سے ذیل میں نقل کیا جارہا ہے: =

....

= ''مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے شمالی مشرقی جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوسِ قدسیہ تعلیم وتربیت پا رہے تھے ان نفوسِ قدسیہ نے اپنی زندگی حصولِ علم ہی کے لئے وقف کردی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل سے لکڑی لا کر فروخت کرتے اور گذر بسر کیا کرتے تھے، ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امام حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمیٰ وغیرہ [رحمہم اللہ] کے نام قابل ذکر ہیں، ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے۔ ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ میں صحابہء کرام [رضی اللہ عنہم] ہی سب سے پہلے متعلم وشاگرد تھے۔

لیکن اسی تحصیلِ علم کے ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا گذرا کہ مدینہ سے باہر عوالی مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہِ نبوت کی حاضری سے معذور تھے، لیکن آپ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالبًا ان کا نام اوس بن خولیٰ ہے) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ بیان فرمائیں تو وہ رات کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ ہی خدمت انجام دیا کریں، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔

الغرض صحابہ کرام [رضی اللہ عنہم] جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصولِ علم کے لئے پورا اہتمام وانتظام فرماتے تھے لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب وروز کی زندگی اسی حصولِ علم کے لئے وقف تھی، اہل وعیال سے آزاد؛ نہ تجارت سے غرض، نہ زراعت سے، مطلب! نہ اپنی معاش کی فکر، نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحابِ صفہ کے نفوسِ قدسیہ ہیں؛ جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے ستر وہ شہداءِ بیر معونہ ہیں، جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل وذکوان وغیرہ نے جو تعلیمِ دین اور تبلیغِ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ سے معلم ومبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ نے ان قراء کو اس دینی خدمت کے لئے بھیجا تھا، ان بدظن قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ ہوا تھا؛ اور نماز فجر میں آپ نے دعاءِ قنوتِ نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے اس واقعہء شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہ بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان صحیح بخاری میں قابلِ عبرت وبصیرت ہے:

رأيت سبعين من أصحاب الصفه؛ ما منهم رجل عليه رداء، إما ازار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية أن تعرىٰ عورته۔
(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: نوم الرجال في المسجد) =

= ترجمہ: میں نے ستر ایسے اصحابِ صفہ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لئے) چادر نہ تھی، یا ان کے پاس صرف لنگی تھی، یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کمبلی، جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا ہوتا، کوئی کملی تو ٹخنوں تک پہنچ جاتی، کوئی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبر نبوی اور بیت الرسول کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے، حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی۔ خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے؛ آخر اس جفاکشی اور اس اندازِ طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہئیں تھے وہ امت کے سامنے آئے خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں مروی ہے:

صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث سنين فلم أكن في سني أحرص على أن أعي الحديث مني.

ترجمہ: میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ کے ساتھ رہا میں نے اپنی عمر میں اپنے سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدونین کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں، جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنا فی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہ و تابعین کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہی کی روایات سے امت کو پہنچا، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اور ان کے علاوہ اعداء اسلام کا سارا زور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع اور عیب چینی پر صرف ہو رہا ہے، کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر ان اصحابِ صفہ کے فقر و افلاس کی حالت کو برداشت کیا گیا؟! اور ان کو فکرِ معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟! کیوں ان کو زراعت یا صنعت و حرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی؟ اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدِ رمق کے لیے زکاۃ و صدقات کا انتظام کیا جاتا؟ اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آ جاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کو اربابِ صفہ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لیے کہ ازواجِ مطہرات کی تعداد/ ۹ تھی اور دسویں آپ تھے اس لحاظ سے گویا طعام الواحد يكفي الاثنين کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے، خود بیوتِ نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا، یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے شواہد و بینات ہیں۔ اب ذرا قرآن کریم کا ارشاد بھی سنیے: =

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق صفہ میں رہنے والے صحابہ فقراء تھے۔یعنی: ان کے پاس اپنا کوئی مسکن اور ٹھکانہ وغیرہ نہیں تھا جہاں وہ شب باسی کرتے، چنانچہ وہ وہیں رات کو سویا کرتے تھے۔اور یہی ترجمہ میں مذکور ہے۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیث باب؛ پہلی حدیث

٤٢٩ : حدَّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللّٰهِ قَالَ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللّٰهِ[1] : أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ ، وَهْوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ ، فِي مَسْجِدِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ .

[١٠٧٠ ، ١١٠٥ ، ٣٥٣٠ ، ٣٥٣١ ، ٦٦١٣ ، ٦٦٢٥ ، ٦٦٢٦]

= ﴿الذين احصروا في سبيل الله لايستطيعون ضرباً في الارض يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لايسألون الناس الحافاً﴾۔ (البقرہ)

ترجمہ: وہ حاجت مند (تمہاری امداد واعانت کے مستحق ہیں) جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، وہ (روزی حاصل کرنے کے لئے) روئے زمین میں (کہیں) جا آ نہیں سکتے، ناواقف آدمی تو ان کے (سوال کرنے سے) بچنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں (لیکن) تم ان کے فقر وافلاس کو ان کے چہرہ بشرہ سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے (کہ پیچھے پڑیں اور) اصرار کریں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیتِ کریمہ انہی نفوسِ قدسیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کی زندگی کا مقصدِ وحید صرف تعلیم دین اور جہاد تھا۔ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس صورت حال کو قائم رکھا بلکہ اس کی تعریف وتوصیف وحی متلو میں بھی فرمائی، کیا یہ واضح اور صاف دلیل اس کی نہیں ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں، جن کی حیاتِ طیبہ کلی طور پر علم ودین کے لیے وقف ہو چکی ہو، اس مقدس مشغلہ کے علاوہ اُن کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ ہو، اب رہا یہ سوال کہ وہ کھائیں گے کہاں سے، اور ضروریاتِ معاش پوری کیسے کریں گے؟ تو قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں اس کا واضح جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ان کی ضرورت کا تکفل اور خبر گیری امت محمدیہ کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنے صدقات وخیرات اور زکاۃ سے اُن کی خدمت کرے گی، اسی لیے علم دین میں مہارت وخصوصیت فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں کہ ہر شخص کے بس کا یہ کام نہیں۔(ماخوذ از، ماہنامہ بینات، ذوالحجہ/ ۱۴۲۸ھ بمطابق: جنوری/ ۲۰۰۸ء)

(١) أخرجه البخاري أيضا في التهجد، باب: فضل قيام الليل، رقم الحديث: ١١٢١، وباب: من تعار من الليل فصلى، رقم الحديث: ١١٥٦، وفي فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: =

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔مسدد

یہ "مسدد بن مسرہد الاسدی البصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، **اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب:** من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، **کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔**

۲۔یحیی

یہ "یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ، **کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔**

= مناقب عبد الله بن عمر، رقم الحديث: ٣٧٣٨، ٣٧٤٠، وفي التعبير، باب: الاستبرق ودخول الجنة في المنام، رقم الحديث: ٧٠١٥، وباب: الأمن وذهاب الروح فى المنام، رقم الحديث: ٧٠٢٨، وباب: الأخذ على اليمين في النوم، رقم الحديث: ٧٠٣٠.

ومسلم في صحيحه في فضائل الصحابة، باب: من فضائل عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، رقم الحديث: ٢٤٧٩.

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٣٢١.

والنسائي في سننه، في المساجد، باب النوم في المسجد، رقم الحديث: ٧٢٣.

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب الأول: في المواعظ والرقائق، الكتاب السادس: في المساجد وما يتعلق به أولا وآخرا، رقم الحديث: ٨٧٥٥، ١١/ ٢٠٦.

(١) كشف الباری: ٢/٢،٤/ ٥٨٨

(٢) كشف الباری: ٢/٢

۳۔عبید اللہ

یہ ''عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عبداللہ بن عمر بن خطاب'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔نافع

یہ ''مولی عبداللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ابن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے بتلایا کہ وہ مسجد نبوی میں سویا کرتے تھے، اس حال میں کہ وہ نوجوان تھے، اور کنوارے تھے، گھر بار نہیں تھا۔

شرح حدیث

قولہ: ''وهو شاب''، یہ جملہ جملۂ اسمیہ ہے جو ''ينام'' فعل کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔

''شابّ'' اس شخص کو کہتے ہیں، جس کی عمر تیس سے چالیس سال تک ہو، اس کی جمع ''شُبّان'' استعمال

---

(۱) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: التبرز في البيوت، ص: ۳۶۰

(۲) کشف الباری: ۶۵۱/۴

(۳) کشف الباری: ۶۳۷/۱

ہوتی ہے، مؤنث: شابة، اور اس کی جمع شواب استعمال ہوتی ہے(۱)۔

انسانی عمر کے مختلف ارتقائی ادوار

ہماری اردو زبان کا سینہ بہت تنگ ہے، لیکن عربی زبان کا سینہ بڑی وسعتوں کا حامل ہے، انسانی زندگی کے جتنے مراحل ہیں، ان سب کے لیے عربی زبان میں الگ الگ نام متعین ہے، مثلا: بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اسے "جنین" کہتے ہیں، جب پیدا ہو جائے تو اسے "ولید" کہتے ہیں، جب سات دن کا ہو جائے تو اسے "صدیغ" کہتے ہیں، پھر جب تک دودھ پیتا رہتا ہے اسے "فطیم" کہتے ہیں، پھر جب ٹھوس غذا کھانے لگتا ہے اسے "جحوش" کہتے ہیں۔ پھر اسی طرح چلتے چلتے اسے "مترعرع، ناشیٔ، یافع، مراهق، حزور"، اور "غلام" سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر یہ "فتی" اور "شارخ" بنتا ہے، پھر "مجتمع" ہوتا ہے، پھر "شاب" اور اس کے بعد آخر میں "کهل" کہلاتا ہے۔

ائمۃ اللغات نے ان سب ناموں کی تفصیلات کو اپنی کتب میں جمع کیا ہے(۲)۔

---

(۱)المحكم والمحيط الأعظم، الشين والباء: ٦٣٦/٧۔ مختار الصحاح، شبب: ١٦٠/١. المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، ش ب ب: ٣٠٢/١

(٢) الفصل الأول: "في ترتيب سن الغلام"."عن أبي عمرو وعن أبي العباس ثعلب عن ابن الأعرابي"، يقال للصبي: إذا ولد "رضيع وطفل". ثم: "فطيم". ثم: "دارج". ثم:"حفر". ثم: "يافع". ثم: "شدخ". ثم: "مُطَبَّخ". ثم: "كوكب".

الفصل الثاني: "أشفى فنه في ترتيب أحواله وتنقل السن به إلى أن يتناهى شبابه"."عن الائمة المذكورين" ما دام في الرحم فهو "جنين". فإذا ولد فهو "وليد". وما دام لم يستتم سبعة أيام فهو "صديغ"، لأنه لا يَشْتَدُّ صُدْغُهُ إلى تمام السبعة. ثم ما دام يرضع فهو "رضيع". ثم إذا قطع عنه اللبن فهو "فطيم". ثم إذا غلظ وذهبت عنه تَرَارَةُ الرَّضاع فهو "جَحْوَشٌ".

عن الأصمَعِي، وأنشد لِلْهُذَلِيِّ (من الوافر)

قَتَلْنَا مَخْلَداً وابْنَيْ حرَاقٍ　　　وآخَرَ جَحْوَشاً فَوْقَ الْفَطِيمِ

قال الأزهري: كأنه مأخوذ من "الجحش" الذي هو ولد الحمار. ثم هو إذا دب ونما فهو "دارج".

فإذا بلغ طوله خمسة أشبار فهو "خماسي". فإذا سقطت رواضعه فهو "مثغور". =

قولہ:''أعزب''، یہ صفت ہے ''شاب'' کی،ابی ذر کی روایت میں ''عزب'' کا لفظ ہے،بغیر الف کے۔''رجل عزب'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے،جو کنوارہ ہو،جس کی بیوی نہ ہو۔نصر ینصر سے اس کا استعمال ہے،عازب اسم فاعل اور اس کی جمع عُزّاب استعمال ہوتی ہے۔جو شخص نکاح کو ترک کرنے والا ہو،اس کے لیے عربی میں تعزب الرجل کا جملہ استعمال ہوتا ہے،اور جس کے دور (ترک نکاح) کا زمانہ بہت طویل ہو جائے یہاں تک کہ اسے نکاح میں رغبت ہی ختم ہو جائے،اُسے ''المِعزابة'' کہتے ہیں(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جوان غیر شادی شدہ آدمی کو احتلام کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے،اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں سوتے تھے اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر بھی رہی ہوگی،پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا تو اس سے مسجد میں سونے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہی ترجمۃ الباب کا مقصد ہے(۲)۔

= عن أبي زيد، فإذا نبتت أسنانه بعد السقوط فهو "مثغر" بالثاء والتاء.

عن أبي عمرو، فإذا كاد يجاوز العشر السنين أو جاوزها فهو "مترعرع وناشئ"، فإذا كاد يبلغ الحلم أو بلغه فهو "يافع ومراهق"، فإذا احتلم واجتمعت قوته فهو "حَزَوَّر وَحَزْوَر"، واسمه في جميع هذه الأحوال التي ذكرنا "غلام". فإذا اخضر شارِبُه وأخذ عِذَارُه يَسِيُل قيل: بَقَل وجهُه. فإذا صار ذا فَتَاء فهو "فتىً وشارِخ". فإذا اجتمعت لحيتُه وبلغ غايةَ شبابِه فهو "مُجتَمِع". ثم ما دام بين الثلاثين والأربعين فهو "شابّ". ثم هو "كهْل" إلى أن يستوفِي السِّتِّينَ .(فقه اللغة للثعالبي، الباب الرابع عشر فى أسنان الناس والدواب وتنقل الأحوال بهما وذكر ما يتصل بهما وينضاف إليهما: ۶۷/۱)

اردو زبان میں ''صبی'' کا ترجمہ بچہ سے کیا جاتا ہے۔عربی زبان میں عمر کے مختلف مرحلوں کے لیے الگ الگ الفاظ بولے جاتے ہیں،بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے،''جنین'' کہلاتا ہے،پیدا ہونے کے بعد بلوغ تک ''صبی''،بلوغ کے بعد انیس سال تک ''غلام''،اس کے بعد چونتیس سال تک ''شاب''،پھر اکاون سال تک ''کہل''،اور اس کے بعد اخیر عمر تک ''شیخ''۔فقہاء کرام نے اس تعبیر میں کسی قدر فرق کیا ہے کہ پیدائش سے بلوغ تک ''صبی وغلام''،بالغ ہونے کے بعد تیس سال تک ''فتی اور شاب''،پچاس سال تک ''کہل'' اور پچاس سے ''شیخ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔(قاموس الفقہ ،صبی:۲۱۶/۴)

(۱)المحكم والمحيط الأعظم، ع ز ب: ۵۳۰/۱۔ غريب الحديث للجوزي، باب العين مع الزاء: ۹۱/۲۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، عزب: ۲۲۸/۳۔ فتح الباري: ۶۹۳/۱.

(۲)سراج القاری: ۳۳/۳

"العلماء العزاب" کا تعارف

علماء وفقہاء میں کئی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی علمی وفقہی مصروفیات کی وجہ سے شادی نہیں کی، ایسے علماء کی تفصیلات کو شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس کا نام ہے: "العلماء العزّاب"، وہ بھی دیکھنے کی چیز ہے(۱)۔

قولہ: "لا أهل له"، اس جملے میں "له" ضمیر کا مرجع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ذات ہے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عزب یا عازب کہتے ہی اس شخص کو ہیں جس کا اہل نہ ہو، جس کی بیوی نہ ہو، تو پھر جب "شاب" کی صفت "اعزب" استعمال ہو چکی تھی، تو پھر "لا أهل له" کو ذکر کرنے کی کیا وجہ۔ بظاہر تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تو اس کو جواب یہ ہے کہ اس جملے کو بطور تاکید کے ذکر کیا گیا ہے، یا بطور تعمیم کے ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ "أهل" کا لفظ زوجہ کی نسبت عام ہے، یعنی: "لا أهل له" کا مطلب یہ ہے کہ جس کی بیوی نہ ہو، اور اسی طرح جس عورت کا خاوند نہ ہو، اس کے لیے بھی "لا أهل لها" استعمال ہوتا ہے(۲)۔

قولہ: "في مسجد"، یہ جار مجرور ماقبل میں "ینام" کے ساتھ متعلق ہوں گے(۳)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

مذکورہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسافر کے علاوہ بھی دیگر افراد کا بوقت ضرورت سونا جائز ہے۔ رہا احتلام کا اندیشہ تو اس کی وجہ سے بھی سونے کی ممانعت نہیں ہے، البتہ اسے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی لازم ہے۔

---

(۱) "العلماء العزاب الذين آثروا العلم على الزواج"، شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی یہ کتاب حلب کے مکتب المطبوعات الاسلامیہ سے طبع ہوئی ہے، ایک سو چھپن صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) فتح الباري: ١/٦٩٣۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٢

(۳) فتح الباري: ١/٦٩٣۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٢، ٢٩٣

مسجد میں سونے کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب

مسجد میں کسی شخص کے سونے کے بارے میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جو ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

احناف کا مسلک

مسجد میں سونا احناف کے نزدیک مکروہ ہے، البتہ مسافر اور معتکف کے لیے کوئی حرج نہیں ہے(۱)۔

مالکیہ کا مسلک

صحراء کی مسجد میں کسی مہمان کو ٹھہرانا جائز ہے، یہی حکم چھوٹے گاؤں کی مسجد کا حکم ہے، شہر کی بڑی مسجد میں مہمان ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔

اور ایسا شخص جس کا گھر بار نہ ہو، اہل وعیال نہ ہوں، یا ہوں لیکن رات کو کسی وجہ سے ان تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو ایسے افراد کے لیے رات مسجد میں گذارنا جائز ہے۔

نیز! قیلولہ کی خاطر دن میں مسجد میں لیٹنا ہر کسی کے لیے درست ہے۔

علاوہ ازیں! معتکف کے لیے تو مسجد میں کھانا اور پینا بوجہ ضرورت مطلقا جائز ہے(۲)۔

شوافع اور حنابلہ کا مسلک

شوافع (۳) اور حنابلہ (۴) کے نزدیک مسجد میں سونا مطلقا جائز ہے۔

---

(۱)المبسوط للسرخسي، ما يحدث في المسجد: ۲۷/۲۵

البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، اعتكاف المرأة: ۲/۳۲۷

فتح القدير، كتاب الصيام، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۸

(۲)التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب إحياء الموات، باب: المنافع المشتركة في البقاع كالشوارع والمساجد: ۷/۶۱۶

الشرح الكبير للشيخ الدردير وحاشية الدسوقي، باب: موات الأرض وإحياء ها: ٤/ ۷۰

(۳) الأم للشافعي، جماع التيمم للمقيم والمسافر، باب: ما يوصل بالرجل والمرأة: ۱/۷۱.

المجموع شرح المهذب، باب: الإحداث التي تنقض الوضوء، فصل: في المساجد وأحكامها: ۲/۱۷۳.

إعلام الساجد بأحكام المساجد، الباب الرابع فيما يتعلق بسائر المساجد: ۱/۳۰۶ =

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں سونا

موجودہ دور میں دین کی محنت وتبلیغ کے لیے مسلمانوں کی جماعتیں نکلتی ہیں، ان کا قیام مساجد میں ہوتا ہے، تو بلا شک وشبہ ان کے قیام وطعام فی المسجد میں کچھ شبہ نہیں ہے، درست ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ وہ اکثر مسافر ہوتے ہیں۔

دوسرا: اس وجہ سے بھی کہ وہ مساجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ نکلنے والی جماعتوں کو بہت اہتمام سے ہدایات میں مساجد میں ٹھہرنے کے آداب بتلائے جاتے ہیں، جس کی بنا پر ان کا مساجد میں ٹھہر کر کام کرنا بالکل درست ہے۔

اور آج کل تو ایک اور اچھی فضا قائم ہو رہی ہے، کہ مساجد میں جماعت والوں کے نظم طعام وغیرہ کے لیے الگ کمرہ تعمیر کیا جاتا ہے، یہ اور بھی اچھی روایت ہے اس کو عام کرنا چاہیے، اور ایسی جگہ کے ہوتے ہوئے اسی کو استعمال کرنا چاہیے، بلا ضرورت مسجد میں کھانے پینے سے گریز کرنا چاہیے، ہاں کوئی ایسا کمرہ یا خارجِ مسجد جگہ نہ ہو تو پھر مسجد کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے، اعتکاف کی نیت سے کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے(۱)۔

= حاشية الورقة السابقه (٤) المسائل الفقهية من كتاب الروايتين والوجهين، كتاب الصلاة، مسائل في السهو والسجود له، اتخاذ المسجد مبيتا ومقيلا: ١٤٨/١.

مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه، كتاب الصلاة، رقم المسئلة: ٣٦٥، النوم في المسجد: ٧٣٧/٢.

الشرح الكبير على متن المقنع، كتاب الصلاة، فصل فيما يباح في المسجد: ٤٢٢/١.

(١) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وأكل ونوم المعتكف وغريب إلخ . وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذٰلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، ويصلي، ثم يفعل ما شاء. فتاوى هندية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: في الغرس في المسجد: ٦٦١/١، سعيد)

"ويكره النوم والأكل فيه، أي: المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوى. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، والأحسن أن يتورع، فلا ينام، اه". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في آداب المسجد: ٣٢١/٥، رشيدية)

طلبہ مدارس دینیہ کا مسجد میں سونا

ہمارے مدارس دینیہ میں بھی کئی جگہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اوقات طلباء کرام کی رہائش کا بندوبست مسجد میں کیا گیا ہوتا ہے، تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر ان کے لیے مسجد سے باہر ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو اعتکاف کی نیت سے مسجد کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے ٹھہر سکتے ہیں(۱)۔

="والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولىٰ أن ينوي الاعتكاف، ليخرج من الخالف". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: في أحكام المسجد، ص: ٦١٢، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱)احسن الفتاوی کا فتوی

سوال: طلبۂ علم کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بناء ذکر وعبادت کے لیے ہے، اس قسم کے کاموں کے لیے نہیں، اس لیے عام حالات میں تو کسی کے لیے مسجد میں سونا جائز نہیں، خواہ طالب علم ہو یا کوئی اور، اگر بامر مجبوری طلبہ کو مسجد میں سونا پڑتا ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے:

۱۔ مسجد کے سوا اور کوئی عارضی یا مستقل قیام گاہ موجود نہ ہو، نہ متولی و منتظم اس کا انتظام کر سکتے ہوں۔

۲۔ مسجد کے آداب کا پورا خیال رکھیں کہ شور وغوغا، ہنسی مذاق اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کریں، صفائی کا پورا اہتمام رکھیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں۔

۳۔ نمازیوں کو ان سے کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچے، اذان ہوتے ہی اٹھ جائیں اور نمازوں کے بعد بھی جب تک لوگ سنن ونوافل یا ذکر وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں، ان کی عبادت میں خلل نہ ڈالیں۔

۴۔ طلبہ باریش یا کم از کم آداب مسجد سے واقف اور باشعور ہوں، کم سن بے شعور بچوں کو مسجد میں سلانا جائز نہیں۔

الغرض: ممکن حد تک اس سے بچنے کی کوشش کی جائے، مجبوری کی بات الگ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴/ ربیع آخر سنہ ۸۷ھ

(احسن الفتاوی، باب المساجد، سوال: مسجد میں سونا: ۶/ ۴۴۷، ۴۴۸، ایچ ایم سعید)

سوال مثلِ بالا:

سوال: کسی مقیم شخص کے لیے مسجد میں چارپائی ڈال کر، یا بلا چارپائی لیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز! آجکل دستور ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات مسجد میں لیٹتے، مسجد ہی میں کھاتے پیتے اور دوسرے معمولات پورے کرتے ہیں، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ بینوا تو جروا =

....

=الجواب باسم ملهم الصواب

معتکف اور مسافر کے لیے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے، لہٰذا تبلیغی جماعت کا یہ دستور جائز ہے، اس لیے کہ اہلِ تبلیغ بھی عموماً مسافر ہوتے ہیں، معہٰذا بہتر ہے کہ اعتکاف کی نیت بھی کرلیا کریں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ مسجد سے ملحق اگر کوئی حجرہ وغیرہ ہو جس میں تمام ساتھی سما سکتے ہوں تو مسجد میں نہ سوئیں اور کھانا بھی باہر کھائیں، مسجد میں چارپائی بچھانا کسی کے لیے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وأكل ونوم المعتكف وغريب إلخ . وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذٰلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، ويصلي، ثم يفعل ما شاء. فتاوى هندية. (رد المحتار، ص: ٦١٩، ج: ١) والله تعالىٰ اعلم.

۲۷/ ربیع الاول سنہ:۸۹ھ

(احسن الفتاوی، باب المساجد، سوال مثل بالا: ٦/ ۴۴۸، ۴۴۹، ایچ ایم سعید)

فتاوی مفتی محمود کا فتوی

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں سوسکتا ہے۔ مثلاً: مسافر یا غیر مسافر یا تندرست یا معتکف وغیرہ ہو۔

وفي الدر المختار: وأكل ونوم المعتكف وغريب إلخ . وفي رد المحتار: (قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذٰلك؛ ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، أويصلي، ثم يفعل ما شاء. (ص: ٤٨٩، ج: ١)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی کو سخت ضرورت ہو تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کے اعتکاف کی نیت کرے اور پھر اس میں داخل ہو اور تھوڑا عبادت وذکر میں صرف کرے، پھر وہاں سورہے اور فجر کو اٹھ کر نماز پڑھے اور مسجد سے باہر آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۳ رجب ۱۴۰۰ھ

(فتاوی مفتی محمود، کتاب المساجد، مسجد میں سونا، ۱/ ۴۶۱، جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور)

فتاوی محمودیہ سے منتخب فتاوی

سوال: مسجد میں سونا عوام کو، یا خواص کو، چارپائی پر ہو، یا بلا چارپائی کے، بوڑھا ہو یا جوان ہو، درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب مع تشریح لکھا جائے۔ =

حدیث...

=**الجواب حامداومصلیا:**

معتکف کواور ایسے مسافر کو جس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو درست ہے، چارپائی پر ہو یا بلا چارپائی کے، جوان ہو یا بوڑھا ہو، اَوروں کو احتیاط چاہیے کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے۔

"ويكره النوم والأكل فيه، أي: المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوى. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، والأحسن أن يتورع، فلا ينام، اه". عالمگيري: ٣٢١/٥.

بعض صحابہ سے بعض اوقات مسجد میں سونا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے:

"إنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم".

ہمارے علماء نے اس کو ضرورت پر محمول کیا ہے، كذا في فيض الباري۔ فقط واللہ اعلم۔

نیز !الجواب حامداومصلیا:

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہیے، یہ مکروہ اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور اس کی جماعت ترک ہوتی، یا نماز قضا ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز باجماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے، یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی تو اس کے لیے اجازت بھی ہے، بعض صحابہ بھی دینی ضرورت کے لیے مسجد میں سوتے تھے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

نیز !الجواب حامداومصلیا:

جب دوسری جگہ موجود ہے تو پھر مسجد میں سونا اور وہ بھی روزمرہ سونا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

نیز !الجواب حامداومصلیا:

مسجد نماز کی جگہ ہے، سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے، جو مسافر پردیسی ہو، یا کوئی معتکف ہو، اس کے لیے گنجائش ہے۔ جماعتیں عموماً پردیسی ہوتی ہیں، یا پھر مسجد میں رات کو رہ کر تسبیح ونوافل میں بیشتر مشغول رہتی ہیں، کچھ دیر آرام بھی کرلیتی ہیں، اس طرح اگر ان کے ساتھ مقامی آدمی بھی شب گزاری کریں تو بنیتِ اعتکاف کرلیا کریں۔ فقط واللہ اعلم

نیز !الجواب حامداومصلیا:

(مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا) مسجد کے احترام کے خلاف اور دوسروں کے لیے موجبِ توحش ہے، آج کل مسجد میں چارپائی بچھانے کو مسجد کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرف کا لحاظ چاہیے۔ فقط واللہ اعلم =

حدیثِ باب: دوسری حدیث

٤٣٠ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ [1]: جَاءَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي ٱلْبَيْتِ ، فَقَالَ : (أَيْنَ ٱبْنُ عَمِّكِ) . قَالَتْ : كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ ، فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ ، فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ : (ٱنْظُرْ أَيْنَ هُوَ) . فَجَاءَ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، هُوَ فِي ٱلْمَسْجِدِ رَاقِدٌ ، فَجَاءَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ ، قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ ، وَأَصَابَهُ تُرَابٌ ، فَجَعَلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ : (قُمْ أَبَا تُرَابٍ ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ) .

[٥٩٢٤ ، ٥٨٥١ ، ٣٥٠٠]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

ا۔ قتیبۃ بن سعید

یہ ”ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل ثقفی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: الایمان، باب: إفشاء السلام من الإسلام، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

= نیز! الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

(فتاوی محمودیہ، کتاب الوقف، باب: آداب المسجد، مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان: ۱۵/ ۲۳۱-۲۳۸، ادارہ الفاروق، کراچی)

(١) أخرجه البخاري أيضاً في فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: مناقب علي بن أبي طالب، رقم الحديث: ٣٧٠٣، وفي الأدب، باب: التكنى بأبي تراب، رقم الحديث: ٦٢٠٤، وفي الاستئذان، باب: القائلة في المسجد، رقم الحديث: ٦٢٨٠.

وأخرجه مسلم في صحيحه، في فضائل الصحابة، باب: من فضائل علي بن أبى طالب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٢٤٠٩.

وفي جامع الأصول، حرف الهمزه، الكتاب الثامن: في الأسماء والكنى، الفصل الثاني: فيمن سماه النبي صلى الله عليه وسلم ابتداء، رقم الحديث: ١٥٤، ١/ ٣٦٣.

(٢) كشف الباري: ٢/ ١٨٩

٢۔عبدالعزیز بن ابی حازم

یہ ''ابوتمام عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن دینار المدنی''، ہیں، لبنی اشجع کے آزاد کردہ غلام ہیں،

یہ جن اساتذہ سے روایت حدیث کرتے ہیں، ان میں ''ان کے والد، زید بن اسلم، علاء بن عبدالرحمٰن، سہیل بن ابی صالح، یزید بن عبداللہ بن الھاد، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن عقبہ'' وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ''حمیدی، ابومصعب، علی بن حجر، عمرو الناقد، یعقوب الدورقی، یحیی بن اکثم''، وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: كان إماما كبير الشأن.

فلاّس کہتے ہیں کہ میں نے ابن مہدی کو ان سے کوئی بھی حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا۔

ابن ابی خیثمہ کا کہنا ہے کہ میں نے ابن معین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن ابی حازم اپنے باپ سے روایت کرنے میں ثقہ نہیں ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہیں یہ تو اپنے باپ اوران کے علاوہ سے روایت کرنے میں حجت ہیں۔

ابن معین ان کے بارے میں کہتے ہیں: صدوق

ابوحاتم کا کہنا ہے کہ یہ دراوردی سے زیادہ فقیہ ہیں۔

ابن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ طلب حدیث میں زیادہ معروف ومشہور نہیں تھے، البتہ یہ بات ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے بعد مدینہ منورہ میں ان سے بڑا کوئی فقیہ نہیں تھا۔

ان کی پیدائش ایک سوسات (١٠٧) ہجری میں ہوئی۔

اوروفات ایک سو چوراسی (١٨٤) ہجری میں جمعہ کے دن مسجد نبوی میں سجدہ کی حالت میں ہوئی (١)۔

٣۔ابی حازم

یہ ''ابوحازم سلمہ بن دینار الأعرج الزاهد المدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه، کے تحت

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٤٢٤/٥۔ الأعلام للزركلي: ١٨/٤۔ ميزان الاعتدال: ٦٢٦/٢۔ تاريخ اسلام للذهبي: ٩١٣/٤. سير أعلام النبلاء: ٣٦٣/٨۔ تهذيب التهذيب: ٣٣٤/٦.

گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔سہل بن سعد

یہ ''ابوالعباس ابن سعد الساعدي الأنصاري الخزرجی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، تو دریافت فرمایا: تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ان بن ہو گئی، تو وہ مجھ پر غصہ ہوکر گھر سے باہر چلے گئے ہیں، اور میرے ہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا: دیکھو، وہ کہاں ہیں؟ (کچھ دیر بعد) اس آدمی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لے آئے تو وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) لیٹے ہوئے تھے، چادر ان کے پہلو سے سرک گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدن سے مٹی صاف فرمارہے تھے اور فرمارہے تھے: اٹھو ابوتراب، اٹھو ابوتراب۔

شرح حدیث

عن سهل بن سعد قال: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت فاطمة، فلم يجد عليا في البيت، فقال: "أين ابن عمك"؟

---

(۱) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، تو دریافت فرمایا: تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟

قولہ: "أین ابن عمك؟"، اس جملے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کرنا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حقیقت میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا تھا کہ بیٹی اور داماد کے درمیان کچھ اَن بَن ہوگئی ہے، کچھ ناگواری والا معاملہ ہوگیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحول کو نرم کرنے کے لیے یہ نہیں دریافت فرمایا کہ اے فاطمہ! تیرا شوہر، تیرا خاوند کہاں ہے؟ یا ان کا نام لے کر دریافت نہیں فرمایا کہ اے فاطمہ! علی کہاں ہے؟ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرابت اور رشتہ داری کو یاد دلا کر سوال کیا جو ان دونوں کے درمیان نسلی اعتبار سے موجود تھی کہ اے فاطمہ! تیرے چچا کا بیٹا کہاں چلا گیا؟ (١)

قالت: كان بيني وبينه شيئ، فغاضبني فخرج،

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ان بن ہوگئی، تو وہ مجھ پر غصہ ہوکر گھر سے باہر چلے گئے ہیں۔

---

(١) فتح الباري: ١/٦٩٣ـ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٣، ٢٩٤

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: مجازاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ابن عمك" کہا، یا یہ کہ اس کا مضاف محذوف ہے، اصل میں "أین ابن عم أبيك" ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب کے لڑکے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چچا کے لڑکے نہیں ہیں، چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے درمیان ہونے والی ناراضگی کا اندازہ ہوگیا تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ استعطاف یہ تعبیر اختیار فرمائی اور ان دونوں کی نسبی قرابت کو ذکر کیا۔ (سراج القاری: ۳/۳۴)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ (تم دونوں کے درمیان) میاں بیوی ہونے کے علاوہ اور بھی رشتہ داری ہے، لہٰذا ائتلاف ومحبت سے رہنا چاہیے"۔ (فضل الباری: ۳/۱۵۳)

ناگواری جانبین سے پیش آئی

قولہ: ”فغاضبني“، یہ باب مفاعلہ سے ہے، جس کا خاصہ اشتراک کے معنی کو بیان کرنا ہے، چنانچہ مطلب یہ بنے گا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابا جان! میرے اور ان کے درمیان تو تو میں میں ہوگئی، وہ مجھ پر غصے ہوئے اور میں ان پر غصہ ہوئی، تو اس تلخ کلامی کی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے ہیں(١)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاف بیانی

سبحان اللہ! جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کیا سچائی، صاف گوئی اور عدل بیانی سامنے آئی کہ عام طور پر ایسے مواقع پر عورتوں کا مزاج یہ سامنے آتا ہے کہ اپنا قصور سامنے نہیں آتا اور مدمقابل یعنی: اپنے شوہر کا ہی سارا قصور بیان کر جاتی ہیں، کہ اس نے یہ کیا، اس نے یہ کیا وغیرہ وغیرہ، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس ناگواری کے آنے کے باوجود صرف یہ نہیں فرمایا کہ وہ مجھ پر غصے ہوئے، ناراض ہوئے، ڈانٹا ڈپٹا اور اوپر سے ناراض ہو کے بھی چلے گئے، بلکہ صاف عرض کر دیا کہ اے ابا جان! وہ بھی غصہ ہوئے، میں بھی غصہ ہوئی، سبحان اللہ۔

برتن تو کھڑکتے ہی ہیں

اور یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے کہ خاندان میں، میاں وبیوی میں کبھی آپس میں کوئی تلخ کلامی، یا ہلکی پھلکی بھی چپقلش وغیرہ نہ ہو، انسان ہیں، فطرت اور مزاج مختلف ہوتے ہیں، اور پھر کبھی خارجی حالات کا بھی ان معاملات میں بڑا دخل ہوتا ہے، تو ایسے امور پیش آجانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، جہاں ایک جگہ برتن پڑے ہوتے ہیں، وہ آپس ٹکراتے بھی ہیں، شور بھی پیدا ہوتا رہتا ہے۔

لیکن دیکھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایسے حالات میں بھی عدل کا معاملہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، اور اس ناگواری کو سر پر ہی نہ سوار کر لیا جائے، بلکہ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد صلح بھی کر لینی چاہیے، اور بڑوں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ طرفین میں محبت وشفقت، حکمت وبصیرت کے ساتھ صلح کروا دیں، جیسا کہ

(١) عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

یہاں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہمارے سامنے آیا۔

فلم يَقِل عندي،

اور میرے ہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔

قولہ: ''فلم يَقِل''، یہ باب ضرب یضرب (قال يَقِيل) سے نفی جحد بلم کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں: ''قیلولہ کرنا، یعنی: دوپہر کے وقت لیٹنا'' (۱)۔

جب کہ اصیلی اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق یہ صیغہ یاء کے ضمہ اور قاف کی کسرہ کے ساتھ ہے (۲)۔

قیلولہ کا حکم

دوپہر میں کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ اس کے لئے نیند آنا ضروری نہیں، صرف استراحت (آرام کرنے) پر بھی قیلولہ کا اطلاق ہوتا ہے (۳)۔

لیکن اگر کسی کا ارادہ سونے کا بھی ہو تو سوتے وقت کی دعا وغیرہ پڑھ کر اور باوضو ہو کر سونا چاہیے، یعنی: رات کو سوتے وقت کی جو سنتیں ہیں، وہ رات کے سونے کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ اُن سنتوں کا تعلق صرف سونے سے ہے، دن کا سونا ہو یا رات کا، چنانچہ! دن میں سوتے وقت بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔

قیلولہ کرنا سنت عمل ہے، اس سے رات کی عبادت میں مدد ملتی ہے (۴)۔ ایک حدیث میں ہے کہ

---

(۱) شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ فتح الباري: ٦٩٣/١۔ عمدة القاري: ٢٩٤/٤۔ إرشاد الساري: ٤٣٧/١

(۲) إرشاد الساري: ٤٣٧/١

(۳) قال الأزهري: القيلولة والمقيلُ عند العرب الاستراحة نصف النهار، وإن لم يكن مع ذٰلك نوم؛ بدليل قوله: ﴿وَاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا﴾ [الفرقان: ٢٤] والجنةُ لا نوم فيها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجمعة، باب: الخطبة والصلاة، رقم الحديث: ١٤٠٢، ١٠٤٠/٣)

(٤) عن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "استعينوا بطعام السحر على صيام النهار والقيلولة على قيام الليل". (سنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب: ما جاء في السحور، رقم الحديث: ١٦٩٣)

عمل السلف والخلف على أن القيلولة مطلوبة لإعانتها على قيام الليل، قال حجة الإسلام: وإنما تطلب القيلولة لم يقوم الليل ويسهر في الخير، فإن فيها معونة على التهجد كما أن في السحور معونة على صيام النهار، فالقيلولة من غير قيام الليل كالسحور من غير صيام النهار. (فيض القدير، حرف القاف، رقم الحديث: ٦١٦٨، ٥٣١/٤)

قیلولہ کیا کرو؛ اس لئے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا(١)۔

فـقـال رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنسان: "انظر أين هو"، فجاء فقال: يا رسول الله! هو في المسجد راقد،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا: دیکھو، وہ کہاں ہیں؟ (کچھ دیر بعد) اس آدمی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سورہے ہیں،

قوله: "لإنسان"، طبرانی کی روایت میں ہے: "فأمر إنسانا معه"(٢)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر اس انسان سے مراد حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے، کیونکہ روایت میں اس وقت کسی اور شخص کی موجودگی کا ذکر نہیں ہے(٣)۔

---

(١) عـن أنـس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: قيـلوا؛ فإن الشيطان لا يقيل. (المعجم الأوسط، من اسمه أحمد، رقم الحديث: ٢٨، ١٣/١)

عـن مـجاهد قال: بلغ عمر أن عاملاً له لم يقِل، فكتب إليه عمرُ رضي الله عنه: قِل؛ فإني حُدِّثتُ أن الشيطان لا يقيل.

قال مجاهد: إن الشياطين لا يقيلون.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأدب، باب: ما ذكر في القائلة نصف النهار، رقم الحديث: ٢٦٦٧٦، ٣٣٩/٥)

(٢) حـدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا يحيى الحماني، ثنا سليمان بن بلال، عن أبي حازم، عـن سهـل بـن سعد قال: سمعته يقول: إن كانت لأحب أسماء علي رضي الله عنه إليه : أبو تراب، وإن كان ليـفـرح أن يـدعـوه بها، وما سماه أبا تراب إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم، غاضب يوما فاطمة رضي الله عـنهـا، فـخرج فاضطجع إلى الجدار، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يطلبه، فلم يجده في البيت، فقال لفاطمة: أيـن ابـن عـمك؟، قالت: خرج آنفا مغضبا، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم إنسانا معه يطلبه، فـقـال: مـضـطجع في الجدار، وقد زال رداؤه عن ظهره، وامتلأ ترابا، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يـمسـح التـراب عـن ظهـره، ويقول: اجلس يا أبا تراب. (المعجم الكبير للطبراني، سليمان بن بلال عن أبي حازم، رقم الحديث: ٥٨٠٨، ١٤٩/٦)

(٣)فتح الباري: ٦٩٣/١

قولہ:"راقد في المسجد"،اس روایت میں مسجد میں سونے کا ذکر ہے،جب کہ ابھی المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت میں گذرا کہ وہ دیوار میں،یعنی: دیوار کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے(۱)،دونوں میں تطبیق ممکن ہے کہ مسجد کی دیوار کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔

فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مضطجع، قد سقط رداؤه عن شقه، وأصابه تراب،

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لے آئے تو وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) لیٹے ہوئے تھے،چادران کے پہلو سے سرک گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی،

قولہ:"وهو مضطجع"،یہ جملہ اسمیہ ہے،جوحال واقع ہوگا"جاء" کے فاعل"رسول الله" سے، یعنی: جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلو کے بل لیٹ کر سوتے ہوئے پایا۔تقدیری عبارت یہ ہوگی:"فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المسجد، ورآه وهو مضطجع"(۲).

قولہ:"قد سقط رداؤه"،یہ جملہ بھی حالیہ ہے(۳)۔

قولہ:"عن شقه"، سے مراد"عن جانبه" ہے(۴)۔

فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسحه عنه ويقول: "قم أبا تراب، قم أبا تراب".

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدن سے مٹی صاف فرمار ہے تھے اور فرمار ہے تھے:اٹھو ابو تراب،اٹھو ابو تراب۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، سليمان بن بلال عن أبي حازم، رقم الحديث: ٥٨٠٨، ١٤٩/٦.

(٢)عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

(٣)أيضا

(٤)عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

قولہ:"أبا تراب"،اس سے قبل حرف نداء محذوف ہے،اصل تھا: "قم؛ يا أبا تراب"(١).

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوتراب'' کی وجہ تسمیہ

یہ پہلا موقع تھا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو''ابوتراب'' کہہ کر مخاطب کیا، یہ شفقت کی بنا پر تھا،اس سے مراد مٹی کا باپ نہیں ہے، بلکہ اے مٹی والے! مراد ہے، کیونکہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہلو پر کچے فرش کی مٹی لگی ہوئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کنیت بہت پسند تھی، کیونکہ یہ ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے انتخاب تھا،حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اسے بیان کیا ہے،جیسا کہ طبرانی کی روایت میں:"عن سهل بن سعد قال: سمعته يقول: إن كانت لأحب أسماء علي رضي الله عنه إليه : أبو تراب، وإن كان ليفرح أن يدعوه بها''،موجود ہے(٢)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے جملے "وهو راقد في المسجد" میں ہے(٣)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مسجد میں سونے والی ایسے شخص کے مسجد میں سونے پر دلالت کرتی ہے جس کے اہل وعیال نہ ہوں، وہ غیر شادی شدہ ہو۔ اور یہ حدیث جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسجد میں لیٹنے کا ذکر ہے، اس میں تعمیم ہے، کیونکہ یہ شادی شدہ تھے، اہل وعیال والے تھے۔تو دونوں قسم کے افراد کا مسجد میں سونا ثابت ہوا۔ ویسے دونوں حدیثوں میں کچھ فرق کرنا بھی ممکن ہے، وہ اس طرح کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا لیٹنا باقاعدہ سونا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لیٹنا سونا نہیں تھا، بلکہ محض قیلولہ تھا، جس کو نیند لازم نہیں، ہوتب بھی اور نہ ہوتب بھی، ہر دوصورت قیلولہ ہی کہلائے گا(٤)۔

---

(١)شرح الكرماني: ٤/١٠١۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

(٢)المعجم الكبير للطبراني، سليمان بن بلال عن أبي حازم، رقم الحديث: ٥٨٠٨، ١٤٩/٦.

(٣)عمدة القاري: ٤/ ٢٩٣

(٤)فتح الباري: ١/ ٢٩٣، ٢٩٤

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

مذکورہ حدیث مبارکہ سے جو امور وآداب وغیرہ مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ مسجد میں قیلولہ کی غرض سے لیٹنے کا جواز بھی معلوم ہوا(۱)۔

۲۔ جو شخص غصے میں ہو، اس سے ایسی بات چیت کرنا جس سے وہ مزید غصے میں نہ آئے، بلکہ اس گفتگو سے انس حاصل کرے، جائز ہے(۲)۔

۳۔ اولاد کے علاوہ کسی اور نام کی طرف نسبت کر کے کنیت رکھنا بھی جائز ہے(۳)۔

۴۔ کسی شخص کو ایسی کنیت سے پکارنا جس سے وہ ناراض نہ ہوتا ہو، درست ہے(۴)۔

۵۔ والد اپنی بیٹی کے گھر میں اس کے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی آ جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ علم ہو کہ داماد اس آمد ورفت پر راضی ہوگا(۵)۔

۶۔ سسر کا اپنے داماد کی خاطر مدارت کرنا اور اس کی دلداری کے لیے ایسا کلام کرنا، جس سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو، بہتر ہے(۶)۔

۷۔ غیر مسافر اور غیر فقیر کے لیے بھی مسجد میں سونے کا جواز معلوم ہوا(۷)۔

۸۔ قرابت داری کے الفاظ کو گفتگو میں لا کر کسی کو مانوس کرنے کا بھی علم ہوا(۸)۔

۹۔ اس حدیث مبارکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت کا بھی اچھا ظہور ہوتا ہے(۹)۔

---

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(۲)فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(۳)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٤)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔

(٥)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٦)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٧)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٨)عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٩)التوضيح لابن الملقن: ٥١٩/٥۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

۱۰۔جس شخص کا ستر لباس میں چھپا ہوا ہو، وہ لباس پہننے والا ہی ہے، اگر چہ ستر کے علاوہ کے بعض اعضاء سے کپڑا اہٹا ہوا بھی ہو(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب: تیسری حدیث

٤٣١ : حدّثنا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَ : حَدَّثنا ٱبْنُ فُضَيْلٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ (۲) : رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ ٱلصُّفَّةِ ، مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ ، إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ ، قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ ٱلسَّاقَيْنِ ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ ٱلْكَعْبَيْنِ ، فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ ، كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ .

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔یوسف بن عیسی

یہ ''یوسف بن عیسیٰ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرىٰ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۲۔ابن فضیل

یہ ''ابوعبدالرحمٰن محمد بن فضیل بن غزوان کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الإيمان، کے

(۱)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٩/٥.

(۲)هٰذه الحديث من افراد البخاري، وفي جامع الأصول، حرف الزاي، الكتاب الثاني: في الزهد والفقر، الفصل الثاني: فيما كان النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه عليه من الفقر، رقم الحديث: ٢٨١٣، ٧٠١/٤.

(۳) كشف البارى، كتاب الغسل، باب: من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرىٰ

تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔أبیہ،(فضیل بن غزوان)

یہ ''ابومحمد فضیل بن غزوان بن جریر الضبی الکوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔ یہ ابوالفجل الکوفی کے والد ہیں۔

یہ جن مشائخ واساتذہ سے روایت حدیث کرتے ہیں ان میں ابوحازم الاشجعی، ابوزرعی البجلی، عکرمہ، سالم بن عبداللہ بن عمر، زبید الیامی، طلحہ بن عبیداللہ بن کریز، عاصم بن بہدلہ، عبداللہ بن واقد بن عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی نُعم البجلی، وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے محمد بن فضیل، جریر بن عبدالحمید، عبداللہ بن مبارک، اسحاق الازرق، ابن نمیر، یحیی بن سعید القطان، حفص بن غیاث، ابواسامہ حماد بن اسامہ، سعید بن محمد الوراق، سفیان ثوری، سیف بن عمر التمیمی، عبداللہ بن داوٗد الخریبی، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی، عیسی بن یونس، مروان بن معاویہ الفراری وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

یحیی بن معین ان کے بارے میں کہتے ہیں: ثقة.

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

ان کی وفات ایک سو چالیس ہجری سے ایک سو پچاس ہجری کے درمیان کسی سال میں ہوئی(۲)۔

۴۔ابی حازم

یہ ابوحازم سلمان الاشجعی الکوفی عزۃ الاشجعیہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

واضح رہے کہ اس سند میں جو''ابوحازم'' ہیں، ان سے مراد''ابوحازم سلمان الاشجعی'' رحمہ اللہ ہیں، نہ کہ ''ابوحازم سلمۃ بن دینار'' رحمہ اللہ۔ اس کی تصریح علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ نے کی ہے(۳)۔

(۱) کشف الباری: ۳۱۸/۲

(۲) تهذيب الكمال: ۳۰۱/۲۳۔ سير أعلام النبلاء: ۲۰۳/٦۔ التاريخ الكبير لإمام البخاري: ۱۲۲/۷۔ الجرح والتعديل: ۷٤/۷۔ تهذيب التهذيب: ۲۹۷/۷، تاريخ الإسلام: ۹٥۱/۳۔ الثقات لابن حبان: ۳۱٦/۷۔

(۳) فتح الباري: ٦۹٤/۱۔ عمدة القاري: ۲۹٤/٤

فائدہ: ابوحازم کنیت کے ایک اور راوی ''سلمۃ بن دینار الأعرج'' رحمہ اللہ ہیں، ان دونوں راویوں میں اشتباہ ہوجاتا ہے، کیونکہ کنیتوں میں اشتراک ہے، دونوں تابعی ہیں، دونوں صحابہؓ کرام سے روایت کرتے ہیں اور دونوں ہی ثقہ ہیں۔

البتہ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ ابوحازم سلمان الاشجعی کا انتقال پہلی صدی کے اختتام پر، یعنی: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں ہوا، جب کہ ابوحازم سلمۃ بن دینار کا انتقال ۱۳۵ھ میں ہوا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ''ابوحازم سلمان الاشجعی'' کی روایتیں صحیحین میں صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہیں، جب کہ ''ابوحازم سلمۃ بن دینار'' نے سوائے ''حضرت سہل بن سعد'' رضی اللہ عنہ کے کسی اور صحابی سے روایت نہیں لی۔ واللہ اعلم (۱)

ان دونوں حضرات کی پہچان کا ایک طریقہ یہ بھی بن گیا کہ جس سند میں ابوحازم کے شیخ؛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہوں تو اُن ابوحازم سے مراد ''سلمان الاشجعی'' ہیں۔ اور اگر ان کے شیخ؛ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہوں تو اُن ابوحازم سے مراد سلمہ بن دینار اعرج کوفی ہیں (۲)۔

تفصیل کشف الباری، کتاب العلم، باب: هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، کے تحت ملاحظہ کیجیے (۳)۔

۵۔ ابی ہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر لوگوں

---

(۱) عمدة القاری: ۱۳۵/۲

(۲) إرشاد الساري: ۴۳۸/۱

(۳) کشف الباری: ۱۰۱/۴

(۴) کشف الباری: ۶۵۹/۱

کو اس حال میں دیکھا ہے ان میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی، یا ان کے پاس صرف لنگی تھی، یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کمبلی، جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا ہوتا، اور یہ ان میں سے کسی کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی، اور کسی کی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ کہیں ان کی شرمگاہ نہ کھل جائے۔

شرح حدیث

عن أبی هريرة، قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر لوگوں کو دیکھا ہے۔

قولہ:"لقد رأيت"، صحیح البخاری کی دیگر نسخوں میں "لقد" کے بغیر صرف "رأيت" کا لفظ ہے(١)۔

قولہ:"سبعين من أصحاب الصفة"، یہ ستر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان ستر اصحاب کے علاوہ ہیں جن کو دھوکے سے بئیر معونہ کے مقام پر شہید کر دیا گیا تھا، کیونکہ وہ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل ہی شہید کر دیئے گئے تھے (٢)۔

اصحاب صفہ کی تعداد

اصحاب صفہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ علم سیکھنے کے لیے آتے تھے اور صفہ میں قیام فرماتے تھے، پھر چلے جاتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، بسا اوقات تو ان کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی تھی، اور عام طور سے ستر کی تعداد رہتی تھی۔

مدارس اور خانقاہوں کی اصل

یہی "صفہ" مدرسہ والوں اور خانقاہ والوں کی اصل ہے، مدارس کی اصل تو اس وجہ سے ہے کہ لوگ علم سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ اور خانقاہوں کی اصل اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام کا اصل مقصد آپ صلی

(١)إرشاد الساري: ٤٣٨/١

(٢)عمدة القاري: ٢٩٤/٤۔ إرشاد الساري: ٤٣٨/١

اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض حاصل کرنا تھا۔اور یہ اشکال یہاں نہیں ہوتا کہ بعض علماء نے مدارس کو بدعت حسنہ شمار کیا ہے، اس لیے کہ مدارس کی خاص ہیئت ''مدرسین کا ہونا''، ''ملازمین کا ہونا''، اوقات کی پابندی'' وغیرہ یہ سب کچھ وہاں نہیں تھا، تو گویا ہیئت خاصہ حادث ہے۔اور اصل تعلیم و متعلمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہیں، اسی طرح خانقاہوں کا حال ہے کہ یہ ہیئت خاصہ نہیں تھی (۱)۔

ما منهم رجل عليه رداء

کہ ان میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی۔

قولہ: ''رِداء''، را کی کسرہ کے ساتھ، وہ چادر جس سے بدن کے اوپر والے حصے کو چھپایا جاتا ہے (۲)۔

إما إزار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم

یا ان کے پاس صرف لنگی تھی، یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کمبلی، جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا ہوتا۔

قولہ: ''إما إزار''، مطلب یہ ہے کہ صرف ازار یعنی: تہبند ہوتا تھا، اوپر کے لیے چادر وغیرہ نہیں (۳)۔

قولہ: ''إما كِساء''، مطلب یہ کہ صرف چادر یا کمبل وغیرہ ہوتا تھا، ازار وغیرہ نہیں (۴)۔

قولہ: ''قد ربطوا''، اس فعل کا مفعول ضمیر محذوف ہے، جو کہ ''الكساء'' کی طرف لوٹے گی، اس فعل کو جمع اس وجہ سے لائے کہ ''الرجل'' جنس ہے، جو واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، لہٰذا جمع کا اعتبار

(۱)الكنز المتواري: ٤/ ١٥٦، سراج القاري: ٣/ ٣٥

(۲)فتح الباري: ١/ ٦٩٤۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤۔ إرشاد الساري: ١/ ٤٣٨

علامہ سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ جسم کے بالائی حصہ کے ستر کے لیے کوئی مستقل کپڑا نہ ہوتا تھا، بلکہ ایک کملی ہوتی تھی، جسے وہ گردن میں گرہ باندھ کر پورے جسم کے ستر کے لیے استعمال کرتے تھے، اور ایک ترجمہ شیخ الاسلام دہلوی رحمہ اللہ نے: ''نبود از ایشاں مردے کہ بروے چادرے باشد بالائے ازار''، (شیخ الاسلام، ج:۱، ص:۴۱۱) ''اُن میں ایک مرد بھی ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس ازار کے ساتھ اوپر کے لیے چادر ہو''۔ یہ ترجمہ زیادہ صاف ہے کہ کسی کے پاس بھی جسم کے دونوں حصوں کے لیے الگ الگ لباس نہیں تھا۔ (ایضاح البخاری: ۳/ ۱۹۴)

(۳)فتح الباري: ١/ ٦٩٤۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٥۔ إرشاد الساري: ١/ ٤٣٨

(٤)فتح الباري: ١/ ٦٩٤۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٥۔ إرشاد الساري: ١/ ٤٣٨

کرتے ہوئے کہا: قد ربطوا الأكسية(١).

فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده، كراهية أن ترى عورته.

اور یہ ان میں سے کسی کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی، اور کسی کی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ کہیں ان کی شرمگاہ نہ کھل جائے۔

قولہ: "فمنها"، میں ہاء ضمیر کا مرجع "الأكسية" ہے، جمع اس اعتبار سے کہ "الكساء" خود اسم جنس ہے، جس کا اطلاق واحد وجمع ہر دو پر ہوتا ہے(٢)۔

قولہ: "فيجمعه"، أي: الواحد منهم، یعنی: ان فقراء اصحاب میں سے جن کی حالت مذکورہ بالا ہوتی تھی، اپنے ہاتھوں سے اس چادر کو سمیٹ رہا ہوتا تھا(٣)۔

قولہ: "بيده"، اس مقام پر أصيلي کے نسخے میں کچھ زیادتی ہے، اور وہ ہے: "حال كونهم في الصلاة" یعنی: ان کے اس طرح اپنے ہاتھوں سے اپنی چادر کو سمیٹنا اس لیے ہوتا تھا کہ کہیں چادر کھلنے کی وجہ سے کشف عورت ہی نہ ہو جائے(٤)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے لفظ ''اصحاب صفہ'' سے ہے، وہ اس طرح کہ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رہن سہن، گذر بسر تھا ہی صفہ میں، جو کہ مسجد شرعی کا حصہ تھا، تو یقیناً ان کا رات کا قیام بھی وہیں ہوتا تھا، اور یہی بات ترجمۃ الباب کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں مذکور دونوں تعلیقات اور تینوں احادیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مردوں کا مسجد میں سونا جائز ہے، لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس باب سے مقصود امام بخاری رحمہ اللہ کا ترغیب دینا نہیں ہے کہ مسجد میں سویا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ سونے کی یہ اجازت محض ضرورت کے وقت کی ہے، کیونکہ مساجد کا مقصدِ اصلی عبادت ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(١)فتح الباري: ١/٦٩٤- عمدة القاري: ٤/٢٩٥- إرشاد الساري: ١/٤٣٨

(٢)فتح الباري: ١/٦٩٤- عمدة القاري: ٤/٢٩٥- إرشاد الساري: ١/٤٣٨

(٣)فتح الباري: ١/٦٩٤- عمدة القاري: ٤/٢٩٥- إرشاد الساري: ١/٤٣٨

(٤)فتح الباري: ١/٦٩٤- عمدة القاري: ٤/٢٩٥- إرشاد الساري: ١/٤٣٨

٢٦ - باب : اَلصَّلَاةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ .

یہ باب سفر سے واپسی پر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے مقصود اس امر کا بیان ہے کہ واضح ہے کہ جب سفر سے واپس آئیں تو مستحب یہ ہے کہ گھر جانے سے قبل مسجد میں جا کر دو رکعت نفل بطورِ شکرانہ ادا کریں، اس کے بعد گھر جائیں۔ اسی استحباب کو بیان کرنے کی غرض سے یہ باب قائم کیا گیا ہے، اس موقع پر ادا کی جانے والی نماز کو تحیة القدوم من السفر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابواب جو چل رہے ہیں، یہ اکثر مسجد سے ہی متعلق ہیں، لہٰذا ابواب کی آپس میں مناسبت ایک ہی ہے یعنی: مسجد سے تعلق کی، لہٰذا ان مناسبات کی تلاش کے زیادہ درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ تحية القدوم من السفر کہلاتا ہے، یہ ائمہ کے یہاں ہے کہ جب سفر سے واپس آئے تو اول مسجد میں جا کر دو رکعت نماز تحیۃ السفر پڑھے تا کہ ابتداء مقامِ متبرک سے تلبس ہو اور برکت حاصل ہو اور اس لیے بھی لوگ عام طور سے مساجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے(۲)۔

---

(١)أي: هذا باب في بيان الصلاة إذا قدم الرجل من سفر، وغالب الأبواب في هذا الموضع فيما يتعلق بالمساجد فلا يحتاج إلى زيادة طلب وجوه المناسبات، فيها. (عمدة القاري: ٢٩٥/٤)

(٢)تقرير بخاری شريف: ١٦٤/٢، ١٦٥

تقریر بخاری شریف کے حاشیہ میں ”تقریر مولوی احسان“ کے حوالے سے یہ تفصیل موجود ہے: ”آداب سفر میں سے یوں ہے کہ جب واپس آئے تو پہلے مسجد جا کر تحیۃ المسجد پڑھے اور کچھ دیر وہاں بیٹھے تا کہ احباب وغیرہ کو ملنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ صرف نماز پڑھنا تو ہر ایک کے لیے مندوب ہے، اور نماز کے بعد بیٹھنا صرف ان کے لیے ہے جن کے دوست احباب زیادہ ہوں، اس باب کی حدیث میں قدوم من السفر کا ذکر نہیں ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول میں سے استدلال بالعموم بھی ہے، اور یہی حدیث آگے آئے گی، جس میں سفر کا ذکر ہے۔ (حاشیہ تقریر بخاری شریف: ۱۶۵/۲)

تعلیق

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مالِكٍ : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ ، بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ .
[ر : ٤١٥٦]

تعلیق کی تخریج

یہ تعلیق سند کے ساتھ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں ہی غزوہ تبوک کے بیان میں ذکر کی ہے، جس میں حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو اور ساتھی رضی اللہ عنہم کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اسی میں جہاں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی توبہ کا تفصیلی قصہ نقل کیا وہاں ہی انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے، کچھ دیر ٹھہرتے، آنے جانے والوں سے ملاقات کرتے اور اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے (۱)۔

تعلیق کا ترجمہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور وہاں (دو رکعت) نماز ادا فرماتے۔

تعلیق کے راوی

اس تعلیق میں ایک ہی راوی ہے:

---

(۱)هذا التعليق ذكره البخاري مسندا في غزوة تبوك، وهو حديث طويل؛ يرويه عن يحيى بن بكير عن الليث عن عقيل عن ابن شهاب عن عبد الرحمن بن عبد ابن كعب بن مالك: أن عبد الله ابن كعب بن مالك، وكان قائد كعب من بنيه حين عمى، قال: سمعت كعب بن مالك يحدثني تخلف عن غزوة تبوك ... الحديث بطوله، يأتي إن شاء الله تعالى، وفيه: "وأصبح رسول الله قادما، وكان إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فركع فيه ركعتين ثم جلس للناس". الحديث.(عمدة القاري: ٢٩٥/٤)

کعب بن مالک

یہ صحابی رسول ہیں، ان کا پورا نام ''عمرو بن اُلقَین بن کعب بن سواد بن غنم بن کعب ابن سلمہ الانصاری الخزرجی العقبی الاحدی'' ہے۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں

ان کے اپنے بیٹے، عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبید اللہ، محمد، بنوکعب، جابر، ابن عباس، ابوامامہ، عمر بن الحکم، عمر بن کثیر بن افلح، اوران کے پوتے عبدالرحمٰن بن عبداللہ، وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ان کی کنیت ابوالبشیر تھی، اسلام کے بعد ان کی کنیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبداللہ رکھ دی، اس کے علاوہ ان کی کنیت کے بارے میں ایک قول ابوعبدالرحمٰن کا بھی ہے۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ یہ اہل صفہ میں سے تھے۔

یہ بڑے مشہور شاعر تھے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بڑے مشہور شعرا تھے: حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم۔

ان کے والد کے ہاں ان کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں تھی، یہ ان ستر افراد میں سے ایک تھے جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، غزوہ بدر میں یہ شریک نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد غزوہ احد اور دیگر غزوات میں شرکت فرماتے رہے، غزوہ احد میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی افواہ پھیلی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت سب سے پہلا فرد میں تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پہچانا تو میں نے اونچی آواز میں مؤمنین کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زندہ اور صحیح سلامت ہونے کی بشارت دی۔ اسی غزوہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو ستر سے زیادہ زخم لگے تھے۔

پھر غزوہ تبوک میں بھی شریک نہیں ہو سکے تھے، پھر لمبی مدت (پچاس دن) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، جس کا تفصیلی قصہ یہ خود بیان کرتے ہیں، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے(۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری کی اس طویل ایمان افروز حدیث کا ترجمہ فوائد کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ذیل میں مکمل ذکر کیا جاتا ہے: =

= "عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن کعب سے جو اپنے والد کو نابینا ہو جانے کی وجہ سے پکڑ کر چلایا کرتے تھے؛ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کعب بن مالک سے سنا انہوں نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا۔ مگر تبوک اور بدر میں پیچھے رہ گیا، مگر بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہیں ہوا، جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ قافلہ قریش کا تعاقب کیا جائے، دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہوگئی، میں لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اسلام پر قائم رہنے کا عہد لیا اور مجھے تو لیلۃ العقبہ جنگ بدر کے مقابلہ میں عزیز ہے۔ اگر چہ جنگ بدر کو لوگوں میں زیادہ شہرت اور فضیلت حاصل ہے۔

اور جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میں دو سواریوں کا مالک بن گیا، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے، بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے، تاکہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔ غرض! جب لڑائی کا وقت آیا تو گرمی بہت شدید تھی، راستہ طویل اور بے آب و گیاہ تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں؛ تاکہ تیاری کرلیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے، مگر کوئی ایسی کتاب وغیرہ نہیں تھی کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں، کعبؓ کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وحی نہ آئے۔

غرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وقت تھا جب کہ میوہ پک رہا تھا، اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا، سب تیاریاں کر رہے تھے، مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کرلوں گا، کیا جلدی ہے؟! میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں، اسی طرح دن گزرتے رہے، ایک روز صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے، میں نے سوچا؛ ان کو جانے دو، اور میں دو ایک دن میں تیار کر کے راستہ میں ان سے شامل ہو جاؤں گا، غرض! دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی، مگر نہ ہو سکی اور میں یوں ہی رہ گیا، تیسرے روز بھی یہی ہوا، اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا، اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے، میں نے کئی مرتبہ قصد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاؤں مگر تقدیر میں نہ تھا۔ کاش! ایسا کر لیتا۔ =

= چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے، یا وہ نظر آتے جو کمزور ضعیف اور بیمار تھے، مجھے بہت افسوس ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا، البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن مالک کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! وہ تو اپنے حسن و جمال پر ناز کرنے کی وجہ سے رہ گئے ہیں، تو معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ کی قسم؛ اے اللہ کے رسول! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو رہے، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آ جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے مجھے بچا سکے، پھر میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو؛ مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بالکل قریب آ گئے ہیں تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا، اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔

صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے، اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے، یہ لوگ اسی (۸۰) تھے، یا اس سے کچھ زیادہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں بھی آیا: ''السلام علیکم'' کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا، جواب دیا، اور فرمایا: آؤ؛ میں سامنے جا کر بیٹھ گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: کعب! تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا درست ہے، میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا، کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں، مگر اللہ گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لیا تو کل اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اس لئے میں سچ ہی بولوں گا، چاہے آپ میرے اوپر غصہ ہی کیوں نہ فرمائیں، آئندہ کو تو اللہ کی مغفرت اور بخشش کی امید رہے گی، اللہ کی قسم! میں قصوروار ہوں، حالانکہ! مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شریک نہ ہو سکا۔ =

= آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کعب نے صحیح بات بیان کردی، اچھا جاؤ، اور اللہ کے حکم کا اپنے حق میں انتظار کرو، غرض میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لئے، اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے، تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بہانہ پیش کردیا ہوتا، حضور کی دعاءِ مغفرت آپ کے لئے کافی ہو جاتی، وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کرکے کوئی بہانہ پیش کردوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے، انہوں نے کہا: ہاں! دو آدمی اور بھی ہیں، جنہوں نے اقرار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے، تو کہا ایک: ''مرارہ بن ربیع عمروی''، دوسرے: ''ہلال بن امیہ واقفی'' یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے، مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا، غرض! ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہوگیا، اور میں چل دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع فرمادیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے، مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا، آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کردیا، اور ہم ایسے ہوگئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے، گویا آسمان و زمین بدل گئے ہیں، غرض پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں، میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے، مگر میں ہمت والا تھا، نکلتا رہا، نماز جماعت میں شریک ہوتا، بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلے پر رونق افروز ہوتے، میں سلام کرتا، اور مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں، پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا، مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں، چنانچہ! میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے اور جب میری نظر آپ سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے، اس حال میں مدت گزر گئی، اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آگیا اور پھر اپنے چچازاد بھائی ''ابوقتادہ'' کے پاس باغ میں آیا، اور سلام کیا اور اس سے مجھے بہت محبت تھی، مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا: اے ابوقتادہ! تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا، پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب ندارد! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو ''ابوقتادہ'' نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم ہے، پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، آنسو جاری ہوگئے، اور میں واپس چل دیا۔ =

= میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا، تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک ؓ ہیں، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا؛ جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے، تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آ جاؤ، ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے، میں نے سوچا: یہ دوہری آزمائش ہے، اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ''حزیمہ بن ثابت ؓ'' نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو، میں نے کہا: کیا مطلب ہے؟ طلاق دے دوں، یا کچھ اور؟ ''حزیمہ ؓ'' نے کہا: بس الگ رہو، اور مباشرت وغیرہ مت کرو، ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا، غرض! میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

کعب ؓ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ ؓ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ ؓ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے، اگر میں اس کا کام کر دیا کروں، تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ نہیں، مگر وہ صحبت نہیں کر سکتا، اس نے عرض کیا: حضور! اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے، اور جب سے یہ بات ہوئی ہے، رو رہا ہے، اور جب سے اس کا یہی حال ہے۔

کعبؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کر لو، تاکہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، جس طرح ہلالؓ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا، معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں، میں نوجوان آدمی ہوں، ہلال کی مانند ضعیف نہیں ہوں، غرض! اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں، اور میں پچاسویں رات کو صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی اجیرن ہو چکی ہے، اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی ہے، کہ اتنے میں کوہِ سلع پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالکؓ! تم کو بشارت دی جاتی ہے، اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا، اور یقین کر لیا کہ اب یہ مشکل آسان ہو گئی، کیونکہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے، اب تو لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے، اور ایک آدمی زبیر بن عوامؓ اپنے گھوڑے کو بھگاتے میرے پاس آئے، اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا سلع پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ =

....

= اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دیدیئے، میرے پاس ان کے سواء کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے، میں نے ابوقتادہؓ سے دو کپڑے لے کر پہنے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو، کعبؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، طلحہ بن عبیداللہؓ مجھے دیکھ کر دوڑے، مصافحہ کیا، پھر مبارک باد دی، مہاجرین میں سے یہ کام صرف طلحہؓ نے کیا، اللہ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا، کعبؓ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب یہ دن تمہیں مبارک ہو، جو سب دنوں سے اچھا ہے، تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک، میں نے عرض کیا حضور! یہ معافی؛ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تھے، تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا، اور ہم آپ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیرات نہ کردوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوڑا کرو، اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو، کیونکہ! یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے، میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں، پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے، اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا، اللہ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے، اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ مجھے جھوٹ سے بچائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (التوبہ: ١١٧) یعنی: اللہ نے نبی کو اور مہاجرین وانصار کو معاف کردیا، اللہ کی قسم! قبول اسلام کے بعد اس سے بڑھ کر میں نے کوئی انعام اور احسان نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے سچ بولنے کی توفیق دے کر ہلاک ہونے سے بچالیا، ورنہ! دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تباہ اور ہلاک ہوجاتا، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا، جھوٹے حلف اٹھائے، تو پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ﴾ (التوبہ: ٩٥) یعنی: یہ لوگ جھوٹے ہیں =

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اوران کے درمیان مؤاخات قائم کی تھی۔

جب کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت زبیراور حضرت کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان مؤاخات قائم کی گئی تھی۔

ابن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے دو ایسے شعر کہے جو قبیلہ دوس کے اسلام لانے کا سبب بنے، وہ یہ ہیں:

قضينـــا مـن تهـامة كـل وتـر وخيبـر ثُـمَّ أغـمـدنـا السيـوفـا

نخيرهـا، ولـو نطقـت لقـالـت قـواطعهـن :دوسًـا أَوْ ثـقيفًـا

ہم نے تہامہ اور خیبر سے ہر طاق کام کر کے تلواروں کو نیام میں کرلیا، اگران کی زبانیں ہوتیں تو ہمیں بتاتیں، دوس اور ثقیف کو ان تلواروں سے زیادہ کاٹنے والی ہوتیں۔

جب قبیلہ دوس کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے: اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، ایسا نہ ہو جو آفت ثقیف پہ پڑی تم پہ نہ آ پڑے۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، اس وقت انہوں نے وفات پائی۔

خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ان کی بینائی چلی گئی۔

بخاری رحمہ اللہ نے ان کی وفات کا مختصر ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مرثیہ کیا، ہمیں حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی کے بارے میں ان کی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔

= کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم تینوں ان منافقوں سے علیحدہ ہیں، جنہوں نے نہ جانے کتنے بہانے بنائے اور جھوٹے حلف اٹھائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو قبول کرلیا، اوران سے بیعت لے لی، اور دعائے مغفرت فرمائی، مگر ہمارا معاملہ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ (التوبہ:۱۱۸) یعنی: ان تین کو معاف کیا، جو پیچھے رہ گئے تھے، اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں، جو جان بوجھ کر رہ گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے پیچھے رہے، جنہوں نے قسمیں کھائیں، عذر بیان کئے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول کرلیا''۔(صحيح البخاری، كتاب المغازی، غزوه تبوك، باب: حديث كعب بن مالك، وقول الله عز وجل: ﴿وعلى الثلاثة الذين خلفوا﴾ رقم الحديث: ٤٤١٨)

بغوی رحمہ اللہ کا قول ہے: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں شام میں فوت ہوئے (۱)۔

تعلیق کا مقصد

مذکورہ تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ذریعے اپنا مدعا یعنی: ترجمۃ الباب ثابت ہو جائے، چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو مسجد تشریف لے جاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے ہیں۔

اس تعلیق کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ جو حدیث لائے ہیں اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ان دو رکعات سفر کا اثبات ہے۔ یعنی: تعلیق سے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ چونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اس لیے یہ آپ کی خصوصیت ہوگی، لیکن حدیث میں قولی حکم ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ختم ہو گیا (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب

۴۳۲ : حدّثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قالَ : حَدَّثَنا مِسْعَرٌ قَالَ : حَدَّثَنا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ (۳) قَالَ : أَتَيْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي ٱلْمَسْجِدِ ، قَالَ مِسْعَرٌ : أُرَاهُ قَالَ : ضُحًى ، فَقَالَ : (صَلِّ رَكْعَتَيْنِ) . وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ ، فَقَضَانِي وَزَادَنِي .

[۱۹۹۱ ، ۲۱۸۵ ، ۲۲۵۵ ، ۲۲۶۴ ، ۲۳۳۸ ، ۲۴۶۳ ، ۲۵۶۹ ، ۲۷۰۶ ، ۲۸۰۵ ، ۲۹۲۱ ، ۲۹۲۳ ، ۲۹۲۴ ، ۳۸۲۶ ، ۴۷۹۱ ، ۴۷۹۲ ، ۴۹۴۷–۴۹۴۹ ، ۵۰۵۲ ، ۶۰۲۴]

(۱) الإصابة : ۵/۴۵۶، دار الكتب العلميه۔ معرفة الصحابة لأبي نعيم: ۵/ص: ۲۳۶۶۔ أسد الغابة: ۴/ ۴۶۰، ۴۶۱۔ الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ۳/ ص: ۱۳۲۳۔ مختصر تاريخ دمشق لابن عساكر: ۵۰/ ۱۷۶۔ سير أعلام النبلاء: ۲/۵۳۳۔ التاريخ الكبير: ۷/ ۲۱۹۔ الجرح والتعديل: ۷/ ۱۶۰۔ تهذيب التهذيب: ۸/ ۴۴۰.

(۲) فتح الباري: ۱/ ۶۹۵

(۳) أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب العمرة، باب: لا يطرق أهله إذا بلغ المدينة، رقم الحديث: ۱۸۰۱. وفي البيوع، باب شراء الدواب والحمير، رقم الحديث: ۲۰۹۷. وفي الوكالة، باب إذا وكل رجل رجلاً أن يعطي شيئاً ولم يبين كم يعطي فأعطى على ما يتعارفه الناس، رقم الحديث: ۲۳۰۹. =

ترجمہ حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔
مسعر نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ محارب نے کہا؛ چاشت کے وقت۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: دو رکعت نماز پڑھ لو، (حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) میرا کچھ قرضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ قرضہ ادا کیا، اور (اس مقدار سے) مزید بھی عطا فرمایا۔

= وفي الاستقراض، باب: من اشترى بالدين وليس عنده ثمنه، رقم الحديث: ٢٣٨٥. وباب: حسن القضاء، رقم الحديث: ٢٣٩٤. وباب: الشفاعة في وضع الدين، رقم الحديث: ٢٤٠٦. وفي المظالم، باب: من عقل بعيره على البَلاط أو باب المسجد، رقم الحديث: ٢٤٧٠. وفي الهبة، باب: الهبة المقبوضة وغير المقبوضة والمقسومة وغير المقسومة، رقم الحديث: ٢٦٠٣، ٢٦٠٤. وفي الشروط، باب: إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان، رقم الحديث: ٢٧١٨. وفي الجهاد، باب: من ضرب دابة غيره في الغزو، رقم الحديث: ٢٨٦١. وباب: استئذان الرجل الإمام، رقم الحديث: ٢٩٦٧. وباب: الصلاة إذا قدم من سفر، رقم الحديث: ٣٠٨٧. وباب: الطعام عند القدوم، رقم الحديث: ٣٠٨٩، ٣٠٩٠. وفي المغازي، باب: ﴿إذ همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما﴾، رقم الحديث: ٤٠٥٢. وفي النكاح، باب: تزويج الثيبات، رقم الحديث: ٥٠٧٩، ٥٠٨٠. وباب: لا يطرق أهله ليلا إذا أطال الغيبة مخافة أن يخونهم أو يلتمس عثراتهم، رقم الحديث: ٥٢٤٣، ٥٢٤٤. وباب: طلب الولد، رقم الحديث: ٥٢٤٥، ٥٢٤٦. وباب: تستحد المغيبة وتمتشط الشَعِثَة، رقم الحديث: ٥٢٤٧. وفي النفقات، باب: عون المرأة زوجها في ولده، رقم الحديث: ٥٣٦٧. وفي الدعوات، باب: الدعاء للمتزوج، رقم الحديث: ٦٣٨٧.

ومسلم في صحيحه، في صلاة المسافرين، باب: استحباب تحية المسجد بركعتين وكراهة الجلوس قبل صلاتهما، وأنها مشروعة في جميع الأوقات، رقم الحديث: ٧١٥.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الثاني: في النوافل المقرونة بالأوقات، الفصل الرابع: في صلوات متفرقة، تحية المسجد، رقم الحديث: ٤٣٥٤، ٢٤٩/٦.

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں چار راوی ہیں:

۱۔خلاد بن یحیی

یہ ابو محمد خلاد بن یحیٰ ابن صفوان الکوفی السلمی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من بدأ بشق رأسه الأيمن في الغسل میں گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مِسعر

یہ ابوسلمہ مسعر بن کدام بن ظھیر بن عبیدہ بن الحارث الھلالی العامری الکوفی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الوضوء بالمد میں گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔مُحارِب بن دِثار

ان کا پورا نام "مُحارب بن دِثار بن کُردوس بن قِرواش السدوسی الکوفی رحمہ اللہ" ہے۔

یہ ایک بڑی جماعت سے روایت حدیث کرتے ہیں، اس جماعت میں جابر بن عبداللہ، ابن عمر، عبد اللہ بن یزید الخطمی، اسود بن یزید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں مسعر، زبید الیامی، شعبہ، ثوری، قیس بن ربیع رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت شامل ہے۔

یہ کوفہ کے بڑے نامور قاضی تھے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے محارب بن دثار سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

احمد بن حنبل اور یحیی بن معین رحمہما اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے محارب بن دثار کو مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہوئے پایا۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من بدأ بشق رأسه الأيمن في الغسل.

(۲) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الوضوء بالمد.

عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حکم اور حماد بن سلیمان رحمہما اللہ کو محارب بن دثار رحمہ اللہ کے فیصلوں والی مجلس میں بیٹھے ہوئے پایا، ایک ان کے دائیں جانب اور دوسرا ان کی بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔

محارب بن دثار رحمہ اللہ کی وفات ایک سو سولہ ہجری میں ہوئی (۱)۔

۴۔ جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت جابر بن عبداللہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر میں گذر چکے ہیں (۲)۔

شرح حدیث

قولہ: ''قال مسعر أراه قال: ضحی''، یہ کلام مدرج ہے، یعنی: یہ راوی حدیث کا اپنا کلام ہے، حدیث کا حصہ نہیں ہے۔

''أراه''، ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، أظن کے معنی میں ہے، اور ''ہ'' ضمیر کا مرجع محارب بن دثار ہے (۳)۔

مطلب یہ ہوگا کہ محارب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حاضر ہوا تو وہ چاشت کا وقت تھا (۴)۔

قولہ: ''وکان لي علیه دین''، اکثر نسّاخ کی روایت میں یہی الفاظ ہیں، البتہ حموی کی روایت میں ''وکان له'' کا لفظ ہے، اس صورت میں ''ہ'' ضمیر کا مرجع ''جابر بن عبداللہ'' ہے۔ یعنی: ''وکان لجابر علی النبي صلی الله علیه وسلم دین''. یہ دین حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا ثمن تھا جو نبی اکرم

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲۱۷/۵۔ التاریخ الکبیر للبخاري: ۲۸/۷۔ الجرح والتعدیل: ۴۱۶/۸۔ تاریخ الإسلام: ۲۹۷/۴۔ میزان الاعتدال: ۴۴۱/۳، تهذیب التهذیب: ۴۹/۱۰۔ تاریخ دمشق لابن عساکر: ۵۴/۵۷۔ إکمال تهذیب الکمال: ۸۷/۱۱۔ الطبقات الکبری لابن سعد: ۳۰۷/۶.

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر.

(۳) فتح الباري: ۶۹۵/۱۔ عمدة القاري: ۲۹۶/۴

(۴) شرح الکرماني: ۱۰۳/۴

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خریدا تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے، حموی کی اس روایت میں متکلم کی ضمیر سے غائب کی ضمیر کی طرف التفات ہوا ہے، یعنی: اکثر کی روایت میں "وكان لي"، ضمیر متکلم کے ساتھ تھا، اور حموی کی روایت میں ضمیر متکلم سے ضمیر غائب کی طرف التفات ہوگیا، یعنی: "وكان له" (١).

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دو رکعات سفر سے واپس آنے والے کے لیے ہیں، جو کہ تحیۃ المسجد سے جدا ہیں (٢)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث مبارکہ میں سفر سے واپسی کا ذکر نہیں ہے، جب کہ ترجمۃ الباب میں یہ قید ہے، کہ سفر سے واپسی میں دو رکعت نماز پڑھی جائے۔ لیکن صحیح بخاری میں ہی تفصیلی روایت موجود ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ کو یہ حکم ان کے سفر سے واپس آنے پر دیا تھا (٣)۔

---

(١)فتح الباري: ١/٦٩٥۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٦

(٢)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان، رقم الضديث: ٧١٧، ٥/٢٢٧

(٣)حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الوهاب، حدثنا عبيد الله، عن وهب بن كيسان، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في غزاة، فأبطَأَ بي جمَلي وأعيا، فأتى على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: جابر؟ فقلت: نعم، قال: ما شأنُك؟ قلت: أبطأ عليّ جملي وأعيا، فتخلَّفتُ، فنزل يَحْجُنُهُ بِمِحْجَنِهِ، ثم قال: اِركَب، فركبتُ، فلقد رأيتُه أكُفُّه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: تزوجتَ، قلت: نعم، قال: بكراً أم ثيباً؟ قلت: بل ثيبا، قال: أفلا جارية؛ تُلاعِبها وتلاعبُك، قلت: إن لي أخوات، فأحببت أن أتزوَّجَ امرأةً تَجْمَعُهُنَّ، وَتَمْشُطُهُنّ، وتقوّم عليهن، قال: أما إنك قادم، فإذا قدمت، فالكيسَ الكيسَ، ثم قال: أتبيعُ جملَك؟ قلتُ: نعم، فاشتراه مني بأوقية، ثم قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلي، وقدمتُ بالغداة، فجئنا إلى المسجد، فوجدتُه على باب المسجد، قال: الآن قدمتَ؟ قلت: نعم، قال: فدع جملَك، فادخُل، فصلِّ ركعتين، فدخلتُ فصليتُ، فأمر بلالا أن يزِن له أوقيةً، فوزن لي بلال، فأرجَح لي في الميزان، فانطلقتُ حتى وَلَّيْتُ، فقال: ادعُ لي جابراً، قلت: الآن يرد علي الجمل، ولم يكن شيئ أبغض إلي منه، قال: خذ جملك ولك ثمنه. (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب: شراء الدواب والحمر، رقم الحديث: ٢٠٩٧)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس حدیث میں اور ترجمۃ الباب میں کیا مناسبت ہے؟ (بایں طور کہ ترجمہ میں تو سفر سے آکر مسجد میں نماز پڑھنے کا بیان ہے اور اس روایت میں تو سفر سے آنے کا ذکر نہیں ہے۔) تو اس کا جواب یہ دوں گا کہ یہ حدیث اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو صحیح البخاری کی کتاب البیوع اور دیگر بہت سارے ابواب میں موجود ہے۔ اور اس طویل روایت میں یہ بات موجود ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، اسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک اوقیہ چاندی کے بدلے میرا اونٹ خریدا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ غزوہ سے واپس لوٹ آئے، اور میں صبح کے وقت صبح (چاشت) کے وقت واپس پہنچا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے دروازے پر پایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس وقت واپس پہنچے؟ تو میں جواب دیا کہ جی ہاں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اچھا، تو پھر مسجد میں داخل ہو اور دو رکعت نماز ادا کر، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایک اوقیہ چاندی کا وزن کرو، چنانچہ اس نے وزن کیا تو (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر) وزن میں جھکتا ہوا تولا۔ (یعنی: میرے ثمن سے زیادہ مقدار مجھے ادا کی)، (۱)

حدیث مبارکہ سے مستفاد اُمور وآداب

اس حدیث سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، چونکہ یہ حدیث ٹکڑا ہے، ایک طویل حدیث کا، اس لیے تمام فوائد کا بیان تو متعلقہ جگہ ہی آئے گا، سردست تو یہاں صرف اسی حصے کے فوائد کا بیان ہوگا جو ترجمۃ الباب کے تحت مذکور ہے۔ مثلا:

۱۔ سفر سے آنے والے شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ واپس آکر پہلے دو رکعت نماز ادا کرے، پھر گھر جائے۔

۲۔ صبح کے وقت سفر سے واپسی کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ جو شخص مقتداء ہو اور اس کے واپس آنے پر لوگوں کی خواہش ہو کہ اس سے ملاقات، زیارت ومصافحہ وغیرہ کریں تو ایسے شخص کو چاہیے کہ واپس آکر لوگوں کے قریب میں کسی جگہ، بہتر یہ ہے کہ مسجد میں ٹھہرے تاکہ لوگ اس سے ملاقات کرلیں، پھر وہ اپنے گھر جائے، جیسا کہ مذکورہ معاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

۴۔ قرض کی ادائیگی کا بندوبست ہو تو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، بلکہ فی الفور ادا کردینا چاہیے۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/١٠٣۔ فتح الباري: ١/٦٩٥۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٥

۵۔ افضل یہ ہے کہ جب کسی کے قرض کی ادائیگی کی جائے تو کچھ اضافہ کر کے دیا جائے تا کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو جائے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ پہلے سے مشروط نہ ہو، کیونکہ اگر وہ اضافہ مشروط ہوا تو یہ سود ہو جائے گا(۱)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

۲۷[۲] ـ باب : إِذَا دَخَلَ ٱلْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ .

یہ باب ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ
بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھ لے۔

اس ترجمۃ الباب کے بارے میں نسخے مختلف ہیں، بعض میں اسی طرح ہے جیسے اوپر مذکور ہوا، اور بعض میں ہے: باب: إذا دخل المسجد فليركع ركعتين. اور بعض میں ہے: إذا دخل المسجد فليركع قبل أن يجلس.

"فليركع" میں "فا" کلمہ إذا شرطیہ کے جواب میں ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ تحیۃ المسجد کے استحباب کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ اس کے لیے انہوں نے الفاظِ حدیث کو ہی ترجمۃ الباب بنا کر پیش کر دیا ہے۔

ان الفاظِ ترجمہ یا الفاظِ حدیث سے پانچ مسائل ثابت ہو رہے ہیں، دو مسائل: إذا دخل سے، ایک مسئلہ: فليركع سے، اور دو مسئلے: ركعتين سے۔ یہ سب مسائل مرحلہ وار ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: اوقاتِ مکروہہ میں تحیۃ المسجد کا حکم

سب سے پہلا مسئلہ جو "إذا دخل" سے ثابت ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ "إذا" ظرفیہ ہے، جس کے مقتضی کو سامنے رکھتے ہوئے ظاہری مطلب یہ نکلتا ہے کہ جس وقت بھی مسجد میں داخل ہوں، تحیۃ المسجد ادا کی جائے،

---

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان، رقم الضديث: ۷۱۷، ۵/۲۲۷۔ شرح الكرماني: ۴/۱۰۳

مذکورہ باب چونکہ کشف الباری کی مذکورہ جلد کا آخری باب ہے، اس لیے اس مقام پر اس امر کی تجدید ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کشف الباری کے لیے منتخب کیے گئے "الدکتور مصطفیٰ دیب البغا" والے نسخے کے مطابق اس باب کا نمبر: ۲۷، ہے، جب کہ دیگر نسخوں؛ جو "فتح الباری" یا "عمدۃ القاری" میں استعمال کیے گئے ہیں، ان کے مطابق اس باب کا نمبر: ۶۰، ہے۔

(۲) عمدة القاري: ۴/۲۹۶۔ إرشاد الساري: ۲/۱۰۳

چاہے وہ وقت اوقاتِ مکروہہ وممنوعہ میں سے ہو یا اوقاتِ مباحہ میں سے۔

چنانچہ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہوا، جمہور فقہاء، مثلا: امام ابوحنیفہ(۱)، امام مالک(۲)، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ (۳) اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دخولِ مسجد کے وقت اوقاتِ مکروہہ میں سے کوئی وقت نہ ہوتو تحیۃ المسجد ادا کرنا مستحب ہے، اور اگر وقتِ مکروہ ہوتو اس وقت میں تحیۃ المسجد ادا کرنا ممنوع ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کلمۂ "إذا" کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ دخولِ مسجد کے وقت جو بھی وقت ہو تحیۃ المسجد ادا کرنا جائز ہے(۴)۔

---

(١) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة: ١/١٥٣

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يكره من التطوع: ١/٢٩٦

شرح مختصر الطحاوي للجصاص، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ١/٥٤٢

(٢) الكافي في فقه أهل المدينة، كتاب الصلاة، باب: الأوقات التي تكره فيها عندنا النوافل: ١/١٩٦

التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب الصلاة، باب: في صلاة التطوع: ٢/٣٧٤

الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ١/٢٠٢

دخول سے مراد بیٹھنے کے لیے، طہارہ کے ساتھ داخل ہو، وقت مکروہ نہ ہو، بیٹھنے سے قبل مستحب ہے، واجب نہیں، اگر بیٹھ گیا تو بھی یہ فوت نہیں ہوں گے۔

(تنبيه): علم من كلام المصنف أن المار أو الداخل على غير وضوء أو في وقت نهي لا تستحب التحية في حقه صلاة، وإنما يستحب له أن يقول أربع مرات: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر.

قال سيدي أحمد زروق: ينبغي أن يقولها في أوقات النهي، قال الحطاب: وهو حسن لمكان الخلاف؛ لأن التحية بمعنى الصلاة وإن سقطت لا يسقط بدلها.

(الشرح الكبير للشيخ الدردير وحاشية الدسوقي، كتاب الصلاة، في بيان حكم صلاة النافلة: ١/٣١٣)

(٣) المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ٢/٢٣٧

المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجمعة: ١/١٥٢

الشرح الكبير على متن المقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ١/٧٣٩

الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: ٢/٤٢٩

(٤)التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة لتطوع: ١/٣٥

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ٢/٢٨٣.

البيان في مذهب الإمام الشافعي، كتاب الصلاة، مسألة: يحية المسجد: ٢/٢٨٦

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة: ٣/٢٥٥.

المجموع: مسائل مهمة تتعلق بصلاة الليل: ٤/٥١، أسنى المطالب في شرح روض الطالب: ١/٤٨٦.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اوقاتِ مکروہہ میں تحیۃ المسجد کے عدمِ جواز میں جمہور کے ساتھ ہیں، لیکن خطبۂ جمعہ کے وقت دخولِ مسجد کی صورت میں تحیۃ المسجد کے جواز میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک اس وقت بھی تحیۃ المسجد جائز نہیں ہے(۱)۔

دوسرا مسئلہ: تحیۃ المسجد محض داخل ہونے والے پر ہے، یا گذرنے والے پر بھی؟

"إذا دخل" سے دوسرا مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کے دخول سے تحیۃ المسجد کا حکم متوجہ ہوتا ہے؟ کیونکہ دخول عام طور پر تو عبادت کے لیے ہوتا ہے، اور اس کے علاوہ کبھی محض مرور کے لیے ہوتا ہے اور کبھی جلوس کے لیے۔

تو اس بارے میں جمہور فقہاء؛ امام ابوحنیفہ (۲)، امام شافعی (۳) اور امام احمد بن حنبل (۴) رحمہم اللہ کے نزدیک مسجد میں دخول جس مقصد کے لیے بھی ہو تحیۃ المسجد مستحب ہوگا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص مسجد میں عبادات وغیرہ کے لیے داخل ہو، اس کے لیے تحیۃ المسجد مستحب ہے، اور وہ شخص جو مسجد سے محض گذرنا چاہ رہا ہو، مسجد میں بیٹھنے یا عبادات وغیرہ میں، مشغولیت کا

---

(۱)المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ۲/۲۳۷.

المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجمعة: ۱/۱۵۲.

الشرح الكبير على متن امقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ۱/۷۳۹.

الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸.

(۲) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة: ۱/۱۵۳.

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يكره من التطوع: ۱/۲۹٦.

شرح مختصر الطحاوي للجصاص، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/٥٤۲.

(۳) الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: ۲/٤۲۹.

التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة لتطوع: ۱/۳٥.

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ۲/۲۸۳.

(٤)الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸.

الشرح الكبير على متن امقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ۱/۷۳۹.

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ۲/۲۳۷.

ارادہ نہ ہو تو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے(۱)۔

تیسرا مسئلہ: تحیۃ المسجد واجب ہے یا مستحب

تیسرا مسئلہ ”فلیرکع“ سے پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت نماز واجب ہے یا مستحب؟ اس بارے میں ظاہریہ وجوب کے قائل ہیں(۲)۔

(١)حاشية الصاوي على الشرح الصغير، كتاب الصلاة، النوافل المندوبة والرغائب: ١/٤٠٥
الكافي في فقه أهل المدينة، كتاب الصلاة، باب: الأوقات التي تكره فيها عندنا النوافل: ١/١٩٦
التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب الصلاة، باب: في صلاة التطوع: ٢/٣٧٤
الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ١/٢٠٢

(٢) اتفق جماعة أهل الفتوى على أن تأويل هذا الحديث محمول على الندب، والإرشاد مع استحبابهم الركوع لكل من دخل المسجد، وهو طاهر، في وقت تجوز فيه النافلة. قال مالك: ذٰلك حسن وليس بواجب. وأوجب ذٰلك أهل الظاهر فرضا على كل داخل في وقت تجوز فيه الصلاة، وقال بعضهم: ذٰلك واجب في كل وقت؛ لأن فعل الخير لا يمنع منه إلا بدليل لا معارض له.

قال الطحاوي: وحجة الجماعة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر سُلَيْكًا حين جاء يوم الجمعة وهو يخطب أن يركع ركعتين، وأمر مرةً أخرى رجلًا رآه يتخطى رقاب الناس بالجلوس ولم يأمره بالركوع، حدثنا بحُر بن نصر، حدثنا عبد الله بن وهب، عن معاوية بن صالح، عن أبي الزاهرية، عن عبد الله بن بسر قال: جاء رجل يتخطى رقاب الناس في يوم الجمعة، فقال له رسول الله: ”اجلس فقد آذيت وآنيت“، فهذا يخالف حديث سليك، واستعمال الأحاديث هو على ما تأولها عليه جماعة الفقهاء.

قال الطحاوي: وأما قول من قال من أهل الظاهر أن عليه أن يركع في كل وقت دخل المسجد فهو خطأ؛ لنهيه عليه السلام عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها وغير ذلك من الأوقات المنهي عنها، فمن دخل المسجد في هذه الأوقات، فليس بداخل فى أمره بالركوع عند دخوله في المسجد، وإنما يدخل في أمره بذلك كل من لو كان في المسجد قبل ذلك، فأراد الصلاة، كان له ذلك، فأما من لو كان في المسجد قبل ذلك لم يكن له أن يصلي، فليس بداخل في ذلك.

وقد روي عن جماعة من السلف أنهم كانوا يمرون في المسجد ولا يركعون، فروى ابن أبى شيبة عن عبد العزيز الدراوردي، عن زيد بن أسلم قال: كان كبار أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلون المسجد ثم يخرجون ولا يصلون. قال زيد: وقد رأيت ابن عمر يفعله، وذكر ذلك مالك عن زيد بن ثابت، وسالم بن عبد الله، وكان القاسم بن محمد يدخل المسجد، فيجلس فيه ولا يصلى وفعله الشعبي، وقال جابر بن زيد: إذا دخلت مسجدًا فصلّ فيه، فإن لم تصل فيه؛ فاذكر الله فكأنك قد صليت. (شرح ابن بطال: ٢/١١٦)

اور جمہور فقہاء کرام استحباب کے قائل ہیں(۱)۔

چوتھا مسئلہ: نفل نماز کی کم از کم کتنی رکعات؟

"رکعتین" کے لفظ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ نوافل کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، دو رکعت سے کم نفل نہیں ہوتے، چنانچہ ائمہ میں سے احناف (۲) اور مالکیہ (۳) کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت میں ایک

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة: ۱/۱۵۳

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يكره من التطوع: ۱/۲۹۶

شرح مختصر الطحاوي للجصاص، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۵۴۲

الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: ۲/۴۲۹

التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ۱/۳۵

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ۲/۲۸۳

الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸

الشرح الكبير على متن امقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ۱/۷۳۹

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ۲/۲۳۷

الكافي في فقه أهل المدينة، كتاب الصلاة، باب: الأوقات التي تكره فيها عندنا النوافل: ۱/۱۹۶

التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب الصلاة، باب: في صلاة التطوع: ۲/۳۷۴

الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ۱/۲۰۲

(۲)ومحمل حديث ابن عمر عندهم الحصر في الأشفاع، يعني: لا يجوز القعود على الأكثر أو الأقل من ركعتين، وعليه حمله صاحب الهداية إذ قال: ومعنى ما رواه شفعا لا وترا. (أوجز المسالك، كتاب الصلاة، كتاب صلاة الليل، رقم الحديث: ۲۵۳: ۲/۵۷۰)

قال صاحب البدائع: التنفل بالركعة الواحدة غير مشروعٍ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: في التطوع، فصل: في بيان مقدار ما يلزم منه بالشروع في صلاة التطوع: ۱/۲۹۳)

الهداية، كتاب الصلاة، باب: في النوافل: ۱/۶۷.

ولو قال: عبده حر إن صلى اليوم صلاة، فصلى ركعة قطعها، لا يحنث في يمينه، لأن المنفي باليمين فعل الصلاة، وأن يكون المفعول صلاة، فمطلق الاسم ينصرف إلى الكامل، والركعة الواحدة ليست بصلاة كاملة، لأنها لا تفيد حكم الصلاة لأنها بتيرة؛ فإن النبي صلى الله عليه وسلّم نهى عن البتيراء والبتيراء ركعة واحدة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر: في الحلف على الأفعال: ۴/۲۷۳)

(۳) واستُدِلَّ به أيضاً على عدم النقصان من ركعتين في النافلة ما عدا الوتر، وقد اختلف العلماء فيه (اتفق أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد على أفضلية الرباعية نهاراً كما في "شرح المهذَّب: ۵/۷۵" =

رکعت کی نماز نہیں ہوتی، جب کہ شوافع (۱) اور حنابلہ کے نزدیک ایک روایت میں (جس کو علامہ مرداوی صالحیؒ نے راجح قرار دیا ہے) نفل نماز ایک رکعت بھی ہو جاتی ہے (۲)۔

= و"المغني": ۱/۷۶٥، واتفق الشافعي وأحمد وأبو يوسف والثوري والليث على أفضلية الثنائية ليلاً. والشافعي وأحمد منهم على أفضليتها نهاراً أيضاً، وشذَّ مالك في القول بعدم جواز الرباعية ليلاً استدلالاً بإفادة التركيب القصر، كما حكاه ابن دقيق العيد في "العمدة"): فذهبت طائفة إلى المنع وهو مذهب أبي حنيفة ومالك. (التعليق الممجد على مؤطأ محمد، كتاب الصلاة، باب: صلاة الليل: ۱/۵۰۷)

وقال ابن رشد في "بداية المجتهد": والجمهور على أنه لا يتنفل بواحدة، وأحسب أن فيه خلافا شاذا. (بداية المجتهد ونهايةُ المقتصد، كتاب الصلاة، الباب الثالث: في النوافل: ۱/۲۱۷)

نيل الأوطار، كتاب الصلاة، باب: الوتر بركعة وبثلاث...: ۳/٤۱

(۱)النجم الوهاج في شرح المنهاج، كتاب الصلاة، باب؛ ۲/۳۱۳

الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، كتاب الصلاة، فصل: القول فيمن تجب عليه الصلاة: ۱/۱۱۹

فتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين، كتاب الصلاة، فصل: في صلاة النفل: ۱/۱٦۹

(۲) قوله (وهل يصح التطوع بركعة؟ على روايتين) وأطلقهما في المذهب، والبلغة، وابن تميم، والنظم، ومسبوك الذهب، والمستوعب، والحاوي الصغير، والزركشي، إحداهما: يصح، وهو المذهب صححهما في التصحيح، وابن منجا في شرحه، قال في الخلاصة: يصح أن يتطوع بركعة على الأصح، قال في التلخيص: ويصح التطوع بركعة في أصح الروايتين ونصره في مجمع البحرين، والمجد في شرحه وقدمه في الفروع، والمحرر، والهداية، والرعايتين، والحاوي الكبير، الفائق وغيرهم، وجزم به في الإفادات، ونهاية ابن رزين، ونظمها وصححه أبو الخطاب في رءوس المسائل، الرواية الثانية: لا يصح جزم به في الوجيز، وهي ظاهر كلام الخرقي، ونصرها المصنف في المغني والشرح، وقال فيه ابن تميم، والشارح: أقل الصلاة ركعتان، على ظاهر المذهب.

فائدة: قال المجد في شرحه، وابن تميم، والزركشي، وابن حمدان في رعايته وصاحب الحاوي، ومجمع البحرين، وغيرهم: حكم التنفل بالثلاث والخمس حكم التنفل بركعة فيه الروايتان، ولا نعلم مخالفا قال في الفروع: ويصح التطوع بفرد ركعة . (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ۲/۱۹۲)

فصل: قال بعض أصحابنا: ولا يزاد في الليل على اثنتين، ولا في النهار على أربع، ولا يصح التطوع بركعة ولا بثلاث. وهذا ظاهر كلام الخرقي. وقال القاضي: لو صلى ستا في ليل أو نهار، كره وصح=

لیکن تحیۃ المسجد کی نماز ان حضرات کے نزدیک بھی دو رکعت سے کم نہیں ہے(١)۔

پانچواں مسئلہ: تحیۃ المسجد کا وقت

ترجمۃ الباب کا آخری لفظ "قبل أن يجلس" ہے، یعنی: مسجد میں داخل ہونے والا بیٹھنے سے پہلے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد ادا نہ کی بلکہ بیٹھ گیا، پھر اٹھ کے تحیۃ المسجد پڑھی تو اس کی تحیۃ المسجد فوت سمجھی جائے گی یا ادا سمجھی جائے گی؟، چنانچہ اس بارے

= وقال أبو الخطاب: في صحة التطوع بركعة روايتان؛ إحداهما، يجوز؛ لما روى سعيد، قال: حدثنا جرير، عن قابوس، عن أبيه، قال: دخل عمر المسجد فصلى ركعة، ثم خرج، فتبعه رجل، فقال: يا أمير المؤمنين! إنما صليت ركعة، قال: هو تطوع، فمن شاء زاد، ومن شاء نقص. ولنا، أن هذا خلاف قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلاة الليل مثنى مثنى".ولأنه لم يرد الشرع بمثله، والأحكام إنما تتلقى من الشارع، إما من نصه، أو معنى نصه، وليس هاهنا شيئ من ذلك. (المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: التطوعات قسمان: ٩٢/٢)

(وهل يصح التطوع بركعة): أي: بفرد؛ (على روايتين) كذا في (الهداية) إحداهما: تصح، قدمها في "المحرر" و "الفروع" ونصرها أبو الخطاب، وابن الجوزي؛ وهو قول عمر. رواه سعيد: حدثنا جرير عن قابوس عن أبيه عنه، ولأن الوتر مشروع؛ وهو ركعة، والثانية: لا، جزم بها في "الوجيز" وهي ظاهر الخرقي، وقواها في "المغني"؛ لأنه خلاف قوله عليه السلام: صلاة الليل مثنى مثنى، ولأنه لا يجزء في الفرض، فكذا في النفل كالسجدة، ولم يرد أنه فعل في غير الوتر. (المبدع في شرح المقنع، كتاب الصلاة، التطوع بركعة: ٣٠/٢)

نيل المآرب بشرح دليل الطالب، كتاب الصلاة، قيام الليل: ١٦٣/١.

الروض المربع شرح زاد المستقنع، كتاب الصلاة، فصل: في صلاة الليل: ١١٨/١.

(١) الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، كتاب الصلاة، في من تجب عليه الصلاة: ١١٧/١

التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ٣٥/١

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ٢٨٣/٢

الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ١٩٨/١

كشاف القناع عن متن الإقناع، كتاب الصلاة، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ٤٦/٢

نيل المآرب بشرح دليل الطالب، كتاب الصلاة، سنة الوضوء وتطوعات أخرى: ١٦٤/١

میں بھی ائمہ کرام کا اختلاف ہوا، جو کہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

احناف (۱) اور مالکیہ (۲) کے نزدیک اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر بعد کھڑے

(۱) وفي حاشيته المسمى بـ حاشية الطحطاوي؛ قوله : سن تحية المسجد، أي: تحية رب المسجد لأن التحية إنما تكون لصاحب المكان لا للمكان، ويستثنى المسجد الحرام؛ فإن تحيته الطواف، وصرح المنلا على: بأن من دخل المسجد الحرام لا يشتغل بتحية؛ لأن تحية هذا المسجد الشريف هو الطواف؛ لمن عليه طواف، أو أراده، بخلاف من لم يرده أو أراد أن يجلس، فلا يجلس حتى يصلي ركعتين تحية المسجد اهـ . قوله: "بركعتين"، وإن شاء بأربع والثنتان أفضل، قهستاني. قوله: "في غير وقت مكروه، في القهستاني: إذا دخل المسجد بعد الفجر أو العصر لا يأتي بالتحية، بل يسبح، ويهلل، ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، فإنه حينئذ يؤدي حق المسجد، كما إذا دخل للمكتوبة، فإنه غير مأمور بها كما في التمرتاشي اهـ. وفي الدر عن الضياء عن القوت: من لم يتمكن منها لحدث أو غيره، يقول: كلمات التسبيح الأربع أربعا اهـ. وهي: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر. قوله: "قبل الجلوس"، هذا بيان للأولى، كما يأتي، وهذا قول العامة وهو الصحيح. وقيل: يجلس أولا ثم يصلي. قوله: "وإن كان الأفضل فعلها قبله"، هذا يدل على أنهم حملوا النهي في حديث: "فلا يجلس حتى يركع ركعتين" على التنزيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد: ۳۹۴/۱، ۳۹۵)

(حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب: الوتر والنوافل: ۱۸/۲، دار الفكر، بيروت)

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، أعظم المساجد حرمة: ۳۸/۲، دار الكتاب الإسلامي)

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل: في تحية المسجد: ۱۴۸/۱)

(۲) "ويكره جلوسه قبل التحية حيث طلبت ولا تسقط به، وذكر سيدي أحمد زروق عن الغزالي وغيره أن من قال: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر، أربع مرات، قامت مقام التحية". (شرح مختصر خليل للخرشي، كتاب الصلاة، فصل: في بيان صلاة النافلة وحكمها: ۵/۲.)

فالحاصل أن تحية المسجد لها ثلاثة شروط : أن يدخل على طهارة، وأن يكون مراده الجلوس في المسجد، وأن يكون الوقت وقت جواز، والشرط الثاني يفهم من قوله فلا يجلس، والأصل في ذلك قوله صلى الله عليه وسلم: إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين. رواه مسلم.

وفي رواية : إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس، والنهي على الأولى للكراهة، والأمر في الثانية على جهة الندب، وورد: أعطوا المساجد حقها، قالوا: وما حقها يا رسول الله =

ہوکر تحیۃ المسجد ادا کی تو کوئی حرج نہیں، تحیۃ المسجد درست ہو جائے گی، لیکن افضل یہی ہے کہ بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد ادا کرلے۔

شوافع کے نزدیک اگر بھول کر تھوڑی دیر بیٹھ گیا پھر یاد آنے پر تحیۃ المسجد ادا کی تو کوئی حرج نہیں۔اور اگر بھول کر دیر تک بیٹھا رہا، یا قصداً بیٹھا، چاہے تھوڑی دیر یا زیادہ دیر، ہر دو صورت میں تحیۃ المسجد فوت ہوجائے گی (۱)۔

حنابلہ کے نزدیک تھوڑی دیر بیٹھا؛ بھول کر ہو یا قصداً، تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوئی۔اور اگر زیادہ دیر بیٹھا، بھول کر ہو یا قصداً، تحیۃ المسجد فوت ہوجائے گی (۲)۔

= قال: صلاة ركعتين قبل الجلوس، وكونهما قبل الجلوس على جهة الندب، فلو جلس لا يفوتان ولو طال زمان الجلوس. (الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ۱/۲۰۲)
(حاشية الصاوي على الشرح الصغير، كتاب الصلاة، النوافل المندوبة والرغائب: ۱/۴۰۵)

(۱)لو جلس في المسجد قبل التحية وطال الفصل، فاتت ولا يشرع قضاؤها بالاتفاق؛ كما سبق بيانه فإن لم يطل الفصل؛ فالذي قاله الأصحاب: إنها تفوت بالجلوس، فلا يفعلها بعده، وذكر الأصحاب هذه المسألة في كتاب الحج في مسألة الإحرام لدخول الحرم وقاسوا عليها أن من دخله بغير إحرام لا يقضيه بل فاته بمجرد الدخول كما تفوت التحية بالجلوس، وذكر الإمام أبو الفضل ابن عبدان من أصحابنا في كتابه المصنف في العبادات: أنه لو نسي التحية وجلس ثم ذكرها بعد ساعة صلاها، وهذا غريب، وقد ثبت عن جابر رضي الله عنه قال: جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعدا على المنبر فقعد سليك قبل أن يصلي، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أركعت ركعتين؟ قال: لا، قال: قم فاركعهما. رواه مسلم بهذا اللفظ. ورواه البخاري أيضا بمعناه، فالذي يقتضيه هذا الحديث أنه إذا ترك التحية جهلا بها أو سهوا يشرع له فعلها ما لم يطل الفصل، وهذا هو المختار، وعليه يحمل قول ابن عبدان، ويحمل كلام الأصحاب على ما إذا طال الفصل لئلا يصادم الحديث الصحيح، وهذا الذي اختاره متعين لما فيه من موافقة الحديث والجمع بين كلام الأصحاب وابن عبدان والحديث. والله أعلم. (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، مسألة مهمة تتعلق بصلاة الليل: ۴/۵۱)
(أسنى المطالب في شرح روض الطالب، كتاب الصلاة، الباب السابع: في صلاة التطوع: ۱/۲۰۵)
(الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، كتاب الصلاة، فصل: في بيان صلاة النفل: ۱/۳۹۵)

(۲) مذكرة القول الراجح مع الدليل، كتاب الصلاة، إذا تكرر خروج الإنسان من المسجد، هل تشرع كلما خروج ورجع أم لا؟:۳/۹۱.
(الفروع وتصحيح الفروع، كتاب الصلاة، فصل: من دخل المسجد في الخطبة لم يمنع من التحية: ۳/۱۸۱)
(الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، فصل: أسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸)

حدیث باب

٤٣٣ [(١)]: حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ ٱلزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ ٱلزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ ٱلسَّلَمِيِّ[(٢)]: أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ: (إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ ٱلْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ). [١١١٠]

تراجم رجال

مذکورہ روایت کی سند میں پانچ رجال ہیں:

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف التنیسی دمشقی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث اور تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں (٣)۔

---

(١) مذکورہ حدیث چونکہ کشف الباری کی مذکورہ جلد کی آخری حدیث ہے، اس لیے اس مقام پر اس امر کی تجدید ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کشف الباری کے لیے منتخب کیے گئے ''الدکتور مصطفیٰ دیب البغا'' والے نسخے کے مطابق اس حدیث کا نمبر: ۴۳۳ ہے، جب کہ دیگر نسخوں؛ جو ''فتح الباری'' یا ''عمدۃ القاری'' میں استعمال کیے گئے ہیں، ان کے مطابق اس حدیث کا نمبر: ۴۴۴، ہے۔

(٢) أخرجه البخاري في صحيحه أيضا: في التهجد، باب: ما جاء في التطوع مثنى مثنى، رقم الحديث: ١١٦٣.

ومسلم في صحيحه: في صلاة المسافرين، باب: استحباب تحية المسجد بركعتين وكراهة الجلوس قبل صلاتهما، وأنها مشروعة في جميع الأوقات، رقم الحديث: ٧١٤

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة عند دخول المسجد، رقم الحديث: ٤٦٧، ٤٦٨

والترمذي في جامعه: في الصلاة، باب: ما جاء إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين، رقم الحديث: ٣١٦

والنسائي في سننه: في المساجد، باب: الأمر بالصلاة قبل الجلوس في المسجد، رقم الحديث: ٧٣١.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الثاني: من كتاب الصلاة: في النوافل، الفصل الرابع: في صلوات متفرقة، تحية المسجد، رقم الحديث: ٢٤٥٣، ٦/٢٤٨

(٣) كشف الباري: ١/٢٨٩، ٤/١١٣

۲۔ مالک

یہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر المدنی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث اور تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ عامر بن عبداللہ بن الزبیر

یہ ابوالحارث عامر بن عبداللہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ عمرو بن سلیم الزرقی

ان کا پورا نام "عمرو بن سُلیم بن خلدہ بن مَخلد بن عامر ابن زُریق الزُرَقِي انصاری مدنی رحمہ اللہ ہے۔

یہ جن مشائخ سے روایت حدیث کرتے ہیں ان میں

ابوقتادہ، ابوسعید خدری، ابوھریرہ، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر بن خطاب، سعید بن مسیّب، عاصم بن عمرو المدینی، عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری، ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

عامر بن عبداللہ بن زبیر، بکیر بن عبداللہ بن الاشج، زید بن ابی عتاب، سعید بن ابی سعید المقبری، عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشون، عبداللہ بن عامر الاسلمی، عبیداللہ ابن المگیرہ بن معیقیب، عثمان بن ابی سلیمان، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابوبکر بن المنکدر اور خود ان کے بیٹے سعید بن عمرو بن سُلیم الزرقی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

محمد بن سعد رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: كان ثقة، قليل الحديث.

امام نسائی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة.

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۹۰، ۲/۸۰

(۲) كشف الباري: ٤/١٦٢

امام عجلی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: مدني تابعي ثقة.

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ما علمت فيه شيئايشينه.

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة من كبار التابعين(۱).

۵۔ابی قتادہ السلمی

یہ صحابی رسول حضرت ابوقتادہ انصاری سلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: النهي عن الاستنجاء باليمين، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھ لیا کرے۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کے تمام الفاظ چونکہ ترجمۃ الباب کا ہی حصہ تھے، اس لیے متعلقہ مباحث ترجمۃ الباب کی تشریح کے تحت ہی بیان ہوچکی ہیں، علاوہ اس کے کہ

"إذا دخل أحدكم المسجد"، اس حکم میں یہ بات شامل ہے کہ وہ باوضو بھی ہو، وگرنہ پہلے وضو کرے پھر تحیۃ المسجد ادا کرے(۳)۔

(۱)تهذيب الكمال: ۲۲/٥٥ـالتاريخ الكبير للبخاري: ٦/ الترجمه: ۲٥٥۹، ثقات العجلي، ص: ٤۲، الثقات لابن حبان: ٥/١٦٧، الكاشف: ۲/الورقه: ۱۰۰، تاريخ الإسلام: ٤/٤۰، ميزان الاعتدال:۳/ الترجمة: ٦۳۸۰، تهذيب التهذيب: ٨/٤٤، ٤٥، تقريب التهذيب: ۲/ ۷۱.

(۲)كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: النهي عن الاستنجاء باليمين، ص: ٤۱۱

(۳)إرشاد الساري: ۲/۱۰۳

"فليركع"، معنی میں "فليصل" کے ہے، جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے(۱)۔

"ركعتين"، اس سے مراد تحیۃ المسجد ہے، اور اس تثنیہ کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو رکعت سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں، البتہ دو رکعت سے کم پڑھنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور معتبر بات یہ ہے کہ تحیۃ المسجد دو رکعت سے کم ادا کرنا جائز نہیں (۲)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل واضح ہے، کسی قسم کا اخفا نہیں ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

هذا آخر ما أردنا من شرح كتاب الصلاة، ويليه إن شاء الله تعالىٰ في المجلد الثالث:

٦١ ــــــــــ باب: الحدث في المسجد

والحمد للّٰه الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على رسوله محمد أفضل الموجودات، وأكرم المخلوقات، وعلىٰ آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان ما دامت الأرض والسمٰوٰت.

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)تحفة القاري: ٤٨٩/٢

(۲)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٣/٥، عمدة القاري: ٢٧١/٤

فہرس مصادر ومراجع

❁ـــ قرآن مجید

❁ـــ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور

❁ـــ الاتقان في علوم القرآن، للحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطيؒ، المتوفى سنة: ۹۱۱ھ، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية.

❁ـــ الاستذكار، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكيؒ، المتوفیٰ سنة: ٤٦٣، دار إحياء التراث العربي.

❁ـــ الاستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكيؒ، المتوفیٰ سنة: ٤٦٣، دار الفكر، بيروت.

❁ـــ الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، للشيخ العلامة محمد زكريا الكاندهلويؒ، المتوفیٰ سنة: ١٤٠٢، ايج، ايم، سعيد، كمبني

❁ـــ الأعلام لأشهر الرجال والنساء من العرب والستغربين والمستشرقين، للإمام الشيخ خير الدين الزركليؒ، دار العلم للملايين، لبنان.

❁ـــ الأم، لأبي عبد الله محمد بن إدريس بن العباس الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٢٠٤ھ، دار المعرفة.

❁ـــ البناية شرح الهداية، للإمام المحدث الفقيه محمود بن أحمد بن موسیٰ بن أحمد بن الحسين، المعروف ببدرالدين العيني الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٥٥، دار الكتب العلمية.

❁ـــ البيان في مذهب الإمام الشافعي، لأبي الحسين يحى بن أبي الخير بن سالم العمراني الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٥٥٨ھ، دار المنهاج.

❁ـــ التاج والإكليل لمختصر خليل، للشيخ العلام أبو عبد الله محمد بن يوسف بن أبي القاسم العبدريؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٩٧ھ، دار الفكر، بيروت.

❁ ـــالتاريخ الكبير، للحافظ النقاد شيخ الإسلام أبي عبدالله إسماعيل بن إبراهيم البخاريؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٥٦ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

❁ ـــالتقرير والتحبير على التحرير في أصول الفقه، للعلامة ابن أمير الحاج الحلبيؒ، المتوفى سنة: ٨٧٩ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــالتنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، لبدر الدين الزركشيؒ، المتوفى سنة: ٧٩٤ھ، مكتبة الرشد.

❁ ـــ التوشيح شرح الجامع الصحيح، للإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطيؒ، المتوفىٰ: ٩١١ھ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض.

❁ ـــالتوضيح لشرح الجامع الصحيح، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الأنصاري الشافعي المعروف بابن ملقنؒ، المتوفىٰ سنة ٨٠٤ھ، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية.

❁ ـــالتهذيب في فقه الإمام الشافعي، لمحي السنة أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٥١٦ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــالثقات، لأبي حاتم محمد بن حبان بن أحمد بن حبان الدارمي البستيؒ، المتوفى سنة ٣٥٤ھ، دائرة المعارف العثمانية، الدكن، هند.

❁ ـــ الثمر الداني شرح رسالة ابن أبي زيد القيرواني، لصالح بن عبد السميع الآبي الأزهري المالكيؒ، المتوفى سنة: ١٣٣٥ھ، المكتبة الثقافة، بيروت.

❁ ـــالجامع لأحكام القرآن، للإمام العلام أبي عبدالله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٧١ ھ، دار إحياء التراث العربي.

❁ ـــالجامع (مطبوع مع المصنف لابن عبد الرزاق)، للإمام معمر بن أبي عمرو راشد الأزديؒ، المتوفى سنة: ١٥٣ھ، المجلس العلمي بباكستان.

❁ ـــالجرح والتعديل،للإمام الحافظ شيخ الإسلام أبي محمد عبدالرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٢٧ھ، بمطبعة دائرة المعارف العثمانية، بحيدرآباد، دكن ،الهند/ دار الكتب العلمية.

❁ ـــ الحاوي الكبير (في فقه الإمام الشافعي) للإمام الفقيه أبي الحسن علي بن محمد بن حبيب

الماوردي البصريؒ، المتوفیٰ سنة: ٤٥٠ھ ، دار الكتب العلمية ، بيروت .

۞ ـــ الحلبي الكبير، غنية المستملي في شرح منية المصلي المشتهر بشرح الكبير ، للشيخ إبراهيم الحلبي الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٥٦ھ ،الناشر :سهيل اكيدمی لاهور باكستان.

۞ ـــ الخائص الكبریٰ المسمیٰ بـ"كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب" للشيخ الإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين عبدالرحمٰن أبي بكر السيوطي الشافعيؒ ، المتوفیٰ سنة: ٩١١ھ، دار الكتب العلمية بيروت .

۞ ـــ الدر المختار ، للإمام العلام علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٠٨٨ ھ ، دار عالم الكتب ، الرياض.

۞ ـــ الديباج على صحيح مسلم، للحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطيؒ، المتوفى سنة: ٩١١ھ، دار ابن عفان.

۞ ـــ الذخيرة، لشهاب الدين أحمد بن إدريس القرافيؒ المالكي، التوفى سنة: ٦٨٤ھ، دارالغرب الإسلامي.

۞ ـــ الروض الأنف في تفسير السيرة النبوية لابن هشام، للإمام أبي القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد بن أبي الحسين الخثعمي السهيليؒ، المتوفیٰ سنة: ٥٨١ھ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــ الروض المربع شرح زاد المستقنع، لمنصور بن يونس بن صلاح الدين البهوتي الحنبليؒ، التوفى سنة: ١٠٥١ھ، مؤسسة الرساله.

۞ ـــ الشرح الكبير (المطبوع مع المقنع، والإنصاف) لشمس الدين أبي الفرج عبد الرحمن بن محمد بن أحمد بن قدامة المقدسيؒ، المتوفى سنة: ٦٨٢ھ، هجر للطباعة والنشر، القاهرة

۞ ـــ الشرح الميسر لصحيح الإمام البخاري ، المسمیٰ بـ"الدرر واللآلي " بشرح صحيح الإمام البخاري ، للشيخ العلامة محمد علي الصابونيؒ،المكتبة العصرية،لبنان مع دار الأفق.

۞ ـــ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، للعلامة قاضي أبي الفضل عياض اليَحْصُبِيؒ، المتوفیٰ سنة: ٥٤٤ھ، دارالكتب العلمية ـ بيروت.

۞ ـــ الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، لأبي نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابيؒ، المتوفى سنة: ٣٩٣ھ، دار العلم للملايين، بيروت.

❁ــ الطبقات الكبرىٰ، للإمام محمد بن سعد بن منيع أبي عبدالله البصري الزهريؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٣٠ ﻫ، دار صادر ، بيروت / مكتبة الخانجي، القاهرة.

❁ــ العزيز شرح الوجيز (الشرح الكبير) ، للإمام أبي القاسم عبدالكريم بن محمد بن عبدالكريم الرافعي القزويني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٣ ﻫ ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان.

❁ــ العقود الدرية المعروف بـ تنقيح فتاوىٰ الحامدية، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدينؒ الشامي، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢ﻫ، دار المعرفة بيروت

❁ــ العلماء العزاب الذين آثروا العلم على الزواج، للعلامة عبد الفتاح أبي غدة الحلبي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ١٤١٧ﻫ، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.

❁ــ الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، لزكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري الشافعيؒ، المتوفى سنه: ٩٢٦ﻫ، المطبعة الميمنية.

❁ــ الفتاوى الهندية المعروفة بالفتاوى العالمكيرية ، للعلامة الهمام الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند الأعلام ، دار الكتب العلمية ، بيروت.

❁ــ الفتاوىٰ التاتارخانية ،للشيخ فريد الدين عالم بن العلاء الإندرپتي الدهلوي المتوفىٰ:٧٨٦ﻫ، تحقيق: شبير أحمد القاسمي، مكتبه فاروقيه، كوئٹه.

❁ــ الفواكه الدواني علىٰ رسالة ابن أبي زيد القيرواني ، للعلامة الشيخ أحمد بن غنيم بن سالم بن مهنا النفراوي الأزهري المالكيؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٢٦ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

❁ــ الكاشف عن حقائق السنن الشهير بشرح الطيبي، للعلامة حسن بن محمد الطيبيؒ، المتوفىٰ: ٧٤٣ﻫ، إدارة القرآن والعلوم، كراتشي.

❁ــ الكافي(في فقه الإمام أحمد بن حنبل) ، لموفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٠ ﻫ ، دار هجر للطباعة والنشر.

❁ــ الكنز المتواري، للشيخ العلام محمد زكريا الكاندهلويؒ، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢ﻫ، مؤسسة الخليل الإسلامي، فيصل آباد .

❁ــ الكوثر الجاري إلىٰ رياض أحاديث البخاري، للإمام أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد

الكُوراني الشافعي ثم الحنفي، المتوفىٰ سنة: ٨٩٣هـ، دار إحياء التراث العربي.

❁ــ الكوكب الدري، للإمام المحدث الشيخ رشيد أحمد الجنجوهي، المتوفىٰ سنة: ١٣٢٣هـ، مع تعليقات المحدث محمد زكريا بن محمد يحيىٰ الكاندهلوي، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية، كراتشي، مطبعة ندوة العلماء، لكنؤ.

❁ــ الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم، لمحمد الأمين بن عبد الله الأرمي الهردي الشافعي، دار المنهاج.

❁ــ اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح، لأبي عبد الله محمد بن موسى النعيمي العسقلاني الشافعي البِرماوي، المتوفى سنة: ٨٢٧هـ، دار النوادر.

❁ــ المبدع شرح المقنع، للإمام أبي إسحاق برهان الدين إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح الحنبلي، المتوفىٰ: ٨٨٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ المتواري على أبواب البخاري، للإمام العلامة ناصر الدين ابن المنير، المتوفىٰ سنة: ٦٨٣هـ، المكتب الإسلامي.

❁ــ المجموع شرح المهذب، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين بن شرف النووي، المتوفىٰ سنة: ٦٧٦هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

❁ــ المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، للإمام مجد الدين ابن تيمية عبد السلام بن عبد الله الحنبلي، المتوفى سنة: ٦٥٢هـ، وزارة الشئوون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية.

❁ــ المحكم والمحيط الأعظم، للإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بابن سيده، المتوفىٰ سنة: ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ المحيط البرهاني في الفقه النعماني، للإمام برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز البخاري الحنفي، المتوفى سنة: ٦١٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ المخصص، للإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بـ ابن سيده، المتوفىٰ سنة: ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ـــ المدونة الكبرىٰ، للإمام دار الهجرة مالك بن أنس الأصبحيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٧٩هـ، دار صادر، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ـــ المسائل الفقهية من كتاب الروايتين والوجهين، للقاضي أبي يعلى محمد بن الحسين بن محمد المعروف بـ ابن الفراء الحنبليؒ، المتوفى سنة: ٤٥٨هـ، مكتبة المعارف، الرياض.

❁ـــ المستدرك على الصحيحين، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوريؒ، المتوفىٰ سنة ٤٠٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

❁ـــ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، للإمام أحمد بن محمد بن على الفيومي ثم الحمويؒ، المتوفى سنة: ٧٧٠هـ، المكتبة العلمية، بيروت.

❁ـــ المصنف لابن أبي شيبة، للإمام أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٣٥هـ، مؤسسة علوم القرآن / إدارة القرآن والعلوم الإسلامية باكستان.

❁ـــ المصنف لعبدالرزاق، للإمام المحدث أبي بكرعبدالرزاق بن همام الصنعانيؒ، المتوفىٰ سنة ٢١١هـ، دار الكتب العلمية / منشورات المجلس العلمي، هند.

❁ـــ المطالب العالية بزائد المسانيد الثمانية:للحافظ أحمد بن علي بن حجرأبي الفضل العسقلانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ـــ المعجم الكبير، للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبرانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٦٠هـ، مكتبة العلوم والحكم.

❁ـــ المغني في الضعفاء، للإمام أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، دار إحياء التراث العربي، قطر.

❁ـــ المغني في فقه الإمام مالكؒ، للإمام موفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن قدامةؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٠هـ، دار الفكر / دار عالم الكتب، الرياض.

❁ـــ المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب المسلم، للإمام الحافظ أبي العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٥٦هـ، دار ابن كثير، دمشق.

❁ـــ المقتضب للإمام محمد بن عبد الأكبر الثمالي الأزدي، أبي العباس المعروف بـ المبردؒ،

المتوفیٰ سنة: ٢٨٥هـ، عالم الكتب، بيروت.

❁ ـــ المقنع، للإمام موفق الدين أبي محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسيؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٢٠هـ، هجر للطباعة والنشر والتوزيع.

❁ ـــ الممتع في شرح المقنع، لزين الدين المُنجّى بن عثمان بن أسعد التنوخي الحنبليؒ، المتوفى سنة: ٦٩٥هـ، مكتبة الأسدي، المكة المكرمة.

❁ ـــ المنتقیٰ (شرح مؤطأ الإمام مالك)، للإمام القاضي أبي الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجيؒ، المتوفیٰ سنة: ٤٩٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ ـــ المنهاج شرح النووي علیٰ صحيح الإمام مسلم ، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين بن شرف النوويؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٧٦هـ، دار المعرفة / المطبعة المصرية بالأزهر.

❁ ـــ المواهب اللدنية بالمنح الحمدية، للعلامة أبي العباس أحمد بن محمد بن أبي بكر القسطلانيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٢٣هـ، المكتبة التوفيقية، القاهرة.

❁ ـــ الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت.

❁ ـــ المؤطا، للإمام الهمام محمد بن الحسن الشيبانيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٨٩هـ، مكتبة البشریٰ، كراتشي

❁ ـــ المؤطا، للإمام مالك بن أنس الأصبحيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٧٩هـ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ المُغرِب في ترتيب المعرب، للإمام اللغوي أبي الفتح ناصر الدين المطرزيؒ، المتوفیٰ سنة: ٦١٠هـ، مكتبة أسامة بن زيد، حلب.

❁ ـــ النبراس على شرح العقائد، للإمام الحافظ أبي عبد الرحمن عبد العزيز بن أبي حفص أحمد بن حامد الفرهاويؒ، المتوفیٰ سنة: ١٢٣٩، مكتبة الرشيدية، كوئتة.

❁ ـــ النجم الوهاج في شرح المنهاج، لأبي البقاء كمال الدين محمد بن موسى بن عيسى الدميري الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٨٠٨هـ، لجنة علمية.

❁ ـــ النهاية في غريب الحديث والأثر، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بـ ابن الأثيرؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٠٦هـ، دار المعرفة، بيروت.

❁ ـــ الوسيط في المذهب، للإمام أبي حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي الشافعيؒ، المتوفیٰ

سنة: ٥٠٥هـ، دار السلام القاهرة.

❁ــ الإصابة في تمييز الصحابة، للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٥٢ هـ، دار الفكر، بيروت / دار الجيل، بيروت.

❁ــ الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، لابن الملقن سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصريؒ، المتوفى سنة: ٨٠٤هـ، دار العاصمة للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية.

❁ــ الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، لشمس الدين محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٩٧٧هـ، درا الفكر، بيروت.

❁ــ الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، للإمام شرف الدين موسیٰ بن أحمد بن موسیٰ أبي النجا الحجاويؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٦٠هـ، دار المعرفة، بيروت.

❁ــ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبلؒ، للإمام علاء الدين أبي الحسن علي بن سليمان بن أحمد المرداوي السعدي الحنبليؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٨٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ الإيمان، لأبي عبد الله محمد بن إسحاق بن محمد بن يحيى بن مَنده العبديؒ، المتوفى سنة: ٣٩٥ء، مؤسسة الرسالة، بيروت.

❁ــ *انوار الباری، مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوریؒ، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان*

❁ــ *ایضاح البخاري، افادات: مولانا سید فخر الدینؒ، مرتب: مولانا ریاست علی بجنوری، قدیمی کتب خانہ، کراچی.*

❁ــ أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار، لأبي الوليد محمد بن عبد الله بن أحمد بن محمد بن الوليد الغساني المكي المعروف بـ الأزرقيؒ، المتوفى سنة: ٢٥٠هـ، دار الأندلس، بيروت.

❁ــ أسد الغابة في معرفة الصحابة، للإمام عز الدين أبي الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بـ ابن الأثيرؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٣٠ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ أسنیٰ المطالب في أحاديث مختلفة المراتب، للإمام المحدث أبي عبد الرحمن محمد بن درويش الحوت البيروتيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٢٧٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري ، للإمام المحدث أبي سليمان حمد بن محمد

الخطابيؒ، المتوفیٰ سنة: ۳۸۸ھ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القریٰ، مكة المكرمة.

❁ــ أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب (مطبوع مع شرح محمد بن أحمد عبد الباري الأهدل، المسمى: بـ فتح الكريم القريب شرظ أنموذج اللبيب) لعبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطيؒ، المتوفى سنة: ۹۱۱ھ، وزارة الإعلام بجدة.

❁ــ أوجز المسالك، للإمام المحدث محمد زكريا الكاندهلوي المدنيؒ، المتوفیٰ سنة: ۱۴۰۲ھ، دار القلم، دمشق.

❁ــ إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، لمحمد بن علي بن مطيع المعروف بـ ابن دقيق العيدؒ، المتوفیٰ سنة: ۷۰۲ھ، مطبعة السنة المحمدية.

❁ــ إرشاد الساري، للإمام شهاب الدين أبي العباس أحمد بن محمد الشافعي القسطلانيؒ، المتوفیٰ سنة: ۹۲۳ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــ إسعاف المبطأ برجال المؤطا، لعبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطيؒ، المتوفیٰ سنة: ۹۱۱ھ، المكتبة التجارية الكبریٰ، مصر.

❁ــ إعلام الساجد بأحكام المساجد، لأبي عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي الشافعيؒ، المتوفیٰ سنة: ۷۹۴ھ، المجلس الأعلى للشئوون الإسلامية.

❁ــ إكمال المعلم بفوائد مسلم، للإمام الحافظ أبي الفضل عياض بن موسیٰ بن عياض اليحصبيؒ، المتوفیٰ سنة: ۵۴۴ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــ إكمال تهذيب الكمال، للعلامة علاء الدين مغلطائي ابن قليح بن عبدالله الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ۷۶۲ھ، الفاروق الحديثية للطباعة والنشر.

❁ــ إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، للإمام أبي عبدالله محمد بن خلفة الوشتاني الأُبّي المالكيؒ، المتوفیٰ سنة: ۸۲۷ أو ۸۲۸ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، للإمام علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ۵۸۷ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــ بداية المجتهد ونهاية المقتصد، للإمام القاضي أبي الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد

ابن رشد المالكي القرطبيؒ، المتوفى سنة: ٥٩٥ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ بذل المجهود ، للشيخ المحدث خليل أحمد السهارنبوريؒ، المتوفیٰ سنة: ١٣٤٦ھ، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي.

❁ ـــ بُغية الرائد في تحقيق "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد"، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثميؒ، المتوفى سنة: ٨٠٧ھ، دار الفكر.

❁ ـــ بُلغة السالك لأقرب المسالك المعروف بـ حاشية الصاوي على شرح الصغير، للشيخ أحمد الصاويؒ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ تاج العروس ، للشيخ أبي الفيض محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسيني ، الملقب بـ مرتضیٰ الزبيديؒ، المتوفیٰ سنة: ١٢٠٥ھ، دار الهداية.

❁ ـــ تاريخ ابن معين، لأبي زكريا يحيى بن معين بن عون بن زياد البغداديؒ، المتوفیٰ سنة: ٢٣٣ھ، مجمع اللغة العربية، دمشق.

❁ ـــ تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقيؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٤٨ھ، دار الكتاب العربي.

❁ ـــ تبيين الحقائق، للإمام فخر الدين بن عثمان بن علي الزيلعي الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٤٣ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة، للقاضي ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاويؒ، المتوفى سنة: ٦٨٥ھ، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، الكويت.

❁ ـــ تحفة الأحوذي بشرح الجامع للإمام الترمذي ، للإمام الحافظ أبي العلي محمد بن عبدالرحمن ابن عبدالرحيم المباركفوريؒ، المتوفیٰ سنة: ١٣٥٣ھ، دار الفكر.

❁ ـــ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّيؒ، المتوفیٰ:٧٤٢ھ، المكتب الإسلامي، بيروت.

❁ ـــ تحفة الباري شرح صحيح البخاري، للإمام شيخ الإسلام أبي يحيیٰ زكريا بن محمد الأنصاري الشافعيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٢٦ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــ تحفة الحبيب على شرح الخطيب المعروف بـ حاشية البجيرمي على الخطيب، لسليمان بن محمد بن عمر البُجَيرِمي المصري الشافعيؒ، المتوفى سنة: ١٢٢١ھ، دار الفكر.

❁ــ تحفة المحتاج في شرح المهاج، لأحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتميؒ، المتوفى سنة: ٩٧٤ھ، دار إحياء التراث العربي.

❁ــ تحفة الملوك في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان، للإمام زين الدين محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الرازيؒ، المتوفىٰ بعد سنة: ٦٦٦ھ، مكتبة معهد عثمان بن عفان، كراتشي.

❁ــ تعظيم قدر الصلوٰة، لأبي عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوِزي، المتوفى سنة: ٢٩٤ھ، مكتبة الدار، المدينة المنورة.

❁ــ تعليقات الشيخ المحدث محمد عوامه علىٰ الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨ھ، دار المعرفة.

❁ــ تعليقات الشيخ أحمد محمد شاكر والشيخ محمد فؤاد عبد الباقي علىٰ جامع الترمذي، للإمام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة ابن موسىٰ الترمذيؒ، المتوفى سنة: ٢٧٩ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

❁ــ تعليقات الإمام المحدث محمد يحيٰ الكاندهلويؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٣٤ھ، على "لامع الدراري علىٰ جامع البخاري"، للإمام الفقيه المحدث الشيخ رشيد أحمد الكنكوهيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٢٣ھ، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة.

❁ــ تعليقات على المصنف لابن أبي شيبة، للشيخ محمد عوامة، إدارة القرآن كراتشي.

❁ــ تغليق التعليق، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ ھ، المكتبة الأثرية باكستان.

❁ــ تفسير الراغب، لأبي القاسم الحسين بن محمد المعروف بـ الراغب الأصفهانيؒ، المتوفى سنة: ٥٠٢ھ، كلية الأدب، جامعة طنطا.

❁ــ تفسير السعدي الشهير بـ تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، لعبد الرحمن بن ناصر

بن عبد الله السعديؒ، المتوفى سنة: ١٣٧٦ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ــــ تفسير السمرقندي،المسمى بـ "بحر العلوم" للإمام الفقيه أبي الليث نصر بن محمد السمرقندي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ٣٧٥ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــــ تفسير السمعاني، لأبي المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار المروزي السمعاني الحنفي ثم الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٤٨٩ھ، دار الوطن الرياض.

❁ــــ تفسير القرآن العظيم (تفسير ابن كثير)، للإمام الجليل الحافظ عماد الدين أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٧٤ھ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، القاهرة.

❁ــــ تفسير الماتريدي، لمحمد بن محمد بن محمود، أو منصور الماتريديؒ، المتوفى سنة: ٣٣٣ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــــ تقريب التهذيب،للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجرشهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ھ، دار الرشيد ،سوريا،حلب.

❁ــــ تقرير بخاري، للشيخ العلام محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله ، المتوفىٰ سنة ١٤٠٢، مكتبة الشيخ، كراتشي.

❁ــــ تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، لعبد الله بن عباس رضي الله عنهما، المتوفى سنة: ٦٨ھ، دار الكتب العلمية، لبنان.

❁ــــ تهذيب التهذيب، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجرشهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ــــ تهذيب الكمال في أسماء الرجال، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٢ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ــــ تهذيب اللغة للأزهري، لإمام اللغة العلامة أبي منصور بن أحمد الأزهري رحمه الله ، المتوفىٰ سنة: ٣٧٠ھ، المؤسسة المصرية العامة للتأليف والنشر.

❁ــــ جامع الأصول في أحاديث الرسول، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بـ ابن الأثيرؒ،المتوفىٰ سنة: ٦٠٦ھ، دار الفكر.

❁ ــجامع البيان عن تأويل آي القرآن (راجع إلىٰ تفسير الطبري)

❁ ـــ جواهر العقود ومعين القضاة والموقعين والشهود، لشمس الدين محمد بن أحمد بن علي الأسيوطي القاهري الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٨٨٠ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــحاشية الروض المربع شرح زاد المستقنع، لعبد الرحمن بن محمد قاسم العاصمي الحنبلي النجديؒ، المتوفى سنة: ١٣٩٢ھ.(ما كتب إسم المكتبة على المجلد)

❁ ـــ حاشية السندي على سنن النسائي،للإمام أبي الحسن نور الدين محمد بن عبدالهادي السنديؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٣٨ھ ،دار المعرفة ،بيروت/ قديمي كتب خانه،كراتشی.

❁ ــ حاشية السيوطي على سنن النسائي، لعبد الرحمن بن أبي بكر جلا الدين السيوطيؒ، المتوفى سنة: ٩١١ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية./ قديمي كتب خانه،كراتشی.

❁ ــ حاشية الطحطاوي على الدر المختار، للشيخ أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ١٢٣١ھ، دارالمعرفة، بيروت.

❁ ــحاشية قليوبي وعميرة على منهاج الطالبين، لشهاب الدين أحمد بن أحمد بن سلامة القليوبيؒ، المتوفى سنة: ١٠٦٩ھ، ولشهاب الدين أحمد البرنسي الملقب بـ عميرةؒ، المتوفى سنة: ٨٦٤ھ، مطبعة: مصطفى البابي الحلبی.

❁ ــ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، للحافظ أبي نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠ھ، دار الفكر، بيروت/ دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ ـــخلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال) ، للعلامة صفي الدين الخزرجيؒ، المتوفىٰ بعد سنة: ٩٢٣ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

❁ ــ خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، للإمام علي بن عبد الله بن أحمد الحسيني السمهوديؒ، المتوفى سنة: ٩٢٢ھ، طبع على نفقة السيد حبيب محمود أحمد.

❁ ــ درر الحكام شرح غرر الأحكام، لمحمد بن فرامرز بن علي الشهير بـ ملا أو بـ منلا خسروؒ، المتوفى سنة: ٨٨٥ھ، دار إحياء الكتب العربية.

❁ ــذخيرة العقبى في شرح المجتبى، شرح سنن النسائي، للشيخ محمد بن علي بن آدم بن موسى

الإثيوبي الولَّوِيّ، دار المعراج.

﴿ ـــرد المحتار، لـلفقيه العلام محمد أمين بن عمر، الشهير بابن عابدين الشاميّ، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢ ه‍ ، دار عالم الكتب / دار الثقافة والتراث، دمشق، سورية

﴿ ـــ روضة الطالبين، للعلامة محي الدين يحيٰ بن شرف بن مري النوويّ، المتوفىٰ: ٦٧٦ه‍، طبعة خاصة: ١٤٢٣ه‍، دار عالم الكتب، الرياض

﴿ ـــ سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، للإمام محمد بن يوسف الصالحي الشاميّ، المتوفىٰ سنة: ٩٤٢ه‍، وزارة الأوقاف، لجنة إحياء التراث الإسلامي، مصر

﴿ ـــسراج القاري ، للشيخ عبدالرحيم مد ظله، الجامعة القاسمية دار العلوم زكريا بهند.

﴿ ـــ سلسلة الآثار الصحيحة أو الصحيح المسند من أقوال الصحابة والتابعين، للشيخ أبي عبد الله الداني بن منير آل زهوي، دار الفاروق.

﴿ ـــ سنن ابن ماجه، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن يزيد الربعي ابن ماجه القزوينيّ، المتوفىٰ سنة: ٢٧٣ه‍ دار السلام.

﴿ ـــسنن الترمذي، للإمام المحدث الحافظ محمد بن عيسىٰ بن سورة الترمذيّ، المتوفىٰ سنة: ٢٧٩. دار السلام.

﴿ ـــسنن النسائي، للإمام الحافظ أبي عبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي ابن سنان النسائيّ، المتوفىٰ سنة: ٣٠٣ه‍، دار السلام.

﴿ ـــ سنن أبي داؤد ، للإمام الحافظ أبي داؤد سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأذدي السجستانيّ، المتوفىٰ سنة: ٢٧٥ه‍، دار السلام.

﴿ ـــ سير أعلام النبلاء، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبيّ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨ه‍، مؤسسة الرسالة.

﴿ ـــ سیرۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ، متوفی: ۱۸۹۹ھ، دارالاشاعت کراچی.

﴿ ـــ شرح ابن بطال علىٰ صحيح البخاري، لأبي الحسن علي بن خلف بن عبدالملك ابن بطال البكري القرطبيّ، المتوفىٰ سنة: ٤٤٩ه‍، دار الكتب العلمية.

۞ ـــ شـرح التلقين، لأبي عبد الله محمد بن علي بن عمر التميمي المازري المالكيؒ، المتوفیٰ سنة: ٥٣٦هـ، دار الغرب الإسلامی.

۞ ـــ شـرح الزرقاني علىٰ المواهب اللدنية، للإمام محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقانيؒ، المتوفیٰ سنة: ١١٢٢هـ، درالكتب العلمية.

۞ ـــ شـرح الـزرقـانـي عـلىٰ المؤطأ،للإمام محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقانيؒ، المتوفیٰ سنة: ١١٢٢هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــ شرح السنة، لأبي محمد الحسين بن مسعود البغويؒ، المتوفى سنة:٥١٦هـ، دارالكتب العلمية.

۞ ـــ شرح الفقه الأكبر، للعلامة علي بن سلطان محمد القاريؒ، المتوفى سنة:١٠١٤هـ، دار البشائر.

۞ ـــ شـرح الـكرماني، (الكواكب الدراري) ، للإمام العلام شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرمانيؒ ، المتوفیٰ سنة: ٧٨٦، دار إحياء التراث العربي.

۞ ـــ شـرح الـمـقـاصـد، لسعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازانيؒ، المتوفى سنة: ٧٩١هـ، مكتبة البشری، كراتشي.

۞ ـــ شرح النووي على صحيح مسلم، للعلامة محي الدين يحيٰ بن شرف بن مري النوويؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٧٦هـ، الطبعة المصرية، الأزهر.

۞ ـــ شـرح أبـي داؤد، لـلإمام بدرالدين أبي محمد محمود بن أحمد العينيؒ، المتوفى سنةٰ: ٨٥٥هـ، مكتبة الرشد، الرياض.

۞ ـــ شرح سنن النسائي المسمى بـ شروق أنوار المِنن الكبری الإلهيه بكشف أسرار السنن الصغریٰ النسائية، للشيخ محمد المختار بن محمد بن أحمد مزيد الجكني الشنقيطيؒ، المتوفى سنة: ١٤٠٥هـ، طبع على نفقة أحد المحسنين.

۞ ـــ شرح عقيدة الطحاوية للبابرتي، لمحمد بن محمد بن محمود الرومي البابرتي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ٧٨٦هـ، زم زم پبلشرز كراتشي.

۞ ـــ شـرح عـقيدة الطحاوية، لعبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقيالميداني الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٢٩٨هـ، زم زم پبلشرز كراتشي.

❁ــ شرح مختصر الطحاوي، لأحمد بن علي أبي بكر الرازي الجصاص الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٧٠هـ، دار البشائر الإسلامية.

❁ــشرح مختصر خليل، لمحمد بن عبد الله الخرشي المالكيؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٠١هـ، دار الفكر.

❁ــ شرح معاني الآثار ، للإمام المحدث الفقيه أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاويؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٢١هـ، عالم الكتاب.

❁ــ صحيح ابن خزيمة، لأبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة السلمي النيسابوريؒ، المتوفىٰ سنة: ٣١١هـ، المكتب الإسلامي.

❁ــ صحيح البخاري، للإمام أبوعبدالله محمد بن إسماعيل البخاريؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٥٦هـ، دار السلام.

❁ــ صحيح الإمام مسلم، للإمام الحافظ أبي الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشري النيسابوريؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٦١هـ، دارالسلام.

❁ــ ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري، للإمام عبد الله بن سالم بن محمد البصري المكي الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٣٤هـ، دار النوادر.

❁ــطرح التثريب في شرح التقريب، للإمام الحافظ زين الدين أبي الفضل عبد الرحيم بن الحسين العراقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٠٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

❁ــطلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية، لعمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، النسفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٥٣٧هـ، المطبعة العامرة.

❁ــ عمدة القاري، للإمام بدرالدين ابومحمد محمود بن أحمد العينيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية/إدارة الطباعة المنيرية.

❁ــغاية التحقيق، لعبد العزيز بن أحمد ابن محمد البخاريؒ، مير محمد كتب خانه، كراتشي.

❁ــ غاية المقال فيما يتعلق بالنعال (مطبوع في مجموعة رسائل اللكنوي المجلد الأول)، للإمام المحدث محمد عبد الحي اللكنوي الهندي الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٠٤هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

۞ ــغنية الناسك في بغية المناسك، للعلامة محمد حسن شاه المهاجر المكيؒ، إدارة القرآن كراتشي.

۞ ــــفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية، للعلامة فخر الدين حسن بن منصور الأوزجنديؒ، المتوفى سنة: ٥٩٢هـ، دار الفكر.

۞ ــ فتح الباري شرح صحيح البخاري، للإمام العلام زين الدين عبدالرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبليؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٩٥هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ــــ فتح الباري، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجرالعسقلانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، دار المعرفة.

۞ ــ فتح القدير ، للشيخ الإمام كمال الدين محمد بن عبدالواحد، المعروف بـ ابن الهمام الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٨١هـ، المكتبة الرشيدية، كوئته.

۞ ــــ فتح المتعال في مدح النعال، لأحمد بن محمد بن أحمد بن يحيى المقريؒ، المتوفى سنة: ١٠٤١هـ، دار القاضي عياض للتراث، القاهره.

۞ ــــفتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين، لأحمد زين الدين عبد العزيز المعبري الفناني الشافعيؒ، دار ابن حزم.

۞ ــــفتح الملهم شرح صحيح مسلم ، للعلامة شبير أحمد العثمانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٦٩هـ، دار القلم ، دمشق.

۞ ــ فضل الباري، لشيخ الإسلام العلام شبير أحمد العثمانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٦٩هـ، إدارة العلوم الشرعية بكراتشي.

۞ ــــ فقه اللغة و أسرار العربية،للإمام أبي منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعيل الثعالبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠هـ، المكتبة العصرية،بيروت.

۞ ــــ فيض الباري على صحيح البخاري، لفقيه المحدث الشيخ محمد أنور الكشميري ثم الديوبنديؒ، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ــــ فيض القدير شرح الجامع الصغير، للعلامة محمد عبد الرؤف بن تاج العارفين المناويؒ، المتوفىٰ سنة:١٠٣١هـ، دار المعرفة ، بيروت.

۞ ـــ قاموس الفقه: شیخ علامہ مفتی سیف اللہ خالد دام فیوضہم، زم زم پبلشرز، کراچی.

۞ ـــ كتاب التعريفات، للفاضل العلامة علي بن محمد الشريف الجرجانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨١٦هـ، مكتبة لبنان، بيروت.

۞ ـــ كتاب الثقات، للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد أبي حاتم التميمي البستيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٥٤هـ، دار الفكر.

۞ ـــ كتاب الفروع (و معه تصحيح الفروع للمرداويؒ) لشمس الدين محمد بن مفلح المقدسيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٦٣هـ، مؤسسة الرسالة.

۞ ـــ كتاب المبسوط، للإمام شمس الأئمة الفقيه أبي بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٩٠هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــ كشف الباري، لشيخ الحديث مولانا سليم الله خان نور الله مرقده، المتوفىٰ سنة: ١٤٣٩هـ، المكتبة الفاروقية، كراتشي.

۞ ـــ كشف المشكل من حديث الصحيحين، للإمام الحافظ جمال الدين أبي الفرج عبدالرحمن بن علي بن محمد الجوزيؒ، المتوفىٰ سنة: ٥٩٧هـ، دارالنشر.

۞ ـــ كنز العمال في سنن أقوال والأفعال، للعلامة علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهنديؒ، المتوفىٰ سنة: ٩٧٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

۞ ـــ كوثر معاني الدارري في كشف خبايا صحيح البخاري، للإمام محمد الخضر الجكي الشنقيطيؒ، المتوفى سنة: ١٢٥٤هـ، مؤسسة الرسالة.

۞ ـــ لسان العرب، للإمام العلام أبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظورالأفريقي المصريؒ، المتوفىٰ سنة: ٧١١هـ، دار إحياء التراث العربي.

۞ ـــ لغات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، دارالاشاعت، کراچی.

۞ ـــ ماہنامہ بینات، جامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے نکلنے والا ماہنامہ.

۞ ـــ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثميؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٠٧هـ، دار الفكر، بيروت.

۞ ـــ مختار الصحاح، للإمام محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازيؒ، المتوفىٰ بعد سنة: ٦٦٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

۞ ـــ مذكرة القول الراجح مع الدليل (شرح منار السبيل)، لخالد بن إبراهيم الصقعبي الحنبليؒ، دار أم المؤمنين خديجة بنت خويلد.

۞ ـــ مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، لحسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفيؒ، المتوفى سنة: ١٠٦٩هـ، المكتبة العصرية.

۞ ـــ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ، للعلامة الشيخ علي بن سلطان محمد القاريؒ، المتوفىٰ سنة: ١٠١٤هـ ، دار الكتب العملية ، بيروت

۞ ـــ مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه، لإسحاق بن منصور بن بهرام، أبي يعقوب المروزي المعروف بـ الكوسجؒ، المتوفى سنة: ٢٥١هـ، عمادة البحث العلمي، المملكة العربية السعودية.

۞ ـــ *مسائل بہشتی زیور، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد زید مجدہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی.*

۞ ـــ مسند الحميدي ، للإمام المحدث أبي بكر عبدالله بن الزبير القرشي المعروف بالحميديؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٩هـ، دار الفكر،بيروت.

۞ ـــ مسند الطيالسي، للإمام المحدث سليمان بن داؤد بن الجارودؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٤هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــ مسند الفاروق،لأبي الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٧٤هـ، دار الوفاء.

۞ ـــ مسند أبي عوانة، للإمام الجليل أبي عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائينيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣١٦هـ، دار المعرفة، بيروت.

۞ ـــ مسند أبي يعلى موصلي، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن المثنى التميميؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٠٧هـ، دار المأمون للتراث، دمشق.

۞ ـــ مسند أحمد، للإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيبانيؒ، المتوفىٰ سنة:٢٤١هـ، مؤسسة الرسالة.

❁ ــ مسند أبي داؤد الطيالسي، للإمام المحدث أبي داؤد سليمان بن داؤد بن الجارودؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٤هـ، دار الكتب العلمية.

❁ ــ مشارق الأنوار علىٰ صحاح الآثار، للإمام الشهير الكبير القاضي أبي الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي البتي المالكيؒ، المتوفى سنة: ٥٤٤هـ، دار التراث، القاهرة.

❁ ــ مشكوٰة المصابيح، للإمام محمد بن عبد الله الخطيب التبريزيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤١هـ، المكتب الإسلامي.

❁ ــ مصابيح الجامع، لمحمد بن أبي بكر بن عمر بن أبي بكر بن محمد المخزومي القرشي المعروف بـ الدمامينيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٢٧هـ، دار النوادر، سوريا.

❁ ــ معالم التنزيل للبغوي (مختصر تفسير بغوي) لعبد الله بن أحمد بن علي الزيدؒ، دار السلام.

❁ ــ معالم السنن، لأبي سليمان حمد بن محمد بن إبراهيم بن الخطاب البستي المعروف بـ الخطابيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٨٨هـ، المطبعة العلمية، حلب.

❁ ــ معاني القرآن وإعرابه، لأبي إسحاق إبراهيم بن السري بن سهل الزجاجؒ، المتوفىٰ سنة: ٣١١هـ، عالم الكتب، بيروت.

❁ ــ معاني القرآن، لأبي زكريا يحيى بن زياد بن عبد الله بن منظور الديلمي الفراءؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٧هـ، دار المصرية، مصر.

❁ ــ معجم البلدان، لشهاب الدين أبي عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحمويؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٦هـ، دار صادر، بيروت.

❁ ــ معجم الصحاح، للإمام إسماعيل بن حماد الجوهريؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٩٣هـ، دار المعرفة.

❁ ــ معرفة السنن والآثار، لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسىٰ الخُسرَوجِردي الخراساني البيهقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٥٨هـ، دار الوعي، حلب.

❁ ــ معرفة الصحابة لأبي نعيم، للإمام المحدث العلامة أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق بن مهرانؒ، المعروف بـ أبي نعيم الأصبهانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠هـ، دار الوطن للنشر.

❁ ــ *معلم الحجاج، مولانا قاری سعید احمد سہارنپوریؒ، مکتبۃ البشریٰ، کراچی*

❁ ـــمغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، للشيخ شمس الدين محمد بن محمد الخطيب الشربيني الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٩٧٧هـ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــمناحل الشفا ومناهل الصفا بتحقيق كتاب شرف المصطفى صلى الله عليه وسلم، لأبي القاسم عند الكريم بن هوازن القشيريؒ، دار البشائر الإسلامية.

❁ ـــمنار القاري شرح مختصر صحيح البخاري، لحمزه محمد قاسم، دار البيان، دمشق.

❁ ـــمناسبات تراجم البخاري، للشيخ بدر الدين بن جماعةؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٣٣هـ، الدار السلفية.

❁ ـــ منـاهج التحصيل ونتائج لطائف التأويل في شرح المدونة وحل مشكلاتها، لأبي الحسن علي بن سعيد الجراجي المالكيؒ، المتوفیٰ سنة بعد: ٦٣٣هـ، دار ابن حزم.

❁ ـــ منهـاج الطـالبيـن وعمدة المفتين، لأبي زكريا محيى الدين يحيى بن شرف النوويؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٧٦هـ، دار الفكر.

❁ ـــمنية المصلي، للإمام سديد الدين محمد بن محمد بن علي الكاشغريؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٠٥هـ، مكتبة طيبة كوئٹه.

❁ ـــمواهب الجليل في الشرح الكبير، لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطالبلسي المغربي المعروف بـ الحطاب الرعينيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٥٤هـ، دار الفكر.

❁ ـــمواهب الجليل لشرح مختصر الخليل،لأبي عبد اللّٰه محمد بن محمد بن عبد الرحمٰن المغربي المتوفیٰ سنة: ٩٥٤هـ، دار عالم الكتب.

❁ ـــموسوعة رجال الكتب التسعة، لعبد الغفار سليمان البنداري، وسيد كسروي حسن، دار الكتب العلمية.

❁ ـــميزان الاعتدال في نقد الرجال، للإمام أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبيؒ، المتوفى سنةٰ: ٧٤٨هـ، دارالمعرفة، بيروت.

❁ ـــنخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، لبدر الدين أبي محمد محمود بن أحـمـد بـن مـوسى بن أحمد بن حسين الغتيابي الحنفي العينيؒ، المتوفى سنة: ٨٥٥هـ، وزارة الأوقاف والشئوون الإسلامية، قطر.

❁ ـــ نـزهة الألبـاب في قول الترمذي: "وفي الباب"، لأبي الفضل حسن بن محمد بن حيدر الوائلي

الصنعانيؒ، دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع.

❁ ـــنيل الأوطار شرح منتقىٰ الأخبار، للشيخ الإمام محمد بن علي الشوكانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁ ـــنيل المآرب بشرح دليل الطالب، لعبد القادر بن عمر بن عبد القادر ابن عمر بن أبي تغلب الشيباني الحنبليؒ، المتوفى سنة: ١١٣٥هـ، مكتبة الفلاح، الكويت.

❁ ـــهدي الساري، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، دار السلام، الرياض.